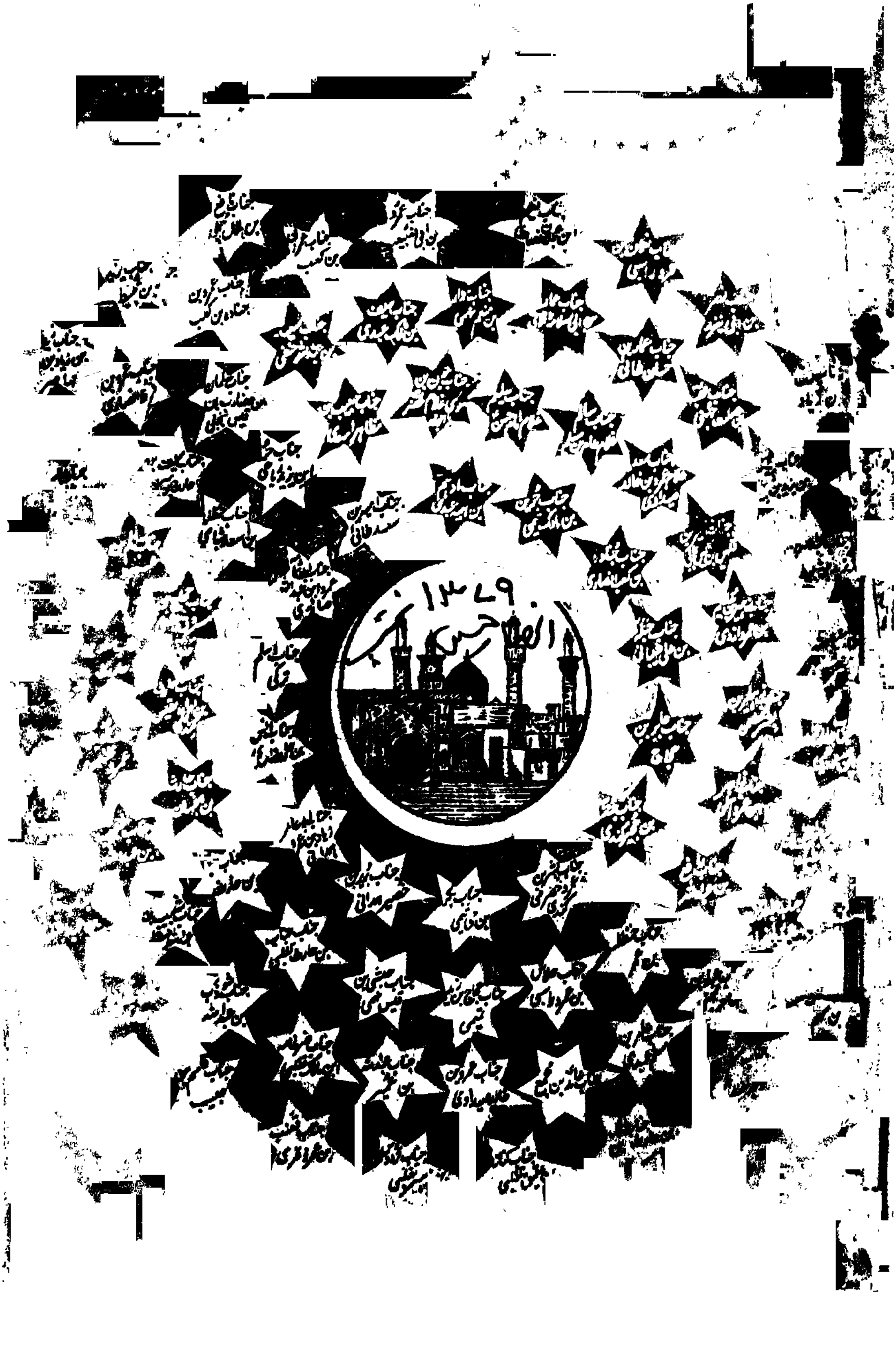


١٣٧٩

عطیہ حکیم حیدر صاحب

از لکھنؤ

انصار حسینؑ نمبر

جلد ۳۷

حصہ اوّل

نمبر ۴۷ و ۴۸

۱۷ر جون ۱۹۶۰ء مطابق ۲۱ر ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

ایڈیٹر
مصطفٰے حسن رضوی

قیمت
تین روپے

شیخ ممتاز حسین پرنٹر و پبلشر نے
سرفراز قومی پریس لکھنؤ سے چھپوا کر
دفتر سرفراز سے شائع کیا

فہرست مضامین

اسمائے مبارک شہیدانِ کربلا

بہ لحاظ حروفِ تہجی

۱۔ جناب ابراہیم بن امیہ ابدی
۲۔ جناب امیہ بن سعد طائی
۳۔ جناب ابو ثمامہ عمرو ابن عبداللہ صائدی
۴۔ جناب اسلم ترکی
۵۔ جناب انس بن حارث اسدی
۶۔ جناب ابو عامر زیاد بن عمرو ہمدانی
۷۔ جناب بریر بن خضیر ہمدانی
۸۔ جناب بکر بن حی تیمی
۹۔ جناب بشر بن عمرو حضرمی کندی
۱۰۔ جناب جندب بن حجیر کندی
۱۱۔ جناب جابر بن حجاج
۱۲۔ جناب جبلہ بن علی شیبانی
۱۳۔ جناب جنادہ بن کعب انصاری
۱۴۔ جناب جوین بن مالک تیمی
۱۵۔ جناب جون بن حری غلام حضرت ابوذر
۱۶۔ جناب حبیب بن مظاہر اسدی
۱۷۔ جناب حُر ابن یزید ریاحی
۱۸۔ جناب حنظلہ بن اسعد شامی
۱۹۔ جناب حجاج بن مسروق جعفی (موذن حضرتؑ)
۲۰۔ جناب حارث بن امراء القیس کندی
۲۱۔ جناب حارث بن نبہان
۲۲۔ جناب حباب بن حارث
۲۳۔ جناب حباب بن حارث تغلبی
۲۴۔ جناب حبشی بن قیس نہمی
۲۵۔ جناب حجاج بن زید تیمی
۲۶۔ جناب حلاس بن عمرو راسبی
۲۷۔ جناب حنظلہ بن عمر
۲۸۔ جناب رافع بن عبداللہ
۲۹۔ جناب زاہر ابن عمرو اسلمی
۳۰۔ جناب زہیر ابن بشر خثعمی
۳۱۔ جناب زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی
۳۲۔ جناب زہیر بن قیس بن قیس بجلی
۳۳۔ جناب سعد غلام عمرو بن خالد صیداوی
۳۴۔ جناب سالم غلام عامر بن مسلم
۳۵۔ جناب سلیم غلام امام حسنؑ
۳۶۔ جناب سوار بن نعم نہمی
۳۷۔ جناب سیف بن مالک عبدی
۳۸۔ جناب سعید بن عبداللہ حنفی
۳۹۔ جناب سلمان بن مضارب بن قیس بجلی
۴۰۔ جناب سیف بن حارث بن سریع
۴۱۔ جناب سالم بن عمرو
۴۲۔ جناب سعد بن حارث
۴۳۔ جناب سوید بن عمرو خثعمی
۴۴۔ جناب شبیب بن عبداللہ
۴۵۔ جناب شبیب بن عبداللہ نہشلی
۴۶۔ جناب شوذب بن عبداللہ
۴۷۔ جناب ضرغامہ ابن مالک تغلبی
۴۸۔ جناب عبداللہ بن عمیر
۴۹۔ جناب عمرو ابن خالد صیداوی
۵۰۔ جناب عائذ بن مجمع
۵۱۔ جناب عامر بن مسلم عبدی
۵۲۔ جناب عباد بن مہاجر جہنی
۵۳۔ جناب عبدالرحمٰن بن عبدرب انصاری
۵۴۔ جناب عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن کدن ارحبی
۵۵۔ جناب عبدالرحمٰن ابن مسعود تیمی
۵۶۔ جناب عبداللہ بن بشر خثعمی
۵۷۔ جناب عبداللہ بن عمیر کلبی
۵۸۔ جناب عبداللہ بن یزید بن ثبیط
۵۹۔ جناب عبیداللہ بن یزید بن ثبیط
۶۰۔ جناب عقبہ بن صلت جہنی
۶۱۔ جناب عمار بن حسان طائی
۶۲۔ جناب عمار بن ابی سلامہ دالانی
۶۳۔ جناب عمرو بن ابی ضبیعہ
۶۴۔ جناب عمران بن کعب
۶۵۔ جناب عمرو بن جنادہ بن کعب
۶۶۔ جناب عمرو بن قرظہ انصاری
۶۷۔ جناب عابس بن ابی شبیب شاکری
۶۸۔ جناب عبداللہ بن عروہ غفاری
۶۹۔ جناب عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری
۷۰۔ جناب عمرو بن جندب حضرمی
۷۱۔ جناب قارب بن عبداللہ
۷۲۔ جناب قاسط بن زہیر تغلبی
۷۳۔ جناب قاسم بن حبیب
۷۴۔ جناب قعنب بن عمرو نمری
۷۵۔ جناب کردوس بن زہیر تغلبی
۷۶۔ جناب کنانہ بن عتیق تغلبی
۷۷۔ جناب مالک ابن حارث بن سریع
۷۸۔ جناب مسلم ابن عوسجہ اسدی
۷۹۔ جناب منجح ابن سہم
۸۰۔ جناب مجمع بن عبداللہ مذحجی
۸۱۔ جناب مجمع بن زیاد جہنی
۸۲۔ جناب مسعود بن حجاج تیمی
۸۳۔ جناب مسلم بن کثیر ازدی
۸۴۔ جناب مقسط بن زہیر تغلبی
۸۵۔ جناب منیع بن زیاد
۸۶۔ جناب نصر بن ابی نیزر
۸۷۔ جناب نعمان بن عمرو راسبی
۸۸۔ جناب نعیم ابن عجلان انصاری
۸۹۔ جناب نافع بن ہلال جملی
۹۰۔ جناب یزید بن ثبیط
۹۱۔ جناب یزید بن زیاد مہاصر
۹۲۔ جناب یزید بن مغفل جعفی

اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ جو اصحابِ رسالت مآبؐ تھے

۱۔ جناب مسلم بن عوسجہ
۲۔ جناب زاہر بن عمرو اسلمی کندی
۳۔ جناب شبیب بن عبداللہ مولیٰ ہمدانی
۴۔ جناب عبدالرحمٰن بن عبدربہ انصاری خزرجی
۵۔ جناب عمار بن ابی سلامہ دالانی
۶۔ جناب مسلم بن کثیر صدفی
۷۔ جناب حبیب بن مظاہر
۸۔ جناب انس بن حارث اسدی

اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ جو اصحاب امیر المومنینؑ تھے

۱۔ جناب عبداللہ بن عمیر کلبی
۲۔ جناب مجمع بن عبداللہ مذحجی
۳۔ جناب جنادہ بن حارث سلمانی
۴۔ جناب جندب بن حجیر کندی
۵۔ جناب امیہ بن سعد طائی
۶۔ جناب جبلہ بن علی شیبانی
۷۔ جناب حارث بن نبہان
۸۔ جناب حلاس بن عمرو ازدی
۹۔ جناب شبیب بن عبداللہ نہشلی
۱۰۔ جناب قاسط بن زہیر تغلبی
۱۱۔ جناب کردوس بن زہیر تغلبی
۱۲۔ جناب مقسط بن زہیر تغلبی
۱۳۔ جناب نعمان بن عمرو ازدی
۱۴۔ جناب نعیم بن عجلان انصاری
۱۵۔ جناب ابو ثمامہ صائدی
۱۶۔ جناب شوذب بن عبداللہ
۱۷۔ جناب جون غلام ابوذر غفاری
۱۸۔ جناب حجاج بن مسروق جعفی
۱۹۔ جناب سعد بن حارث
۲۰۔ جناب یزید بن مغفل جعفی
۲۱۔ جناب عمر بن جندب حضرمی

اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ جو حفاظ قرآن تھے

۱۔ جناب بریر بن حضیر ہمدانی
۲۔ جناب عبدالرحمن بن عبدالرب انصاری
۳۔ جناب کنانہ بن عتیق تغلبی
۴۔ جناب نافع بن ہلال جملی
۵۔ جناب حنظلہ بن اسعد
۶۔ جناب غلام ترکی

اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ جو علما اور راویان حدیث تھے

۱۔ جناب مسلم بن عوسجہ
۲۔ جناب حبشہ بن قیس نہمی
۳۔ جناب زاہر بن عمرو اسلمی
۴۔ جناب سوار بن ابی امیر نہمی
۵۔ جناب عبدالرحمن بن عبدالرب انصاری
۶۔ جناب حبیب بن مظاہر اسدی
۷۔ جناب نافع بن ہلال
۸۔ جناب شوذب بن عبداللہ
۹۔ جناب انس بن حارث اسدی
۱۰۔ جناب جناب عقبہ بن صلت جہنی

اسمائے گرامی انصارِ حسینؑ جو شجاعان روزگار تھے

۱۔ جناب حُر بن یزید ریاحی
۲۔ جناب مسلم بن عوسجہ اسدی
۳۔ جناب حارث بن امراء القیس کندی
۴۔ جناب عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدن ارحبی
۵۔ جناب سعید بن عبداللہ حنفی
۶۔ جناب مسعود بن حجاج تیمی
۷۔ جناب زہیر بن قین بجلی
۸۔ جناب عابس بن ابی شبیب شاکری
۹۔ جناب زیاد بن عریب ہمدانی
۱۰۔ جناب سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی

وہ انصارِ حسینؑ جو واقعۂ کربلا سے پہلے ہی شہید ہو گئے

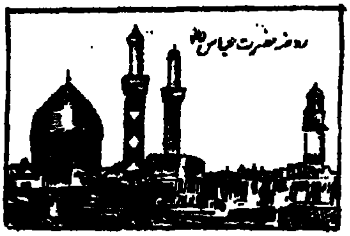
۱۔ جناب مسلم بن عقیل
۲۔ جناب ہانی بن عروہ
۳۔ جناب قیس مسہر صیداوی
۴۔ جناب عبداللہ بن یقطر
۵۔ جناب سلیمان شہید بصرہ

وہ انصار جو فوج یزیدی کو چھوڑ کر خدمت امامؑ میں چلے آئے

۱۔ جناب جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی
۲۔ جناب حارث بن امراء القیس بن عابس کندی
۳۔ جناب جابر بن حجاج تیمی
۴۔ جناب حلاس بن عمرو ازدی راسبی
۵۔ جناب نعمان بن عمرو ازدی راسبی
۶۔ جناب زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی
۷۔ جناب ضرغامہ بن مالک تغلبی
۸۔ جناب مسعود بن حجاج تیمی
۹۔ جناب عبدالرحمن بن مسعود
۱۰۔ جناب عبداللہ بن بشر خثعمی
۱۱۔ جناب عمر بن ضبیعہ بن قیس بن ثعلبہ ضبیعی تیمی
۱۲۔ جناب قاسم بن حبیب
۱۳۔ جناب بکر بن حی تیمی
۱۴۔ جناب حُر بن یزید ریاحی

وہ انصارِ حسینؑ جو غلام تھے

۱۔ جناب شبیب بن عبداللہ
۲۔ جناب سلیم
۳۔ جناب سعد مولائے عمرو بن خالد
۴۔ جناب نصر بن ابی نیزر
۵۔ جناب منجح بن سہم
۶۔ جناب جابر بن حجاج
۷۔ جناب سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدی
۸۔ جناب سلیمان شہید بصرہ
۹۔ جناب جون غلام ابوذر غفاری
۱۰۔ جناب قارب حضرت امام حسینؑ کے غلام
۱۱۔ جناب غلام ترکی
۱۲۔ جناب سعد بن حارث
۱۳۔ جناب شوذب ابن عبداللہ
۱۴۔ جناب نافع بن عبداللہ



گلدستہ

انصارِ امام حسین علیہ السلام

کی

سیرت و کردار پر تبصرے

حصۂ نظم

میر انیس مرحوم
مرزا دبیر مرحوم
نجم آفندی
مرزا جعفر اوج
عزیز لکھنوی مرحوم
خبیر
معجز سنبھلی
باقر رضوی امانت خانی
سید محمد باقر طباطبائی

حصۂ نثر

سید احتشام حسین رضوی
الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ
علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری
مولانا سید ابرار حسین صاحب پاروی مرحوم
سید امیر حیدر رضوی
سید اکبر علی پرنسپل شیعہ ڈگری کالج

فہرست

حصۂ نثر

حصۂ نظم

اصحاب حسینؑ کا مقام عظمت

(جناب پروفیسر سید احتشام حسین صاحب، لکھنؤ یونیورسٹی)

واقعۂ کربلا کے عناصر عظمت میں سب سے زیادہ اہم اور موثر عنصر تو خود امام حسینؑ کی ذات اور شخصیت ہے لیکن کچھ اور چیزیں شامل ہو کر اسے تاریخ کا منفرد واقعہ بنا دیا ہے جن میں اصحاب حسینؑ کے کارناموں کو بھی شریک کیا جا سکتا ہے۔ اصحاب حسینؑ میں سے ہر ایک اپنی منفرد حیثیت بھی رکھتا ہے اور مکمل سنت شہادت میں شامل ہو کر اس کے مجموعی جلال و جمال میں اضافہ بھی کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اصحاب حسینؑ تھے۔ حسینؑ نہ ہوتے تو نہ کربلا کا المیہ وجود میں آتا اور نہ ان واقعات کا وہ ہلاکت آفرین تسلسل پیش کرتی جس نے کربلا کی دلدوز داستان تیار کر دی، نہ اعزا اور اصحاب حسینؑ کے یہ رنگارنگ، پر عظمت کردار ہماری نگاہوں کے سامنے آتے اور نہ حق و باطل کا یہ بے مثال معرکہ نمودار ہوتا جو اخلاق اور بد اخلاقی کے پرکھنے کے لیے کسوٹی بن گیا۔ اس لیے اصحاب حسینؑ کو حسینؑ سے الگ کر کے دیکھنا ان کی شخصیت کے صحیح خد و خال ہماری نگاہوں سے پوشیدہ کر دے گا۔ اسی آفتاب نے انھیں منور کیا تھا، اسی سرچشمۂ فیض نے انھیں توانائی بخشی تھی۔ کہا جا سکتا ہے کہ وہ واقعی اسی مٹی سے بنائے گئے تھے جس سے حسینؑ کا پیکر عظمت تیار ہوا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی رفتار و گفتار میں، عزائم اور عقائد میں، مقاصد اور خیالات میں، خواہش مرگ و حیات میں کردار حسینی کی جھلک ملتی ہے اور وہ نہ صرف واقعۂ کربلا کا بلکہ حسینؑ کے مقصد حیات کا ایک جز بن جاتے ہیں۔ ایسی عظیم الشان شخصیت کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے کی طاقت انھیں میں تھی، موت پر یقین کے باوجود شکوہ کا ایک لفظ زبان پر لائے بغیر اس طرح ثابت قدم رہنا انھیں کا کام تھا۔ وہ حسینؑ کے لیے باعث فخر تھے۔ اسی وجہ سے تو امام نے ایسی زبان سے ان کی تعریف و توصیف کی، یہ ان کی عظمت کے لیے اتنی بڑی سند ہے کہ اس کے بعد کسی اور کے کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ ان کے کرداروں کا حسین ترین پہلو جو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا ان کی وہ انفرادیت ہے جو اتنے بڑے واقعہ کے ہنگاموں میں اور عظیم المرتبت اعزائے حسینی کی قربانیوں کے باوجود ماند نہیں پڑتی۔ اس کا سمجھنا اور پرکھنا ہی ان کے مقام عظمت کا پہچاننا ہے۔

اگر امام حسینؑ کے ان جاں نثاروں کی ایک فہرست تیار کی جائے جو کربلا میں ان کے ساتھ کام آئے تو بعض عجیب اور غور طلب پہلو پیدا ہوتے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں اصحاب حسینؑ کہا جاتا ہے کون تھے؟ چند اہم نام یہ ہیں:-

مسلم ابن عوسجہ، حبیب ابن مظاہر، بریر ہمدانی، ہلال ابن نافع، زہیر قین، ابو ثمامہ صائدی، عابس شاکری، عبداللہ بن عمیر کلبی، سعید ابن عبداللہ، جون غلام ابوذر غفاری، شوذب غلام عابس، وہب ابن عبداللہ، حر ابن یزید ریاحی۔ یہ وہ اصحاب حسینی ہیں جن کے نام بار بار آتے ہیں اور ان کے متعلق کسی قدر تفصیلات بھی دی جاتی ہیں۔

واقعہ ہونے کی بات ہے الگ، کہیں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ امام حسینؑ سے کبھی پہلے زہیر قین یا حر یا وہب ابن عبداللہ سے ملاقات رہی ہو گی۔ قرائن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ امام حسینؑ زہیر قین سے حج کے بعد مکہ اور کربلا کے راستہ میں ملے، حر ابن یزید ریاحی سے کوفہ کی راہ میں ملاقات ہوئی، وہب ابن عبداللہ کلبی سے پہلی بار روز شہادت میدان کربلا میں ملنے کی صورت پیدا ہوئی۔ اس کے برعکس حبیب ابن مظاہر تھے

جنھیں "بچپن کا دوست" کہا جاتا ہے اور مسلم ابن عوسجہ تھے جنھیں کسی موقع پر حضرت علیؑ نے "بھائی" کہہ کر خطاب کیا تھا (اس سے حضرت مسلم ابن عوسجہ کی عمر کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے) انھیں بھی یقیناً امام کی صحبت کا شرف حاصل ہوا ہوگا۔ حضرت علیؑ کے دور خلافت میں جب امام حسینؑ کا قیام کوفہ میں تھا اس وقت بھی کچھ ایسے لوگوں سے ذاتی تعلقات قائم ہوئے ہوں گے جو بعد میں امام کے ہمراہ شہید ہوئے۔ چند ایسے بھی ہو سکتے ہیں جن سے حج کے موقع پر ملاقات ہوئی ہو یا جوش عقیدت میں مدینہ آ کر زیارت کر گئے ہوں۔ ان باتوں کی طرف اس لئے متوجہ کرنا ضروری ہے کہ اُس توقع اثر و نفوذ کا اندازہ ہو سکے جو حسینؑ کی ذات اور مقصد سے بجلی کی طرح دوسروں تک پہونچ رہی تھی اور ان کو اسی سانچے میں ڈھال رہی تھی۔ اصحاب کے انتخاب اور ان کے متعلق رائے قائم کرنے میں امام حسینؑ نے جو مردم شناسی ظاہر کی وہ اصحاب کے لئے زبردست سندِ عظمت ہے۔

امام حسینؑ کے سوا یہ کون جان سکتا تھا کہ زہیر قین کے دل میں حق و باطل کے متعلق فیصلہ کرنے میں کیا رکاوٹ ہے۔ کس قسم کی اُلجھن ہے، کون سا پردہ ہے جو اُٹھائے نہیں اٹھتا۔ اسی تذبذب کے عالم میں وہ امام حسینؑ سے دور دور اپنی راہ طے کر رہے ہیں۔ ان کے دل کے اندر امام حسینؑ کے سوا اور کوئی جھانک کر نہ دیکھ سکا کہ وہ آخری فیصلہ کے لیے کس اشارے کے منتظر ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت تک زہیر قین اُس گروہ میں گنے جاتے تھے جو حضرت علیؑ کا مخالف تھا۔ اگر ان کے اندر تبدیلی نہیں ہو رہی تھی تو وہ امام حسینؑ سے بچ بچ کر لیکن پھر بھی تھوڑے ہی فاصلہ پر کیوں پڑاؤ ڈالتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ میں خانہ کعبہ کے اندر امام حسینؑ کے قتل کا جو اہتمام کیا گیا' زہیر قین کو اس واقعہ نے متاثر کیا ہو' ہو سکتا ہے کہ زوجہ نے اُن کے "تذبذب" میں اضافہ کیا ہو کیونکہ جیسے ہی امام حسینؑ نے زہیر کو بلا بھیجا زہیر گھبرا گئے۔ یہ گھبرانا بالکل نفسیاتی تھا۔ اُن کی اندرونی کشمکش کا راز حسینؑ کو معلوم ہو گیا تھا' فیصلہ اور نئی سمت میں قدم اٹھانے کی اُلجھن ہمیشہ بڑی قوت آزما ہوتی ہے اس لئے جب امام حسینؑ نے بلایا تو انھیں زوجہ کی پُر جوش اخلاقی تحریک کی ضرورت پڑی "حیرت ہے کہ رسُولؐ کا نواسہ بلائے اور تمھیں جانے میں پس و پیش ہو!" اگر سارے واقعہ کا مطالعہ نفسیاتی نقطہ نظر سے کیا جائے تو بڑے معنی خیز پہلو پیدا ہوں گے جن کے متعلق قرائن اور واقعات کی بنیاد ہی پر رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ بہر حال عام انسانی فہم کے لیے یہ ایک زبردست معمہ ہے کہ زہیر قین امام حسینؑ کے پاس پہونچے تو ان سے کیا گفتگو ہوئی۔ مختصر سی گفتگو۔ لیکن نتیجہ کے لحاظ سے لاکھوں منطقی دلائل پر بھاری۔ زہیر حسینؑ کے پاس سے اُٹھے تو ان کی تقدیر بدل چکی تھی' زندگی کا نقشہ بدل چکا تھا' انجام نگاہوں کے سامنے آ گیا تھا' کیونکہ زوجہ کو طلاق دیتے وقت یہ خیال بھی ظاہر کر دیا تھا کہ میں چاہتا ہوں تم میرے بعد قید و بند کی تکلیفیں نہ اٹھاؤ۔ زہیر قین، بہادر تھے' عالم تھے' امور اندازِ نظر سے واقف تھے' فوراً سمجھ گئے کہ مستقبل میں کیا کیا ہونے والا ہے۔ اُن کی اس تبدیلی میں اُن کی پاکیزگی نفس کا بھی ہاتھ ہے اور حسینؑ کی نگاہ کیمیا اثر کا بھی۔ ہر دھات سونا نہیں بن سکتی۔ زہیر میں ساری صلاحیتیں موجود تھیں' موقع آیا تو پردے سے آب و تاب سے نمایاں ہو گئیں۔ اب وہ اپنی نگاہ و انتیاز اور اپنے خلوص کے مطابق امام حسینؑ کو ہر قدم پر مشورہ دے رہے تھے۔ عام نقطۂ نظر سے یہ سارے مشورے بے حد مفید تھے لیکن امامؑ کے مخصوص تصورات میں اُن کی شکلیں کچھ اور تھیں۔ اس لئے امامؑ اپنا نقطہ نظر پیش کر کے انھیں اپنا ہم خیال بنا لیتے تھے۔ مثلاً جب حُر کے مختصر لشکر نے امام حسینؑ کا راستہ روک دیا اُس وقت زہیر قین نے فوجی مصالح کے خیال سے بالکل صحیح مشورہ دیا کہ حر کی فوج سے لڑ لیا جائے اور قیام ایسی جگہ کیا جائے جہاں حفاظت میں آسانی ہو لیکن امام نے حر سے لڑنا مناسب نہیں سمجھا اور خیمے ایک بے آب و گیاہ میدان میں نصب کرائے۔ امام کا نقطہ نظر معلوم ہو گیا تو کہیں نہیں ملتا کہ زہیر قین نے اپنی رائے پر اصرار کیا ہو۔

یہی صورت حر ابن یزید ریاحی کے ساتھ پیش آئی حر کا

فوج نے گھیر کر آنا، امام حسینؑ کو کوفہ جانے، مدینے کی طرف پلٹنے یا کسی اور جانب قدم اٹھانے سے روکنا تاریخوں میں تفصیل سے مل جاتا ہے۔ حُر کی ابتدائی تاریخ کیا تھی یہ نہیں معلوم بس اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بہت ہی جنگ آزمودہ اور بہادر فوجی افسر تھے۔ اس لئے امام حسینؑ کے ساتھ ان کا جو طرزِ عمل تھا اس میں نرمی کم سختی زیادہ تھی۔ سختی کا ہونا ضروری تھا لیکن یہ نرمی کیوں تھی؟ یہ کس جذبے کی ابتدا ہو رہی تھی؟ یہ کس رجحان کی غمّاز تھی؟ کچھ ضرور تھا جسے حسینؑ نے دیکھ لیا اور وہ برتاؤ نہیں کیا جو مخالف کے ساتھ کیا جا سکتا تھا۔ اس کا نتیجہ چند دن کی کشمکش کے بعد ظاہر ہوا۔ حُر کے قلب و دماغ نے آخری فیصلہ کرنے تک کتنی منزلیں طے کیں، اپنے ضمیر سے کتنے سوال جواب کئے اور غیر معمولی تبدیلی کے لیے خود کو کس طرح تیار کیا ان تفصیلات کا مکمل علم کسی کو نہیں، بس فیصلہ کی آخری رات کے بعض مرقعے واقعات کے آئینے میں دکھائی دیئے جاتے ہیں۔ نفسیاتی جائزہ لینے والا اس سے بہت سے نتائج اخذ کر سکتا ہے لیکن جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہی ہے کہ زہیر قین کی طرح حُر نے بھی اپنے ضمیر کے اندر کوئی زبردست روشنی دیکھی اور زندگی، ظاہری عزت اور اعزاز کے مقابلہ میں موت اور ظاہری شکست کو ترجیح دی۔ حُر ایک شکم سیر فتح کے یقین سے سرشار لاتعداد جماعت سے نکل کر بھوکے پیاسوں کی مختصر سی جماعت میں شریک ہو گئے تاکہ مرنا خوشگوار ہو اور اپنی شجاعت، ضمیر کی پاکیزگی اور قوتِ فیصلہ کی انفرادیت باقی رہے اور دنیا میں ان مجیر العقول نفوس کا اضافہ ہو جو اس عالم میں بھی حق کو باطل سے الگ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

حبیبؑ ابن مظاہر جس انداز سے کوفہ کا فوجی حصار توڑ کر نکلے اور جس طرح حسینؑ کے پاس پہونچ گئے وہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں ہے۔ حسینؑ انھیں مردِ فقیہ اور صاحبِ کردار کہتے تھے، اہلبیتِ رسولؐ ان کی موجودگی میں اپنے کو محفوظ سمجھتے تھے۔ حسینؑ کا دل بھی ان سے قوی تھا اسی لئے تو خط لکھ کر بلایا تھا۔ حبیب نے اپنے صاحبِ کردار ہونے کا ثبوت اسی وقت دیدیا جب ابن نمیر نے امام کی عبادت کے متعلق نازیبا الفاظ منہ سے نکالے یہ ان کے علم و فضل کی آزمائش کا موقع بھی تھا اور غیرت کے امتحان کا بھی چنانچہ انھوں نے اس دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرنا چاہا جہاں لوگ اپنے آقاؤں کی خوشنودی اور چین سکون کے حاصل کرنے کے لئے بہترین انسان کا مذاق اڑا سکتے تھے۔

مسلم ابن عوسجہ کوفہ کے جنگ آزمودہ بہادروں میں سے تھے جن پر حضرت مسلم ابن عقیلؑ کو بھی بھروسہ تھا۔ اس بوڑھے مجاہد کا جوش اور ولولہ اس وقت کردار کی اعلیٰ ترین بلندی کا پتہ دیتا ہے جب عاشور امام حسینؑ نے اپنے دوستوں اور عزیزوں کو مشورہ دیا کہ وہ چاہیں تو اُن کا ساتھ چھوڑ کر چلے جائیں۔ اُن کی جنگ ایک بہادر مبلغ کی جنگ تھی، جب زخم کی حالت میں حبیب ابن مظاہر نے یہ کہا کہ تم جنت سے مسلم کی رہائی سے بچے وہ کربلا کے المیہ میں زبردست رنگ بھرتے ہیں۔ بوڑھا مرنے والا کہتا ہے کہ اگر مجھے یقین ہوتا کہ تم میرے بعد زندہ رہو گے تو حبیب میں تم سے کچھ وصیت کرتا لیکن جانتا ہوں کہ میرے بعد تم بھی آ رہے ہو اس لئے کیا وصیت کروں مگر پھر بھی دیکھو جب تک جان میں جان ہو حسینؑ سے غافل نہ رہنا اور ان کی نصرت میں کمی نہ کرنا ——— اس اطمینانِ قلب کی مثال مشکل ہی سے کہیں نظر آسکتی ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے اصحابِ حسینؑ میں سے ہر ایک اپنی منفرد ذہنیت رکھتا ہے اس کے کردار میں کوئی ایسا پُر سحر بانکپن ہے جو اسے دوسروں سے ممتاز کرتا ہے۔ بُریر ہمدانی حافظِ قرآن ہیں، عابد و زاہد ہیں، قاری ہیں اور جب جنگ سے پہلے بولتے ہیں تو فوجِ مخالف کو سنا کر کہتے ہیں کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہ ابد الآباد تک کے لئے مسلمان کی ایک ممتاز خصوصیت کا اعلان ہے۔ اس وقت اتنے کم لفظوں میں اتنی بڑی حقیقت کا بیان کر دینا بُریر ہی کا کام تھا۔ واقعاتِ کربلا کا مطالعہ کرنے والا دیکھے گا کہ حسینؑ کے موقف کو سمجھانے، حالات کو بہتر بنانے اور پُر امن راہ اختیار کرنے کی جیسی جد و جہد بُریر ہمدانی نے کی اس سے امام حسینؑ کا مقصد روز روشن کی طرح نمایاں ہو جاتا ہے۔ بشیر حضرمی اپنے گرفتار بیٹوں کو چھڑانے کے لیے نہیں جانا چاہتے کہ شہادت کی دولت سے محروم رہیں گے۔

اقدارِ حیات کی نگرانی پر اس طرح مرنا بیٹوں کو آزاد کرانے سے زیادہ وزنی تھا ورنہ بشیر عام انسانوں سے کس طرح الگ ہوتے اور ان کے فیصلہ کی کیا انفرادیت رہ جاتی! جابر ابن عروہ غفاری نے اسّی سال کی عمر میں یہ فیصلہ کیا کہ حسینؑ پر جان نثار کر کے اسلام کے صحیح خط و خال کا پیش کرنا ہی حیات جاوداں ہے۔ وہ جنگ بدر میں شریک ہو چکے تھے اور نصف صدی سے زیادہ کے نشیب و فراز ان کی نگاہوں میں تھے۔ اسّی سال کی عمر میں یہ فیصلہ جذباتی نہیں ہو سکتا تھا۔

کس کس کا ذکر کیا جائے ان میں سے ہر ایک کی ادا دل کو اپنی طرف کھینچتی ہے ہلال ابن نافع سایہ کی طرح حسینؑ کے ساتھ ہیں، عابس شاکری اپنی زرہ اُتار کر پھینک دیتے ہیں اور تلواروں کے زخم کھانے کو سعادت سمجھتے ہیں، جونؑ اپنی صاف گوئی سے حضرت ابوذر غفاری کی یاد دلاتے ہیں اور اسلام کے اس اصول کو اپنے خون سے لکھ دینا چاہتے ہیں کہ اچھے مقصد کے لیے قربانی دینے میں احمر و اسود کا امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔

یہ چند مرقعے ہیں جو پیش کیے گئے۔ ۱۵۱ اصحاب نے امام حسینؑ کے مقصد حیات پر صداقت کی مہر لگا دی۔ ان کے دلوں میں ایک بار بھی یہ شک نہیں گزرا کہ اس زندگی سے بہتر کوئی اور زندگی ہے، زندگی ان پر بازی تھی۔ وہ بھی جینا اور فطرت کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے۔ لیکن خوب سے خوب تر کی جستجو انھیں اس منزل شہادت پر لے آئی تھی۔ مرنا جینا تو لگا ہی رہتا ہے انھوں نے اپنے طرز عمل سے موت اور شہادت کو معنویت عطا کی۔ امام حسینؑ ان کے لئے کہہ سکتے تھے کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں انھیں کے لیے ہوں۔

گریزد از صف ما ہر کہ مرد غوغا نیست ؎ کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست

حسینؑ کے چھوٹے سے قبیلے کے یہی تیور تھے۔

جی نہیں مانتا کہ جناب ریاض علی بنارسی مرحوم صاحب "شہیدِ اعظم" کو خراجِ عقیدت پیش کئے بغیر اس بے ربط مضمون کو ختم کردوں۔ مرحوم نے انصارِ حسینؑ کے لئے جو چند جملے لکھ دیئے ہیں ان کی قوت اور زور کو دوسرے الفاظ میں پیش کرنا میرے امکان میں نہیں ہے۔ لکھتے ہیں:

"ان کا شوقِ شہادت، ایک دوسرے پر سبقت کرنا، ان کا ایسے وقت حفظِ مراتب کا خیال، ان کا زندگی سے متنفر ہونے کی حد تک متنفر ہو جانا اس لئے کہ اپنے لوگوں کے گرد و پیش کے حالات ان کی برداشت کی طاقت سے باہر ہو گئے تھے۔ ایسی باتیں ہیں جو مجبور دماغ کو اپنی طرف کھینچتی ہیں اور وہ یہ سوچتا ہے کہ کیا اس کا خواب بھی دیکھا جا سکتا تھا کہ انھیں اس خلوص، حق دوستی اور جانبازی کے عوض میں کسی دنیاوی آسائش کی امید تھی۔ ان کی عظمت میں اور زیادتی ہوتی ہے جب ۷۲ پر غور کیا جاتا ہے کہ ان میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے جو زاہد، عابد اور پارسا تھے اور جن کے تقدس کا خود فریقِ مخالف معترف تھا۔ اس کے علاوہ حسینؑ کا ساتھ چھوڑ دینے پر دنیا کی دلفریبیاں، مال و جاہ کے حوصلے اور زندگی کے اقرار کئے گئے تھے لیکن ان بندگانِ حق کے لئے حسینؑ کی لب تشنہ اور فاقہ کش ذات سب کچھ تھی۔ انھوں نے فاقہ، پیاس اور شہادت گوارا کی اور دشمنوں کے وعدوں کو ان کے منھ پر کھینچ مارا کیونکہ حق و باطل کے تصفیہ اور فیصلہ کے لئے انسانی ارادہ کو ایسا ورد کھا وقت نہیں ملا مرقعے کھینچ جائیں گے جن میں نئی دلھن اپنے شوہر کو حسینؑ پر صدقے ہونے کے لئے بھیج رہی ہے، شوہر اپنی بیویوں کو طلاق دے رہے ہیں اس لئے کہ اپنے شہید ہونے کا یقین ہے۔ عورتیں اپنی اس شرعی مجبوری پر کہ انھیں اجازتِ جہاد نہیں ہے تاسف کرتی ہیں، مائیں اپنے بچوں کی محبت بھول گئیں اور اپنے لختِ جگر کو آغوش سے کھینچ کر حسینؑ پر صدقے ہونے کے لئے بھیج رہی ہیں، اور دودھ بخشنے کی شرط زخم کھانا اور شہید ہونا قرار دے رہی ہیں۔ باپ اپنے بیٹے کو آنکھ کے سامنے دم توڑتے دیکھتا ہے اور اس کی لاش پر خم ادا پر مرحبا کہتا ہے۔ کمر شکستہ بوڑھے رعشہ دار ہاتھوں سے تلواریں اٹھائے ہیں، بچے قتل ہو رہے ہیں جن کے ادنیٰ ایذا دینے کے خیال پر دنیا کا سب سے بڑا بے رحم نامرد شرمائے گا۔"

اصحابِ حسینؑ حسینؑ کے ساتھ زندہ ہیں غالب کی زبان میں ان کے قدیم اور جدید مخالفوں سے کہا جا سکتا ہے۔

مت ہو جیبہ اے سیلِ فنا! ان سے مقابل
جاں بازِ الم نقش بہ دامانِ بقا ہیں

ایک سلام کے چند شعر —— جناب ناوک لکھنوی

کربلا میں جو حقیقی تھے غلامانِ حسینؑ
آ گئے وہ سب سمٹ کر زیرِ دامانِ حسینؑ
دے گئے سب کو سبق یہ جاں نثارانِ حسینؑ
انقلاب آئیں مگر چھوٹے نہ دامانِ حسینؑ
آج بھی انسان مٹا سکتا ہے باطل کو شکست
راہِ حق میں کوئی اٹھے تو بہ عنوانِ حسینؑ
نار دوزخ میں جلیں گے دشمنانِ اہلبیتؑ
جائیں گے جنت میں اے ناوکؔ غلامانِ حسینؑ

اصحابِ حسین علیہ السلام

(سید العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ)

انصار و اصحاب امام حسینؑ عبادت اور زہد و پرہیزگاری میں بھی شہرۂ آفاق تھے بلکہ بعض اپنی مشہور شجاعت کے ساتھ خاص طور سے عبادت میں بھی مشہور تھے جیسے عابس بن ابی شبیب، اور زیاد بن عریب جن کے متعلق صراحت ہے کہ وہ شب زندہ دار تھے اور سعید بن عبداللہ حنفی جن کے اوصاف میں عبادت کا خاص طور پر تذکرہ ہے۔

یہ تمام وہ لوگ تھے جن کی زندگیاں ایک معیاری حیثیت رکھتی تھیں اور وہ اسلامی اخلاق و اوصاف کی ایک زندہ تصویر تھے۔

حضرت امام حسینؑ کو کربلا میں ایسے ہی لوگوں کی ضرورت تھی۔ آپ کو معلوم تھا کہ ایک قائد کو اپنے ساتھ والوں کی وجہ سے کتنی کشمکش میں مبتلا ہونا پڑتا ہے۔ گزشتہ واقعات آپ کے سامنے تھے اور اس لئے آپ عوام کے مجمع کو اپنے ساتھ جتنا زیادہ ہو اتنا خطرناک سمجھتے تھے۔ اس لئے آپ نے کربلا پہونچنے سے پہلے اور یہاں پہونچنے کے بعد اور روزِ عاشورہ تک برابر ہر موقع پر یہ کوشش جاری رکھی کہ جن میں کچھ بھی خامی ہو وہ آپ کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو جائیں۔

حقیقت میں آپ ایسے اہم مقصد کے لئے جو آپ کے پیشِ نظر تھا عوام پر بھروسہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔

حسینؑ کو جس طرح کا کام کرنا تھا اس کی نوعیت بالکل انوکھی تھی۔ اس سے پہلے جتنی بھی لڑائیاں کبھی لڑی گئی ہوں ان کا مقصد یہ تھا کہ فریقِ مخالف کو مادی طور پر شکست دینا۔ یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر ایک ہزار آدمی ہوں اور ان میں سے سو بھی مثلاً ثابت قدم رہیں اور بہادری سے دشمن پر فتح حاصل کر لیں مگر حضرت حسینؑ کو دوسری طرح کا مقابلہ کرنا تھا۔ یہاں طاقت کا مقابلہ طاقت سے نہیں تھا بلکہ طاقت کا مقابلہ کردار سے تھا باطل کا مقابلہ حق سے تھا۔ استبداد و تشدد کا مقابلہ ایک ایسی ثابت قدمی سے تھا جو ظلم اور تشدد کی بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکے اور اپنی حقانیت اور ثابت قدمی کو ایک ایسی دنیا کے سامنے پیش کرنا منظور تھا جس پر بے حسی اور بے ہوشی چھائی ہوئی تھی۔ حسینؑ کردار کے ایسے نمونے پیش کرنا چاہتے تھے جو موجودہ اور آئندہ نسلوں کے لیے مشعلِ راہ بن جائیں۔ ایسے نمونے جو بطور مثال دنیا کے سامنے پیش ہوتے رہیں۔ یہ مرحلہ بڑا نازک تھا۔ یہاں ساتھ والوں میں اگر ذرا نقص ظاہر ہوا تو مقصد ناتمام رہ گیا۔ اس لئے ساتھ والوں کے انتخاب کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔

ہر ایک شخص اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے سامان فراہم کرتا ہے حسینؑ کو اگر طاقت کا مقابلہ طاقت سے کرنا ہوتا تو ویسی فوج فراہم کرتے۔ بڑے قد آور جوان اور نامور پہلوان بلاتے اور اپنے ساتھ لیتے مگر جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے امام حسینؑ کا مقصد یہ نہیں تھا۔ آپ تو یہ چاہتے تھے کہ بے ہوش ہونے والی دنیا کی آنکھیں کھول دیں اور ان میں احساس و بیداری پیدا کریں۔ اس کے لیے آپ نے ایسے عابد و زاہد متقی اور پارسا افراد کو بلایا جن کی نیکی پارسائی اور زہد و تقویٰ کا سارے ملک میں کلمہ پڑھا جاتا تھا۔ انھوں نے ایسے بوڑھے اپنے ساتھ

نے جن کا بھویں لٹک کر آنکھوں پر آگئی تھیں۔ ایسے ضعیف انسان بھی لئے جن کی عمریں مدتوں سے محراب عبادت میں گزری تھیں انھوں نے موقع کو دیکھا اور گویا آواز دی کہ آؤ حبیبؑ بن مظاہر تم آؤ، مسلم بن عوسجہ تم آؤ، بریر ہمدانی تم آؤ، انس بن حارث صحابی پیغمبرؐ تم آؤ۔ تمھارے میدان میں آنے کا وقت ہے کیونکہ ایسے لوگ جب کمریں کس کر تلواریں لے کر میدان میں آئیں گے تو مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں گی کہ اسلام پر کیا وقت پڑ گیا ہے کہ ایسے ایسے آدمی بھی تلواریں کھینچ کر میدان جنگ میں آگئے ہیں۔

حسینؑ کے ساتھیوں کی شخصیت کا صرف دوسرے مسلمانوں پر نہیں جو غیر جانبدار یا خالی الذہن تھے بلکہ خود فوج مخالف پر جو ہوا و ہوس کے پنجوں میں اسیر اور اطاعت حکومت کے شکنجہ میں گرفتار تھی بڑا زبردست اثر پڑ رہا تھا جس کے مختلف شواہد (کتب تاریخ میں) آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں مثلاً مسلم بن عوسجہ کی شہادت پر جب فوج میں خوشیاں ہونے لگیں تو شبث بن ربعی کا کہنا کہ کیا غضب کی بات ہے کہ مسلم بن عوسجہ کا ایسا آدمی قتل ہوا اور تم لوگ خوشیاں مناؤ۔ میں نے خود خدمت اسلام میں اس شخص کے کارنامے دیکھے ہیں۔ یا جب بریر ہمدانی جنگ کر رہے تھے اور ان پر حملہ کے لئے ایک شخص بڑھا تو اس پر فوج کے دوسرے لوگوں نے منع کیا کہ ارے یہ تو بریر حافظ قرآن ہیں جو مسجد میں حفظ قرآن کرایا کرتے تھے۔ یا جب عابس بن ابی شبیب میدان میں آئے تو فوج میں یہ آواز بلند ہوئی کہ یہ شیروں کا شیر ہے۔ یہ عابس بن ابی شبیب ہے۔

ظاہر ہے کہ اس قسم کے واقعات دوسروں تک صرف فوج مخالف ہی کے افراد کی زبانی پہونچ سکتے تھے اور اس لئے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ بہت میں سے کم صرف اکا دکا واقعات ہیں جو ہم تک پہونچ سکے ہیں اور ان سے اس عام اضطراب اور انتشار کا پتہ چلتا ہے جو اصحاب حسینی کے مقابلہ میں فوج عمر سعد میں پایا جاتا تھا۔

ان اصحاب کی شرکت واقعہ کربلا کی نوعیت کو برقرار رکھنے کے لئے نہایت ضروری تھی۔ اگر حضرت امام حسینؑ صرف اپنے خاندان کے لوگوں کو لے کر کربلا کی سرزمین پر آگئے ہوتے تو یہ کہا اور سمجھا جاتا کہ یہ ایک خاندانی یا گھریلو جنگ تھی جیسا کہ عام طور سے بتایا جاتا ہے کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم ایک ہی خاندان کی دو شاخیں تھیں اور ان میں خانہ جنگی رہا کرتی تھی۔ اسی کا ایک شگوفہ تھا جو کربلا میں پھوٹا تھا۔ بالکل ویسے ہی جیسے ایک خاندان کے زمینداروں میں اکثر پٹی داری کی لڑائی ہوا کرتی ہے مگر حضرت امام حسینؑ کربلا میں صرف تنہا نہیں تھے۔ نہ ان کے ساتھ صرف ان کے گھرانے کے لوگ تھے بلکہ آپ کے ساتھ تقریباً عرب کے ہر قبیلہ اور مختلف مقامات کے ممتاز افراد موجود تھے۔ اس اختلاف قبائل لعہ تنوع سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ تمام وہ افراد تھے جن میں نقطہ مشترک صرف اصول کا احساس اور ایک وجہ خاص (CAUSE) کا اتحاد ہو سکتا ہے اور کچھ نہیں۔ اور اس اصول کی حفاظت میں حجاز و عراق کے تقریباً تمام اسلامی قبائل کی نمائندگی تھی۔

اور اس اصول و مقصد کے پہلو کو زیادہ نمایاں بنا دیا امام حسینؑ کے اس رویہ نے کہ آپ نے سب کو بلا کر فرداً فرداً یہ اصرار کیا کہ تم میرا ساتھ چھوڑ دو اور مجھے اس راستہ پر اکیلا جانے دو۔ یہ اس لئے تھا کہ عام قاعدہ یہ ہے کہ عوام صاحب الرائے نہیں ہوتے جو کچھ رائے ہوتی ہے وہ لیڈروں کی رائے ہوتی ہے۔ حضرت امام حسینؑ اگر اندھیرے میں رکھ کر سب کو اقدام کرتے تو وہ صرف حسینؑ کا اقدام ہوتا اور کہنے کو ہوتا کہ دوسروں نے صرف آپ کے اثر اور دباؤ سے اس معاملہ میں آپ کا ساتھ دیا۔ امام حسینؑ یہ چاہتے تھے کہ ہر ایک کے دماغ پر وزن ڈال کر اسے خود اس کے فعل کا ذمہ دار بنا دیں۔ وہاں یہ نہیں تھا کہ حسینؑ اپنے مقصد کے لئے ان سب کو نذر کر رہے ہوں بلکہ حقیقتاً ہر ایک نے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر خود حسینی مقصد پر نثار کر دیا۔ ان میں سے ہر ایک کا محرک خود اصول کا احساس تھا اس طرح کہ یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ کون لے

جا رہا ہے اور کون اس کے پیچھے جا رہا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے قدم خود اس کے ضمیر کی تحریک سے اٹھتے تھے اور یہی ان کے ثبات قدم اور استقلال کا بڑا راز تھا۔

حقیقت میں اصحاب کی وفاداری کا ایک حیرت انگیز کارنامہ یہ ہے کہ جب تک ان میں سے ایک بھی باقی رہا بنی ہاشم میں سے کسی ایک فرد کو کوئی گزند نہیں پہونچ سکا حالانکہ اس درمیان جنگ مغلوبہ بھی ہوئی۔ تیروں کی بارش بھی ہوئی مگر ان سب میں کوئی ایک زخم تک بھی کسی ایک ہاشمی جوان یا بچے کو لگنے کا تاریخ میں پتہ نہیں ہے۔

حضرت امام حسینؑ کے اصحاب

(مولانا سید محمد باقر صاحب مدیر اصلاح کھجوا بہار)

بہترین اصحاب تھے، وہ اہل و عیال احباب و انصار سے جدا ہوئے، حضرت کی محبت میں بہادروں کی طرح لڑے اور میدان جنگ میں یہ کہتے ہوئے کود پڑے ہماری جانیں آپ پر قربان ہم اپنے ہاتھوں سے اپنے پیروں سے حضور کی حفاظت کریں گے۔ اس قیامت کے وقت میں ایک دوسرے سے ہنسی دل لگی کرتے تھے، موت کی ذرہ برابر پرواہ نہ کرتے تھے، نہ یہ ڈر تھا کہ دشمن ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے، جب حضرت نے اصحاب کو اجازت دیدی کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ میں بخوشی اجازت دیتا ہوں تو انھوں نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا اور خدا کی قسم کھائی کہ ہم ہرگز حضور کو تنہا نہ چھوڑیں گے، ان کے یہ فقرے تاریخ عالم میں یادگار ہیں کہ:-

"کیا ہم حضور کو چھوڑ کر چلے جائیں گے؟ اور وہ بھی ایسے وقت میں کہ دشمن نے آپ کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے، ہم آخر خدا کو کیا منھ دکھائیں اور آپ کے حقوق کے متعلق جب سوال ہوگا تو ہم کیا جواب دیں گے"

بعض اصحاب نے جواب دیا کہ خدا کی قسم مجھ سے ہرگز ایسا نہ ہوگا میں اس وقت تک حضور کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا جب تک میں دشمنوں کے سینوں میں اپنے نیزے نہ توڑ دوں اور جب تک میرے ہاتھوں میں تلوار کا قبضہ رہے اُن پر شمشیر زنی نہ کر لوں اور اگر کوئی ہتھیار جنگ کے لئے باقی نہ رہے تو میں انھیں پتھروں سے ماروں گا۔ میں آپ سے ہرگز جدا نہ ہوں گا یا پھر آپ کے ساتھ مر جاؤں گا۔

بعض اصحاب کہتے تھے کہ خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں اور ہر مرتبہ زندہ ہوں اور آپ کی آنچ مجھے آ جائے۔ خدا آپ سے آپ کے اہلبیت سے دشمنوں کو دفع کر دے، بعض اصحاب فرماتے تھے کہ مجھے درندے زندہ کھا جائیں اگر میں آپ سے جدا ہوں ــ حق تو یہ ہے کہ جیسا ان باوفا اصحاب نے کہا، ویسا ہی کر کے دکھا یا بھی وہ جب تک زندہ رہے حسینؑ کو خراش نہ پہونچنے دی، بعض صحابی تو اپنے کو حسینؑ کی سپر بنا رکھا تھا، حضرت کی طرف جو تیر آتے تھے بڑھ کر اپنے سینوں پر روک لیتے تھے ان اصحاب نے روز عاشورہ ایسی شجاعت کا مظاہرہ فرمایا جس کی مثال نہیں دیکھی گئی۔ حضرت کے مختصر لشکر میں صرف ۳۲ سوار تھے مگر وہ ۳۲ سوار لشکر شام کے جس حصہ پر ٹوٹ پڑتے تو جوں کے قدم اکھڑ جاتے۔ (ترجمہ از اعیان الشیعہ)

حسین ؑ کے لاثانی اصحاب ؓ

علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری

الامان والحفیظ! گرمی کا زمانہ شباب پر ہے۔ تند و تیز آندھیاں جسمانی ایوانوں کی چولیں ہلا دیتی ہیں پناہ بخدا لو اور کس شدت کی لو۔ زمین تپ رہی ہے۔ ذرا نظر گرجاتا ہے تو معین ہوجاتا ہے آفتاب کی گرم کرنیں جسم کے لئے سلاخوں کا کام دیتی ہیں چلچلاتی دھوپ تیز آتش بیابان بنی ہوئی ہے اور ایک لق و دق غیر مانوس جنگل۔ اس جنگل میدان میں کچھ شیر نیستانوں پر سر رکھے زرہوں پر اپنے دل چیتے ہوئے جان کی بازی لگا کر لڑ رہے ہیں۔

یہ لوگ گنتی کے چند نفوس ہیں ۳۲ سوار ۴۰ پیادے ہیں (جلاء العیون مجلسی ۱۱۱؁)

سپہر کاشانی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ جمعیت ۱۴۵ سے کسی طرح زیادہ نہ تھی (ناسخ ۲۳۱) امام محمد باقر کا ارشاد بھی اسی کا مؤید ہے لیکن اس اختلاف کی وجہ یوں ہوسکتی ہے کہ میدان کربلا میں آنے والے ۱۴۵ تھے مگر یوم قربانی جن کو شرف شہادت ملا صرف ۷۲ فرد رہ گئیں اس لئے کہ شب عاشور جب سید الشہداء نے عام اجازت دیدی تو بہتیرے دنیا چلے گئے (صرف ۷۲ رہ گئے) اور جن لوگوں نے حسینی لشکر کی تعداد (۱۰۰۰) تک لکھی ہے (مسعودی ۳۴۶؁) اس سے یہ مراد ہے کہ کربلا میں آنے سے پہلے یہ جمعیت اس قدر یا اس سے زیادہ تھی مگر جب "منزل زرود" پر امام نے مسلم کی خبر شہادت سنکر عام اجازت لوگوں کو واپس جانے کی دیدی تو بڑی تعداد نے ساتھ چھوڑ دیا۔

"تم میں سے جو شخص تلواروں اور نیزوں کے وار گوارا کرسکتا ہو وہ چلے ورنہ اسی جگہ سے واپس چلا جائے میں اسے مجبور نہیں کرتا۔ یہ سنکر سب کے سب خاموش ہوگئے اور دا ہنے بائیں منتشر ہونا شروع کر دیا" (ناسخ ۱۷)

پھر بھی بڑے دعوے کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ کسی مجاہد گروہ نے اپنے رئیس کے سامنے اس دلیری اور شجاعت سے کام نہیں لیا۔ بڑے بڑے فاتحین کے مددگاروں کی فہرست تیار کی جاسکتی ہے مگر کسی کو حسینی اصحاب کے تناسب سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔

جناب موسیٰ نے جب اپنے انصار سے کمک مانگی تو انھوں نے نہایت خشک لہجہ میں کہہ دیا کہ ہم تو یہیں بیٹھے ہیں آپ اور آپ کا خدا اس مہم کو سر کریں۔ (المائدہ $\frac{6}{25}$)

عیسیٰ کو انھیں کے کاسہ لیس حواری (یہودا) نے تیس روپیہ کی زنگ آلود نیت طمع میں آکر گرفتار کرا دیا اور انھیں کے جانشین (پطرس) نے معاذ اللہ تین بار مسیح علیہ السلام پر لعنت بھیجی (مرقس $\frac{14}{15}$ متی $\frac{26}{14-75}$)

خود مؤلفین اسلام کے بعض صحابہ کا معاشرتی عنوان نہایت الم انگیز ہے جس وقت دشوار گذار اور تنگ لاح راہیں طے کرنا پڑتی تھیں اس وقت کھوے سے کھوا چھلنے میں فرق ہو جاتا تھا ہم کو اس سے انکار نہیں کہ ابوذر، سلمان، مقداد جیسے اراکین رسول کے ساتھ نہ تھے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اس سلک میں کل موتی پیچھے نہ تھے کون کہہ سکتا ہے کہ تمام صحابہ مرتبہ شناس

اور وقت پر کام آنے والے تھے قرآن مجید سے ذیل کی بعض آیتیں اس دعوے کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں۔

"تم موت کے آنے سے پہلے لڑائی میں مرنے کی تمنا کیا کرتے تھے:

"اب تو تم نے اس کو دیکھ بھی لیا اور اب بھی دیکھ رہے ہو۔ پھر کیوں جی چراتے ہو) اور محمدؐ تو صرف رسول ہیں جن سے قبل اور بھی رسول گزر گئے ہیں پھر کیا اگر وہ مر جائیں گے یا قتل ہو جائیں گے تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے (۱۴۴) آل عمران)

اللہ نے (جنگ احد میں) اپنا وعدہ (فتح کے متعلق) سچ کر دکھایا جبکہ تم اللہ کے حکم سے کفار کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ تم نے بزدلاپن کیا اور حکم رسول کے موافق مورچہ پر جمے رہنے کے متعلق جھگڑا کیا اور مال غنیمت دیکھ کر رسولؐ کی نافرمانی کی تم میں سے بعض تو طالب دنیا ہیں اور بعض آخرت کے طلب گار (جیسے عبداللہ بن جبیر، حضرت حمزہ ابو دجانہ اور علیؑ) (۱۵۲ آل عمران) (تم اس وقت کو یاد کرکے جھینپو) جبکہ تم پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے اور رسول تم کو تمہارے پیچھے کھڑے پکار رہے تھے (۱۵۳ ال عمران) اگر دنیوی فائدہ ہوتا اور آسان سفر ہوتا تو وہ ضرور تمہارا ساتھ دیتے مگر ان پر مسافت کی مشقت طولانی ہوگئی (۴۲ توبہ)

آیات بالا سے واضح ہے کہ بعض اصحاب رسول موقع سے قبل لڑائی میں جان دینے کی آرزوئیں کیا کرتے تھے اور رسول کے بعد الٹے پاؤں پھر جانے کا ارادہ رکھتے تھے اور طمع دنیا میں رسول کی نافرمانی کی پروا نہ کرتے تھے۔ رسول انھیں پکارتے تھے اور وہ منہ موڑے پہاڑ پر چڑھے چلے جاتے تھے اور دنیوی فائدے اور آسان سفر کے علاوہ ایثار سفر دراز کی مشقت سے گریز کرتے تھے مگر حسینی جان نثار ان حالات کے خلاف آخر تک موت کی تمنا کرتے رہے، وہ حسینؑ کے بعد زندہ نہ رہنے کا قطعی فیصلہ کر چکے تھے اور اسی وجہ سے تکمیل معرکہ میں ایسے جمے اور

ایسی ثابت قدمی دکھائی اور ایسی اولوالعزمی سے کام لیا کہ بڑے سے بڑے شجاعوں اور بہادروں کو حیرت کی لا انتہا گہرائی میں ڈال دیا۔ ذیل کی آیۃ کا ایک ایک لفظ ان پر منطبق ہو رہا ہے:-

"خدا ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو اس کی راہ میں اس طرح پرا باندھ کر لڑتے ہیں گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیواریں ہیں" (۴ الصف)

اوچھی نظر والے اس شخص کو اعتراض کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ جس کے دخل بظاہر یا بھی واقفیت نہیں رکھتے۔ حسینؑ کی یہ اعلیٰ ترین سیاست بعض حضرات کو متحیر بنا دے گی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو رخصت بھی کرتے جاتے ہیں اور دور دراز کو طلبی کے خطوط بھی لکھتے ہیں مگر ان کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ اس وقت حسینؑ کے سامنے مسئلہ انتخاب درپیش تھا جسے آپ نے انتہائے تدبر سے انجام دیا۔

گزشتہ رہبران دین کے ترسید مقصد تک نہ پہنچنے کی وجہ یہی تھی کہ بعض کو تو بالکل انتخاب کا موقع ہی نہ ملا اور کسی کو اگر ملا بھی تو کامل انتخاب کا موقع نہیں ملا۔

جناب موسیٰ کا شمار ان لوگوں میں ہے جنھیں انتخاب کی مہلت تو ضرور ملی مگر کامل انتخاب کی فرصت نہیں ملی کلیم اللہ نے جب قوم کے اصرار سے انھیں بالائے طور لے جانے کا قصد کیا تو اس وقت ان کے سامنے ۷ لاکھ کی جمعیت تھی جس میں سے انھوں نے ۷ ہزار کو چنا پھر ان میں سے ۷ سو منتخب کئے پھر سات سو میں سے ۷۰ آدمی چھانٹے مگر یہ ۷۰ بھی گستاخی کی وجہ سے نذر صاعقہ ہو گئے (تفسیر صافی ۱۸۵)

اسلام کے اس مقدس ہیرو (حسینؑ) کے سامنے ایک طرف تو سلف کے سچے سوانح تھے۔ دوسری طرف نتائج کا پورا احساس۔ اس نے ڈھونڈ کر انتخاب کا وقت نکالا اور انتخاب میں پوری دانائی سے کام لیا وہ جس کام کے لئے اٹھا تھا وہ اہم تھا۔ اس لئے وہ ایک رنگ ایک میل ایک مذاق کے آدمی ڈھونڈ رہا تھا۔ ایک بڑی

جماعت جو حسین کے ساتھ ہو گئی تھی امام حسین کے مقدس ارادے میں عملی شرکت کی طاقت نہیں رکھتی تھی یہ لوگ بے جوڑ تھے اس لئے حسین نے ان کو رخصت کر دیا مگر حسین کو تبلیغ کا مکمل کرنا بھی ضروری تھا اس لئے جتنے والوں کی کمی تھی اتنے والے دور دور سے خط بھیجکر منگائے اور اس طرح ایک مختصر مگر زبردست فہرست اعوان و انصار کی مرتب فرمائی حسین کا انتخاب نہایت کامیاب ثابت ہوا۔ یہ ۷۲ ارباب بات پر کمر باندھ چکے تھے انتہائی مراتب تکمیل تک پہونچا کر رہے۔ اور اپنے وعدے کے ایک ایک حرف کو سچا کر دکھایا اور خدا کے کلام کی بہت سے بہتر تصدیق کر کے اپنی ذات کو اس کا مصداق صحیح ثابت کر دیا۔

"ایماندروں میں کچھ ایسے بھی ہیں جنھوں نے خدا سے باندھے ہوئے عہد کو پورا کر دکھایا؟"

(۲۳ احزاب)

رسول اور ائمہ کی نظر میں حسینی مجاہدوں کا درجہ

یہ معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مختصر جماعت خلاصۂ روزگار اور حاصل انتخاب سید الشہدا تھی۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلام کے بڑے بڑے ارکان کی نظروں میں ان کی کیا حیثیت تھی اور اسلام کے پہلے ان کو کیا درجہ دیا جاتا تھا۔

(۱) کعب احبار نے کہا کہ ہماری کتابوں (توریت) میں لکھا ہے کہ ایک شخص محمد (رسول اللہ) کی اولاد میں قتل کیا جائیگا اور اس کے اصحاب کے مرکب کا پسینہ خشک بھی نہ ہونے پائے گا کہ وہ سب جنت میں داخل ہو کر حوروں سے معانقہ کریں گے۔ اسی اثنا میں امام حسنؑ حاضرین کی طرف سے گذرے سب نے کہا کیا وہ یہی ہیں؟ کہا نہیں۔ پھر امام حسین ادھر سے گذرے سب نے کہا کیا وہ یہ ہیں؟ کہا ہاں۔ (الوذار نعمانیہ)

۲۔ شیخ صدوق نے رسول اللہ تک سلسلہ سند کو منتہی کر کے ذیل کی روایت لکھی ہے۔

رسول اللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ مجھے کیا غم ہے؟ کہا آپ فرمائیں۔ ارشاد کیا ہائے رے میرا شوق! ان بھائیوں کی ملاقات کا جو میرے بعد پیغمبرانہ شان کے ہوں گے۔ رضائے خدا کے لئے اپنے باپ سے بھاگیں گے۔ خدا کیلئے ماں کو چھوڑیں گے تواضع کے ساتھ بذل نفس کریں گے ان میں سے ہر ایک کا اجر ستر اہل بدر کے برابر ہوگا ہر ایک خدا کے نزدیک ہر شے سے زیادہ محترم ہوگا۔ ان کے دل اور عمل خاص خدا کے لئے ہوں گے یعنی ان کی عبادت، فرصت ان کی تسبیح، نیند ان کا صدقہ سانسیں ان کا جہاد (اسرار الشہادت ملا دربند ی ۲۷۰)

۳۔ قطب راوندی نے کتاب الخرائج میں امام محمد باقرؑ سے روایت کی ہے کہ امام حسین نے قبل اپنی شہادت کے فرمایا:۔

میرے نانا رسول خداؐ فرماتے تھے کہ اے حسین! تم عنقریب عراق کی ایک زمین پر قتل ہو گے اور تمہارے ساتھ اصحاب کی ایک جماعت شہید ہوگی جو الم آہنی (تلواروں اور نیزوں) سے متاثر نہ ہوگی، اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی "یا نار کونی بردًا و سلامًا علیٰ ابراھیم"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اے حسین تم پر اور تمہارے اصحاب پر سلام۔

یہ کہکر خود حسینؑ نے اپنے اصحاب سے فرمایا خوش ہو اگر ان لوگوں نے ہمیں خدا کی راہ میں قتل کر ڈالا تو ہم رسول خداؐ کے پاس پہونچ جائیں گے (اسرار الشہادۃ ۱۹۷۔ شفاء الصدور ۳۶۱)

۴۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ ایک روز جناب سیدہ امام حسینؑ کو اٹھائے ہوئے تھیں۔ پیغمبر نے حسینؑ کو ان سے لے لیا اور فرمانے لگے۔ خدا تیرے قاتل پر

لعنت کرے۔ سیدہؑ نے عرض کیا۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟ ارشاد ہوا میرے اور تمہارے بعد جو مظالم ان پر ہوں گے وہ یاد آ گئے۔ اس وقت ان کے ساتھ ایک گروہ ہو گا جن کے چہرے تاروں کی طرح چمکتے ہوں گے وہ خوشی خوشی قتل ہو جانے کی طرف اقدام کریں گے۔

(شفاء الصدور ۳۶۱)

۵۔ امیر المومنینؑ کی ایک حدیث طویل میں مروی ہے۔ حسینؑ کے اصحاب قیامت کے دن تمام شہیدوں کے سردار ہوں گے اور انھیں تمام شہداء پر فضیلت ہے۔

۶۔ امام زین العابدینؑ سے مروی ہے۔

امام حسینؑ نے شام کے قریب اپنے اصحاب کو جمع کیا آپ نے اپنے والد کو کہتے ہوئے سنا کہ میرے علم میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں گذرے اللہ تم سب کو میری جانب سے جزائے خیر دے۔"

۷۔ امام موسیٰ بن جعفرؑ سے روایت ہے کہ جب قیامت میں حواریین رسول پکارے جائیں گے تو سلمان ابو ذر و مقداد اٹھیں گے اور جب حواریین علیؑ پکارے جائیں گے تو عمرو بن حمقؒ، محمد بن ابوبکر، میثم تمار اور اویس قرنی اٹھیں گے اور جب حواریین حسنؑ پکارے جائیں گے تو سفیان ابن لیلیٰ اور حذیفہ بن اسید اٹھیں گے اور جب حواریین حسینؑ پکارے جائیں گے تو وہ تمام شہداء اٹھیں گے جنھوں نے ان کی نصرت کی تھی۔

۸۔ صاحب الامر امام زمانؑ نے زیارت ناحیہ میں ان اصحاب کو ذیل کے الفاظ میں مخاطب فرمایا ہے:۔

"تم پر سلام۔ اے بہترین مددگار۔ سلام تم پر تمہارے صبر و تحمل کے عوض۔ دیکھو آخرت کا گھر کیا اچھا گھر ہے خدا تم کو کاشانۂ ابرار میں جگہ دے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا نے تمہارے سامنے سے پردہ اٹھا دیا اور جنت میں تمہارے لئے فرش بچھا دیا اور عطا و انعام کو تمہارے لئے بڑھا دیا۔ تم نے حق میں تاخیر نہیں کی اور تم حلم سے آگے بڑھ گئے اور عالم دار بقا میں تمہارے دوست ہیں (پیشینگوئی کے بحث پر ہم نے ایک تحقیقی کتاب لکھی ہے یہاں اس کے امکان اور عدم امکان پر بحث کا موقع نہیں ہے)

احادیث بالا پر تبصرہ

احادیث بالا سے یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں رسولؐ اور ائمہؑ کی نگاہوں میں اصحاب حسینؑ کا کیا درجہ ہے۔ ان احادیث میں وہ حدیث قابل بحث ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اصحاب حسینؑ الم آہنی سے متاثر نہ ہوں گے تیر و نیزہ و شمشیر وغیرہ سے انھیں کوئی صدمہ محسوس نہ ہو گا۔ بظاہر حدیث کے الفاظ قواعد تکلیف کے خلاف ہیں اس لئے کہ شعور و ادراک سے قدم میں لغزش پیدا ہوتی ہے۔ ایک مخبوط الحواس یا بے ہوش کو بڑی جرأت کرتے دیکھو گے مگر ایک حساس انسان ہمیشہ وہمی خطرے سے بھی جان بچاتا ہے لہٰذا اگر ان حق شناس اصحاب کو تلوار اور نیزوں کی چوٹ کی پوری تکلیف کا احساس ہوتا اور یہ ثابت قدم رہتے تو ان کا یہ فعل ضرور قابل ستائش ہوتا۔ ایک وہ شخص جسکو بے ہوشی سنگھا کر آپریشن دیا گیا ہو وہ یہ حق نہیں رکھتا کہ اس کو مظاہرہ مردانگی کے موقع پر پیش کرے۔ بیہوشی کے ذریعہ سے ایک صغیر السن بچے کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جا سکتا ہے لیکن ہم جب یہ خیال کرتے ہیں تو کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ تمام اعمال کی روح یہ ہے کہ انسان نفس کو موت پر آمادہ کرے اور خدا کی رضا جوئی میں دنیاوی زندگی سے ہاتھ اٹھائے اس سے بلند کوئی عمل نہیں یہی ثواب کا معیار ہے اور اس پر اجر مرتب ہوتا ہے

اگر نفس پہلے سے تیار نہیں اور بغیر قصد کوئی فعل ہو گیا تو اگرچہ اس سے نفس کو تکلیف ہوتی ہے مگر اس سے کسی ثواب کا استحقاق حاصل نہیں ہوتا لیکن اگر نفس میں آمادگی کی پوری

اسپرٹ پیدا ہو گئی ہے اور اس کے بعد کسی ناگہانی یا قدرتی سبب سے وہ فعل واقع نہیں ہوا ہے تو اجر کا حاصل ہونا یقینی ہے اس لئے کہ منشاء اجر نیت وارادہ ہے۔

جناب ابراہیم و اسمٰعیل کے واقعات دہرا جاؤ۔ حضرت ابراہیم نے نہایت استقلال سے آتش نمرود کا استقبال کیا اگرچہ بعد میں آگ ٹھنڈی ہو گئی مگر ان کو اجر ملا (پ ۱۷ انبیاء)

حضرت اسمٰعیل نے کمال اطمینان سے چھری کے نیچے لیٹنا گوارہ کیا اگرچہ بعد میں ذبح سے بچ گئے مگر ان کو اجر کا استحقاق حاصل ہو گیا (پ ۲۳ صافات) کیوں؟ صرف عزم صمیم کی وجہ سے۔ علاوہ اس کے علوم عقلیہ میں مسلم ہے کہ دو تعلیلوں کا توارد معلول واحد پر محال ہے اصحاب حسین تکالیف اہلبیت کے احساس میں از سرتاپا ڈوبے ہوئے تھے۔ عضو عضو اہلبیت کے مصائب سے متاثر تھا اس لئے وہ تلوار اور نیزوں کی تکلیف سے متاثر نہیں ہوئے چونکہ خدا نے کسی شخص کے دو دل اس کے سینہ میں نہیں پیدا کئے۔

(پ ۲۱ احزاب)

فلسفہ ... اور جذبۂ شوق کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ شوق میں کس قدر کشش اور قوت ہے۔ انوار نعمانیہ میں ایک دلکش واقعہ مذکور ہے۔ ایک شخص اپنے محبوب کی طرف متوجہ تھا اور کفگیر کو ہاتھ سے حرکت دے رہا تھا۔ جذبۂ شوق اس قدر بڑھا اور نظارۂ جمال میں اس قدر محو ہوا کہ کفگیر ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ہاتھ اس کا قائمقام ہوا۔ رفتہ رفتہ ہاتھ جل کر خاک ہو گیا مگر مشتاق جمال کو کچھ خبر نہیں ہوئی۔

مصری عورتوں نے حضرت یوسف کو دیکھ کر انتہائے محویت میں بجائے ترنج کے اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے (پ ۱۲ یوسف)

جب شوق میں اتنی قوت ہے اور اصحاب کا شوق شہادت معلوم ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ باوجود اس کامل شوق کے اصحاب حسین کو کوئی اذیت کوئی تکلیف اپنی طرف متوجہ کر سکے۔

دشمنوں کے دلوں میں حسینی شیروں کا دبدبہ

تمہارے لئے ان دونوں گروہوں میں جو باہم گتھ گئے ایک نشانی تھی۔ ایک گروہ تو اللہ کی راہ میں مقابلہ کرتا تھا۔ اور دوسرا کافر تھا۔ جنھیں مسلمان اپنی آنکھوں سے دگنا دیکھ رہے تھے (پ ۳ آل عمران)

یہ آیت بدر کے موقع کی یاد دلا رہی ہے جس میں کافروں کا گروہ مسلمانوں سے دوگنا تھا لیکن پھر بھی مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ آخر اس میں کیا راز تھا اسے دوسری آیت ظاہر کر رہی ہے۔

اگر تم میں سے بیس پرجگر صابر ہوں گے تو وہ دو سو پر بھاری ہوں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو وہ ہزار کافروں پر غالب رہیں گے (انفال پ ۱۰)

فلسفہ تربیت عسکری بجز اسلام کے آجتک کوئی کارگر نہیں ہوا۔

اسلام فنون قاہرہ کا دست نگر نہ تھا اس نے چند ہی آدمیوں میں وہ روح پھونکی انھیں اس قدر پرجگر اور ارادہ کا پکا بنا دیا کہ وہ بڑی بڑی کثیر جماعتوں سے مقابلہ کر سکے۔

اٹھارہ بنی ہاشم اور چون اصحاب کی تعداد ہی کیا جس میں بہت سے مجاہد کا بھی شمار تھا یہ لوگ دو ایک کے مقابلے میں نہیں آئے بلکہ ہتھیار بندوں کی بہت بڑی اور کثیر جماعت کے مقابلے میں ڈٹ گئے جن کی تعداد بقول بعض ۲۲ ہزار (امام شافعی) اور بقول بعض چھ ہزار (ابو مخنف) اور بعض کا خیال دو لاکھ سے ۵ لاکھ ہے۔ بہرحال ۲۰ ہزار سے کم اور ۱۵ ہزار سے زیادہ نہیں (ناسخ ۲۴۲)

(اکاون ہزار سے زیادہ جو تعداد بتائی جاتی ہے اس میں وہ لوگ بھی شریک ہیں جو لشکر کی مختلف ضروریات کے متکفل تھے)

حسینی فوج کے ایک ایک سرفروش نے بڑی بڑی جماعتوں کو زیر و زبر کر ڈالا۔ صرف حر نے بقول ابی مخنف کم از کم

ستر اشخاص قتل کئے۔ وہب بن عبداللہ نے بارہ پیادے انیس سوار "بریر بن خضیر نے ۳۰ اشخاص مسلم بن عوسجہ نے پچاس اشخاص، پسر مسلم نے ۳۰ اشخاص حبیب نے ۶۲ اشخاص۔

ممکن تھا کہ ہم تمام اصحاب کے مقتولوں کی فہرست پیش کر دیتے لیکن انفرادی حیثیت سے اس میں اختلافات ہیں اور ہم سرسری بحث کے ساتھ گزرنا چاہتے ہیں اس لئے اس بیان کو کافی سمجھتے ہیں تاہم یہ نتیجہ صاف طور سے نکالا جا سکتا ہے کہ آسمان و زمین کے بادشاہ کا ہاتھ اصحاب حسین کی پشت پر تھا اس لئے کہ آیت بالا میں یہ دکھایا گیا ہے کہ ۲۰ صابر ۲۰۰ پر غالب آئیں گے اور ۱۰۰ ایک ہزار پر۔ معرکۂ کربلا میں جو صورت اصحاب کے سامنے پیش تھی اس کا عجیب عنوان تھا ایک آدمی کے مقابلہ میں ایک ایک ہزار کا پرا تھا بلکہ ایک ایک کے مقابلہ میں ہزاروں کا لشکر سمٹ آتا تھا اور یہ سب کو بھگا دیتے تھے اور اس وجہ سے دشمنوں کے دل ان سے دہلے ہوئے تھے۔ ہم ذیل میں چند عبارتیں پیش کرتے ہیں جن سے ظاہر ہوگا کہ لشکر یزید کو حسینی سرفروشوں سے کس قدر دہشت و ہراس تھا اور اصحاب حسینی کے متعلق ان کے دلوں میں کیسے خیالات موجزن تھے جب عابس بن شبیب جنگ کے لئے آتے ہیں تو انھوں نے الا رجل۔ الا رجل (کیا کوئی مرد ہے) کی آواز بلند کی ربیع بن تمیم لشکر عمر سعد میں ایک شخص تھا کہنے لگا کہ میں عابس کو خوب پہچانتا ہوں ایھا الناس ھذا اسد الاسود ھذا ابن شبیب خبر ہے یہ شیروں کا شیر ابن شبیب ہے جو اس کے سامنے جائے گا وہ بچ کر موت سے نجات نہیں پا سکتا (ناسخ ص۲۷۵)

(طبری) عمر بن حجاج (سردار لشکر ابن سعد) نے با آواز بلند کہا "تمھیں معلوم ہے تم کس سے لڑ رہے ہو۔ یہ ملک کے شہسوار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی جانوں کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ تم میں سے فرداً فرداً ان سے کوئی مقابلہ نہ کرے یہ تھوڑے سے ہیں اور تھوڑی دیر زندہ رہیں گے۔ مگر خدا کی قسم اگر تم سب مل کر ان پر پتھر نہ برساؤ گے تو یہ تم کو فنا کر دیں گے۔ ابن سعد نے کہا بیشک تمھاری رائے صحیح ہے (طبری)

کسی شخص نے لشکر یزید کے کسی سپاہی سے کہا۔ افسوس تم نے فرزند رسول سے جنگ کی کہا تمھیں پتھر چبانا نصیب ہو جو ہم نے دیکھا اگر تم بھی وہاں دیکھتے تو ہم نے کیا کیا ایک جماعت ہم پر ٹوٹ پڑی جو ہاتھ شیروں کی طرح تلواروں کے قبضوں میں ہاتھ ڈالے ہوئے تھے داہنے بائیں شہسواروں کو چور کئے دیتی تھی اپنے کو موت کے منہ میں ڈالے دیتی تھی یا نہ وہ امان کو قبول کرتی تھی، نہ مال و دولت کی طرف رغبت کرتی تھی اور نہ کوئی شے اس کے اور موت کے گھاٹوں پر اترنے اور ملک پر غالب آنے کے درمیان حائل ہوتی تھی۔ اگر ہم تھوڑی دیر کو بھی اپنا ہاتھ روک لیتے تو وہ تمام لشکر کو فنا کر دیتی پھر ایسے وقت ہم بجز اس کے اور کیا کرتے (تیری ماں مر جائے) (ناسخ ص۲۴۲)

سرفروشوں کے جوش سے اُبلتے ہوئے کلمات

ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کو کر کے نہیں دکھاتے۔ خدا کے نزدیک بڑے غضب کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جس کو پورا نہ کر سکو (پ۲۸ سورۂ صف ۲) آیت کے تیور بتاتے ہیں کہ بے بنیاد دعوؤں کی رد پر تلی ہوئی ہے تاریخ شاہد ہے، ان لوگوں کے زبانی لقلقہ ہو جاتی ہے جو بڑھ بڑھ کے باتیں کرتے تھے اور عملی میدان ان سے خالی رہتا تھا۔ اصحاب رسول ایک روز بیٹھے ہوئے گفتگو کر رہے تھے کہ اگر ہماری نظر میں وہ عمل معین ہو جائے جو خدا کو سب سے زیادہ پسند ہے تو ہم اس کی تعمیل میں اپنی جان و مال سے بھی دریغ نہیں کریں گے جب آیت (ان اللہ یحب الذین (پ۲۸ صف)) نازل ہوئی تو یہ لوگ جنگ احد میں بھاگ گئے دکھائی دیئے اور رسول کو دشمنوں کے مجمع میں

چھوڑ گئے (درمنثور سیطی ۱۱۹/۲ و ۲۱۴/۳)

ہم اس عنوان کے تحت میں اصحاب حسینؑ کے پرشوکت اور بہادرانہ الفاظ نقل کریں گے جن سے ان کی قلبی حالت معلوم ہوسکے گی اور ناظرین کو اس موازنہ کا موقع ملے گا کہ حسینؑ کے اصحاب کے دہن سے جو لفظیں نکلی تھیں وہ کمال تک سچائی میں ڈوبی ہوئی تھیں

اصحاب نے اہلبیت سے کہا کہ ہماری جانیں آپ پر قربان ہمارا خون آپ پر نثار ہماری روحیں آپ پر فدا خدا کی قسم جب تک ہمارے دم میں دم ہے آپ کو کوئی گزند نہیں پہونچ سکتا۔ ہم نے تلواروں کے لئے اپنی جانیں اور نیزوں کے لئے اپنے جسم ہبہ کر دیئے ہیں ہم آپ کے سامنے موت کا شرف حاصل کریں گے جس نے آج نیکی کی اور آپ کو موت سے بچا لیا کل کامیابی اس کے لئے ہے۔

مسلم بن عوسجہ نے کہا میں آپ کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک میرا نیزہ اعدا کے سینہ میں نہ ٹوٹ جائے۔ میں انھیں اپنی تلوار سے ماروں گا اور اگر میرے پاس کوئی ہتھیار نہ رہے گا تو میں ان پر سنگباری کروں گا۔ یہاں تک کہ مجھ کو موت آ جائے۔ (کامل ابن اثیر)

سعد بن عبداللہ حنفی نے کہا خدا کی قسم اگر مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ میں قتل کیا جاؤں گا۔ پھر زندہ کیا جاؤں گا۔ پھر جلا دیا جاؤں گا۔ اور یہ سلوک میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا تو بھی آپ کا ساتھ اس وقت تک نہ چھوڑوں گا جب تک موت سے بغلگیر نہ ہو جاؤں اور جب یہ معلوم ہے کہ ایک ہی بار مرنا ہے اور اس کے بعد وہ کرامت ہے جو کبھی ختم نہیں ہوسکتی تو کس طرح اس سے باز رہ سکتا ہوں

پھر زہیر بن قین نے کہا خدا کی قسم میں تو یہ چاہتا ہوں کہ قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں یہاں تک کہ اس طرح ہزار مرتبہ قتل کیا جاؤں مگر اللہ میرے اس قتل سے آپ کی اور آپ کے جوانان اہلبیت کی جانوں سے اس مصیبت کو دفع کر دے۔ پھر باقی اصحاب نے بھی ملتی جلتی تقریریں کیں اور سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کو ہرگز نہ چھوڑیں گے اور اپنی جانیں آپ پر نثار کر دیں گے ہم اپنے گلوں پیشانیوں اور ہاتھوں سے آپ کو بچائیں گے جب قتل ہو جائیں گے تو ہمارا عہد پورا ہمارا فریضہ ادا ہو جائے گا۔

(طبری) یہ کلمات اس خطبہ کا جواب ہیں جس میں سید الشہداء نے شب عاشور اصحاب کی گردنوں سے اپنی بیعت نکال کر سب کو رخصت دیدی تھی کہ تم سب مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ محمد بن حضرمی کو اطلاع ہوئی کہ تمہارا بیٹا ملک رے میں گرفتار ہو گیا۔ امام حسینؑ نے فرمایا میں نے تم سے اپنی بیعت اٹھالی تم اپنے لڑکے کی رہائی کی فکر کے لئے چلے جاؤ۔ محمد نے کہا اگر میں آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں تو مجھے درندے کھا جائیں (ناسخ ۲۱۵/۲)

مولا کوئی مخلوق روئے زمین پر قریب ہو یا بعید میرے نزدیک آپ سے زیادہ عزیز محبوب نہیں ہے اور اگر مجھے قدرت ہوتی کہ میں آپ سے ظلم و قتل کو کسی ایسی شے سے دفع کرتا جو میری جان میری خون سے زیادہ مجھے عزیز ہوتی تو میں اسے بھی صرف کر کے دفع کرتا۔

(ناسخ ۲۲۴/۲)

امام کے خطبہ پر حسینی شیروں کا جوش و خروش

امام نے کربلا پہونچکر ایک خطبہ فرمایا۔ لوگ باطل سے باز نہیں آتے اور حق کی طرف قدم نہیں اٹھاتے۔

میں تو موت کو سعادت اور ظالموں کے ساتھ زندگی کو ناگوار سمجھ رہا ہوں۔

حضرت کی یہ تقریر سنکر جان نثار ابل پڑے اور ابل کر پرجوش تقریروں سے امام کا خیر مقدم کیا۔

زہیر بن قین نے کہا فرزند رسول! ہم نے آپ کا ارشاد سنا اگر دنیا باقی رہے اور ہمیں اس میں ابدی زندگی ملے تو بھی ہم دنیا کی ابدی زندگی پر آپ کی ہمراہی کو ترجیح دینگے

پھر بلال بن نافع بجلی نے کہا خدا کی قسم ہم نے اپنے

خدا کی ملاقات کو مکروہ نہیں سمجھا اور ہم اپنی نیتوں بصیرتوں پر قائم رہا آپ کے دوستوں سے محبت رکھیں گے اور آپ کے دشمنوں سے دشمن رہیں گے پھر بریر بن حضیر نے خدا کی قسم کھا کر کہا فرزند رسول ہم پر تو اللہ نے آپ کے سامنے جہاد کا موقع دیکر احسان کیا ہے ہمارے اعضاء آپ کی نصرت میں ٹکڑے ٹکڑے ہوں گے پھر آپ کے نانا قیامت میں ہمارے شفیع ہوں گے۔ بریر بن حضیر نے کہا فرزند رسول! آپ جانتے ہیں کہ آپ کے نانا رسول خدا اپنی محبت کا پیالا لوگوں کو نہ پلا سکے کچھ ان میں منافق تھے جو زبان سے محبت کا وعدہ کرتے تھے اور دل میں غدر کا ارادہ رکھتے تھے ملتے وقت شہد سے زیادہ شیریں اور غیبت میں اندرائن سے زیادہ تلخ۔ یہ صورت ان لوگوں نے رسول کی وفات تک رکھی۔ یہی حالت آپ کے والد علی کی بھی تھی ایک جماعت نے ان کی مدد پر اتفاق کیا اور ان کے ساتھ مل کر ناکثین (جمل) وقاسطین (صفین) اور مارقین (خوارج) سے جہاد کیا۔ یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے آپ بھی آج ہمارے سامنے اس حالت میں ہیں جو شخص آپ سے عہد شکنی کرے اور بیعت توڑے وہ اپنے نفس کو ضرر پہونچائے گا اور خدا اس سے بے نیاز ہے آپ ہمیں خواہ مشرق خواہ مغرب میں لے چلیں نہ ہم تقدیر الہٰی سے ڈرتے ہیں اور نہ خدا کی ملاقات ہم کو ناگوار ہے۔ ہم نیتوں اور بصیرتوں پر قائم ہیں۔ آپ کے دوست کے دوست آپ کے دشمن کے دشمن رہیں گے (ناسخ ص ۲۴۲)

جون غلام ابوذر غفاری جب امام کی خدمت میں اجازت کے لئے آئے ہیں تو حضرت نے فرمایا میں اجازت دیتا ہوں تم یہاں سے چلے جاؤ اس مصیبت میں گرفتار نہ ہو۔ جون نے اس کے جواب میں جو کچھ کہا وہ قابل غور ہے۔

جون نے کہا اے رسول کے بیٹے راحت کے زمانے میں تو میں آپ کا پیالہ چاٹوں اور سختی کے موقع پر آپ کو چھوڑ دوں بیشک میرے جسم کی بو ناگوار اور میرا حسب ذلیل ہے رنگ میرا سیاہ ہے آپ مجھے جنت میں پہونچا کر میری تکلیف دور فرمائیں تاکہ میرے جسم کی بو بھلی حسب شریف رنگ سفید ہو جائے۔ خدا کی قسم میں آپ کو نہ چھوڑوں گا جب تک میرا خون سیاہ آپ کے خون میں مخلوط نہ ہو جائے۔ (ناسخ ص ۲۴۲)

اصحاب کی دشمنوں کی رہنمائی کیلئے تقریریں

قانون الہی کے موافق جو ہلاک ہو وہ حجت تمام ہونے کے بعد ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ حجت تمام ہونے کے بعد زندہ رہے۔ (انفال ع ۴۲)

اسی وجہ سے اہل ایمان اتمام حجت کو ایک زبردست فریضہ جانتے ہیں اور مواعظ ونصائح وہدایات میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے۔ اصحاب حسینؑ نے ایسے تنگ وقت میں بھی آخر تک اس اصول کو پیش نظر رکھا۔ موعظت ونصیحت کو کس انداز واسلوب سے عمل میں لائے عقول اس کا معیار مقرر کرنے میں حیران ہیں وہ جوش تھا جو آج تک اسٹون اور برگ کی مشہور اسپیچوں کو نصیب نہیں۔ فصاحت وبلاغت وہ کہ جس کے جواب کی ہزاروں کے مجمع میں سے کسی ایک کو بھی جرأت نہیں ہوئی۔

بریر بن حضیر کا خطبہ:۔

اے قوم خدا سے ڈرو یقین مانو کہ محمدؐ کی گراں مایہ امانت تمہارے سامنے ہے یہ محمدؐ کی ذریت اور ان کی عزت ان کی بیٹیاں اور ان کے حرم ہیں۔ تمہارا ان کے بارے میں کیا خیال ہے ان کے متعلق کیا ارادہ ہے کیا تمہیں ان کی یہ خواہش منظور نہیں کہ یہ جہاں سے آئے ہیں وہیں چلے جائیں وائے ہو تم پر اے اہل کوفہ تم کیا اپنے خطوط کو بھول گئے اور اپنے عہد فراموش کر دئے ہائے افسوس تم نے ان کو اپنے نبیؐ کا اہلبیت سمجھ کر بلایا اور یہ گمان کیا کہ تم ان کے سامنے اپنی جانیں دیدو گے مگر جب وہ آ گئے تو تم نے انھیں ابن زیاد کے سپرد کر دیا اور انھیں آب فرات سے روک دیا تم نے اپنے نبی کی ذریت

کے ساتھ کس قدر برا سلوک کیا خدا تمہیں قیامت میں سیراب نہ کرے تم بہت بری قوم ہو۔ (ناسخ ص۲۵۱ ج۲)

اسلام نے آخری حربہ جو مخالفین کے مقابلہ میں استعمال کیا تھا وہ بظاہر کچھ زیادہ وزنی نہیں تھا مگر حقیقت میں نہایت سنگین تھا جس کا نام مباہلہ ہے جو لوگ عیسیٰ کے بارے میں تم سے بحث کرتے ہیں ان سے کہہ دو تو ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ ہم اپنی عورتوں کو بلائیں تم اپنی عورتوں کو بلاؤ ہم اپنے نفسوں کو بلائیں تم اپنے نفسوں کو بلاؤ۔ پھر ہم سب مل کے گڑگڑا کر خدا سے ایک دوسرے پر لعنت کی درخواست کریں۔ (آل عمران ص ۳/۶۲)

یہ حربہ ہر شخص استعمال نہیں کر سکتا اس حربہ سے وہی کام لے سکتا ہے جسے اپنی حقانیت کا پورا علم ہو جس کے سامنے سے حجاب اٹھ گئے ہوں (دیکھو حسینی مجاہد دشمن پر کیوں کر حجت تمام کرتا ہے اور کس اطمینان کے ساتھ مباہلہ کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یزید بن معقل نے میدان میں نکل کر کہا اے بریر تمہیں احساس ہوا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا کیا بریر نے کہا بخدا میرے ساتھ اس نے بڑی بھلائی کی اور تیرے ساتھ برائی سے پیش آیا۔ یزید نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو ذرا اس وقت کو یاد کرو جب ہم تمہارے ساتھ میں بوداں جا رہے تھے اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان اپنے نفس پر اسراف کرتے ہیں اور معاویہ گمراہ کن ہے اور امام برحق علی ہیں بریر نے کہا بیشک میری رائے اور میرا قول اب بھی یہی ہے یزید نے کہا میں تم کو گمراہ سمجھتا ہوں بریر نے کہا اچھا تم اس بات پر ہم سے مباہلہ کر سکتے ہو۔ خدا جھوٹے پر لعنت کرے اور باطل پرست کو قتل کرے پھر ہم تجھ سے مقابلہ کریں دونوں نے میدان میں نکل کر مباہلہ اور مقابلہ کیا دونوں طرف رد و بدل ہوئی۔ یزید کا وار خالی گیا اور بریر نے ایسی تلوار ماری جو خود کو کاٹ کر دماغ تک پہنچ گئی اور تلوار زخم سے نکلنے بھی نہ پائی تھی کہ وہ گر کر ہلاک ہو گیا اور میدان مباہلہ بریر کے ہاتھ رہا حنظلہ بن سعد (شاید یہی سعد بن حنظلہ ہیں) امام کے سامنے کھڑے تھے اور جتنے تیر لشکر یزید سے آتے تھے اپنے سینہ پر روک لیتے تھے اور اسلام کش لشکر سے کہتے تھے اے قوم میں تجھ پر یوم الاحزاب اور قوم نوح عاد و ثمود اور ان کے مابعد والے لوگوں کی طرح عذاب کا خوف کرتا ہوں اللہ اپنے بندوں پر ظلم کا ارادہ نہیں کرتا اے قوم میں تجھ پر عذاب روز قیامت کا خوف کرتا ہوں جس روز کہ تم منہ پھیر کر جہنم کی طرف پلٹو گے اور عذاب خدا سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ اے قوم حسینؑ کو قتل نہ کرو ورنہ عذاب خدا میں گرفتار ہو جاؤ گے دیکھو جس نے خدا پر افترا کیا وہ گھاٹے میں رہے۔ (ناسخ ص۲۵۱ ج۲)

زہیر بن قین اپنے گھوڑے پر ہتھیار لگائے برآمد ہوئے اور فرمایا کہ اے اہل کوفہ ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کی نصیحت کا حق حاصل ہے اور ہم تم ایک دین پر ہونے کی وجہ سے بھائی بھائی ہیں جب تک ہم سے تم سے تلوار نہ چلے اور جب تلوار چل گئی تو برادری منقطع ہو گئی۔ ہم تم ایک امت ہیں اللہ نے ہمیں اور تمہیں ذریت محمدؐ کے بارے میں آزمایا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ ہم تم کیا طرز عمل اختیار کرتے ہیں ہم تم کو ذریت محمدؐ کی نصرت اور عبید اللہ بن زیاد سرکش سے دستبردار ہونے کی دعوت دیتے ہیں اس لئے کہ تم اس سے اور عمر سعد سے سوا برائی کے کچھ نہ پاؤ گے وہ دونوں تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے اور درخت خرما کی شاخوں میں تم کو لٹکائیں گے اور تم لوگوں کو حجر بن عدی اور ان کے ساتھی ہانی بن عروہ کی طرح قتل کریں گے راوی لکھتا ہے کہ اس تقریر کا جواب دشمنوں کی طرف سے دشنام کے ساتھ دیا گیا مگر بریر نے تحمل کر کے جواب دیا۔ بندگان خدا! اولاد فاطمہ بہ نسبت سمیہ کے بیٹے ابن زیاد کی محبت و

نصرت کی زیادہ حقدار ہے اگر تم ان کی نصرت نہیں کرتے تو کم از کم ان کے قتل کرنے سے تم کو خدا سے ڈرنا چاہیے اور ان کے قتل ہی سے باز آؤ۔ (اسرار الشہادۃ ص۲۲۵، ابن اثیر ج۴ ص۲۷)

حرؔ نے کہا! کوفیو! تمہاری مائیں روئیں پیٹیں تم نے اس نیک بندے کو بلایا اور جب وہ تمہارے پاس آیا تم نے اس کو چھوڑ دیا پہلے تم نے وعدہ تھا کہ تم اس کی مدد کرو گے پہلے تم نے یہ کہا تھا کہ تم اپنی جانیں اس پر نثار کرو گے پھر تم اس کے ساتھ دھوکے سے پیش آئے اور اس کے قتل کا ارادہ کرکے اسے مجبور بنا دیا اور اسے ہر طرف سے گھیر لیا تاکہ خدا کی وسیع ملک میں نہ جا سکے۔ اب وہ تمہارے ہاتھوں میں گویا اسیر ہے۔ نہ اپنے کو نفع پہونچا سکتا اور نہ نصرت کو دور کر سکتا ہے تم نے اسے اور اس کے بچوں کو فرات کے آب جاری سے روک دیا۔ جسے یہود و نصاریٰ پی رہے ہیں اور عراق کے سور اور کتے اس میں لوٹ رہے ہیں اور سب وہ پیاس کے مارے تڑپ رہے ہیں کیا برا سلوک کیا تم نے ذریت محمدؐ سے خدا تم کو قیامت میں سیراب نہ کرے۔ (ناسخ ص۲۵۸، ابن اثیر ج۴ ص۲۷)

تبصرہ

ان خطبوں کو غور سے مطالعہ کرنے کے بعد حیاں ان خطبوں کے حسن تکلم، قادر الکلامی فصاحت و بلاغت جوش ایمانی انتہائی استقلال و شجاعت کی کھلی ہوئی نشانیاں موجود ہیں یہاں جدال حسن اور اتمام حجت کے بھی بے نظیر نمونے نظر آ رہے ہیں۔ حقیقتاً ایسے نازک وقت میں اصول تبلیغ کی یہ مراعات اور اتمام حجت کا یہ لحاظ انھیں بہادروں کا کام تھا۔ وقت اور موقع کا خیال۔ مخاطبین کی حیثیت کا لحاظ اداکے مطلب کا طرز حجت کے تمام کرنے کا طریقہ استدلال کا عنوان یہ سب ہی باتیں تو ان خطبوں میں قابل غور ہیں۔

دیکھو ایک مختصر سی مظلوم اور بے کس اور چاروں طرف سے گھری ہوئی جماعت کا ایک تشنہ لب خطیب بریر بن حضیر ایک ظالم و جابر و متغلب اور اسلام کش گمراہوں کی خونخوار جماعت کو حدیث ثقلین یاد دلاکر حجت تمام کر رہا ہے اور اس مرتبہ ملامت قوم کو اس کے نازیبا حرکات اور غدارانہ چالوں پر متنبہ کرکے جدال حسن کی تفسیر کر رہا ہے اور پھر بھی ہے اس مویہ شاہی مجمع میں بھی عمل کی حقیقت اور اغیار کی ناحق کوشش کو واضح کرکے انتہائی شجاعت اور یقین کے ساتھ میں مباہلہ کی دعوت دیتا ہے اور دوسرا خطیب حنظلہ بن سعد کس طرح مثالیں دے دے کر اس منحوس قوم کو الٰہی اور اس کے عدل سے ڈراتا ہے اور تیسرا خطیب زہیر بن قین کیسے نرم الفاظ و ناصحانہ انداز بہادرانہ و مخلصانہ طور سے اس نا انصاف قوم کو سمجھاتا ہے اور دشنام کا جواب صبر و تحمل سے دیکر کس طرح اپنے مطلب پر آتا ہے اس خونخوار مجمع کو دختر رسول کا واسطہ دیکر حضرت حسین کے قتل سے باز رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور چوتھا خطیب حرؔ بن یزید ریاحی ایک تازہ نام ہونے کی حیثیت سے کس قدر جوش میں ڈوبا ہوا ہے اس لئے اس کے استدلالی الفاظ کس قدر سخت ہیں مگر وہ اپنے مقصد پر آ جاتا ہے اور اس ظالم قوم کو متنبہ کرکے اپنے حق کو ادا کر دیتا ہے۔

اصحاب اور نظارۂ جنت

مسکرا کر رشتہ والوں نے کہا کیا دیکھا
وہ پکارے کہ فخر الفت مولا دیکھا
جیتے جی جنت فردوس کا جلوہ دیکھا
اپنے گھر دیکھ لئے سایۂ طوبیٰ دیکھا
اب کتنی ہے مرنے میں بہانے ہوتا
جان و دل لے گئے حوروں کے اشارے ہوتا

شاعر نے جس مضمون کو ادا کیا ہے وہ اسلام کی مختلف کتابوں میں موجود ہے۔ شیخ قطب الدین راوندی ابو حمزہ ثمالی سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت علی ابن الحسین فرماتے ہیں حسینؑ جس شب کی صبح کو شہید ہونے والے تھے آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کر کے فرمایا۔ یزیدیوں کو میرے سوا کسی سے غرض نہیں۔ پردۂ شب حائل ہے تم واپس چلے جاؤ میں اپنی بیعت تم سے اٹھائے لیتا ہوں صحابہ نے ایک زبان ہو کر کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ امامؑ نے فرمایا کل کوئی نہیں بچے گا۔ صحابہ نے کہا خدا کا شکر اس نے ہمیں آپ کے ساتھ شہید ہونے کے شرف سے ممتاز فرمایا۔ امامؑ نے اس آزمائش کے بعد فرمایا:۔

اچھا اپنا سر اٹھا کر دیکھو ان لوگوں کو اپنی منزل جنت میں نظر آنے لگی۔ امام فرماتے جاتے تھے اے فلاں یہ تیری منزل ہے۔ یہ تیری منزل ہے اور اسی وجہ سے نیزوں اور تلواروں کو اپنے سینوں سے روکتے تھے کہ جنت میں اپنی منزل پر پہونچ جائیں (شفاء الصدور)

امام نے فرمایا یقین جانو یہ جنت ہے جس کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں اور نہریں اس کی متصل ہیں اور پھل اس کے رسید ہو گئے، قصر اس کے مزین ہیں حور و غلمان اس کے آراستہ ہیں۔ یہ رسولؐ اور ان کے شہداء اور میرے والدین تمہارے آنے کے منتظر ہیں تم کو بشارت دے رہے ہیں اور تمہارے مشتاق ہیں

صدوق عمارہ کی سند سے علل الشرائع میں روایت ہے کہ صادق آل محمدؐ سے پوچھا گیا کہ حسینؑ کے اصحاب مرنے پر اس قدر کمربستہ کیوں تھے۔ فرمایا ان کی آنکھوں سے پردے اٹھا دیئے گئے تھے تاکہ حوروں سے بغلگیر ہوں اور جنت میں اپنی جگہ پر قابض ہوں (شفاء الصدور ۲۶۶)

معزز اصحاب کی آنکھوں سے پردہ کدورت دنیا میں پردوں کا اٹھنا اور ان کا جنت کو گہری نظر سے دیکھ لینا ہماری آنکھوں سے ان کے فضائل اور خصوصیات کے پردے اٹھا دیتا ہے کیونکہ یہ مشاہدہ عرفاء کے مکاشفے سے کہیں بلند ہے اصطلاحی مکاشفہ یہ ہے کہ "جسم برزخی" عین الشہود کے سامنے آجائے اور یہاں جسم برزخی کا مشاہدہ نہ تھا بلکہ عین جنت آنکھوں کے سامنے تھی (اسرار الصف ۲۷)

تبصرہ

کہا جاتا ہے کہ (۱) اس دنیا میں جنت کوئی نہیں دیکھ سکتا ہے جو روایات بتاتے ہیں کہ جنت دنیا میں دیکھی گئی ان کی تائید جب تک قرآن سے نہ ہو اس وقت تک منزل اعتبار میں ان کا کوئی وزن قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کی ذیل کی آیت اس موضوع پر روشنی ڈالتی ہے:

"وہ لوگ جو خدا کی راہ میں قتل ہو گئے ان کی کارگزاریوں کو خدا اکارت نہ کرے گا اور عنقریب ان کو منزل مقصود پر پہونچا دے گا۔ اور ان کی حالت درست کر دے گا۔ اور انھیں جنت میں داخل کر دے گا جس کا انھیں پہلے سے شناسا کر رکھے گا۔ جملہ "عرفہا لہم" اس امر پر کہ دنیا میں جنت کے دیکھنے کا امکان ہے کافی روشنی ڈال رہا ہے اور شہیدوں کے لئے دنیا میں بھی معائنہ جنت کی تجویز کو تقویت دے رہا ہے۔

(۲) کہا جاتا ہے کہ حسین کے اصحاب نے جنت و حور و قصور کی زیارت کر لی تو ان کا جنت کی طرف کھنچ جانا ایک لابدی امر تھا اور ایسی صورت میں ان کے کارنامے اپنے اختیار سے نہ تھے بلکہ جو کچھ اس موقع پر کیا جا سکتا ہے وہ جنت کی پُرزور کشش ہے۔ مقناطیس اگر لوہے کو کھینچ لے تو اس سے لوہے کی کوئی مدح نہیں کی جا سکتی بلکہ مقناطیس کا زور جذب بیان کیا جا سکتا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جنت کے دیکھنے اور انسان کے کھنچ جانے میں کوئی لزوم عقلی نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جنت کا نظارہ قلب میں کوئی تڑپ نہ پیدا کرے۔ شیطان نے جنت کے زاویوں کا جس اطمینانی نظر سے معائنہ کیا ہوگا وہ ظاہر ہے مگر باوجود اس کے جنت اس کو کھینچ نہ سکی۔

اس نے نہایت آزادی سے خدا کی نافرمانی کی اور جنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔ (اعراف ۱۲/۲۰) لہٰذا ہمیں جنت کے جاذب نظر ہونے میں کلام نہیں لیکن اگر ناظر جذب ہونے کا ارادہ نہ کرے تو وہ کشش اس کو جذب نہیں کر سکتی۔ اب رہا جذب مقناطیسی پر معائنہ جنت کا قیاس وہ کسی طرح درست نہیں ہے مقناطیس میں قوت جاذبہ ضرور ہے مگر وہ ہے کو اس لئے کھینچتا ہے کہ لوہے میں بھی جذب ہونے کی صلاحیت ہے وہ پتھر کو جذب نہیں کر سکتا کیونکہ پتھر میں جذب کی صلاحیت نہیں ہے۔ مقناطیس میں قوت جاذبہ ہے لیکن اگر لوہے اور مقناطیس کے درمیان کوئی تیسری چیز حائل ہو جائے اور پھر بھی لوہا مقناطیس کی طرف اڑ جائے تو ہم جانیں۔ معائنہ جنت میں کشش ہے اور اصحاب حسین میں کھنچ جانے کی صلاحیت۔ مگر وصال اور جنت کی شاہراہ میں جب نفس کا بڑا وزنی پتھر حائل ہے اپنی گردن کے خون کے دینے سے اس پتھر کو ہٹائیں تو منزل مقصود تک پہونچیں پھر قابل غور بات یہ ہے کہ جنت تو ان کو ایک مرتبہ دکھا دی گئی تھی اگر جنت کی تصویر بروقت ان کے پیش نظر رہتی تو وہ تصویر کو سامنے رکھ کر اپنی جان تلف کر کے اپنے خون سے اس میں رنگ بھر سکتے تھے۔ حالانکہ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ اقلیدس کے اصول موضوعہ کی طرح یہ امر محتاج دلیل نہیں ہے کہ اگر پتلی کو بیر رکھ کر کے آگ پر رکھیں گے تو وہ اچھل پڑے گی۔ ایک بھوکے کے سامنے لطیف کھانے چن دئے جائیں گے تو وہ ٹوٹ پڑے گا ایک شخص کو اگر اس کی امید سے بہت زیادہ بلند بام ترقی پر چڑھا دیا جائے تو وہ انتہائی مسرت میں اپنے کو کوٹھے سے گرا کر ہلاک کر دے گا۔ وہ مخبوط الحواس ہو جائے گا دیکھو ایک وصال کا بھوکا جب کامیاب ہوتا ہے

اور اسے دوست کی زیارت نصیب ہوتی ہے تو اس نعمت کے ملنے کی وجدانی مسرت اسے شادی مرگ میں مبتلا کر دیتی ہے غالب نے اس فلسفہ کو ذیل کے شعر میں نظم کیا ہے۔

خوش ہوتے ہیں پر وصل میں یوں مر نہیں جاتے
آئی شب ہجراں کی تمنا مرے آگے

اس نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے جنت کا معائنہ اصحاب کے کمال عرفان کی دلیل ہے اگر اس موقع پر کچھ اور تنگ نظر افراد ہوتے تو وہ اس سے اپنے بہبود کے خلاف جلد بازی سے کام لیکر جنت کے دیدار کا خونچکاں سے استقبال کرتے۔ انتہائی شوق بے امتیاز اور غیر معتدل عنوان سے گردنوں کو نا پتا اور اس خیال کی اجازت نہ دیتا کہ ہم جنگ کی ابتداء کر رہے ہیں یا دفاعی اقدام کر رہے ہیں علاوہ اس کے ایک بے دین جماعت کہہ سکتی ہے کہ معاذ اللہ یہ بنی ہاشم کی طلسم کاریاں اور ساحرانہ کرشمے ہیں۔ مگر حسین کے جاں نثاروں نے خود سے اپنے ہاتھوں اور پیروں میں ہتھکڑیاں اور بیڑیاں ڈال لی تھیں اگر اس جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو فرط شوق میں امام سے اجازت کی بھی ضرورت نہ سمجھتا اور اپنے کو لشکر مخالف پر ڈال دیتا مگر حسینؑ کے اصحاب کا شاہی شوق بالکل جداگانہ تھی کوئی شخص بغیر اذن امام کے ایک قدم آگے نہیں بڑھاتا تھا اگر کوئی اتفاق سے بڑھ گیا تو فوراً واپس آتا تھا اور امام سے عفو کا طالب ہوتا تھا اتنے بڑے معرکہ میں ان امور کا خیال ایک حیرت انگیز اطمینان اور سکون کا پتہ دیتا ہے عمر وہ حر کا غلام اپنے مالک کی شہادت کے بعد بے خود ہو کر بغیر اجازت امام جنگ کے لئے چلے گئے تھے جب خیال آیا تو فوراً پلٹے اور عرض کیا فرزند رسول مجھے معاف فرمائیے میں آپ سے بغیر رخصت حر کے قتل سے بے خود ہو کر بڑھ گیا تھا۔

میرے مولا کے سپاہی

جناب مولانا سید ابرار حسین صاحب پاروی اعلی اللہ مقامہ

روزِ ازل سے عالم میں بقائے ملک و سلطنت کے لیے کروڑوں لڑائیاں ہو چکیں اور آئے دن سلطنتوں میں جہد للبقاء کے لیے جنگیں ہوتی رہتی ہیں ارباب تاریخ ان لڑائیوں کی پوری کیفیت اور ان کے عنوان سے بخوبی واقف ہوں گے۔ دنیا کا کوئی لشکر کامیابی کے ساتھ اس وقت تک جنگ نہیں کر سکتا جب تک کہ اس کو فتح کی کچھ بھی امید نہ ہو میدان جنگ میں قدم رکھنے والا سپاہی اگر شروع سے آخر تک ناکامی ہی کی صورت دیکھتا رہا اور آئینہ سیف میں اپنی موت کی تصویر دیکھے اور فتح کی کوئی جھلک ہی نہ دکھائی دے تو کبھی بازوؤں میں کس بل نہیں پیدا ہو سکتا اور نہ بہادر کا قدم آگے بڑھ سکتا ہے۔ اسی نظریہ کے ماتحت ارباب سلطنت بقائے سلطنت کے لیے اپنی فوج کے آرام کا بے حد خیال رکھتے ہیں۔ غذا کا بہترین سامان عیش و راحت کے سارے طریقے ہر وقت مہیا رہتے ہیں کسی طرح کی کوئی تکلیف فوج کے لیے روا نہیں رکھی جاتی سلطنت کے ادارے میں ابتری ہو جائے اخراجات کی تخفیف ہو جائے مگر فوج کے اخراجات میں ارباب سلطنت کمی کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوتے یہ اس لیے کہ اگر بہترین غذا اور آرام و آسائش نہ پہنچایا گیا تو پھر سپاہی میدان جنگ میں کیا کام کرے گا۔ آج کی متمدن قوموں اور منظم سلطنتوں کا ذکر جانے دیجیے بلکہ آج سے ہزار برس قبل بھی دیکھیے گا تو فوج کے لیے بہترین راحت کا سامان مہیا کرنا ضروری سمجھا جاتا تھا۔ رعایت رکھنے والے سپاہی بھی جب تک آرام سے سیر نہ ہو جاتے تھے میدان میں قدم نہ رکھتے تھے صفین کی جنگ میں ایک روز گھاٹ رک گیا تھا لشکر اسلام میں کھلبلی مچ گئی سپاہیوں نے اسلحہ ڈال دیے اور امیر عرب حضرت علی کے پاس آ کر شکایت کی کہ اگر ہم کو پانی اور کھانا نہ ملے گا تو خاک جنگ ہو گی ہم سے جنگ کرنی ناممکن ہے واقعہ بھی یہی ہے کہ جب تک سپاہی کو آرام اور بہتر غذا نہ ملے جنگ کیونکر کر سکتا ہے۔ عقل اور دنیا کے مشاہدات اس کی تائید کرتے ہیں کہ سپاہی کو بہتر غذا اور دنیا کی فکر سے علیحدہ رکھنا آئین جنگ کا پہلا اصول ہے بغیر ان خصوصیات کے نہ سپاہی فوج میں رہ سکتا ہے اور نہ جنگ کر سکتا ہے دنیا کی کوئی جنگ ایسی نہ ملے گی جس میں سپاہی ان تمام شدائد و آلام کو بھی جھیل کر دنیا کی سختیوں سے مقابلہ کرتا ہوا میدان جنگ میں بہادری سے لڑے، اس قسم کی جنگ اگر کوئی ہے تو ایک اور صرف ایک اس شان کے سپاہی اگر ملیں گے تو صرف ایک جنگاہ میں اور بس وہ کون؟ وہ کربلا کی جنگ اور حسینی سپاہ کے بہتّر سپاہی تھے۔ کربلا کے جان نثارو! میرے مولا کے سپاہیو! تم پر سارے بہادروں کی جانیں نثار ہم غلاموں کی روحیں فدا۔ تم نے اس شان سے جنگ کی کہ اپنی نظیر آپ قائم کر گئے۔ دنیا کے بہادر تمہاری بہادری کے سامنے شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ باوجود یقین شکست تمہارا فاتحانہ انداز سے اقدام دنیائے شجاعت میں ہلچل ڈالے ہوئے ہے۔ بھوک اور پیاس میں تمہارے پے در پے حملے دلوں پر اثر جمائے ہوئے ہیں۔ بہادرو! تمہاری جنگ پر اب تک دنیا کو ناز ہے اور جب تک صفحۂ ارض باقی ہے تمہاری جنگ کا نقش قائم ہے۔

مولا کے سپاہیوں کے خصوصیات

میرے آقا کے سپاہیو! تمہارے خصوصیات کو زمانہ بھولا نہیں بھوک اور پیاس میں جنگ کرنا موت کا یقین کیے ہوئے میدان میں

آنا۔ مرنے کی رات عبادت میں گذارنا۔ پیڑاے ہوئے ہونٹوں پر نمایاں تبسم۔ ایک کا دوسرے پر سبقت، مرتے دم تک سردار لشکر کے احترام کی فرمائش، اور صیانت جھنڈ الامام کا نعرہ، باوجود شدائد امام سے کوئی شکایت نہ کرنا، علیؑ کے لال کی بچانے کی انتھک کوششیں، حمایت اہل حرم میں جانیں دینا، حالت نزع میں مولا کی گود پاکر مسکرانا بہادروں کا کمال رہے یہ وہ خصوصیات ہیں کہ جن کو دنیا بھلا نہیں سکتی۔ عاشور کی خاموش رات میں تلواریں لیکر ٹہلنا۔ اشجع عرب کے گرد حصار، تجہیز حضرت بنت علیؑ کی فرمائش پر تلوار قبضہ سے نکال کر دور خیمہ پر پھینک دینا، یہ وہ مرقع ہے جو عالم کے پردے پر نظر نہیں آتا اس کی ابتدا و انتہا دونوں عاشور کے وسط شب سے عصر کے وقت تک محدود ہے حسینؑ کے فدا ہوا روح نبیؐ کے جان نثار دیا دنیا کے سپاہی تمہاری جنگ دیکھ کر متحیر ہیں کہ کس قوت سے کام لیکر عاشور کی جنگ سر کی۔

لشکر حسینؑ کی ایک زبردست خصوصیت

دنیا کی لڑائیاں جو جہد للبقا کے لیئے لڑی گئیں ان میں بکثرت آپ کو یہ معلوم ہو گا کہ لاکھوں سپاہی اور سپہ سالار لشکر ایک فوج سے نکل کر دشمن کی فوج میں جا ملے۔ تاریخ عالم اپنے دامن میں ایسی ہزارہا مثالیں لیئے ہوئے موجود ہے۔ ایسے غداروں کو دنیا اچھی نظر سے نہیں دیکھتی بلکہ ان کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہوتا ہے جو ہمیشہ کے لیئے رہ جاتا ہے۔ مگر فوج حسینی کے سپاہیوں کی یہ مخصوص شان ہے کہ اگر دشمن کی صف سے بہادرانہ طریقہ سے نکل آیا تو دنیا ان کو کسی طرح برا سمجھنے کے لیئے تیار نہیں ہے کربلا کی رزمگاہ میں پہلا مجاہد حُر جری دشمن کی فوج کو آگاہ کر کے لشکر سے علیحدہ ہوتا ہے اور بارگاہ حسینی میں حاضر ہو کر مظلوم کی فوج کا ممتاز سپاہی بننا چاہتا ہے۔ حُر کا ضمیر اسکی روش پر ملامت کر رہا تھا کہ تو ایک ظالم غدار کے ساتھ کیوں شریک ہو کر مظلوم کے خون سے اپنے خون کو آلودہ کرتا ہے، اب مجھے مولا کے پاس پہونچنا چاہیئے ضمیر کے ان سچے فتوے سے حضرت حُر متاثر ہو کر فوج یزید سے علیحدہ ہوتے ہیں اور مظلوم کربلا کے قریب آنے میں شرم دامن گیر ہے۔ مگر اخلاق حسینی جرأت دلا رہا تھا کہ حسینؑ کریم ابن کریم ہیں اعتراف قصور پر سب خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ یہ خیال کر کے حضرت حُرؑ

آگے بڑھتے ہیں اور مولا کے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں، آنکھوں سے آنسوؤں کا مینہ برسانے لگتے ہیں، مولا نہایت محبت سے گلے لپٹا لیتے ہیں اور اپنے لشکر کا سپاہی بنانا منظور فرماتے ہیں۔ آج دنیا کی تاریخیں حُر کے کیرکٹر کو برا کیوں نہیں کہتیں۔ حُر ایک صف سے علیحدہ ہو کر دوسری فوج میں مل جانے سے برائیوں نہیں کیے جاتے صرف اس لیئے کہ راحت سے تکلیف اور غالب سے مغلوب کی طرف آگئے ہیں۔ اگر مغلوب و مفتوح کی جانب سے علیحدہ ہو کر مال و زر و سلطنت کی غرض سے غالب و فاتح کی صف میں جاتے تو یقیناً معاذ اللہ غدار بے وفا بزدل کہے جانے کے مستحق ہوتے مگر یہ تو سمجھ کر آئے تھے کہ مرنا ضروری ہے، نہ مال و دولت ہے اور نہ ظاہری فتح ہونا نصیب میں ہے بلکہ حق سمجھ کر آئے تھے اور ظالم سمجھ کر اسے چھوڑا تھا ایسے جانبازوں کی بہادری میں اور جلا پیدا ہو جاتی ہے کہ باوجود تمام ظاہری تکلیفوں کے حق و باطل کی جنگ کا صحیح نقشہ دیکھ کر حق کی طرف کھنچ آئے۔ راحت کے ساتھی فتح و غلبہ پانے والوں کے رفیق ہیں جدھر ان کی کامیابی اور مال غنیمت ملنے کی امید نظر آئی اسی طرف مائل ہو گئے لیکن اب تک دنیا اس کی مثال پیش نہیں کر سکی کہ کوئی سپاہی غالب اور فاتح کا ساتھ چھوڑ کر مفتوح و مغلوب کے ساتھ سر کٹانے کے لیئے تیار ہو جائے اور ٹھنڈی دل، آب و طعام سے سیر ہونے والی فوج سے نکل کر چند بھوکے پیاسوں کے ہمراہ تیر کھانے کے لیے آمادہ ہو۔ ایثار و بہادری کی وہ شان ہے جو سوائے تیرے مظلوم مولا کے سپاہی حضرت حُر کے اور کہیں نظر نہیں آسکتی۔

لشکر حسینؑ کی ایک اور خصوصیت

اس لشکر میں سپاہیوں کی بھرتی قد و قامت، قوت و طاقت کے لحاظ سے نہیں ہوئی بلکہ اس لشکر میں ایسے سن کے سپاہی بھی شریک ہیں جن کو دنیا کی فوجیں کبھی اپنی صف میں لینے کے لیئے تیار نہ ہونگی اس لشکر میں حبیب ابن مظاہر جیسا سن رسیدہ بڈھا بھی ہے جو دربار امام میں کمر خمیدہ آیا تھا مگر میدان جنگ میں غیرت صد جوان بن کر آیا، اس کی کمر سیدھی ہو گئی تھی جھریاں مٹ چکی تھیں بازوؤں میں قوت بھی آگئی تھی۔ بڈھوں کے ساتھ علی اکبرؑ ایسا نوجوان اور عباسؑ ایسا علمبردار بھی تھا۔ کربلا کے بہترؑ جاں نثاروں کی یہ مخصوص کیفیتیں

ہمیا جو دنیا کے کسی لشکر کے سپاہی میں نہیں مل سکیں گی۔ حق و باطل میں امتیاز، نصرت حق کے لیئے قربانی، بھوک اور پیاس میں جنگ، اگر دنیا والوں کو سیکھنا ہے تو وہ ان سپاہیوں سے سیکھیں۔ دُنیا کے بہادرو! اگر معرکہ جنگ دیکھنا ہو تو میرے مولا کے سپاہیوں کی لڑائی دیکھو۔ نوجوانان قوم! اگر اپنے میں عزم و استقلال پیدا کرنا چاہتے ہو تو ایثار و ہمت کے ان مجسموں کو دیکھو اور ان سے سبق حاصل کر کے حمایت حق میں قدم باہر نکالو اور ناصران دین میں اپنا نام لکھوا کر حسینی سپاہیوں کے نقش قدم پر چلنے کی مبارک سعی کرو۔

حسینی فوج کی ایک بڑی خصوصیت

حسینی فوج کی سب سے بڑی خصوصیت جو دُنیا کے پردے پر نظر نہیں آسکتی وہ یہ ہے کہ اس لشکر میں جہاں اور طرح طرح کے سپاہی تھے وہاں ایک شش ماہہ مجاہد بھی تھا اسے شاعری نہ سمجھئے بلکہ واقعہ ہے کہ جو بڑے بڑے مجاہدوں نے کیا وہ علی اصغر شیر خوار نے بھی کیا۔ کیا کہنا میرے کمسن دلیر اور شش ماہہ مجاہد کا جس کے سامنے شیروں کی بھی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔ یہ مجاہد سپاہی تھا اور ضرور تھا مگر تیغ و تبر سے بے نیاز زرہ و بکتر اور سپر سے کوئی کام نہ تھا صرف مرضی داور میں مرنے کا ارادہ تھا۔ تو نے بے تیر و کمان فوجوں کے منہ پھیر دیئے ناسنگدلوں کو اپنے وار سے رلوا دیا۔ اے میرے ننھے مجاہد تو خاموش تھا لیکن تیری شجاعت کا ڈنکا فوج روم و شام میں بج رہا تھا تو دنیا سے مسکراتا ہوا گیا لیکن اہل دنیا کو رلواتا ہوا گیا تیری شجاعت دیکھ کر شجاعان عرب عاجز ہو گئے تیر ایسا تیر کھا کر مسکرانا یہ وہ وار تھا جو عرب کے سنگدل قلوب کو برما گیا میرے مظلوم و کمسن مجاہد کس قدر تو قوی و بہادر تھا کہ ایک گلے کے تیر سے کشتی اسلام کو کربلا کے طوفانی دریا سے کھینچتا ہوا پار نکال لایا جب تک دنیا کو تیری شجاعت کے کارنامے باقی ہیں تو محسن اسلام ہے اسلام تیرا ممنون ہے اسلام اور اہل اسلام کی جانیں تجھ پہ فدا۔

ناصران بصرہ کے نام امام کا مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم حسین ابن علی ابن ابی طالب کی طرف سے :۔

خداوند عالم نے محمد مصطفےٰ کو اپنی تمام مخلوق سے برگزیدہ کیا۔ اور نبی بنا کر انھیں معزز بنایا اور انھیں رسالت بخشی پھر عزت و احترام کے ساتھ انھیں اپنے پاس بلا لیا — محمد مصطفےٰ نے بندوں کی خیر خواہی کی، خدا کے پیام ان تک پہونچائے اور ان کے بعد ان کی اہل بیت اور ان کے پیارے ان کی جانشینی کے زیادہ حقدار ہیں۔ ایک قوم ہم پر زبردستی حکمراں بن بیٹھی ہے ہم نے ان سے جھگڑا نہیں کیا اور بظاہر راضی رہے مسلمانوں میں شورش انگیزی کو ناپسند کرنے اور امن قائم رکھنے کے خیال سے اب میں یہ خط تمہیں بھیج رہا ہوں۔ اور تمہیں کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف بلاتا ہوں۔ اگر تم نے میری بات سنی اور میرا حکم مانا تو میں بھلائی کی راہ کی طرف تمہاری رہبری کروں گا۔!

انصارِ حسینؑ کی نادرِ روزگار جماعت

(جناب سید امیر حیدر صاحب رضوی مہابن)

تاریخ کے دفتر کے دفتر دیکھ ڈالئے اُس کے صفحات کے صفحات اُلٹ جائیے کوئی قائد کوئی رہنما کوئی ہادی کوئی پیشوا کوئی لیڈر کوئی جنرل آپ کو ایسا نہیں ملے گا جس نے اتنی قلیل مدت میں اور ایسے نامساعد حالات میں ایسے مختلف الخیال ایسے مختلف الطبائع اور ایسے مختلف العمر لوگوں کی کوئی ایسی جماعت بنائی ہو جو اتنی ہم آہنگ، ہم رنگ، ہم خیال، ایک دل اور ایک جہت ہو جتنی امام حسینؑ کے انصار کی وہ مختصر سی جماعت تھی جس کو لے کر آپ میدان کربلا میں داخل ہوئے۔ کہیں اور دور کیوں جائیے تاریخ اسلام کے اُس دور کی داستان ہی کو ایک نظر اُٹھا کر دیکھ لیجیے جس کو عام طور سے زرّین کہا جاتا ہے اور جو پیغمبر اسلامؐ کے عہدِ مبارک سے متعلق ہے۔ رسولؐ نے کتنی سرتوڑ کوششیں کیں کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائیں۔ کتنا کتنا لوگوں کو سمجھایا ایک دو دن نہیں پورے بیس برس لیکن اس تمام جانکاہی کے بعد جو کچھ حاصل ہوا اس کو میری اور اپنی نگاہ سے نہیں بلکہ قرآن اور حدیث کی روشنی میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ رسولؐ کی تعلیم کا یہ تو معدودے چند نفوس کو چھوڑ کر بقیہ لوگوں پر پوری طرح سلے بھی نہیں پڑا تھا۔ بیعت پر بیعت لی جاتی تھی۔ مال غنیمت کی امیدیں دلائی جاتی تھیں، جنت کی خوشخبریاں سنائی جاتی تھیں پھر بھی میدان کارزار میں لوگوں کے قدم نہیں جمتے تھے۔ اب ان تمام باتوں کو فطرت انسانی کی کمزوری کہہ کر نظر انداز کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں مگر اس کو کیا کہیئے گا کہ رسولؐ کی وہ سیدھی سادھی تعلیم بھی جو توحید الٰہی، عبادات اور مکارم اخلاق سے متعلق تھی اس کا بھی کوئی گہرا اثر خود ان لوگوں کے دلوں پر نہیں ہوا جو رسولؐ کے دربار کے ہر وقت کے حاضرباش کہے جاتے تھے۔ نماز جیسے اسلام کے ضروری رکن کا یہ حال تھا کہ لوگ رسولؐ کے ساتھ جماعت میں شریک ہوتے تھے لیکن ادھر رسولؐ سجدے میں گئے اور ان میں سے بہت سے کھسک گئے۔ کوئی عورت اگر جماعت میں شریک ہو جاتی تو لوگ اس کے نزدیک پہونچنے کے لئے صفوں کو درہم برہم کر ڈالتے تھے۔ کوئی کاروان تجارت یا کوئی تماشہ والا اگر نماز کے وقت آجاتا تو پوری جماعت رسولؐ کو تنہا چھوڑ کر مسجد سے باہر نکل آتی اور یہ سب کوئی نوخیز اور نومسلم بھی نہ تھے بلکہ وہ سن رسیدہ حضرات تھے جو رسولؐ کی خدمت میں اپنی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ گزار چکے تھے اور یہ اُس وقت کے واقعات ہیں جب رسولؐ مدینہ میں اقامت گزیں ہو چکے تھے اور اپنی تعلیم کے دس پندرہ برس پورے کر چکے تھے۔

رسولؐ اسلام نے جس وقت دنیا سے رحلت کی اُس وقت مسلمانوں کی تعداد دو ڈھائی لاکھ سے اوپر ہی ہوگی۔ مدینہ مرکز اسلام تھا۔ وہی ایسی جگہ تھی جہاں سب سے زیادہ مسلمان آباد تھے اور چونکہ ان کو ہی سب سے زیادہ رسولؐ کی صحبت سے فیض اٹھانے کا موقع ملتا تھا اس لئے اسلام کی حقیقی نمائندہ انھیں کی جماعت سمجھی جاتی تھی۔ مگر تاریخ اس افسوسناک حقیقت پر پردہ نہیں ڈال سکی کہ رسولؐ کی وفات کے وقت بھی مدینہ کی بیشتر آبادی کا حصہ منافقین ہی پر مشتمل تھا۔ اگر ان میں اُن لوگوں کو بھی شامل کر لیا جائے جن کا علم صرف خدا اور رسولؐ کو تھا تو نہیں کہا جا سکتا کہ پھر منافقین کی تعداد کہاں سے کہاں پہونچ جائے۔ اس سے زیادہ تلخ حقیقت کا انکشاف حدیث حوض سے ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان گنے چنے لوگوں میں بھی جن کو خود رسولؐ آخر دم تک مسلمان سمجھا کئے بہت سے نام کے ہی مسلمان تھے۔ وہ لوگ غلطی پر ہیں جو اس حقیقت

سے اس لئے چشم پوشی کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ایسا نہ کرنے سے رسولؐ کی تعلیم کی تنقیص ہوتی ہے۔ حقیقت تو حقیقت ہی رہے گی اس سے کتنی ہی چشم پوشی کیوں نہ کی جائے۔ رسولؐ کا کام تو صرف اتنا تھا کہ دنیا کے کانوں تک خدا کا پیغام پہونچا دیں۔ وہ انھوں نے پہونچا دیا اور بعض دفعہ بہ ہی پہونچا دیا خود کو مصیبت اور آلام میں مبتلا کر کے پہونچا دیا۔ اپنے عیش و آرام کو خاک میں ملا کر پہنچا دیا۔ اب اگر کسی کے دل پر اس تعلیم کا کچھ اثر نہیں ہوا تو یہ انھیں بدبختوں کی طینت اور ان کی طبیعت کی کھوٹ ہے جن نفوس قدسیہ میں کسب فیض کی صلاحیت تھی انھوں نے حسب مراتب فیض بھی حاصل کر لیا جنھوں نے ایسا کیا ان کے کردار رسولؐ کے کردار کے مماثل اور ان کی سیرتیں رسولؐ کی سیرت کی ہو بہو تصویریں بن گئیں۔ لیکن یہ جو کہو کہ پوری کی پوری جماعت یک جہت' یکدل' ہم آہنگ اور ہم خیال ہو گئی تو ایسا ہرگز نہیں ہوا یہ جو اس وقت کے اسلام میں ایک جماعتی رنگ نظر آ رہا تھا یہ سب حضرت صلعم کے اخلاق کریمانہ کا مظاہرہ تھا۔ اگر خدانخواستہ آپ کہیں غلط غلیظ ہوتے تو جماعت کا یہ ظاہری رنگ بھی کافور ہو جاتا انفرادی حیثیت سے بھی اگر دیکھو تو سو میں کوئی دو ایک ہی ایسے مشکل سے نکل سکتے ہیں جو اسلام کی ہوا خواہی کا دم پورے طور پر بھر سکتے تھے۔

وہ لوگ بھی جن کو رسولؐ کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا پورا موقع ملا ہے جب کبھی اسلام پر برا وقت آیا ہے تو اسلام کی حمایت میں سینہ سپر ہو کر نکلنے سے کترا گئے ہیں۔ انسؓ بن مالک سے زیادہ رسولؐ کی صحبت میں رہنے کا کس کو اتفاق ہوا ہوگا۔ برسوں رسولؐ کی کفش برداری کی لیکن جب بنی امیہ کے دور امارت میں شعائر اسلامی کی عام طور سے بربادی ہونے لگی اور روایات اسلام کی علی الاعلان تحقیر اور تذلیل کی جانے لگی تو کہا جاتا ہے کہ حضرت انس کے دل پر اس کا اتنا تو اثر ہوا کہ وہ دمشق کی مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھے رویا کرتے تھے۔ مگر جب نواسۂ رسولؐ نے انھیں شعائر اسلامی کے احیا کے لئے قیام عمل کے لئے دعوت دی جن کی بربادی پر انس آنسو بہایا کرتے تھے تو ان سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اگر وہ خود کربلا نہ جا سکتے تھے تو دوسروں ہی کو امام کی مدد کے لئے جانے کی کوئی تحریک شروع کرتے۔ اس سے زیادہ اور کیا قیامت ہوگی کہ دربار یزید میں جب اہل بیتؑ کا لٹا ہوا قافلہ آیا اور یزید نے امام حسینؑ کے سر کے ساتھ گستاخیاں کرنا شروع کیں تو ایک عیسائی حاضر دربار کی حمیت انسانی تو حرکت میں آئی اور اس نے یزید کو سر دربار ٹوک دیا مگر حضرت انس کی غیرت اسلامی کو اک ذرا سی ٹھیس بھی نہیں لگی۔ اسلامی تاریخ سے ایسی سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں جن کو طوالت کے خوف سے نظر انداز کیا جاتا ہے۔

اب آیئے انصار حسینؑ کی اس مختصر جماعت کے کردار کی بلندی اور ان کی سیرت کی پاکیزگی کو دیکھئے جو کربلا میں آپ کی نصرت کے لئے آپ کے ساتھ تھی۔ دنیا کا یہ عام دستور ہے کہ جب کسی قائد کو کوئی اہم مہم درپیش ہوتی ہے تو وہ برسوں پہلے سے اس کے لئے تیاریاں کرتا ہے۔ اپنے ہمدرد اور ہوا خواہوں کی ایک منتخب جماعت بناتا ہے اور اس کی کوشش کرتا ہے کہ رات دن کی تعلیم اور تربیت سے اس جماعت کے دل میں اپنے خیالات اور اپنے طریقہ کار کو اتنا راسخ اور مستحکم کر دے کہ بڑے بڑے تہلکہ کے سامنے ان کے قدم کو لغزش نہ ہونے پائے لیکن آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا کہ یہ سکھی سکھائی جماعت امتحان گاہ عمل سے کامیابی کے ساتھ گزر ہو گئی ہو۔ امام حسینؑ نے کوئی فوجی جماعت بنانے کی کبھی کوئی کوشش نہیں کی۔ آپ ایسی جماعت بناتے بھی تو کیوں بناتے آپ کے پیش نظر کوئی جنگی مقصد تھا ہی نہیں۔ اضطراری حالت میں آپ نے مدینہ چھوڑا اس سے زیادہ پریشانی کے عالم میں مکہ کو خیرباد کہا۔ آپ کو وہ اطمینان خاطر ہی کہاں نصیب تھا جو ایک منظم جماعت بنانے کے لیے ضروری ہے۔ رواروی کا سفر تھا بچوں اور عورتوں کا ساتھ تھا۔ اپنا کوئی ذاتی اقدام نہیں تھا۔ دوسروں نے بلایا تھا۔ مہمان کی حیثیت سے جا رہے تھے جماعت سازی کے لئے وقت کا فیکٹر (Factor) بھی بہت اہم ہے۔ ایک معمولی انسان کو اپنا ہم خیال بنانے کے لئے برسوں سر توڑ کوشش

کرنا پڑتا ہو ایک پوری جماعت کی قلب ماہیت کے لئے تو قرنوں کی مدت درکار ہے۔ خود اپنے ہندستان ہی میں دیکھ لیجئے کانگریس کو کانگریس بنانے کے لئے کانگریس کے لیڈروں اور خصوصاً مہاتما گاندھی کو کیا کیا جتن کرنا پڑے ہیں۔ امام حسینؑ کو اپنے انصار اکٹھا کرنے کے لئے وقت ہی کیا ملا کل بیس دن کی مدت' وہ بھی مکہ سے کربلا جاتے ہوئے سفر کی تمام معمولی اور غیر معمولی صعوبتوں کے درمیان' اس پر بھی حضرت نے خود کسی کو نصرت کی دعوت نہیں دی۔ مکہ سے کربلا جاتے ہوئے لوگ از خود آپ کے قافلہ کے ساتھ لگ جاتے تھے لیکن آپ نے کبھی اُن سے کوئی ایسی بات نہیں کہی جس میں ذرا عدت سازی کا ذرا سا بھی کوئی شائبہ ہو یا جس سے کسی کو آپ کا ساتھ دینے کی کوئی خفیف سے خفیف تحریص یا ترغیب بھی ہو بلکہ اس کے برعکس آپ نے یہ کیا اور یہی آپ کے مشن کی حقانیت کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ آپ نے اپنے گرد و پیش کے ان لوگوں کو بھی علیحدہ کر دیا جو کسی دنیاوی منفعت کے خیال کو اپنے دل میں لے کر آپ کے قافلہ کے ساتھ رہنا چاہتے تھے۔ انتہا یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن جعفر نے آپ کو خطوط پر خطوط بھیجے بڑے بڑے نام اور صاحب اختیار لوگوں کی حمایت کی پیشکش کی مگر آپ نے ایسے معروضات پر بھی کبھی کوئی التفات کی نظر نہیں ڈالی۔

کہا جاتا ہے کہ امام حسینؑ نے یزید کے خلاف خروج کیا اور اسی لئے آپ نے مدینہ سے عراق کا سفر اختیار کیا ہم کو تعجب ہے کہ اس زمانہ میں بھی جو علم و روشنی کا زمانہ کہا جاتا ہے لوگ ایسی حماقت کی باتیں سنتے اور باور کرتے ہیں اگر حضرت امام حسینؑ کے نفس کی پاکیزگی اور آپ کے قلب کی طہارت سے ہم قطع نظر بھی کر لیں اور آپ کو انتہا درجہ کا طالب دنیا اور حریص بھی سمجھ لیں پھر بھی ہم اس کے لئے تو کبھی تیار نہ ہوں گے کہ یہ سمجھ لیں کہ معاذ اللہ آپ اتنے کم سمجھ اور نا عاقبت اندیش تھے کہ چند کم سمجھ بچوں اور عورتوں کو لے کر ایک طاقتور سلطنت سے مقابلے کے لئے نکل کھڑے ہوتے اور اپنے آپ کو تہلکے میں ڈال دیتے۔ اقبال نے بڑی فیصلہ کن بات کہدی ہے:

مدعائش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچنیں ساماں سفر

حقیقت یہ ہے کہ دنیا نے آپ کے مشن کو سمجھنے کی کبھی کوئی کوشش ہی نہیں کی۔ بنی امیہ نے اپنی اسلام دشمن سرگرمیوں کو چھپانے اور آل ابوسفیان کے پشتینی بغض و عناد پر پردہ ڈالنے کے لئے جو کچھ وہ پروپیگنڈا کیا بس اُسی کو آمنا صدقنا کہہ کر قبول کر لیا اور آج تک اُسی پر ایمان لائے ہوئے ہیں۔ اس پر کسی نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ اُس وقت کے حالات کیسے اور ان کے تقاضے کیا تھے۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ رسولؐ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کی روح بھی مضمحل ہونا شروع ہو گئی تھی اور جوں جوں زمانہ گزرتا جاتا تھا حالات بد سے بدتر ہوتی جاتی تھی۔ جاہلیت نواز شخصیتیں مذہب کا لبادہ اوڑھ کر اونچی اونچی مسندوں پر بیٹھ گئے تھے شعائر اسلامی مٹ رہے تھے اور ان کی جگہ نئی نئی بدعتیں لے رہی تھیں۔ تمام تر مسلمانوں نے حرص و آز کے پنجے تیز کر لئے تھے اور بے تحاشہ ملک و مال کی طرف دوڑنا شروع کر دیا تھا۔ ہر شخص بری طرح حرص نفس میں گرفتار تھا۔ امام حسین علیہ السلام اسلام کی اس تباہی کو دیکھ رہے تھے اندر دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔ آپ سے زیادہ کس کو اس کا حق تھا کہ مذہب کے زندہ کرنے کے لئے قدم اٹھائے۔ مذہب آپ ہی کے نانا کا لایا ہوا تھا اور آپ ہی کے گھر سے وہ نکلا تھا۔ آپ حالات کا جائزہ لیتے رہے اور جب آپ نے دیکھ لیا کہ اب بغیر اس کے کوئی چارہ نہیں کہ احیائے دین کے لئے قدم اٹھایا جائے تو آپ نے اُس کے لئے قدم اٹھا دیا۔ آپ یہ جانتے تھے کہ مادیت کے مقابلہ کے لئے روحانیت سے کام لینا پڑے گا۔ دلوں کی تسخیر آلات حرب و ضرب سے نہیں ہو سکے گی۔ لوگوں کی آنکھوں پر جو غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں وہ تلوار کی نوک سے نہیں ہٹائے جا سکتے ہیں۔ حرص نفس کے گرفتاروں کو نیزہ و شمشیر سے آزاد نہیں کرایا جا سکتا۔ کامیابی کی اگر کوئی صورت ہے تو یہی کہ باطل کے مقابلہ میں

حق کو سامنے لاکر کھڑا کر دیا جائے اور حق و باطل کا ایک ایسا تصادم کرا دیا جائے کہ دنیا ایک دم چونک پڑے۔ اسی لئے آپ اپنے ساتھ ایسے لوگوں کو لائے جو کامل الایمان تھے اور جو تمنّا الموت کے جادہ پر مستقیم تھے۔ جنگی زندگی کا نصب العین ہی قالوا ربنا ثم استقاموا تھا جو ایسے خدا پرست تھے کہ تیروں کی بارش میں جنھوں نے نمازیں قائم کیں اور ایسے عبادت گزار کہ تلواروں کی چھاؤں میں سجدے ادا کئے۔ فاقوں پر فاقے ہوئے لیکن کسی کے چہرے پر کوئی شکن نہیں آئی۔ نیزہ و شمشیر کے زخم پر زخم کھائے اور مسکراتے ہی رہے۔ میدان کارزار میں ہنستے ہوئے آئے اور ہنستے ہوئے ہی دنیا سے رخصت ہوئے۔ وہ انصار تھے یا اعزہ و اقربا۔ جوان ہوں یا بوڑھے حبیبؓ ابن مظاہر ہوں یا ہم شکل پیغمبرؐ سب دنیا کو یہی پیغام دیتے ہوئے آئے اور اسی پر وہ مامور تھے کہ اسلام کا تقدس اس سے کہیں بلند و برتر ہے اور اس کی روحانیت کہیں ارفع و اعلیٰ ہے کہ ہر فاسق و فاجر اس کی عنان قیادت اپنے ہاتھ میں لے لے۔ بدن تیغوں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا مگر اس قول سے جس پیمان تھا منہ نہیں موڑا۔ اس جماعت کی وفاداری، جانبازی، سرفروشی رفعت شان اور بلندی مرتبہ کے لئے کوئی اور کیا کہہ سکتا ہے کہ جب امام خود یہ فرمائیں کہ لا اعلم اصحاباً اوفیٰ من اصحابی اور جن کے جہاد فی سبیل اللہ اور استقامت فی الدین کی داد ثانیٔ زہرا ان الفاظ میں دیں کہ وہ خدا کی "تلواریں تھیں جو اپنا کام کر کے غلافوں میں چلی گئیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کا ایسی قلیل مدت میں اور ایسے نا مساعد حالات میں ایک ایسی متحد الخیال، ہم رنگ اور ہم آہنگ جماعت اور ایسے مختلف الطبائع اور مختلف العمر لوگوں کی جماعت بنا لینا فراست انسانی کا ایک ایسا محیرالعقول کارنامہ ہے جس کو معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

حسینؑ کا خطبہ منزل ذی حسم پر

جب حُر نے آپ کو اور آپ کے اصحاب کو کوفہ کی طرف جانے یا مدینہ پلٹ جانے سے روکا تو آپ نے پہلے حمد و ثنائے الٰہی فرمائی۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! خدا سے بھی اور تم سے بھی اپنا عذر بیان کر دینا چاہتا ہوں۔ میں خود سے نہیں آیا بلکہ اس وقت آیا جب تمھارے خطوط آئے اور تمھارے قاصد میرے پاس تمھارا پیام لے کر پہونچے کہ جلد تشریف لایئے ہم بغیر امام کے ہیں۔ امید ہے کہ آپ کے آنے کے بعد خدا آپ کے ذریعہ ہمیں ہدایت اور راہِ حق پر مجتمع کر دے۔ اب اگر تم لوگ اپنی بات پر قائم ہو (اور میری ضرورت سمجھتے ہو) تو میں آ گیا ہوں۔ مجھ سے عہد و پیمان قول و اقرار کرو تاکہ مجھے اطمینان رہے اور اگر تم ایسا نہیں کرنا چاہتے اور میرا آنا تمھیں ناپسند ہے تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پلٹ جاؤں گا۔

شجاعت پر اطاعت امام کا برتری

(جناب سید اکبر علی صاحب۔ ایم۔ اے۔ ایل ٹی۔ پرنسپل شیعہ کالج۔ لکھنؤ)

حفظ نفس ایک جبلی سرشت ہے۔ یہ سرشت ہر جاندار میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ بندر بندوق یا غلیل کی شکل دیکھتے ہی بھاگتا ہے۔ ڈھیلا اٹھانا دیکھتے ہی پرندہ اڑ جاتا ہے۔ جنگ کے وقت اسی فوج میں بھرتی آسانی سے اور کثیر تعداد میں ہو جاتی ہے جس کے جیتنے کا یقین کامل ہوتا ہے۔ اسی بنا پر موجودہ زمانہ میں جبکہ صحیح واقعات نہایت سرعت و آسانی سے اخبار، ٹیلی گراف، ٹیلیفون، لاسلکی وغیرہ سے نشر کیے جا سکتے ہیں۔ ہر مبتلائے جنگ ملک اپنے فتوحات ہی کو بڑی شد و مد سے نشر کرتا ہے۔ اپنی شکست نشر ہونے نہیں دیتا تاکہ اس کی فوج میں افسردگی اور مایوسی پیدا نہ ہو۔ ہر آن ہر لمحہ اس قسم کا لٹریچر شایع کیا جاتا ہے جس سے ملک کے ہر باشندے اور فوج کے ہر سپاہی کو اپنی فتح کا یقین ہو۔ نہر سوئز پر حملہ کے وقت فرانسیسی اور انگریزی فوجوں کا جوائنٹ کمانڈر اپنی فوج کو یہ یقین دلاتا ہوا جزیرہ قبرص پہونچا کہ ہم ڈھائی گھنٹہ میں مصر فتح کر لیں گے، اسرائیلی فوج نے ریگستان سینائی کی جانب سے بڑھنا شروع کیا۔ مصری چونکہ یہ سمجھ چکے تھے کہ نہر سوئز پر سب کے دانت لگے ہوئے ہیں بس اسی کی حفاظت کرنا مقدم ہے۔ اس لیے اس نے اپنی فوجوں کو ریگستان میں کٹوانا پسند نہیں کیا وہ پیچھے ہٹتے چلے گئے۔ اسرائیلی بڑھتے چلے گئے۔ دنیا کے اخباروں میں موٹے موٹے حرفوں میں یہ خبریں شایع ہونے لگیں کہ اسرائیلی فوج بڑی تیزی سے مصر فتح کرتی چلی جا رہی ہے۔ مصر نے اس کا مقابلہ نہ کی۔ دنیا کو یہ یقین ہو گیا کہ صرف اسرائیل کی فوج تین دن میں نہ صرف نہر سوئز پر بلکہ پورے ملک مصر پر قبضہ کر لیں گے اور یہ کہ صدر ناصر نے بڑی حماقت اور ناعاقبت اندیشی سے کام لیا۔ اسرائیلیوں کے فتوحات سن کر فرانسیسی اور انگریزی فوجوں کے حوصلے بڑھے۔

انگریزوں اور فرانسیسیوں کے جن بحری جہازوں نے نہر سوئز پر حملہ کیا وہ غرق کر دیئے گئے۔ نہر کا راستہ بند ہو گیا۔ اسرائیلیوں کی فوج جو سینائی کو فتح کر چکی تھی اور یہ اعلان کر چکی تھی کہ آئندہ چوبیس گھنٹے میں نہر پر قبضہ کرے گی۔ وہ مزید ایک انچ بھی جزیرہ نمائے سینائی سے آگے نہ بڑھ سکی۔ اب انگریزوں اور فرانسیسیوں کو کوئی چارہ نہ تھا سوائے اس کے کہ فضائی حملے کئے جائیں۔ ان کے پہلے ہی حملے میں مصری ہوائی جہاز چند گھنٹے مقابلہ کر کے نہ معلوم کہاں چلے گئے اور دوسرے حملہ کے لیے آسمان صاف کر دیا گیا۔ دوسرے دن صبح پانچ بجکر بیس منٹ پر قبرص سے چلے فرانسیسی ہوائی جہازوں کا بیڑہ اڑا اور جب تک اس نے جزیرہ کا ایک چکر لگایا انگریزوں کے ہوائی جہازوں کا بیڑا بھی آسمان پر چھا گیا پھر دونوں بیڑے مصر کی جانب روانہ ہوئے۔ جیسے ہی بندر سعید پر پہونچے ہوائی جہازوں پر سے چھتری بردار فوجیں اترنا شروع ہو گئیں جب ساری فوج زمین پر اتر گئی۔ کپتان نے جوائنٹ کمانڈر کو اطلاع دی کہ ہماری پوری فوج نہایت آسانی سے زمین پر اتر گئی ہے۔ مصریوں کی جانب سے بس جو مزاحمت ہوئی اس سے ہم کو صرف اتنی دقت محسوس ہوئی جتنی اس شخص کو ہوتی ہے جسے خاردار تار پھاندنا پڑتا ہے۔ جوائنٹ کمانڈر نے اس کی اطلاع فوراً وزیر فرانس اور وزیر انگلینڈ کو دی۔ انگلستان میں یہ خبر اس وقت پہونچی جب کہ پارلیمنٹ کا جلسہ ہو رہا تھا۔ اس خبر کو سنتے ہی وزیر اعظم اور دیگر وزرائے کابینہ خوشی میں تالیاں بجانے لگے۔ حزب مخالف کے لیڈر مسٹر گیٹسکل نے پوچھا کہ اس خوش آیند خبر سے ہم کو بھی باخبر کیا جائے تاکہ ہم بھی خوشی منا لیں۔ جواب دیا گیا ابھی ہم کو جوائنٹ کمانڈر کے ٹیلیگرام سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہماری چھتری بردار فوج بغیر کسی مزاحمت کے ملک مصر میں اتر گئی ہے۔ بندر سعید اس کے قبضہ میں آ گیا ہے۔ مصری گورنر کو یہ

حکم دیا گیا ہے کہ ہر ایک چیز اپنی اصلی حالت میں ہم کو سپرد کر دو مصری فوج ہتھیار ڈال کر ایک طرف کھڑی ہو جائے۔ اور پھر جدھر ہم جانے کا حکم دیں اُدھر وہ بغیر چون و چرا چلی جائے۔ "تب مصر فتح ہو گیا" دنیا بھر کے اخباروں میں یہ خبر موٹے موٹے حروف میں شائع ہو گئی۔

صبح آٹھ بجے جب فرانسیسیوں اور انگریزوں کی چھتری بردار فوج کے پورے بریگیڈ ملک مصر پر اتر کر اسے اپنے قبضہ میں لے چکے تو صدر ناصر نے مسجد قاہرہ سے اعلان کیا کہ "حسینی مجاہدوں کے جذبہ سے گھر سے نکلو اور اپنے ملک کی ایک ایک انچ زمین کے لئے جنگ کر کے دکھا دو" یہ اعلان سنتے ہی عورتیں تک تلواریں لیکر گھروں سے نکل پڑیں۔ دو بجے جنگ شروع ہو گئی۔ بارہ بجے دن تک مصریوں نے پوری چھتری بردار فوج کو کاٹ کر ڈال دیا ایک بھی نہیں بچا۔ صدر ناصر نے اپنی فتح کا اعلان نہیں کیا دوسرے دن پھر ہوائی جہازوں سے حملہ کیا گیا اور چھتری بردار فوج اتاری گئی۔ اس کی مار کاٹ شروع ہوئی جو دن بھر جاری رہی۔

مڈل ایسٹ ایجنسی کے رپورٹر نے مصر کے متعلق یہ بیان دیا کہ باوجود اس کے کہ مقابلہ دنیا کے دو بڑے ملکوں کی تمام تر تربیت یافتہ فوجوں کا ہے لیکن مصریوں کے حواس باختہ نہیں ہوئے ہیں ہر ایک اپنے کام میں مشغول ہے۔ اور اس طرح مشغول ہے کہ اس کے بشرہ سے یہ پتا نہیں چلتا کہ اس کا ملک جنگ میں مبتلا ہو۔ کسان اپنی کھیتی باڑی میں مصروف ہیں بڑکوں پر طالب علم اپنی اپنی سائیکلوں پہ اسکول جاتے نظر آتے ہیں۔ قہوہ خانوں اور ہوٹلوں وغیرہ میں حسب معمول چہل پہل ہو یہ اطمینان قلب اور سکون دماغ کسی خاص مذہبی جذبہ کی برکت ہو۔ قدیم روایات اور تاریخی واقعات کو پیش نظر رکھ کر مصر کا بچہ بچہ غلامی کی زندگی کی بہ نسبت موت میں مسرّت محسوس کر رہا ہو۔

ادھر قبرص میں بچی ہوئی انگریزی اور فرانسیسی فوج کو یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے جس قدر ساتھی مصر گئے تھے اُن سے پھر ملاقات نہ ہو گی تو افسروں نے بھی بجا طور پر یہ محسوس کیا کہ جنگ موقوف کر دینا ہی بہتر ہو۔

میرے ایک دوست ڈاکٹر مرزا باقر حسن صاحب مرحوم نے گذشتہ جنگ عظیم میں فوجی ملازمت کر لی۔ کپتان کے عہدہ پر فائز کئے گئے چھ مہینے لکھنؤ میں ٹریننگ دی گئی۔ ایسا آرام دیا گیا کہ فوجی ملازمت کے گن گاتے پھرتے تھے۔ پھر ہر تین مہینے دوسرے شہر میں ان کو منتقل کیا جاتا۔ فوج میں خوب خاطر مدارات کی گئی۔ یہاں تک کہ مرحوم کو یہ یقین کامل ہو گیا کہ فوجی ملازمت پھولوں کا بستر ہو۔ دو برس کے بعد رخصت پر آئے تو ہر ایک کو فوج میں بھرتی ہونے پر آمادہ کرنا اپنا فرض سمجھا۔ مدت رخصت ختم ہوئی۔ اس مرتبہ فلسطین روانہ کر دیئے گئے وہاں سے بھی چین کی بنسی بجانے کے خطوط آتے رہے۔ چار مہینے کے بعد مصر کے میدان جنگ پر تعینات کئے گئے تب آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوا۔ حالانکہ میدان جنگ سے کوسوں دور محفوظ مقام پر تھے۔ زخمی ہوتے کسی ایک سپاہی کو نہیں دیکھا تھا صرف زخمیوں کے نظارے سے اختلاج قلب کے دورے شروع ہو گئے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں جہاں شراب کا استعمال ممنوع قرار دیدیا گیا ہو لیکن جنگ کے موقع پر سپاہیوں کے لیے جائز ہو۔ کسی مہم پر جانے کا حکم دینے سے پہلے کمانڈر اپنی فوج کو شراب پینے کا حکم دیتا ہو۔ اس کے بعد روانگی ہوتی ہو۔ یہ نشے کی صفت ہے کہ اسے پینے کے بعد انسان کی طبیعت جنگ و جدال پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ارض کربلا پر مظلوم کربلا نے اپنے اصحاب و انصار کو نہ معلوم کون سی شراب پلا دی تھی کہ ان کی سمجھ میں سوائے جان نثار کرنے کے کچھ بھی نہیں آتا تھا۔ حضرت حسین ابن علیؑ سے جس دن گورنر مدینہ نے یزید کی بیعت کرنے کا مطالبہ کیا آپ اسی رات کو روضۂ رسولؐ پر پہنچے نانا کی قبر سے لپٹ کر عرض کیا کہ "آپ کی قبر کو چھوڑنا مجھ پر شاق ہے مجبوری یہ ہے کہ اگر یزید کی بیعت کرتا ہوں تو آپ کا دین اسلام مٹتا ہے اور اگر اس سے انکار کرتا ہوں تو قتل کیا جاتا ہوں۔ مجھے قتل ہونا گوارا ہے لیکن آپ کے دین اسلام کا مٹنا گوارا نہیں ہے"

یہ فرما کر آپ دولت سرا پر واپس ہوئے اور مدینہ سے کوچ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ جو لوگ آپ کے ہمراہ ہو گئے ان سے صاف اور واضح الفاظ میں اسی ارادہ کو بیان کر دیا جس کا اظہار نانا کی قبر پر کر آئے تھے۔ مدینہ سے کربلا تک ہر منزل پر اپنے ساتھیوں کو یہ یقین دلاتے رہے کہ جسے مرنا ہو وہ میرے ساتھ رہے ہر منزل پر لوگ ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں آپ ان کو بہ رضا و رغبت ساتھ چھوڑنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ شب عاشور آ جاتی ہے۔ آپ نے ایک خیمہ میں اصحاب و انصار کو جمع کر کے ایک بلیغ خطبہ دیا سب کو یقین دلایا کہ یزیدی فوج صرف میرے خون کی پیاسی ہے۔ صرف مجھے ہی قتل کرنا چاہتی ہے۔ اس لئے اگر

تم اس وقت میرا ساتھ چھوڑ کر کسی امن کی جگہ پر جانا چاہو گے تو کوئی تم سے مزاحمت نہ کرے گا۔ یہ پردہ شب ہے اس میں چلا جانا آسان بھی ہے میں نے اپنی بیعت بھی تمہاری گردنوں سے اٹھالی ہے اور لو میں اس شمع کو بھی گل کیئے دیتا ہوں مقصد یہ تھا کہ کسی جانے والے کو جاتے وقت شرم نہ آئے اور تاریکی میں لوگ اسے دیکھ بھی نہ سکیں سب نے ایک زبان ہو کر کہا کہ اے حسینؑ اگر آپ کی نصرت میں ہم ایک ہزار بار مارے جائیں اور ہماری خاک ہوا میں منتشر کر دی جائے اور پھر ہر بار خلق کیئے جائیں تب بھی ہم آپ کی نصرت سے نہ تھکیں گے۔

حضرت عیسیٰؑ کو جب یہودیوں نے گھیرا ہے تو آپ کے دسوں حواری آپ کو چھوڑ کر چل دیے۔ ایک حواری نے تو آپ کا پتہ تک بتا دیا جس سے آپ آسانی سے گرفتار کر لیئے گئے۔ اور جب آپ کو سولی دینے کے لیئے لے جایا جا رہا تھا تو راہ میں چلا چلا کر کہہ رہے تھے۔

ایلی ایلی لما سبقتنی، یعنی۔ اے میرے خدا اے میرے خدا تو نے مجھے کہاں اکیلا چھوڑ دیا۔

(۱) کیا اس جملے میں اپنے دسوں حواریوں کی بے وفائی کی شکایت نہیں ہے۔

(۲) کیا اس میں خدا سے شکوہ و شکایت نہیں ہے۔

(۳) کیا اس سے یہ واضح نہیں ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کا دل موت کے خوف سے لرز رہا تھا۔

واقعی موت سے ڈرنا امر فطری ہے یہ تو بنی ہاشم کے بچے تھے جو موت کو شہد سے زیادہ شیریں سمجھتے تھے۔ یہ مظلوم کربلا کے اصحاب و انصار تھے جو دم توڑنے والوں کو مسکرا کر شہادت کی مبارکباد دیتے تھے اور کہتے تھے کہ افسوس تھا رے بعد ہم کو اس دار دنیا میں چند دن بھی اور زندہ رہنا ہوتا تو تم سے وصیت کرنے کی استدعا کرتے۔ چنانچہ مسلم نے کہا وصیت کچھ بھی نہیں۔ وصیت جو کچھ بھی ہے وہ (امام حسینؑ کی طرف اشارہ کر کے) یہ ہے کہ تم بھی انھیں پر جان نثار کر دینا۔ حبیب نے جواب دیا کہ بیشک ایسا ہی ہوگا۔

میں اوپر ذکر کر چکا ہوں کہ دنیا کے سپہ سالار سپاہیوں کو میدان جنگ میں شراب پلا کر اور سبز باغ دکھا کر بھیجتے اور کٹواتے ہیں۔ خود کوئی سپاہی مرنے پر کمر نہیں کستا۔ پس کربلا ہی کا معرکہ ایسا نظر آتا ہے جہاں حسینؑ کم سپاہ کا ہر مجاہد از خود جان دینے پر بے چین تھا بلکہ روکنے پر بھی جان دینے سے نہ رکتا تھا۔ جیسا کہ غلام شوذب کے شوق شہادت سے ظاہر ہوتا ہے۔

ڈاکٹر ایڈورڈ ویل کا قول ہے کہ فوج یزید کے پیر میدان جنگ میں دو وجہ سے جمے ہوئے تھے، دل بڑا اپنی کثرت اور اپنی فتح کا یقین دوسرے یہ ڈر کہ اگر میدان جنگ چھوڑ کر بھاگے تب بھی قتل کر دیئے جائیں گے۔ اس لیئے حسینی سپاہ کے بہادروں کے مقابلہ پر مجبوراً جمے ہوئے تھے۔ ہوشیاری یہ کرتے تھے کہ جب کوئی جوان نبرد آزما حسینی فوج سے نکل کر ان کے دس بارہ سورماؤں کو تہ تیغ کر دیتا تھا تو پھر اس کے پاس نہیں پھٹکتے تھے دور سے پتھر اور تیر برساتے تھے۔ جیسا کہ حضرت قاسم ابن حسنؑ نے جب ازرق کو اس کے چاروں بیٹوں سمیت واصل جہنم کر دیا تو پھر کسی کی ہمت اس بچے سے مقابلہ کرنے کے لیئے نہ پڑی۔ اس وقت یزیدیوں نے اس بچہ کو چاروں طرف سے گھیر کر دور سے تیر برسانا شروع کر دیئے۔ جب بچہ بیسیوں تیروں سے گھائل ہو گیا تب زمین پر گر گیا۔ مختصر یہ کہ اسی طرح کی جنگ سے یزیدی بزدلوں نے بہتر سورماؤں کو شہید کیا اور وہ بھی زوال عصر تک۔ اصحاب و انصار حضرت حسین ابن علی اطاعت امام سے مجبور تھے۔ بغیر اذن امام کے جہاد کرنا ان کے لیئے ناممکن تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے شجاع اور بہادروں کو تیغ آزمائی کے حوصلے نکالنے کا موقع ہی نہ ملا کیونکہ اطاعت امام کی بندشیں ان کی شجاعت پر لگی ہوئی تھیں۔

سر لوئس پلے انگلستان کا ایک ادیب و مورخ لکھتا ہے کہ عابس بن ابی شبیب شاکری کوفہ کے عالی مرتبہ بزرگ تھے ان کی شجاعت شہرۂ آفاق ہو چکی تھی۔ بہت سی جنگوں میں کارہائے نمایاں کر چکے تھے۔ ایک جنگ میں ان کی پیشانی پر ایک زخم لگا تھا جس کا نشان گویا فتح کا تمغہ تھا۔ اس نشانی سے وہ آسانی سے پہچانے جاتے تھے۔ اس لیئے کوفہ کا بچہ بچہ ان کو پہچانتا تھا اور دل میں ان کی شجاعت کا اثر لیئے ہوئے تھا۔ کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ عابس حسین کم سپاہ کے ساتھ ہیں تو ان کے دل پر بڑی مایوسی چھا گئی۔ یزیدی فوج میں یہ سنسنی پھیل گئی کہ جب عابس میدان جنگ میں آ میں گے تو ایک ایک کا

حملہ میں ساری فوج کو کوفے کے پھاٹک تک پہونچا کر دم لیں گے۔ یزیدی فوج کے ایک کوفی سردار۔ ربیع ابن تمیم نے اپنے مخصوص عزیزوں اور دوستوں سے کہا۔

"اے فوج والو ذرا خبردار ہو جاؤ یہ عابس ابن ابی شبیب شاکری شیروں کا شیر ہے۔ ہرگز تم میں سے کوئی اس کے مقابلہ کے لیئے باہر نہ نکلے۔"

عابس بن ابی شبیب شاکری اپنے غلام شوذب کے ساتھ امام کی نصرت کو آئے تھے۔ اپنے خیمہ میں بیٹھے تھے کہ خیام حسینی سے العطش العطش کی صدا ئیں آئیں۔ خیمہ سے باہر نکلے تو دیکھا کہ بچے خالی کوزے لیئے ہوئے پیاس پیاس کہتے ہوئے پھر رہے ہیں۔ بچوں کی یہ حالت آپ سے دیکھی نہ گئی خیمہ کے اندر واپس گئے۔ سر لوئیس پلے لکھتا ہے:۔

اپنے غلام شوذب سے کہا کہ میرے لیے کفن نکالو۔ غلام نے کفن نکال کر پیش کیا۔ اُسے زیب تن کیا۔ پھر اوپر سے زرہ بکتر خود وغیرہ سے آراستہ ہوئے۔ خیمہ سے باہر نکل کر گھوڑے پر سوار ہوئے۔ اپنے غلام شوذب سے فرما کر کہا کہ جا تجھے میں نے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔

شوذب نے کہا۔ آقا کیا نصرت امام کا حق صرف آقاؤں کو حاصل ہے۔ غلاموں کو شہادت کا شرف نہیں حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت عابس نے اپنے غلام کے یہ کلمات سُنے تو دل بھر آیا۔ اور فرمایا کہ اے شوذب میں تجھ کو بہت عزیز رکھتا تھا میں یہ نہیں چاہتا تھا کہ تو میرے ساتھ جان دے۔ اچھا لے یہ میری تلوار لے اور امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اذن جہاد حاصل کر۔

شوذب اجازت امامؑ سے میدان قتال میں گئے اور بہت سے ناریوں کو واصل جہنم کر کے شہید ہو گئے۔ حضرت عابس میدان جنگ سے ان کی لاش اٹھا کر لائے۔ اور فرمایا۔

اس وقت اگر تجھ سے زیادہ کوئی شخص مجھے عزیز ہوتا تو میں اسے بھی حضرت حسین ابن علیؑ پر نثار کر دیتا اس کے غم کو برداشت کرتا اور ثواب حاصل کرتا۔ آج کا دن تو ثواب لوٹنے کا ہے۔"

اب خود حضرت عابس فرزند رسولؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اذن جہاد چاہا۔ عرض کیا اب مجھ سے بچوں کی پیاس دیکھی نہیں جاتی اجازت دیجیئے کہ میں ان کے لیئے پانی لے آؤں۔

فرزند رسولؐ نے پوچھا کہ مقصد جنگ ہے یا پانی؟

عابس نے جواب دیا کہ مقصد پانی لانا ہے اگر اس میں جنگ بھی کیوں نہ کرنا پڑے مختصر یہ کہ پانی لانے کی اجازت ملی۔ عابس نے ایک مشک اپنے کاندھے پر دھری۔ گھوڑا نہر فرات کی جانب دوڑایا۔ پہرہ دار فوج نے مزاحمت کی۔ ان سب کو مار کر بھگا دیا۔ فرات سے مشک بھری اور کندھے پر لٹکا کر خیام حسینی کی طرف بڑھے ہی تھے کہ بھاگی ہوئی فوج نے پھر آپ کو گھیر لیا آپ نے مشک کی حفاظت کی اور ان سب حملہ آوروں کو مار کر بھگا دیا۔ یزیدی فوج کے سردار نے جب یہ دیکھا کہ میری فوج عابس کے مقابلہ پر نہیں ٹھہرتی تو چلا کر بولا

اے عابس تم مرنے آئے ہو یا مارنے۔

حضرت عابس نے جواب دیا کہ میں تم سب کو مار کر داصل جہنم کرنے آیا ہوں۔

پھر سردار نے کہا۔

اگر شوق شہادت تھا تو زرہ کیوں پہنی ہے۔

یہ سنتے ہی حضرت عابس نے زرہ اتار کر پھینک دی۔ یہ دیکھ کر یزیدی فوج کے سپاہیوں کی ہمت بڑھی لیکن جیسے ہی قریب آئے تو دیکھا کہ عابس کفن پہنے ہوئے ہیں۔ یہ دیکھ کر یزیدی فوج کے سپاہی یہ کہتے ہوئے بھاگے کہ ایسے مجاہد کے سامنے جانا جو کفن پہن کر میدان جنگ میں اترا ہو اپنی قبریں اپنے ہاتھوں سے کھودنا ہے۔

اب یزیدیوں نے دور سے تیر برسانا شروع کیئے نیزوں کی بارش سے مشک بھی چھدی اور آپ کا جسم بھی چھلنی ہو۔ اب مشک سے زیادہ جسم سے خون بہا۔ حالت غیر ہوئی تو یزیدی فوج کے بزدل سپاہی قریب آ گئے نیزوں اور تلواروں کے واروں سے آپ کو گھوڑے سے زمین پر گرا دیا۔

سر لوئیس پلے اس موقع پر لکھتا ہے کہ:۔

ادھر عابس نے جام شہادت نوش فرمایا ادھر فوج یزید میں فتح وظفر کے نقارے بڑے زور و شور سے بجنے لگے۔ اور دیر تک بجتے رہے۔ ہر ایک کوفی کی زبان پر تھا بڑے نامور شجاع کو مار لیا۔ اب خطرہ کم ہو گیا۔ فتح زیادہ یقینی ہو گئی۔

بیشک اگر جناب عابس کی شجاعت پر پانی لانے کی فکر کا بریک نہ لگا ہوتا تو یزیدی فوج کے کشتوں کے پشتے لگ جاتے۔ اطاعت امام کے بریک کے باعث بہادروں کی شجاعت کا پورا پورا مظاہرہ نہ ہو سکا جناب عابس کی طرح حضرت عباسؑ بھی حکم امام کی پابندیوں کی وجہ سے اپنی شجاعت سے کام نہ لے سکے۔ راہ میں جب لشکر حرؑ نے راستہ روکا حضرت زہیر نے امام سے عرض کیا تھا ان کی تعداد کم ہے ان سے لڑ لینے دیجئے۔ امام نے فرمایا نہیں ہم جنگ کی ابتدا نہیں کرنا چاہتے حضرت زہیر اپنی شجاعت کا گلا گھونٹ کر خاموش ہو گئے۔ ارض کربلا پر جب عمر ابن سعد نے نہر کے قریب سے خیمے ہٹانے کا حکم دیا اس وقت بھی حضرت زہیر کو اپنی شجاعت سے کام لینے نہ دیا بس انھیں مجبوریوں میں جناب عابس بھی ہر موقع پر گھٹ گھٹ کر رہ گئے۔ واقعی کربلا کا یہ واقعہ عقل انسانی کی سمجھ سے باہر ہے۔

امام کے ایک خطبہ کا اقتباس

لوگو!...... تم نے ظالموں کو اپنے اوپر قابو دیا اور خدا کے اسلام کو ان کے ہاتھوں میں سونپ دیا کہ وہ شبہوں کے ساتھ عمل کرتے اور خواہش نفس کی راہوں میں قدم اٹھاتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ تم نے کمزوروں کو ان کے ہاتھوں میں دے دیا۔ پس کوئی ان میں جلا وطن کیا ہوا مغلوب و مقہور ہے اور کوئی ایسا ہے جس کے ذرائع معیشت پر دوسروں کا قبضہ ہو گیا ہے وہ ملک میں ذاتی رائے سے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔ اور اپنی خواہش نفس سے رسوا کن امور کے مرتکب ہوتے ہیں، زمین ان کی وجہ سے شرارتوں کی آماجگاہ بن گئی ہے۔ اور ان کی دراز دستیاں اس میں جاری ہیں اور لوگ ان کے غلام بنے ہوئے ہیں۔ ظالم کے ہاتھ کو وہ اپنے ہاتھ سے ہٹا نہیں سکتے۔ ایک طرف کوئی حاکم ہے جو سرکشی دکھا رہا ہے۔ دوسری طرف کوئی طاقت ور ہے جو کمزور پر ظلم ڈھا رہا ہے وہ کیسے کیسے ظلم ڈھاتے ہیں۔ اور کیسی کیسی بندگان خدا کے ساتھ سختیاں کرتے ہیں۔ اور یہ مسلمانوں کے حاکم ہیں۔ اس قضیہ میں ہمارے ان کے درمیان خدا ہی فیصلہ کرنے والا ہے۔ خداوندا تو جانتا ہے کہ جو کچھ ہم نے کیا۔ وہ اقتدار سلطنت کی ہوس اور مال دنیا کی طلب کے لئے نہ تھا بلکہ صرف اس لئے کہ تیرے دین کے نشان نمایاں ہوں اور تیرے شہروں کی اصلاح ہو اور تیرے مظلوم بندوں کو امن و اطمینان نصیب ہو اور تیرے واجب و سنت احکام پر عمل ہو۔

یاد رکھو۔ اگر تم لوگ ہمارا ساتھ نہ دو گے اور ہمارے حقوق ادا نہ کرو گے تو ظالموں کو تم پر قابو حاصل ہو جائے گا اور وہ تمہارے پیغمبر کے چراغ کو خاموش کرنے کا کام انجام دیتے رہیں گے۔

انصار امام حسین کی شان استقلال وثبات

(خدائے سخن میر انیس)

جب قطع کی مسافت شب آفتاب نے جلوہ کیا سحر کے رخ بے حجاب نے
دیکھا سوئے فلک شہ گردوں رکاب نے مڑ کر صدا رفیقوں کو دی اس جناب نے
آخر ہے رات حمد و ثنائے خدا کرو
اٹھو فریضۂ سحری کو ادا کرو

ہاں غازیو! یہ دن ہے جدال و قتال کا یاں آج خوں بہے گا محمدؐ کی آل کا
چہرہ خوشی سے سرخ ہے زہرا کے لال کا گزری شب فراق دن آیا وصال کا
ہم وہ ہیں غم کریں گے ملک جن کے واسطے
راتیں تڑپ کے کاٹی ہیں اس دن کے واسطے

یہ صبح ہے وہ صبح مبارک ہے جس کی شام یاں سے ہوا جو کوچ تو ہے خلد میں مقام
کوثر پہ آبرو سے پہنچ جائیں تشنہ کام لکھے خدا نماز گزاروں میں سب کے نام
سب ہیں وحید عصر یہ غل چار سو اٹھے
دنیا سے جو شہید اٹھے سرخ رو اٹھے

یہ سن کے بستروں سے اٹھے وہ خدا شناس اک اک نے زیب جسم کیا فاخرہ لباس
شانے محاسنوں میں کیے سب نے بے ہراس باندھے عمامے آئے امام زماں کے پاس
رنگیں عبائیں دوش پہ کمریں کسے ہوئے
مشک و زباد و عطر میں کپڑے بسے ہوئے

سوکھے لبوں پہ حمد الٰہی، رخوں پہ نور خوف و ہراس و رنج و کدورت دلوں سے دور
فیاض و حق شناس و اولوالعزم و ذی شعور خوش فکر و بذلہ سنج و ہنر پرور و غیور
کانوں کو حسن صورت سے حظ بر ملا ملے
باتوں میں وہ نمک کہ دلوں کو مزا ملے

لب پر ہنسی گلوں سے زیادہ شگفتہ رو پیدا تنوں سے پیرہن یوسفی کی بو
پرہیزگار و زاہد و ابرار و نیک خو غلماں کے دل میں جن کی غلامی کی آرزو
پتھر میں ایسے لعل صدف میں گہر نہیں
حوروں کا قول تھا۔ یہ ملک ہیں بشر نہیں

ناصرانِ امام حسینؑ اور ان کے کارنامے

نمداشۂ سخن میر انیس اعلی اللہ مقامہ

کیا غازیانِ فوج خدا نام کر گئے لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے
فیض اپنا مثلِ ابرِ کرم عام کر گئے امت کی مغفرت کا سرانجام کر گئے
پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کے ہوتے ہیں
ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

دیں دار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد پہ وہ سمجھے گلِ مراد مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا
پر معرکے سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

رستم اٹھا نہ سکتا تھا سر اُن کے سامنے شیروں کے کانپتے تھے جگر اُن کے سامنے
پھیکی تھی روشنیِ قمر اُن کے سامنے اڑتا تھا رنگِ روئے سحر اُن کے سامنے
بخشا تھا نورِ حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

پیشانیوں پہ جلوہ نما اخترِ سجود دیکھیں جو اُن کا نور تو قدسی پڑھیں درود
رخ سے عیاں جلال و جواں مردی و نمود شیدائے آل. شیفتۂ واجب الوجود
لشکر جو اُن پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسم پہ کیا جھوم جھوم کے

کس کس دلاوری سے وہ خاصانِ رب لڑے اس شان سے کبھی نہ عجم نے عرب لڑے
دریا کی سمت رخ نہ کیا، تشنہ لب لڑے پیاسے تھے تین روز کے لیکن غضب لڑے
بڑھ بڑھ کے پیدلوں نے سواروں سے جنگ کی
ایک ایک تشنہ لب نے ہزاروں سے جنگ کی

الحق تھے شیر بیشۂ ہیجا وہ صف شکن مرنے کی یہ خوشی تھی کہ خنداں تھے زخم تن
کھا کھا کے تیر کہتے تھے وہ غیرتِ چمن قربان جدہ پر دریغا سر و بدن
جینے کی شاہِ دیں کو دعا دے کے مر گئے
ایماں کے آئینے کو جلا دے کے مر گئے

اک ذوالفقار خلق میں دو ہاتھوں سے چلی   دستِ حسین و پنجۂ مشکل کشا ۱۱
یہ مصطفٰے کی جان وہ اللہ کا ولی   دونوں کا مرتبہ بھی دو عالم پہ ہے جلی
فخر مجاہدین پسر فاطمہ ہوا
حیدر سے ابتدا ہوئی یاں خاتمہ ہوا

باطل کو حق سے، خیر کو شر سے جدا کیا   ظلمت کو دن سے شب کو سحر سے جدا کیا
یوں کفر و دیں کو تیغ دو سر سے جدا کیا   گویا کلف کو روئے قمر سے جدا کیا
اس دبدبہ سے زیر کیا روم و شام کو
حکم جہاد پھر نہ ہوا نو امام کو

امام کی اپنے انصار کو جنت کی بشارت

اے عزت دارو! یہ جنت ہے جس کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں۔ جس کی نہریں ایک دوسرے سے ملی ہوئی ہیں۔ اور پھل پکنے کے قریب ہیں۔ اور اس کے قصر آراستہ کیئے گئے ہیں۔ اور اس کے حور و غلمان اکٹھا کیئے گئے ہیں۔ اور یہ حضرت سرور کائنات اور وہ شہداء ہیں جو راہ خدا میں قتل کیئے گئے۔ یہ سب تمہاری آمد کے منتظر ہیں اور تمہیں خوش آمدید کہنے کو تیار ہیں۔ تم دین خدا اور پیغمبرؐ کے دین کی حمایت کرو اور حرم رسولؐ سے دشمنوں کو مار بھگاؤ۔

سپاہ سید الشہدا

آگے کبھی نہ دیکھی تھی اس حسن کی سپاہ   دنیا بھی خوبیوں کا مرقع ہے واہ واہ!
دیکھیں کسے کہ ہے ایک ایک رشک ماہ   جاتی ہے جس کے رخ پہ تو پھرتی نہیں نگاہ
دیکھو انہیں دلوں سے ہے رونق زمین کو
چن کر حسینؑ لائے ہیں کس کس حسین کو

شہرہ بہت تھا حسن میں کنعاں کے ماہ کا   قصہ سنا ہوا ہے زلیخا کی چاہ کا
یاں آفتاب کو نہیں یارا نگاہ کا   یوسف ہے ایک ایک جوان اس سپاہ کا
سنتے تھے ہم کہ عالم ایجاد زشت ہے
ایسے چمن کھلے ہیں تو دنیا بہشت ہے

(انیس)

انصار کا جہاد

خدائے سخن میر انیس

اے شمعِ قلم! روشنیِ طور دکھا دے　　　اے دیدہ! تجلّیِ رخِ حور دکھا دے
اے بحرِ طبیعت! گہرِ نور دکھا دے　　　اے شاہدِ معنی! رخِ مستور دکھا دے
پُر نور مضامین کی وہ جلوہ گری ہو
خورشید جہاں تاب چراغِ سحری ہو

اے طبعِ رسا! خامہ کا گلزار دکھا دے　　　اے باغِ سخن! گلشنِ بے خار دکھا دے
اے شمعِ زباں! لمعۂ انوار دکھا دے　　　اے حسنِ بیاں! خوبیِ گفتار دکھا دے
لرزاں ہے قدم خامۂ اعجاز رقم کا
ہاں تیغِ زباں! آج تو کر کام قلم کا

مانی کو بھی حیرت ہو وہ نقشا نظر آئے　　　بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے　　　انصارِ حسینی کا سراپا نظر آئے
مہتاب تو کیا ہے رخِ خورشید بھی فق ہو
جو بند ہو تصویرِ تجلّی کا ورق ہو

کرتے ہیں کتابوں میں رقم راویِ صادق　　　جب قتل ہوا حُر سا مددگار موافق
پھر پیاسوں پہ برسانے لگے تیر منافق　　　مرجانے پہ اک دل ہوئے سب شاہ کے عاشق
ایک ایک سے پہلے تھا خریدار اجل کا
سر کٹ رہے تھے گرم تھا بازار اجل کا

مرنے پہ کسے تھا کمر ایک ایک سے پہلے　　　کر دیتا تھا سینہ سپر ایک ایک سے پہلے

دیتا تھا بصد شوق سر ایک ایک سے پہلے ۔۔۔ کرتا تھا دل شہ میں گھر ایک ایک سے پہلے
زرہیں تنِ پُر نور میں شیروں کے پڑی تھیں
آنکھیں سپہ شام کی تیغوں سے لڑی تھیں

تڑپتا تھا غضب ایک کے بعد ایک وفادار ۔۔۔ دن چڑھتا تھا یاں، گرم تھا واں موت کا بازار
سر بیچتے تھے جنسِ شہادت کے طلبگار ۔۔۔ بڑھ بڑھ کے خریدار یہ کرتا تھا خرید
لیں پہلے ہم، ایک ایک کی جان اس پہ لڑی تھی
عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

یوں جاتے تھے میدانِ شہادت میں وہ جرّار ۔۔۔ جس طرح کہ بچھڑی ہوئی بلبل سوئے گلزار
خود رکتے تھے، فرق پہ جب آئی تھی تلوار ۔۔۔ باران کرم جانتے تھے تیروں کی بوچھار
برچھی جو لگی نخلِ شہادت میں پھل آیا
جان آ گئی، جس وقت پیامِ اجل آیا

ایمان شہِ والا کی ولا جانتے تھے وہ ۔۔۔ رہ جانے کو توہینِ وفا جانتے تھے وہ
جینے کو ہوس، دم کو ہوا جانتے تھے وہ ۔۔۔ فاقوں کے بیاں کو بھی گلا جانتے تھے وہ
کچھ فرق اطاعت میں وہ ناکام نہ لائے
پانی کا زبانوں پہ کبھی نام نہ لائے

وہ خشک لبوں پہ اثر دار دعائیں ۔۔۔ لہجے وہ عرب کے، وہ خوش انداز صدائیں
وہ دوش پہ شملے، وہ عمامے، وہ عبائیں ۔۔۔ وہ چاند سے چہرے، وہ سفیدان کی قبائیں
نہ حور میں یہ حسن، نہ انسان، نہ پری میں
گویا ملک اُترے تھے لباسِ بشری میں

ہمت سے توانا، یہ ریاضت سے بدن زار ۔۔۔ مرنے پہ کمر باندھے شہادت کے طلبگار
غربت، الم، فاقہ کشی، زردیِ رخسار ۔۔۔ سوکھے ہوئے ہونٹوں سے عیاں پیاس کے آثار

تسبیح خدائے دو جہاں ورد زباں تھی
بیداری شب نرگسی آنکھوں سے عیاں تھی

عاشق شہ والا کے مطیع اسد اللہ   سر دینے کو سب ہادی کونین کے ہمراہ
مستغنی و حق بیں زحق آئین و حق آگاہ   دنیا کو وہ دیں دار سمجھتے تھے گزرگاہ
فاقوں میں توکل تھا جناب احدی پر
پڑتی تھی نظر ان کی نعیم ابدی پر

زخموں کو عطائے صمدی جانتے تھے وہ   آزار کو لطف احدی جانتے تھے وہ
جینے کو مقدر کی بدی جانتے تھے وہ   مرنے کو حیات ابدی جانتے تھے وہ
سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ محمدؐ کی ثنا تھی
ہر روز کی پیاس ان کیلئے آب بقا تھی

کیا عاشق صادق تھے وہ کیا مومن کامل   دی تھی انھیں خالق نے تمیز حق و باطل
کیا عقل تھی کیا فہم تھی کیا جوش تھا کیا دل   کس حسن سے طے کر گئے وہ عشق کی منزل
وصف گل تر ظلم کے خاروں میں نہ بھولے
محبوب کو تلواروں کی دھاروں میں نہ بھولے

چہرے لب سوفار جو سینے پہ لگے تیر   دم عشق کا بھرتے رہے زیر دم شمشیر
زخموں کو یہ سمجھے کہ ملا گلشن توقیر   تکبیر کا نعرہ تھا زباں پہ دم تکبیر
محراب عبادت خم شمشیر کو سمجھے
جادہ وہ مسافر دم شمشیر کو سمجھے

مسلم پسر عوسجہ انصار میں تھے فرد   دنیا میں کسے ملتے ہیں اس طرح کے ہمدرد
اعدا کے لئے تیغ ہلالی دم ناورد   پیری میں اولوالعزم بڑھاپے میں جوانمرد

جو عشق تھا سلمان و ابوذر کو نبیؑ سے
ان کو وہی الفت تھی حسین ابن علیؑ سے

یکتا وہ حبیبوں میں حبیب ابن مظاہر　یکساں صفت مہر مبیں باطن و ظاہر
عصیاں سے بری طیب و پاکیزہ و طاہر　جانباز، جہاں دیدہ، فن جنگ کے ماہر
سر ہلتا تھا پیری سے قد راست میں خم تھا
اس پر بھی کچھ آگے ہی جوانوں کے قدم تھا

انداز جوانوں کا بھی پیرانہ سری بھی　پروانہ جانباز بھی شمع سحری بھی
ابرار بھی، دیندار بھی عصیاں سے بری بھی　زاہد بھی مجاہد بھی نمازی بھی سحری بھی
طفلی سے یہ نوجہ شہ نامی میں رہے تھے
ترسٹھ برس آقا کی غلامی میں رہے تھے

ضرغامہ و وہب و انس و مالک دیندار　حجاج و زہیر و جبلہ، عامر و عمار
عمران و شبیب و عمر و عابس و ابرار　قربان حسین ابن علیؑ ہو گئے اک بار
جس سمت یہ جانباز تھے خالی وہ پڑا تھا
دور دور تلک دشت ستم خوں سے بھرا تھا

اللہ ری وفائے رفقائے شہ ذی جاہ　دل سینوں میں لبریز ولائے شہ ذی جاہ
سر دیتے تھے ہنس ہنس کے برائے شہ ذی جاہ　کرتے تھے سفر چوم کے پائے شہ ذی جاہ
دنیا کی نہ جانب تھیں نہ دریا کی طرف تھیں
مرتے ہوئے آنکھیں شہ والا کی طرف تھیں

جب ایسے رفیقوں کا پڑا ہو گیا خالی　بھرتا تھا دم سرد وہ کونین کا والی
پھر تھا کوئی مولا کا نہ ہمدم نہ موالی　لاشوں کو لگاتے تھے گلے سرور عالی

بے تاب تھے اس طرح ہر اک وقت کے غم میں
جیسے کوئی روتا ہے برادر کے الم میں

مٹی میں ملایا وہ مرقع جو قضا نے سر دینے کو تیار ہوئے رشکِ یگانے
دیکھا سوئے افلاک امام دوسرا نے تسبیح امامت کے بکھرنے لگے دانے
سیدانیوں کا دودھ جو پی پی کے پلے تھے
جلادوں کی تلواریں تھیں اور اُنکے گلے تھے

لاکھوں سے لڑے حضرت عباسؑ کے بھائی حملوں میں دکھائی شہ مرداں کی لڑائی
سب شان پدر بیٹوں نے جعفرؑ کے دکھائی مسلمؑ کی جو میراث تھی، فرزندوں نے پائی
لاکھوں میں پھر اس شان سے شاہ دو جہاں تھے
دو طفل جلو میں فقط اور تین جواں تھے

زینبؑ کے پسر، جعفرؑ و زہراؑ کے دل و جاں قاسمؑ، حسنؑ سبز قبا کا مہ تاباں
ہم شکل نبیؐ، نور نگاہ شہ ذی شاں عباسؑ علیؑ چشم و چراغ شہ مرداں
تاباں نظر آتا تھا قمر پاس قمر کے
پانچوں یہ جری چاند تھے شبیرؑ کے گھر کے

ایک ایک جری زیور جنگی کو سنوارے تیروں کی چمک اور وہ کمندوں کے طرارے
جعفرؑ کے جگر بند، ید اللہ کے پیارے رستم سے ہر اک جنگ کرے، شیر کو مارے
سیاف ہو مرحب سا تو شمشیر سے ماریں
ارجن سے کماندار کو اک تیر سے ماریں

ایک ایک جواں، ملک شجاعت کا شہنشاہ بچے وہ اولوالعزم کہ العظمۃ اللہ!
ذی قدر، سرافراز، وفا کیش، دل آگاہ شیر اُن کی نظر دیکھ کے بن جاتے تھے روباہ

پیدا یہ تہور ہے کہ لاکھوں ہیں تو کیا ہیں!
دعویٰ تھا ہر اک کو کہ ہم شیرِ خدا ہیں!

کھولے ہوئے رایت کوئی تولے ہوئے شمشیر ... بے تاب کہ تلوار کے چلنے میں ہے کیوں دیر
فاقوں میں زبردست کہ لاکھوں سے نہ ہوں زیر ... بیشے میں پلے جو اسد اللہؑ کے وہ شیر

جز سجدۂ حق سر کبھی اُن کے نہ جھکے تھے!
یہ قبلۂ عالم کا ادب تھا جو رُکے تھے!

(ماخوذ از رزم نامۂ انیس)

قطعات

آزر جائسی

کربلا کے تھے مجاہد دہر میں کیا بے بدل
تاقیامت ہو گئی اون کی وفا ضرب المثل
گو بلاد و نسل و علم و سن نہ تھے باہم مگر
تھی بہتر پیکروں میں ایک ہی روحِ عمل

کیا کہوں کس شان کا تھا وہ حسینی کارواں
جب لہرا رہا ہے ہر جگہ اُس کا نشاں
راشد اشد نصرتِ آقا میں ایسا اتحاد
گو زبانیں تھیں بہتر۔ تھے مگر سب ہم زباں

منزلت میں کربلا والوں کے کیا ہے گفتگو ... اس جگہ تک نارسا ہے عقلِ کل کی جستجو
یہ حسینی تربیت۔ تعلیم کا اعجاز تھا ... دل بہتر تھے۔ مگر تھی ایک سب کی آرزو

لبِ دریا خیمے لگانے کی بندش پر انصارِ امام کی برہمی

(میر انیس اعلیٰ اللہ مقامہ)

اس فوج کے رئیس نے بڑھ کر کیا کلام — حکم امیر ہے یہیں اترے گی فوج شام
چھوڑیں گے ہم اسے کہ جو راحت کا ہے مقام — دریا سے آپ ہٹ کے بپا کیجئے خیام
لشکر کشی ہے بادشہ کائنات پر
کل مورچے سپاہ کے ہوں گے فرات پر

کوفے سے کل جواں ادھر آئے ہیں دس ہزار — رستے میں شام کی ابھی فوجیں ہیں بے شمار
خالی ہیں منزلیں نہ بیاباں، نہ کوہسار — شہروں سے پرگنوں سے چلے آتے ہیں سوار
لاکھوں ہیں کوئی قبل کوئی بعد آئے گا
گیتی ہلے گی جب پسر سعد آئے گا

فوجوں کا جائزہ تھا وہاں ہم چلے تھے جب — گردے میں بیس (۲۰) کوس کے لشکر پڑا تھا سب
دستوں کی روم و شام کے آمد ہے روز و شب — اس ارض پر جو ہو نہ سمائی تو کیا عجب
کیجئے مقام گر کوئی گوشہ جدا ملے
ممکن نہیں کہ نہر پہ خیمے کی جا ملے

ہم گھاٹ روکنے کے لیے آئے ہیں ادھر — ہے آج شب کو داخلہ شمر کی خبر
سنتے ہی یہ ترائی میں گونجا وہ شیر نر — تیوری چڑھا کے تیغ کے قبضہ پہ کی نظر
کم تھا نہ ہمہ اسد کردگار سے
نکلا ڈکارتا ہوا ضیغم کچھار سے

غصے میں رکھ کے دوش پہ شمشیر برق دم — نعرہ کیا اسد نے کہ تم سے ہٹیں گے ہم؟
گر فوج قاہرہ کی ہے آمد تو کیا ہے غم — گرتا ہے کٹ کے سر وہیں جس جا جمے قدم
بھیڑیں جو شیر، سامنے آتا نہیں کوئی
یہ آنکھ وہ ہے جس میں سماتا نہیں کوئی

بگڑے ابو ثمامہ و سعدِ فلک سریر — بولے اسد کہ زجر کے قابل ہیں یہ شریر

جوڑا کمان میں ابن مظاہر نے بڑھ کے تیر — تولی زہیر قین نے شمشیر بے نظیر
عابس کو غیظ لشکر بدخو پہ آگیا
غصے سے بل ہلال کے ابرو پہ آگیا
ارض و سما کو ہم تہ و بالا کریں ابھی — جو سرکشی کرے اسے پسپا کریں ابھی
اس سرزمیں کو خوں کا دریا کریں ابھی — ساحل تک آئے جو اسے ٹھنڈا کریں ابھی
بولے کوئی تو تن سے سر اس کا جدا کریں
خیمہ بپا نہ ہو، تو قیامت بپا کریں؟

میداں میں بہتر پیاسوں نے

از انوار الحسن صاحب انور رائے بریلوی

اسلام کو بخشی روح بقا میداں میں بہتر پیاسوں نے — باطل کو بنایا نقش فنا میداں میں بہتر پیاسوں نے
ہر حال میں چاہی حق کی رضا میداں میں بہتر پیاسوں نے — کی خشک زباں سے حمد خدا میداں میں بہتر پیاسوں نے
وحدت کی تجلی دکھلا دی اسلام کی قسمت چمکا دی — ہر دل میں بھری ایمان کی ضیا میداں میں بہتر پیاسوں نے
تھے ان کے قدم کے جس پہ نشاں اس خاک پہ اب جھکتا ہے جہاں — اک کعبہ نیا تعمیر کیا میداں میں بہتر پیاسوں نے
سوتے ہوئے جذبے فطرت کے سینوں میں یکایک جاگ اٹھے — کانوں میں بھر دی یوں حق کی صدا میداں میں بہتر پیاسوں نے
ہے کون زمانہ میں ایسا اس شان کا سودا کس نے کیا — سر دے کے خریدی حق کی رضا میداں میں بہتر پیاسوں نے
کھائی ہے محبت ان کی قسم مر کے بھی نہ چھوڑے شہ کے قدم — دنیا کو دکھا دی شان وفا میداں میں بہتر پیاسوں نے
ہنس ہنس سہے امت کے ستم خوش ہو کے اٹھائے رنج و الم — لب تشنہ رہے شکوہ نہ کیا میداں میں بہتر پیاسوں نے
مرجھاتا ہوا دیکھا نہ گیا گلزار جو دین احمدؐ کا — خود اپنے لہو سے سینچ دیا میداں میں بہتر پیاسوں نے
چو بیس پہر تک پیاسے رہے منھ پھیرے مگر دریا سے رہے — پانی کی طرف رخ بھی نہ کیا میداں میں بہتر پیاسوں نے
صدقہ ہو جہاں اس ہمت پر کونین فدا اس جرأت پر — کی تشنہ جگر لاکھوں سے وغا میداں میں بہتر پیاسوں نے
بڑھ بڑھ کے کئے حملے پیہم جم جم کے لڑے مثل ضیغم — منہ فوج ستم کا موڑ دیا میداں میں بہتر پیاسوں نے
ان تشنہ لبوں کا اے انور احسان ہے سارے عالم پر
ہر دل میں عمل کا جوش بھرا میداں میں بہتر پیاسوں کا

تاریخ وفات ۳۰ محرم سنہ ۱۲۹۲ھ لکھنؤ کوچہ مرزا دبیر	**سید الشہداء کے انصار کے حال میں** خدائے سخن حضرت دبیر اعلی اللہ مقامہ کے ایک مرثیہ سے چند بند	تاریخ ولادت ۱۰ جمادی الاول سنہ ۱۲۱۸ھ دہلی۔ بلی ماراں

انتخاب کردہ خبیر لکھنوی

کیا رو سفید فوج خدا ہے حضور صبح   آئی ہے ان کے عقد عبادت میں حور صبح
رخ سے طلوع مہر جبیں سے ظہور صبح   اک سمت ان کا نور ہے اک سمت نور صبح
سر سجدے میں بدن ہیں قعود و قیام میں
کیا صبح کی بہار ہے فوج امام میں

آواز "ارکعو" کی ملائک سناتے ہیں!   غازی نماز پڑھ کے مصلے اٹھاتے ہیں
تعقیب کی دعائیں مگر پڑھتے جاتے ہیں   سجدے کو آستانۂ مولا پہ آتے ہیں
در پر دھرے جبینوں کو سب خوش خصال ہیں
اک آسمان ہے اور بہتر ہلال ہیں

مثل قمر یہ عابد شب زندہ دار ہیں   مانند مہر متقی روزگار ہیں
شکل فلک رکوع میں لیل و نہار ہیں   مثل زمیں سجود میں یہ خاکسار ہیں
سجدے سے ان کے خاک وظیفہ میں رہتی ہے
تسبیح ان کے ہاتھ میں تکبیر کہتی ہے

دیکھو خشوع کو تو ہے لرزاں بدن تمام   پوچھو رجوع قلب تو دل ہے سوئے امام
واقف نہیں ریا سے کہ کس شے کا ہے یہ نام   جس کو نماز کہتے ہیں وہ یہ ہے والسلام
روشن ہے ان کا اوج عبادت جہاں پہ
سجادہ ہیں زمیں پہ نماز آسماں پہ

بخت جواں پیر فلک ہر جوان ہے   حلم ان کا ہے مزاج صداقت زبان ہے
ہمت انہیں کے ہاتھ کا اک استخوان ہے   نور خدا بدن ہے حسینؑ ان کی جان ہے

فردوس ان کا خلق ہے نار ان کا خشم ہے
ایمان ان کا دل ہے حیا ان کی چشم ہے

کلمہ حسین کی محبت کا وہ پڑھتے تھے ! کیا ذہن تھا لکھا ہوا قسمت کا پڑھتے تھے
میکال خطبہ ان کی فضیلت کا پڑھتے تھے جبرئیل صیغۂ ان سے اخوت کا پڑھتے تھے
وہ خاص جان نثار شہ خاص و عام تھے
حوریں خواص خاص تھیں غلماں غلام تھے جنّۂ کم

فارغ نماز روزہ حج و زکواۃ سے عصیاں سے یوں علیحدہ ہو دن جیسے رات سے
مرنے سے شاد جیسے کہ دولہا برات سے دنیا سے یوں کنارے تھے جیسے فرات سے
کوثر کے یوں قریب تھے جتنا حسین کے
قربان یا دران مشر مشرقین کے!

ہے دست بوس ایک کے شمشیر آب دار درنجف کا بچہ کسی کے گلے کا ہار
کوئی خیال حور شہادت سے ہمکنار کوثر پہ آنکھ ایک جری کی پیالہ دار
کہتے ہیں راہِ حق میں شرف کی کمی نہیں
اس راہ میں جو خاک نہ ہو آدمی نہیں

پڑتا تھا عکس عارض و خط کا جو بار بار اُٹھتا تھا سرخ و سبز بیابان سے غبار
ان کی بہار دیکھنے کو آئی تھی بہار زہرا کی روح ہوتی تھی ایک ایک پر نثار
معمور دشت تھا شہدا کی شمیم سے
بوئے شہادت آئی تھی موج نسیم سے

عمامہ رکھ کے ہاتھ پہ کرتا تھا اک دعا یارب تصدق آل پیغمبر کی پیاس کا
وہ صبر دے کہ لب نہ کریں پیاس کا گلہ ہمت وہ بخش سر شہ دیں پر کریں فدا
ہم ہوں رکاب شاہ ہو جنت کی سیر ہو
دنیا بخیر ہو جس کی عقبیٰ بخیر ہو

علامہ نجم آفندی کے معرکہ آرا

مرثیہ کے چند بند

کیا ربط آج موت کو ہے زندگی کے ساتھ کتنے اداشناس ہیں سبطِ نبی کے ساتھ
پھر یہ ہجوم شوق نہ ہوگا کسی کے ساتھ مرنے کو یوں نہ جائیں گے انساں خوشی کے ساتھ
سُن کر سفیرِ مرگ کے قدموں کی آہٹیں
ہونٹوں پہ جمع ہوں گی نہ پھر مسکراہٹیں

انصار تھے حسینؑ کے کیا کیا وفا پسند تیور نبیؐ پسند، ادائیں خدا پسند
پہلو میں دل ہر ایک کے تھا کربلا پسند یہ دین کا فروغ تھا دنیا کو ناپسند
گُل ہے چراغِ طور یہ قدرت خدا کی ہے
روشن جہاں میں شمع مگر کربلا کی ہے

سَو سے بھی کم تھے اتنی جماعت تھی مختصر لشکر کے اعتبار سے تنظیم کی مگر
آگے علم بدوش تھے عباسؑ نامور ممکن ہے ہو یہ مقصد سلطان بحر و بر
قلّت میں بھی یہ سطوت و اجلال چاہیئے
تنظیم کا خیال بہر حال چاہیئے

انصار میں حبیبؑ کا بھی ہے عجب مقام کوفہ سے کیا وقت یہ آیا ہے تیز گام
ہوتا ہے یوں خلوص عقیدت کا احترام بنتِ نبیؐ کے خیمے سے آیا اسے سلام
یہ فخر اپنے ساتھ وہ جاں باز لے گیا
اس تحفۂ سلام کا اعزاز لے گیا

آیا جو وقت ظہر کا مابینِ کارزار — آگے بڑھا نماز کو حیدرؑ کا ورثہ دار
تیر آ رہے تھے لشکرِ اعدا سے بار بار — صف سے بڑھے ظہیر و سعید وفا شعار
یہ جاں نثاریاں تھیں جو رتبے بڑھے ہوئے
اللہ! یہ امام سے آگے کھڑے ہوئے

دنیائے صبر و ضبط میں کیا معتبر رہے — سو زخم کھائے، اپنی جگہ پر مگر رہے
کچھ دیر اپنے حال سے بھی بے خبر رہے — جب تک ہوئی نماز یہ سینہ سپر رہے
واجب سے جو اہم تھے فرائض ادا کئے
یہ شیر دل نمازِ مودت پڑھا کئے

وہ ابن عوسجہؓ کی شہادت خدا کی شان — وہ سو برس کی عمر کا جنگ آزما جوان
کم سِن پسر نے جس کے دکھائی یہ آن بان — بابا کے بعد بڑھ کے فدا کر دی اپنی جان
انصار بے مثال، عمل بے عدیل ہیں
یہ معرکے حسینؑ کے حق کی دلیل ہیں

انصار کو جہاد کی پہلے ملی رضا — خاموش تھے ادب سے عزیز اور اقربا
یہ مسئلہ ہے گرچہ بظاہر عجیب سا — شاید امامِ وقت کے پیشِ نظر یہ تھا
مرنا ہی سب کو ہے تو یہ پہلے نہ جائیں کیوں
کچھ دیر اور پیاس کی ایذا اٹھائیں کیوں

دل ایک، عزم ایک تھا اور ایک رہگزار — لیکن تھا راہ بر پہ ہر اک راز آشکار
ممکن ہے صبر و ضبط کی قوت پہ ہو مدار — یہ بات ہے اگر تو پھر اے دشتِ کارزار
اصغر کے ہاتھ معرکۂ تشنگی رہا
یہ جاں نثار سبطِ نبی آخری رہا

معراجِ فکر سے)

(ماخوذ)

اصحاب حضرت امام حسینؑ

مجدد فن مرثیہ گوئی مرزا محمد جعفر اوج مرحوم خلف جانشین حضرت دبیر مغفور کے ایک مرثیے سے چند بند

زہے معاون و انصار سرور اکرم
یہ سچ ہے تھے وہ بہت سے بہت یہ کم سے کم
مگر دلیری و جرأت کا تھا عجب عالم
کہ ان کے رعب سے لشکر تھا درہم و برہم
محال سمجھے تھے ضیغم دلوں کے ٹوکنے کو
کبھی تو جمع ہوئے تھے ہزاروں روکنے کو

زہے کریم کرامت تھی سربسر جن سے
زہے جلیل جلالت تھی مفتخر جن سے
زہے شریف شرافت تھی اوج پر جن سے
زہے شجاع شجاعت تھی نامور جن سے
یہ وہ جری تھے کہ جرأت تھی منحصر جن میں
ہزارہا کے برابر تھا ایک ایک ان میں

وہ منکسر کہ تواضع تھی سرفراز اُن سے
وہ متقی کہ عبادت کو فخر و ناز اُن سے
وہ ذی کرم کہ سخاوت کو خود نیاز اُن سے
وہ شیر دل کہ دلیری کو امتیاز اُن سے
جمائے معرکے میں پائے مستقل اپنے
وہ جاں نثار ہیں لیں زرہ پہ دل اپنے

وہ بچپنے کا حبیب امام عرش وقار
حبیب ابن مظاہر سر آمد انصار
زہیر قین شہ مشرقین کے غم خوار
یہ میمنہ کے تو وہ میسرہ کے تھے مختار

دو جانب اپنے رفیقوں سمیت حاضر تھے
جفا نصیب غریب الوطن کے ناصر تھے

عجیب شان سے استادہ تھے حبیب اسدم
دکھا رہی تھی ضعیفی شباب کا عالم
کہ رعشہ رعب سے جھک جھک کے چومتا تھا قدم
اٹھا ہے پشت مبارک تھی بارِ ضعف سے خم

مگر تھا رابطہ جرأت سے جسم و جاں کی طرح
جہاد پر ہمہ تن لیس تھے کماں کی طرح

پکڑ کے ہاتھ سے ریش سفید وہ صفدر
تم اپنے میسرہ سے ہوشیار سرتا سر
مخاطب اپنے رفیقوں سے تھا بہ کرّ و فر
دم جہاد دکھانا سپہ گری کے ہنر

نہ بڑھنے پائے ادھر فوج بدسگالوں کی
تمہارے ہاتھ ہے شرم ان سفید بالوں کی

ادھر زہیر خوش آغاز و میمنت انجام
یہ اپنے ساتھیوں سے اُس دلیر کا تھا کلام
بچے وفا تھے سراپا اُٹھی ہوئی صمصام
کہ میمنہ سے خبردار یاورانِ امام

وفا میں شہ کے پسینے پہ خوں بہہ جائے
یہ مرنے والوں کی جرأت کا نام رہ جائے

اصحاب حسین علیہ السلام

(جناب عزیز لکھنوی اعلی اللہ مقامہ)

اصحاب حسینؑ ابن علیؑ جان وفا تھے — ایمان سے کہتا ہوں کہ ایمانِ وفا تھے
تابندہ رُخ اُن کے تھے کہ قرآنِ وفا تھے — دل تھے کہ چراغ تہ دامانِ وفا تھے
گنجینۂ اسرار تھا سینوں سے نمایاں
باطن کی تجلّی تھی جبینوں سے نمایاں

دیکھے نہیں دنیا نے کہیں ایسے وفادار — مرنے کیلئے موت سے پہلے ہوئے تیار
پہنے ہوں زرہ ہوں پہ وہ دلوں کو دم پیکار — سامان مسرت تھے انھیں موت کے آثار
تکلیف میں آفاق سے منھ موڑ رہے تھے
ہنس ہنس کے مگر خاک پہ دم توڑ رہے تھے

وہ خطبۂ سلطان حجازی شب عاشور — اصحاب سے کہنا کہ ہوئی عافیت اب دور
ہاں ساتھ مرا چھوڑ دو گر زیست ہے منظور — کہنا وہ رفیقوں کا کہ اے سید محصور
مرجائیں مگر رشتۂ بیعت کو نہ توڑیں
کھاجائیں درندے ہمیں گر آپ کو چھوڑیں

یہ سن یہ بن عوسجہ کی ہمت عالی — وہ دبدبہ وہ شان وہ آثار جلالی
بل ابروؤں پر دل غم انسان سے خالی — باندھے ہیں ہلال بجلی تیغ ہلالی
فردوس کی نکہت دل عامر میں بسی ہے
مرنے پہ کمر ابن مظاہر نے کسی ہے

اے سرور ذی مرتبہ کے مرتبہ دانو — پوری ہوئی حجت مگر اعجاز بیانو
جو کام کیا تم نے یہاں شبیر جوانو — انسان سے دشوار تھا وہ تشنہ دہانو
جس شان سے میدان میں لی خلد کی جاگیر
تاریخ دکھاتی نہیں ایسی کوئی تصویر

جنت کے لیے قلب صفا کیش تھے بے تاب — ہیچ اُن کی نگاہوں میں رہا عالم اسباب
اخلاق کے دفتر میں وفا ان کی ہر وہ باب — جن سے کہ نکالے گئے ہیں سیکڑوں ابواب

ہر باب ہے رنگیں چمن طبع نکو سے
لکھا ہے جلی نام وفا دل کے لہو سے

اسلام کے خادم تھے مگر اصل میں مخدوم — اسرار وفا جن سے جہاں کو ہوئے معلوم
توصیف اُن اصحاب کی کس طرح ہو مرقوم — جن کو بابی انت و امی کہیں معصوم
لاریب کہ خجلت دہ افلاک ہوئی وہ
یہ دفن ہوئے جس میں زمیں پاک ہوئی وہ

یہ ولولہ یہ جوشش یہ ہمت ہو مبارک — خونی کفنو تم کو یہ خلعت ہو مبارک
تا شام ابد سایۂ رحمت ہو مبارک — بچھڑے ہوئے شبیر و تمھیں جنت ہو مبارک
گرداب بلا خیز سے کیونکر اُبھر آئے
ڈوبے جو لہو میں لب کوثر اُبھر آئے

جب فوج مخالف ہوئی آمادۂ پیکار — یوں بیٹھ گئے ٹیک کے گھٹنے وہ وفادار
تانے ہوئے نیزوں کی انی جان سے بیزار — جس طرح کہ جنبش نہ کرے کوہ گراں بار
کی فوج نے جس دم حرکت سیل کی صورت
سینوں کو سپر کر دیا اللہ ری جرأت

یوں فوج میں اعدائے الٰہی کے در آئے — جس طرح پئے صید زبوں شیر نر آئے
دامن جو بچھا گرد کا داغ اور اُبھر آئے — دم توڑ نے میداں میں مسلم نظر آئے
کی ہے جو وصیت کوئی بھولے گا نہ زنہار
اے بھائیو! احمدؐ کے نواسے سے خبردار

تھے خون کے قطروں میں شجاعت کے شرارے — رُخ سُرخ تھے سُوکھی تھی زباں پیاس کے مارے
ٹوٹے تھے پہاڑ اُس پہ بھی ہمت نہیں ہارے — انگڑائیاں لیتے ہوئے جنت کو سدھارے
نصرت کا تقاضا سبق آموز وفا تھا
بڑھنے سے مصائب کے لہو اور بڑھا تھا

وہ رعب و جلالت کہ ہر اک دیکھ کے ششدر — شیرانہ نظر ڈالی تو تھرا گیا لشکر
تھے رزم میں اس بات سے بے خوف دلاور — موت ان پہ گرے یا وہ گریں موت پہ جا کر
تیغ اس پہ لگائی تو کبھی اس کی سپر لی
ڈوبے صف اول میں تو آخر کی خبر لی

سمجھے ہوئے تھے خوب کہ یہ موت ہو جینا — یہ ہمت دل ہے یہ شجاعت کا قرینا
ابرو پہ شکن آئی نہ ماتھے پہ پسینا — منہ تیروں کا برسا لیا تانے رہے سینا
مرکز سے مگر ایک قدم بھی نہ بڑھایا
جب تک کہ رہی جان ثبات اپنا دکھایا

طوفانِ مصائب کا بلاؤں کا وہ سیلاب — لرزے میں زمیں دشت کی تھی صورتِ سیماب
اک بوند تھی پانی کی جہاں گوہرِ نایاب — بھرپور جوانی پہ تھا خورشیدِ جہاں تاب
کانوں کی زبانوں میں سنانوں کی خلش تھی
لو دے رہے تھے خاک کے ذرّے وہ تپش تھی

دکھلائی بیاباں نے بہت شعلہ فشانی — ہمت کو بڑھاتی ہی رہی تشنہ دہانی
جب آئی نظر دور سے موجوں کی روانی — منہ پھیر لیا دیکھ کے بہتا ہوا پانی
دل شاد تھا بخشش کے سہارے پہ کھڑے تھے
سیراب تھے کوثر کے کنارے پہ کھڑے تھے

ثابت کیا اس بات کو تم نے سرِ میداں — یہ قدرتِ انساں ہے یہ عظمتِ انساں
شیرازۂ دل ہو نہ کسی وقت پریشاں — ثابت قدمی چاہیئے ہر کام ہو آساں
مرجاتے ہیں ہوتا ہے جنھیں پاس وفا کا
طے ہوتا ہے یوں مرحلہ تسلیم و رضا کا

کمھلائے ہوئے پھول تھے خاروں کے مقابل — یا صبح کے تارے تھے شراروں کے مقابل
محدود پیادے تھے سواروں کے مقابل — گنتی کے مجاہد تھے ہزاروں کے مقابل
یوں ہوتی ہے تعداد بہتّر کی یہ مشکل
جب فوج میں گہوارۂ اصغرؑ بھی ہو شامل

دل میں نہ وفا جس کے ہو محتاج اُسے سمجھو — جو لوٹ لیا جائے نہ تاراج اُسے سمجھو
گیسو ہوں اَٹے خاک میں گر تاج اُسے سمجھو — سر نوکِ سناں پر ہو تو معراج اُسے سمجھو
گلزارِ خلیلؑ آتشِ سوزاں کا بھڑکنا
قوسین کی منزل ہے کمانوں کا کڑکنا

اے مسلمِ خوابیدہ ذرا ہوش میں آجا — کیوں دور ہے اسلام کی آغوش میں آجا
پی بادۂ سرجوش ذرا جوش میں آجا — بے کیف ہے رندانِ قدح نوش میں آجا
لے درسِ وفا شوکتِ اسلام عیاں ہو
یہ پیرِ کہن سال نئے سر سے جواں ہو

گاڑا ہے نشاں جس کا پیمبرؐ نے وہ اسلام — دی جس کو غذا حمزہؑ و جعفرؑ نے وہ اسلام
آغوش میں پالا جسے حیدرؑ نے وہ اسلام — سینچا ہے جسے خون سے بہتّر نے وہ اسلام
راحت اُسے پہونچائی مگر ظلم سہے خود
اسلام کو آزاد رکھا قید رہے خود

اسلام جو قانونِ رسولِ مدنی ہے — اسلام دلاور جو دمِ تیغ زنی ہے
اسلام کہ دل اس کا ہمیشہ سے غنی ہے — اسلام کہ کھیل اس کا فقط بت شکنی ہے

گلرنگ ابھی خون سے دامان قبا ہے
یہ شیر کہیں کفر کی ہیبت سے دبا ہے

اسلام کہ تائید خدا جس کی ہو ہمراز
ہر وقت رہی قوت حق ہمدم ودمساز

توحید کے نعروں میں نہاں صور کی آواز
ہر سانس میں پوشیدہ ہیں اعجاز پہ اعجاز

گردوں کو جلانا فقط اک بات ہو اس کی
کہتے ہیں شب قدر جسے رات ہو اس کی

اے معشر اسلام محبت میں بسر ہو
ہر دم رہو پابندہ وفا مرد اگر ہو

پڑ جائے اگر وقت کوئی خون میں تر ہو
اصحاب حسینی کی طرح سینہ سپر ہو

یوں صاف محبت میں رکھو باطن وظاہر
ہر فرد بنے تم میں حبیب ابن مظاہر

اصحاب سے ارشاد

ناسخ التواریخ کے قول کے مطابق ایک محل پر حضرت نے اپنے اصحاب کے سامنے نکث بیعت کے بارے میں ارشاد فرمایا :-

اے لوگو! یہ سمجھ لو تم یہ معلوم کرکے میرے ساتھ نکلے تھے کہ میں ایسے لوگوں کے پاس جا رہا ہوں جنھوں نے زبان اور دل دونوں سے میری بیعت کی ہے لیکن اب اطلاعات کچھ اور ہیں۔ میرے بلانے والوں پر شیطان نے غلبہ کر لیا اور یاد خدا ان سے بھلا دی۔ اب ان کا مقصد صرف یہی ہے کہ میرے اور میرے ساتھ کے مجاہدین کو قتل کر دیں اور میرے حرم کو لوٹنے کے بعد قیدی بنالیں اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ناواقفیت میں پڑے رہو اور شرم کے مارے مجھ سے کچھ کہہ نہ سکو۔ فریب ہم اہل بیت کے نزدیک جائز نہیں لہذا جو میرا ساتھ دینا پسند نہیں کرتا وہ چلا جائے۔ رات پردہ پوشش ہے، راستہ بھی خطرناک نہیں اور وقت بھی باقی ہے اور جو ہم پر جان نثار کرے گا وہ ہمارے ساتھ جنت میں ہوگا خدا کے غضب سے اسے نجات حاصل رہے گی۔ میرے نانا پیغمبر خدا نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرا فرزند حسینؑ میدان کربلا میں غریب، بے یار و مددگار پیاسا قتل ہوگا جو اس کی نصرت کرے گا گویا اس نے میری اور حسینؑ کے فرزند قائم (آل محمدؐ) کی نصرت کی اور اگر زبان ہی سے مدد کرے تو بھی وہ قیامت کے دن ہماری جماعت میں محسوب ہوگا۔

اصحاب امام مظلوم کی شان میں

سالکِ مسلکِ اوج و دبیر سید سرفراز حسین صاحب رضوی خبیرؔ لکھنوی کے ایک مرثیہ کے چند بند

محسن احمد و زہرا ہیں یہ اربابِ وفا　　سعی سے ان کی ہوئی کعبۂ ایماں کی صفا
کشتۂ ظلم ہے کوئی کوئی مقتولِ جفا　　کوئی تیروں سے ہے زخمی کوئی مذبوحِ قضا
خونِ دل شہ کے پسینے پہ بہانے والے
وہ محمدؐ کی امانت کو بچانے والے

جادۂ صبر و رضا پر وہ گزرنے والے　　دے گئے اجر رسالت کا وہ مرنے والے
مر کے دم الفت شبیرؑ کا بھرنے والے　　کفن بے کفنی سے وہ سنورنے والے
دیکھے جان زندہ وہ اہلِ خرد و ہوش ہوئے
اس طرح حورِ شہادت سے ہم آغوش ہوئے

ایک ہی جا پہ ہیں مدفون وہ اربابِ یقین!　　اتحاد ایسا نہیں دیکھا زمانے میں کہیں
کہ جہاں سوتے ہیں یہ ناصرِ شاہنشہِ دیں　　بھانجے اور بھتیجے بھی ہیں سرورؑ کے وہیں
متحد ایسے پیغمبرؐ کے ستاروں سے ہوئے
قبر میں بھی نہ جدا شاہ کے پیاروں سے ہوئے

پاک طینت سے بنے تھے جو وہ اربابِ یقیں!　　جس جگہ دفن ہوئے ہو گئی طاہر وہ زمیں
اسکی خدمت میں ہے اب عرضِ خبیرِ غمگیں　　آپ کی شان سے واقف ہیں فقط سرورِ دیں
عترتِ احمدِ مرسل پہ ہوئے آپ فدا
میں فدا آپ پہ ہوں اور میرے ماں باپ فدا

افسانۂ حسینؑ

جناب معجز سنبھلی

۱

افسانۂ حیات کا عنوان ہے وفا — اہلِ وفا کی زیست کا سامان ہے وفا
الفت اگر ہے دین تو ایمان ہے وفا — کہتے ہیں سچ کہ دوست کی پہچان ہے وفا

دامن وفا کا اہلِ حشم چھوڑتے نہیں
سر بھی کٹے تو اس کے قدم چھوڑتے نہیں

بابِ کتابِ عشق کی ہے ابتدا وفا — کرتی ہے ضبط و صبر کی نشو و نما وفا
روحِ روانِ خلق تو جانِ حیا وفا — انساں کے کام آتی ہے بعد فنا وفا

حُر کے لئے نجات کا پروانہ بن گئی
یوں رنگ لائی سُرخیِ افسانہ بن گئی

تنہائیوں کی مونس و ہمدم یہی تو ہے — تسکینِ خاطرِ دلِ پُرغم یہی تو ہے
انسانیت کا جوہرِ اعظم یہی تو ہے — پوچھو جو سچ بنائے محرم یہی تو ہے

اہلِ وفا نہ ظلم کی برداشت لا سکے
اک بیوفا کے آگے نہ سر کو جھکا سکے

اب ہیں کہاں زمانہ میں ایسے وفا شعار — تھے قدرداں وفا کے وفا پر ہوئے نثار
وہ کون کربلا کے شہیدانِ ذی وقار — ان کی وفا رہیگی زمانہ میں یادگار

جذبے وفا کے دل میں ازل سے لئے ہوئے
پیدا ہوئے تھے جام محبت پئے ہوئے

عالم میں بے مثال تھے یاورِ حسینؑ کے — کیا کیا وفا خصال تھے یاورِ حسینؑ کے
خوش فہم و خوش خیال تھے یاورِ حسینؑ کے — غم تھا مگر نہال تھے یاورِ حسینؑ کے

ٹھکرا دیا ہر ایک نے دنیائے زشت کو
سر دیکے اپنا کر لیا باغِ بہشت کو

اللہ رے امام کی عرفانیت کا حال — تھی زندگی کی فکر نہ مرنے کا کچھ ملال
ان حوصلوں کی مل نہیں سکتی کہیں مثال — ہر غم کے بعد ہوتا تھا چہرہ خوشی سے لال

اس شان کے جہاں میں نہ پیر و جواں ملے
مرتے تھے اس پہ زندگیٔ جاوداں ملے

سمجھے تھے فرضِ عین اطاعت امامؑ کی — رگ رگ میں پھر رہی تھی محبت امامؑ کی
لیکر ازل سے آئے تھے الفت امامؑ کی — آخر یہ رنگ لائی رفاقت امام کی

لے لی شہادتوں پہ گواہی حسینؑ سے
سچ پوچھئے تو خوب نباہی حسینؑ سے

خوش ہو گئے حسینؑ ہوئے مرتضیٰ بھی خوش — خوش مرتضیٰ تو حضرت خیر النساء بھی خوش
بنتِ رسول خوش تو رسولِ خدا بھی خوش — جب خوش ہوئے رسول تو ربِ علا بھی خوش

کیا کام تشنہ کام کے مہمان کر گئے
اسلام کیا جہاں پہ احسان کر گئے

دم عشق ذوالجلال میں بھرنا سکھا گئے — راہِ وفا میں مٹ کے سنورنا سکھا گئے
سجدے سے جبینِ شوق کو کرنا سکھا گئے — وہ بات والے بات پہ مرنا سکھا گئے

واقف تھے راز زندگی بے ثبات سے
سمجھے ہوئے تھے موت کو بہتر حیات سے
اب ہیں نہ تھے نہ ہونگے کبھی ایسے منچلے — کیسی دلیر ماؤں کی گودوں میں تھے پلے
ظاہر تھے چتونوں سے شجاعت کے ولولے — وہ عزم وہ ثبات وہ ہمت وہ حوصلے
جانیں نثار شاہ پہ کرنے کے واسطے
تیار ہو کے آئے تھے مرنے کے واسطے
ملکر گلے یہ کرتے تھے آپس میں گفتگو — بڑھتی ہے آب تیغ سے مردوں کی آبرو
بہتا ہے حق پہ خون تو کرتا ہے سرخرو — خواہش یہی ہے آج یہی دل کی آرزو
لیکر سند جناں کی شہ مشرقین سے
اُس پر کرا لو مہر شہادت حسینؑ سے
اک دوسرے سے کرتا تھا باہم یہی خطاب — ہے کربلا سے صاف جناں تک رہِ ثواب
کام آیا گر نہ آج تو کس کام کا شباب! — تب سمجھیں زندگی ہوئی کچھ اپنی کامیاب
روحیں ہوں باغ خلد کی آرام گاہ میں
لاشیں پڑی ہوں سایۂ ظلِ الٰہ میں
مرنے کے بعد حلق بریدہ یہ دیں صدا — واللہ آج موت میں پایا ہے وہ مزا
ہو خلعتِ حیات دوبارہ اگر عطا! — پھر یہ غلام شاہ پہ جانیں کریں فدا
میداں میں جائیں خوں میں نہائیں وفا کریں
پھر زیر تیغ شکر کے سجدے ادا کریں
پھر دشت کربلا میں ادا ہو نمازِ عشق — میداں میں تصدق و صفا ہو نمازِ عشق
سر پر قضا ہو اور نہ قضا ہو نمازِ عشق — جنت میں چلکے پیش خدا ہو نمازِ عشق

لاشوں پہ ہو درود خدا کے حبیبؐ کا
یوں رنگ لائے عشق حسینؑ غریب کا

وہ اک کھڑا ہے جو انصار کے قریب
ضعیف کرے قدموں پہ آنے کو ہے نصیب
لے آئی کھینچ کے کشش نصرت غریب
یہ نام کا حبیب ہے اور کام کا حبیب
چہرہ ہے سرخ تیغ کے قبضہ پہ ہاتھ ہے
ہر ایک مشورہ میں جوانوں کے ساتھ ہے

اس ولولہ کو شان شجاعت کو دیکھئے
غیظ و غضب کو رعب و جلالت کو دیکھئے
پہلے سے بھی فزوں ہے حرارت کو دیکھئے
پھر سے شباب آگیا طاقت کو دیکھئے
وہ پیر جس کا ضعف سے قد تھا جھکا ہوا
میدان میں کھڑا ہے سپاہی بنا ہوا

وحشت نہ اضطراب نہ دھڑکا نہ خوف و بیم
چہرہ پہ کچھ ہراس نہ دہشت سے دل دو نیم
ہے مطمئن کہ خوب ملی راہ مستقیم!
فضل خدا سے پا لیا وہ رتبۂ عظیم
بڑھ کر مصافحہ کیا زہراؑ کے لال نے
بھیجا سلام کہہ کے محمدؐ کی آلؑ نے

جو ہر شناس ایسے زمانہ میں اب کہاں؟
تھے وہ وفا شعار تو آقا بھی قدر داں
مخفی نہیں ہے حُرّ دلاور کی داستاں
ہاتھوں کو اپنے باندھ کے آیا وہ جب یہاں
حاجت روائے خلق نے حاجت روائی کی
مشکل کشا کے لال نے مشکل کشائی کی

سینے سے اپنے حر کو لگایا حسینؑ نے
لطف و کرم سے پاس بٹھایا حسینؑ نے
دامن سے داغ کفر مٹایا حسینؑ نے
بگڑا ہوا نصیب بنایا حسینؑ نے

پیش رسول جانے کے قابل بنا دیا
محشر میں منھ دکھانے کے قابل بنا دیا
جنت بیک نگاہ دکھا دی حسینؑ نے
گم کردہ رہ تھا راہ بتا دی حسینؑ نے
کشتی بھنور سے پار لگا دی حسینؑ نے
بگڑی ہوئی تھی بات بنا دی حسینؑ نے
گم گشتہ رہ کو رہبر کامل بنا دیا
ہر ہر قدم کو حاصل منزل بنا دیا
خوشنودیٔ امام ہر اک کام آ گئی
رانڈوں کی بیکسوں کی دعا کام آ گئی
ٹوٹتے ہوئے دلوں کی صدا کام آ گئی
کام آ گئی یہ حُر کی وفا کام آ گئی
آسان منزلیں ہوئیں دنیائے زشت کی
اک دوپہر میں داب لی سرحد بہشت کی
ہو گلشن ارم کا مبارک تجھے سفر!
رکھنا ذرا خیال یہ اے حُر نامور!
نہروں پہ باغ خلد کی جب ہو تیرا گزر
شرط وفا یہی ہے کہ کرنا نہ حلق تر!
واقف ہے تشنگیٔ شہ مشرقین سے
کوثر کا جام پہلے نہ پینا حسین سے

اصحاب سے حضرت امام حسین کی گفتگو جو خدا کی معرفت کے بیان پر مشتمل ہے :-

اے لوگو! خدائے عزاسمہ سے ڈرو۔ اس نے بندوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ لوگ اسے پہچانیں۔ جب بندے اسے پہچان لیں گے تو اس کی عبادت بھی کریں گے اور جب اس کی عبادت کریں گے تو اس کی عبادت کر کے غیر کی عبادت سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ ایک صحابی نے کہا کہ اے فرزند رسول معرفت خدا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ہر زمانہ کے لوگوں کے لئے معرفت کا ذریعہ وہ امام ہے جس کی اطاعت ان پر واجب ہے

انصارِ حسینؑ

(جناب باقر رضوی امانت غسانی)

شاد ہیں باغِ جناں میں آج غمخوارِ حسینؑ
نام اپنا کر گئے دنیا میں انصارِ حسینؑ

کر دیا روشن ستارا دین کے اجلال کا
دہر میں سکہ بٹھایا عزم و استقلال کا

یہ ہٹے پیچھے نہ ہرگز بڑھ کے راہِ عزم میں
حرملہ کو تیر خود داری سے تاکا رزم میں

صبر کی ڈھالوں پر روکا ظلم کے ہر وار کو
خون کی دھاروں سے کاٹا تیغ کی ہر دھار کو

ان کے گوشِ دل رہے ہر وقت ہمرازِ ضمیر
سن لی انبوہِ مصائب میں بھی آوازِ ضمیر

تیغ کے نیچے کیا حقِ مودت کو ادا
سر کٹا کر کر دیا اجرِ رسالت کو ادا

صبحِ عاشورہ انہیں بھیجا تھا زینبؑ نے سلام
بابی انتم وامی کہہ رہے ہیں خود امامؑ

تاجِ اعزازِ شہادت ان کے تھا مقسوم میں
خلد کو دیکھا ہے دامانِ شہِ مظلوم میں

سارے عالم کو دکھایا پیاس میں ہمت کا زور
آشکارا کر دیا قلت میں بھی کثرت کا زور

ان کے استقلال نے آسان کئے ہیں مرحلے
کاٹ دی باطل کی شہ رگ حق پہ کٹوا کر گلے

دیں کی بازی جیت لی دنیا کی بازی ہار دی
ساغرِ زعمِ یزیدیت کو ٹھوکر مار دی

مختصر لفظوں میں ہے تفسیرِ انصارِ حسینؑ
کھینچ دی باقرؔ نے یوں تصویرِ انصارِ حسینؑ

انصارِ حسین علیہ السلام

سید محمد باقر رضا طباطبائی باقرؔ

انصارِ شہِ دیں کے برابر نہ ملیں گے
جانباز کہیں ایسے بہتر نہ ملیں گے

جو مر کے بھی تلوار کے قبضہ کو نہ چھوڑیں
ایسے کہیں غازی کہیں صفدر نہ ملیں گے

بارش میں جو تیروں کی بھی تانیں رہیں سینہ
دنیا میں کہیں ایسے دلاور نہ ملیں گے

مردانِ وغا گزرے ہیں ہر عہد میں لیکن
یہ بحرِ شجاعت کے شناور نہ ملیں گے

خود شوقِ شہادت میں لپٹتی تھی رگِ جاں
یہ تشنۂ آبِ دمِ خنجر نہ ملیں گے

کہتے تھے فلک دیکھ کے لاشے شہدا کے
افلاک پہ یہ نور کے پیکر نہ ملیں گے

یہ چاند سے چہرے یہ ستاروں سی جبینیں
گردوں پہ بھی ایسے مہ و اختر نہ ملیں گے

عالم کے شہیدوں پہ نظر کر لے زمانہ
شبّیر سے مجاہد کے برابر نہ ملیں گے

جز رزم گہِ کرب و بلا اور کہیں بھی
تیروں کے نشانہ یہ گُلِ تر نہ ملیں گے

تن خاک پہ عریاں ہو تو سر نوکِ سناں پر
دلدوز کہیں اور یہ منظر نہ ملیں گے

رتبے یہ کسی اور کو اب عشقِ خدا میں
اے صاحبِ معراج کے دلبر نہ ملیں گے

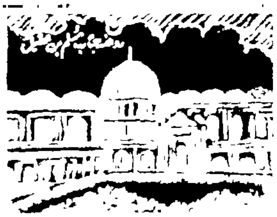
دنیا کے کسی آئینۂ صبر و رضا میں
شبیرؑ ترے صبر کے جوہر نہ ملیں گے

کیا ہم سے بھلا قبر میں پوچھیں گے فرشتے
کیا داغِ غمِ شاہ منور نہ ملیں گے

کیا تشنگیِ عرصۂ محشر کا ہمیں خوف
کیا ساقیِ کوثر لبِ کوثر نہ ملیں گے

اشکِ غمِ شبیرؑ نہ کیوں مول لیں زہراؑ
جنت میں بھی اس آب کے گوہر نہ ملیں گے

گر ڈوب کے جذبات میں باقرؔ نہ کہے شعر
دل میں جو اتر جائیں وہ نشتر نہ ملیں گے



گلدستہ

خطباتِ امامؑ
و
جواباتِ انصارؑ

اور

جناب مسلم بن عقیل سفیر امامؑ، ہانی بن عروہ، قیس بن مسہر صیداوی عبداللہ بن یقطر اور سلیمان شہید بصرہ کے حالات

حصۂ نظم

میر انیس مرحوم
قاسم شبیر نقوی
نواب شبیر نقوی
باقر سید پوری
مہتاب رضوی

حصۂ نثر

الحاج مولانا سید علی نقی صاحب
علامہ سید مجتبیٰ حسن کامونپوری
ثمر ہلوری
نواب حسین صاحب سفیر سندیلوی

فہرست

حصۂ نثر

حصۂ نظم

اسلام کی تقریریں و انصار کے جوابات

سید العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ

خطابہ اور خطبہ

منبر وغیرہ پر یا کھڑے ہو کر نثر میں جو کلام بغیر کسی خاص مخاطب کو پیش نظر رکھے ہوئے کیا جائے اُسے عربی زبان میں خطبہ کہتے ہیں۔ غالباً ہماری اردو زبان میں تقریر کا بھی یہی مفہوم ہے اس کلام کے کرنے کو عربی زبان میں "خطابت" کہتے ہیں۔۔۔ جو بفتح خاء ہے عام طور پر لوگ کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں مگر وہ صحیح نہیں ہے۔ خطبہ کی لفظ کبھی اس مفہوم مصدری کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے، اس شخص کو جو یہ کام اچھی طرح انجام دیتا ہو "خطیب" کہتے ہیں۔

عرب اور فن خطابت

خطابت کے ضروری اجزاء ہیں۔ بلاغت اور خیال اور عرب میں یہ دونوں عنصر تب کمال کے ساتھ تھے وہ ان کی شاعری سے خطابت ہے بلکہ ان کا قومی نام عرب خود ہی اُن کی ذوقِ تکلم کا ترجمان ہے۔ پھر شاعری میں بلاغت کا طریق عمل بعض اوقات — رقیق جذبات کے اظہار کی طرف مائل ہو جاتا ہے جس میں انفرادی جذبات یا بعض نقاد دل کی زبان میں محض داخلیت ہوتی ہے مگر خطابت کا تعلق ایک جماعت کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے اس میں یک آہنگی اور اقدام پسندی اور تاثیر کا عنصر زیادہ کارفرما ہوتا ہے اس لئے وہ قومیں خطابت میں پیچھے ہوتی ہیں جنھیں اقدام کے مواقع نصیب نہیں ہوتے اور جذبات میں تحریکات کا کوئی تقاضہ نہیں پیدا ہوتا لیکن عرب قوم میں ان کے ماحول آب و ہوا کی تاثیر نے آزادی، بلند ہمتی اور شدتِ احساس کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی اس لئے بلاغت ان کے نقوش میں ایک عجیب برقی رو پیدا کرتی تھی۔ چند مختصر جملے جو شرائط بلاغت کے ساتھ کسی خطیب کی زبان سے نکل جاتے تھے ایک بڑی سے بڑی جماعت کو اٹھا دیتے اور بٹھا دیتے تھے پھر ان میں جو باہمی نزاعیں اور خانہ جنگیاں ہوتی رہتی تھیں اور جو قبائلی تصادم ہوتے تھے ان میں خطابت کے استعمال کے مواقع زیادہ سے زیادہ ملتے تھے۔ یہ خطبے اکثر موقع و محل کے تقاضے سے کمالوں

کو زمین پر ٹیک کر اور نیزہ یا تلوار سے اشارے کر کرکے پڑھے جاتے تھے اور کبھی خطیب اپنے مرکب پر سوار ہو کر تقریر کرتا تھا۔ (البیان والتبیین جاحظ ج ۱ ص ۱۳۹ و ج ۲ ص ۲۲)

چونکہ شاعری اور خطابت کے بہت سے اہم عناصر مشترک ہیں اس لئے زیادہ تر شعراء خطیب اور زیادہ تر خطبا شاعر ہوتے تھے اور جس قبیلے میں شاعر اچھے ہوتے تھے اس میں خطیب بھی اچھے پیدا ہوتے تھے پھر بھی شاعری اور خطابت میں باعتبار جاہلیت اور اسلام کے فرق نظر آتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں شاعری خطابت پر مقدم تھی اس لئے کہ خطابت کا تعلق اجتماعی زندگی کے ساتھ زیادہ ہوتا ہے اور جاہلیت میں تمدن کے دائرے عرب کے بہت محدود تھے لیکن اسلام میں خطیب کا درجہ شاعر سے مقدم ہو گیا کیونکہ اسلام نے شخصی عیش کو اجتماعیت کے دریا میں فنا ہو جانے کی عشرت میں تبدیل کر دیا تھا اس لئے بیان و وعظ و ارشاد، تحریک جہاد، تنظیم اعمال، انہی چیزوں کا دور دورہ تھا اور یہ کوئی بات بغیر خطابت کے نہیں ہو سکتی اس لئے پیغمبر اسلام جبکہ قدرت کی جانب سے شاعری سے اس درجہ الگ رکھے گئے کہ اعلان ہو گیا (وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ) پھر بھی خطابت میں آپ کا مقام نہایت بلند ہے حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اگرچہ کبھی رجز وغیرہ کے موقع پر اشعار نظم فرمائے مگر آپ کے کلام کا کوئی مستند مجموعہ ثقہ راویان اخبار اور علماء سلف کا جمع کیا ہوا ہمارے ہاتھ میں موجود نہیں ہے مگر خطبے آپ کے اس وقت تک وہ ہیں جو تاریخ کے صفحات پر زریں حروف میں الگ نمایاں ہیں ۱۔ نہج البلاغہ اور دستور معالم الحکم وغیرہ مستقل کتابوں کی شکل میں علیحدہ موجود ہیں اور ایک دنیا سے خراج عقیدت حاصل کرتے ہیں۔

محرکات خطابت کے لحاظ سے کربلا کے موقع کی اہمیت

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو واقع ہونے والا واقعہ کربلا جس کے سلسلے کی قریبی کڑیاں رجب سنہ ۶۰ھ سے شروع ہوئی تھیں اس میں خطابت کے جتنے محرکات جمع تھے اتنے دنیا کی تاریخ میں کہیں مشکل سے نظر آ سکتے ہیں۔

یہ ایک عظیم الشان حق و باطل کا مقابلہ تھا۔ مادیت و روحانیت کا لافانی تصادم تھا ایک انتہا قلیل التعداد جماعت کے عزم و ہمت، دلولہ و امنگ کے اس مظاہرہ کا ہنگام تھا جو اسے اپنے سے بدرجہا زیادہ کثرت اور مشکلات و مصائب کے سیلاب کے مقابلہ میں پُر استقلال اور باعمل رکھ سکے اور حق سے بے خبر یا تعصب برتنے والے دشمن گروہ کے سامنے اظہار حقیقت اور اتمام حجت کی وہ کوشش تھی جو اس کی غلط کرداری میں معذرت یا تاویل کا کوئی پہلو باقی نہ رکھے۔ اور قیامت تک آنے والی نسلوں کے سامنے اس غیر متوازن مقابلہ کے اسباب کو پیش کر دینا تھا جو آئندہ تاریخ کے لئے حق شناسی اور معاملہ فہمی کا سرمایہ بن سکیں — یہ تمام مقاصد خطبوں ہی کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتے تھے

اور اس لئے کربلا سے متعلق خطبوں کو صرف ادبی حیثیت سے اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ فلسفۂ شہادت حسینؑ کے سمجھانے میں بھی ان کا بڑا دخل ہے۔

واقعہ کربلا کے تمہیدی واقعات سے متعلق سب سے پہلا خطبہ

جہاں تک مجھے معلوم ہے حضرت امام حسینؑ نے مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت کوئی خطبہ ارشاد نہیں فرمایا اور نہ اس کا موقع تھا اسی طرح مکہ معظمہ پہنچنے کے بعد بھی کوئی خطبہ

حضرت کا نہیں ملتا اس لئے کہ آپ کی حیثیت مکۂ معظمہ کے قیام میں صرف ایک پناہ گزین کی تھی حکومت یزید کے خلاف کوئی تنظیم یا تحریک مدنظر نہ تھی۔ ہاں آپ کے مکۂ معظمہ میں قیام کی اطلاع جب کوفہ میں ہوئی تو اہل کوفہ میں حرکت پیدا ہوئی اور سلیمان بن صرد خزاعی کے مکان پر اجتماع ہوا۔ اس موقع پر جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"اہل کوفہ کو معاویہ کی ہلاکت کا حال معلوم ہوا تو یزید کے افعال و اعمال کا چرچا ہونے لگا اور امام حسینؑ اور آپ کے بیعت یزید سے انکار اور ابن زبیر کے واقعات اور ان دونوں کے مکہ کی طرف جانے کے حالات بھی معلوم ہوئے تو کوفہ کے شیعہ سلیمان ابن صرد خزاعی کے مکان میں جمع ہوئے اور ان لوگوں نے معاویہ کی ہلاکت کا ذکر کیا اور شکر خدا ادا کیا۔"

اس موقع پر سلیمان بن صرد خزاعی نے کہا معاویہ کی ہلاکت ہو گئی اور حضرت امام حسین نے بیعت سے انکار کیا ہے اور مکۂ معظمہ چلے گئے اور تم لوگ ان کے اور ان کے پدر بزرگوار کے شیعہ ہو۔ اب اگر تم یقین کے ساتھ سمجھتے ہو کہ ان کی مدد کرو گے اور ان کے دشمن سے جنگ کرو گے تو ان کے نام خط لکھو اور اگر سستی و کمزوری کا اندیشہ محسوس کرو تو دیکھو خبردار دھوکہ دیکر ان کی جان کو خطرے میں نہ ڈالو۔ سب نے کہا نہیں بلکہ ہم ان کے دشمن سے جنگ کریں گے اور ان کے سامنے اپنی جان نثار کریں گے تو پھر خط لکھو۔ چنانچہ خط لکھا گیا۔

سیاق کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مجمع میں سلیمان سے پہلے چند اور مقررین نے اظہار خیالات کیا تھا اور اس کے بعد سلیمان نے یہ دور اندیشی کی تقریر کی تھی۔ مگر افسوس ہے کہ پہلے مقررین کے اسماء اور ان کے خطبے ہم تک نہیں پہنچ سکے۔ اس لئے ہم جہاں تک ہماری دسترس کا تعلق ہے سلیمان ہی کے الفاظ کو اس سلسلہ کا پہلا خطبہ قرار دے رہے ہیں یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ سلیمان کا پورا خطبہ نہیں بلکہ اس کا ایک خلاصہ ہے جو ہم تک پہنچ سکا ہے۔

عابس شاکری کی تقریر

جب سید الشہداء نے اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل کو اپنا نائب بنا کر کوفہ روانہ کیا اور وہ کوفہ پہنچے اس موقع کے حالات میں طبری نے لکھا ہے۔

مسلم نے کوفہ میں پہنچ کے مختار بن ابی عبیدہ کے مکان میں جو آج کل خانہ مسلم بن مسیب کے نام سے مشہور ہے قیام کیا اور شیعہ لوگ ان کے پاس آنے جانے لگے۔ جب ایک کافی جماعت ان کے پاس جمع ہو گئی تو انھوں نے ان کے سامنے حضرت امام حسینؑ کا خط پڑھ کر سنایا سب لوگ رونے لگے اس وقت عابس بن ابی شبیب شاکری کھڑے ہوئے اور انھوں نے حمد و ثنائے الٰہی ادا کی۔ پھر کہا صاف بات تو یہ ہے کہ میں آپ کو ان لوگوں کے متعلق کچھ بتانا نہیں چاہتا اور نہیں سمجھ سکتا کہ ان کے دلوں میں کیا ہے اور ان کے متعلق آپ کو دھوکہ دینا پسند نہیں کرتا۔ ہاں بخدا جو کچھ میں نے اپنے دل میں ٹھان رکھا ہے وہ میں آپ کو بتاتا ہوں۔ بخدا جب آپ لوگ بلائیں گے تو میں فوراً لبیک کہوں گا اور آپ کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے جنگ کروں گا اور ان حضرت کے سامنے اپنی تلوار سے آخر دم تک حرب و ضرب کروں گا جس سے میری نیت صرف اللہ کی خوشنودی ہوگی اور کچھ نہیں۔

اگرچہ ان الفاظ سے مخاطب بظاہر مسلم بن عقیل ہیں اس لحاظ سے اسے خطابت نہیں بلکہ مکالمات میں داخل ہونا چاہئے۔ مگر اس کے پیش ہونے کا

اندازہ کھڑا ہونا۔ حمد و ثنا ادا کرنا اور پھر اس کا پس و منظر اور مضمون یہ بتاتا ہے کہ اس میں اس مناسبت سے کہ جناب مسلم نے حضرت امام حسین کا خط پڑھ کر سنایا تھا۔ اگرچہ مخاطب جناب مسلم ہیں مگر مقصود اس سے تمام مجمع کو متاثر کرنا اور ایک طرف ان کی خالی خولی گریہ و بکا کی بے نتیجگی ظاہر کرنا اور دوسری طرف اپنے عزم و ارادہ کی اطلاع دے کر انھیں اپنے دل کی گہرائیوں میں جائزہ لینے کی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہے اور اس بنا پر ان کے الفاظ کو ایک خطبہ کی حیثیت دینا درست معلوم ہوتا ہے۔

حبیب ابن مظاہر کی تقریر

اسی جلسہ میں عابس بن ابی شبیب شاکری کے بعد طبری کا بیان ہے۔

"حبیب ابن مظاہر کھڑے ہوئے اور کہا خدا کی رحمت تم پر تم نے اپنے دل کی بات بڑے مختصر الفاظ میں ادا کر دی پھر کہا میں بھی قسم اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے یہی ارادہ رکھتا ہوں جو ان کا ارادہ ہے۔"

سعید بن عبد اللہ حنفی کی تقریر

حبیب ابن مظاہر کی تقریر کے بعد طبری نے لکھا ہے "پھر سعید بن عبد اللہ حنفی نے ایسا ہی کہا۔" "ایسا ہی" کے معنی وہی الفاظ تو نہیں سمجھنا چاہیئے بلکہ ایسی تقریر کہ جس کا مضمون وہی تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے اصل الفاظ ہم تک نہیں پہونچ سکے کہ وہ کیا تھے۔

یہ تینوں تقریریں جس سچائی کے ساتھ ہوئی تھیں اس پر کربلا میں ان بہادروں کے خون سے مہر تصدیق ثبت ہو گئی۔

دربار دشمن میں ایک مختصر مگر معرکہ آرا خطبہ

یہ خطبہ ہی نہیں بلکہ ایک جرأت آمیز اقدام تھا جس کے خطیب نے انتہائی نازک اور ہیبت ناک ماحول میں اپنے اس خطبہ سے جہاد حسینی میں وہ امکانی شرکت کی ہے جو تاریخ میں یادگار حیثیت رکھتی ہے۔ یہ خطیب قیس بن مسہر صیداوی ہیں جنھیں حضرت امام حسین نے مکہ معظمہ سے عراق کی طرف روانگی کے بعد بطن الرمہ کے مقام حاجر سے اہل کوفہ کے نام خط دے کر بھیجا تھا۔ وہاں صورت حال یہ تھی کہ مسلم بن عقیل شہید ہو چکے تھے اور ابن زیاد کی طرف سے کوفہ کی ناکہ بندی ہو گئی تھی اور اسی ذیل میں قادسیہ کے ناکہ پر حصین بن تمیم ہزار سوار کا لشکر لئے تعینات تھا

شیخ مفید لکھتے ہیں اور طبری کی روایت بھی اس سے متفق ہے:-

"قیس بن مسہر امام حسینؑ کا خط لیکر کوفہ کی طرف روانہ ہوئے یہاں تک کہ جب قادسیہ پہونچے تو حصین بن نمیر نے انھیں گرفتار کر لیا اور انھیں عبید اللہ بن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے ان سے کہا منبر پر جاؤ اور حسینؑ ابن علی کو برا کہو۔ یہ سنکر قیس منبر پر گئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد کہا کہ اے لوگو تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حسین ابن علی خلق خدا میں سب سے بہتر فاطمہ دختر پیغمبر کے فرزند ہیں اور میں ان کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا ہوا آیا ہوں تمہارا فرض ہے کہ تم ان کی مدد کے لئے روانہ ہو جاؤ اس کے بعد انھوں نے ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور حضرت علی ابن ابی طالب پر درود بھیجا اور آپ کی توصیف و ثنا کی فوراً ابن زیاد نے حکم دیا کہ انھیں قصر کے کوٹھے سے نیچے گرایا جائے وہ گرا دیئے گئے اور ان کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے اڑ گئے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ وہ اس حال میں زمین پر آئے کہ مشکیں بندھی ہوئی تھیں اور ان کی ہڈیاں شکستہ ہو گئیں مگر ان میں رمق جان باقی تھی تو ایک شخص جس کا نام عبد الملک بن عمیر لخمی تھا بڑھا اور اس نے انھیں ذبح کر دیا جب اس بات

میں اسے برا کہا گیا تو اس نے کہا کہ میں نے چاہا تھا کہ انھیں تکلیف سے چھٹکارا دلا دوں۔

اس خطبہ کی اگر شرح کی جائے تو کافی طولانی ہوگی قیس کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ جانتے تھے کہ اس خطبہ کے ختم ہونے سے پہلے ان کی زندگی کے خاتمہ کا امکان ہے اس لئے وہ اس مختصر وقفہ میں وہ سب کچھ کہہ دینا چاہتے تھے جو انھیں کہنا تھا اس لئے انھوں نے ابن زیاد کی مذمت یا امیرالمومنین کی منقبت کو مقدم نہیں رکھا کیونکہ پھر ان کا اصل مقصد رہ جاتا۔ انھوں نے ابن زیاد کی فرمائش پر ایک لمحہ بھی تو توقف نہیں کیا۔ جس سے ابن زیاد کو یہ سمجھنے کی کافی وجہ تھی کہ ماحول کی ہیبت نے قیس کو اپنی جان کی خیر منانے پر آمادہ کردیا ہے اور وہ اب اپنے تحفظ جان کے لئے وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہیں جو میں کہوں۔

انھوں نے شدید قلبی اضطراب کے باوجود اپنی تقریر کو متوازن اور مطمئن حالات اور وقتی تقاضوں کے مطابق حمد و ثنائے الٰہی شروع کی جس سے ابن زیاد کچھ سمجھ ہی نہیں سکتا تھا کہ اس کے بعد یہ کیا کہیں گے انھوں نے آغاز مقصد "لوگو تمہیں معلوم ہے۔ یہ حسینؑ ابن علیؑ ہیں" کے ساتھ کیا جس سے ابن زیاد اور تمام مجمع ہمہ تن گوش ہوگیا کہ اب اس کے بعد حسینؑ کا دوست اور حسینؑ کا قاصد وہ کچھ کہے گا جو حسینؑ کے دشمنوں کا دل چاہتا ہے مگر اس کے بعد اگرچہ راویوں نے نہیں بتایا مگر یقیناً ان کے بیان کی رفتار تیز ہوگئی انھوں نے رعد کی سی گرج اور بجلی کی سی تڑپ کے ساتھ حسینؑ کی رفعت ذاتی (خیر خلق اللہ) اور خصوصیت نسبی (ابن فاطمہ بنت رسول اللہؐ) اور اپنے منصب سفارت (انا رسول علیکم) اور اہل کوفہ کے فرض (فاجیبوہ) کا اعلان کیا اور اب اپنے سفر کا مقصد اور زندگی کے ماحصل کو پورا کر کے موت کو یقینی سمجھتے ہوئے اتنی دیر میں جب تک جلادان

تک پہونچے مدح و قدح کے ساتھ اپنے جذبات و ضمیر دونوں کی تشنگی کو بجھانے کا سامان کیا اور اب ان کی زندگی ابن زیاد کے لئے ناقابل برداشت ہونے کا یہ عالم تھا کہ قتل کے کسی ایسے فرمان کے بجائے جس میں کچھ دیر لگے مضطربانہ اور غیر فطری طریقہ ان کو قصر کے اوپر سے نیچے گرا دینے کے حکم کی صورت میں اختیار کرنا پڑا۔ یہ ہو گیا اور قیس کی اکھڑی ہوئی سانسیں فخر کر رہی تھیں کہ

"شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم"

تاریخ طبری سے پتہ چلتا ہے کہ قیس بن مسہر کی شہادت کی خبر حضرت حر سے ملاقات کے بعد پہونچی ہے کربلا کے بہت قریب منزل عذیب الہجانات پر جب کوفہ کے چار آدمی جو مجمع بن عبداللہ عائذی وغیرہ تھے نافع بن ہلال کا کوتل گھوڑا اپنے ساتھ لئے طرماح بن عدی کی رہنمائی میں کربلا پہونچے۔

طبری میں لکھا ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے فرمایا کہ ذرا وہاں کے لوگوں کے حالات تو بتاؤ۔ مجمع بن عبداللہ عائذی نے جو ان چار آنے والے آدمیوں میں سے ایک تھے کہا کہ جو بڑے بڑے لوگ ہیں ان کو بڑی رشوتیں دی گئی ہیں اس طرح ان کو طرفدار بنایا گیا ہے لہذا وہ سب آپ کے خلاف متفق ہیں، رہ گئے دوسرے لوگ ان کے دل تو آپ کی طرف جھکتے ہیں مگر تلواریں ان کی کل آپ کے خلاف ہی بلند ہوں گی۔ کہا۔ اچھا کچھ تمہیں میرے قاصد کی بھی خبر ہے؟ کہا وہ کون ہے؟

فرمایا: قیس بن مسہر صیداوی۔

کہا۔ جی ہاں! ان کا واقعہ یہ ہے کہ حصین نے ان کو گرفتار کر لیا اور انھیں ابن زیاد کے پاس بھیج دیا۔ ابن زیاد نے انھیں حکم دیا کہ وہ آپ کی اور آپ کے والد بزرگوار کی شان میں کلمات نازیبا استعمال کریں

مگر انھوں نے آپ پر اور آپ کے پدر بزرگوار پر درود بھیجا اور ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور لوگوں کو آپ کی مدد کی طرف آنے کی دعوت دی اور انھیں آپ کے آنے کی اطلاع دی اس پر ابن زیاد نے حکم دیا اور وہ قصر سے نیچے پھینک دئے گئے، یہ سنکر حضرت کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے اور حضرت گریہ فرمانے لگے پھر قرآن کی آیت پڑھی جس کا مضمون یہ ہے کہ کچھ گذر گئے اور کچھ وقت کے منتظر ہیں اور ان سب نے اپنی بات کو بدلا نہیں۔ پھر کہا۔ خداوندا ان کے اور ہمارے لئے بہشت کو محلِ ضیافت قرار دے اور ہمارے اور ان کے درمیان اپنی قرارگاہِ رحمت اور اپنے ذخیرہ کردہ ثواب کے مرکز میں یکجائی پیدا کر دے۔

اسی سے ملتا ہوا عبد اللہ بن یقطر کا واقعہ ہے۔

قیس بن مسہر صیداوی کے واقعہ سے بہت مشابہ ایک واقعہ طبری نے عبد اللہ بن یقطر کے متعلق لکھا ہے لیکن اس کا ذکر انھوں نے راہ کے واقعات میں اس منزل پر نہیں کیا ہے جہاں سے عبد اللہ بن یقطر کو روانہ کیا ہے۔ بلکہ اس منزل کے حالات میں ذکر کیا ہے جہاں ان کی خبر شہادت پہونچی ہے وہ لکھتے ہیں۔

مجھ سے ابو علی انصاری نے بیان کیا بکر بن مصعب مزنی کی زبانی۔ اس نے کہا حسین جس جس قبیلہ کی طرف سے گزرتے تھے وہ لوگ آپ کے ساتھ ہو جاتے۔ یہاں تک کہ جب آپ منزل زبالہ پر پہونچے تو آپ کو آپ کے برادر رضاعی عبد اللہ بن یقطر کے قتل کی خبر پہونچی اور آپ نے انھیں مسلم بن عقیل کی طرف راستے سے بھیجا تھا۔ بظاہر یہ معلوم نہ تھا کہ وہ شہید ہو چکے ہیں۔ قادسیہ میں حصین بن نمیر کی فوج نے انھیں گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے پاس بھیجدیا اس نے کہا کہ قصر کے اوپر چڑھو اور حسین ابن علی پر (معاذ اللہ) لعنت کرو پھر اترو تو تمہارے بارے میں کچھ فیصلہ کروں یہ سنکر وہ قصر کے اوپر گئے جب لوگوں کے سامنے پہونچے تو کہا اے لوگو! میں دختر رسول خدا حضرت فاطمہ کے فرزند امام حسین کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تم ان کی مدد و نصرت کرو۔

ابن مرجانہ کے خلاف جو سمیہ کے بے باپ کی اولاد ہے یہ سنتا تھا کہ عبید اللہ بن زیاد نے حکم دیا اور انھیں قصر کے اوپر سے زمین پر پھینک دیا گیا جس سے ان کی ہڈیاں شکستہ ہو گئیں اور ان میں رمقِ جان باقی رہ گئی تو ایک شخص آیا جس کا نام عبد الملک بن عمیر لخمی تھا اس نے انھیں ذبح کیا تو جب لوگوں نے اسے برا بھلا کہا تو اس نے کہا۔ میں نے تو چاہا تھا کہ انھیں راحت دیدوں۔

ہشام کا بیان ہے کہ ہم سے ابو بکر بن عیاش نے ایک شخص کی زبانی بیان کیا انھوں نے کہا وہ درحقیقت عبد الملک بن عمیر لخمی نہ تھا جس نے اٹھکر انھیں ذبح کیا بلکہ ایک دوسرا لمبے قد اور گھونگھر والے بالوں والا دوسرا شخص تھا جو عبد الملک بن عمیر لخمی سے کچھ ملتا جلتا تھا۔ یہ خبر امام کو اس وقت پہونچی جب آپ منزل زبالہ پر تھے۔ حضرت نے لوگوں کے سامنے ایک تحریر پڑھی جس میں لکھا تھا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم واضح ہو کہ ہم کو نہایت دردناک خبر پہونچی ہے اور وہ مسلم بن عقیل، ہانی بن عروہ اور عبد اللہ بن یقطر کے قتل ہونے کی اور یہ کہ ہمارے لوگوں نے ہم سے تعاون ترک کر دیا۔ لہذا جو شخص تم میں سے واپس جانا چاہے وہ چلا جائے۔ اس پر ہماری طرف سے کوئی ذمہ داری نہیں ہے"

اس میں جہاں تک قادسیہ میں گرفتار ہونے، ابن زیاد کے پاس بھیجے جانے اس کی طرف سے قصر پر چڑھکر امام حسین کو برا بھلا کہنے کا حکم اور پھر قصر پر جاکر اس کی مرضی کے خلاف تقریر کرنے اور وہاں سے گرا دئے جانے کا اصل واقعہ ہے۔ وہ قیس بن مسہر کے واقعہ کے ساتھ اتنا یکساں ہے کہ انھیں دو مستقل واقعے ماننا مشکل ہوتا ہے اور اسی لئے شیخ مفید علیہ الرحمہ نے قیس بن مسہر صیداوی

کے واقعہ ہی کو اصل قرار دیا ہے اور عبداللہ بن یقطر کے نام کو اسی میں بطور ایک قول کے نقل کیا ہے انھوں نے تحریر فرمایا ہے:-

"جب امام حسین بطن الرمہ کے مقام حاجر تک پہونچے تو قیس بن مسہر صیداوی کو کوفہ کی طرف روانہ کیا اور ایک قول یہ ہے کہ انھیں نہیں بلکہ اپنے رضاعی بھائی عبداللہ بن یقطر کو روانہ کیا تھا۔"

نیز آخر میں عبداللہ بن یقطر کے قتل کا یہ حال ہے کہ عبدالملک بن عمیر لخمی نے ذبح کیا اور کہا میں راحت دینا چاہتا تھا۔ انھوں نے قیس کی شہادت کے حال میں ایک قول قرار دیکر نقل کر دیا ہے جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس صورت میں ایک شکل تو یہ ہے کہ ہم قیس بن مسہر کے واقعہ کو اصل تسلیم کریں اور یہ سمجھیں کہ کسی وجہ سے بعض راویوں نے اسی کو عبداللہ بن یقطر کی طرف منسوب کر دیا مگر طبری نے حضرت امام حسینؑ کی جو تحریر منزل زبالہ پر پڑھنے کا حال درج کیا ہے اس تحریر کے الفاظ میں صراحتاً عبداللہ بن یقطر کا نام ہے دوسری شکل یہ ہے کہ عبداللہ بن یقطر ہی کے متعلق اس واقعہ کو صحیح سمجھیں اور قیس بن مسہر کے لئے اس واقعہ کی نسبت تسلیم نہ کریں۔ مگر قیس کا ذکر شیخ مفید اور طبری دونوں ہی کر رہے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ بطن الرمہ کے حاجر سے بھیجے گئے تھے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی شخصیت اور ان کا امام حسینؑ کی طرف بھیجا جانا متفق علیہ ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قیس اور عبداللہ دونوں کی رسالت کو تسلیم کیا جائے اور مشترک حصہ کو دونوں کے لئے یکساں طور پر واقع ہونا تسلیم کریں اور مختص امور کو ہر ایک سے الگ متعلق کریں یعنے یہ کہیں کہ قیس اور عبداللہ کے بارے میں اتنا فرق ہے کہ قیس نے ابتداء میں حضرت امام حسین کی تعریف و توصیف میں خیر خلق اللہ ابن فاطمہ بنت رسولؐ کے الفاظ کہے تھے اور اس کے بعد اپنے جانے کا ذکر کیا تھا۔ عبداللہ بن یقطر نے شروع ہی سے بس اپنے بھیجے جانے کا ذکر کیا۔ اور اسی میں یہ کہدیا کہ ان کی مدد و نصرت کرو۔ اور قیس نے بعد میں ابن زیاد اور اس کے باپ پر لعنت کی اور امیر المومنین پر صلوات بھیجی اور عبداللہ بن یقطر نے امام حسین کی امداد کی دعوت کے ساتھ ہی یہ کہہ دیا کہ ابن مرجانہ کے خلاف جو سمیہ کی بے باپ کی اولاد ہے اور اس کے بعد یہ فرق سمجھا جائے کہ قیس بن مسہر کا جسم کوٹھے پر سے زمین پر گرتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا مگر عبداللہ بن یقطر کی صرف ہڈیاں شکستہ ہو گئیں اور ان میں رمق جان باقی رہی اور عبدالملک بن عمیر لخمی نے انھیں ذبح کیا اور جب برا کہا گیا تو کہا کہ میں انھیں راحت دینا چاہتا تھا

بظاہر تو جمع بین الروایات کی یہی صورت ہے مگر جن کو مذاق تاریخی ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس میں کیسے استبعادات ہیں ان میں سے جس کو پہلے امام نے روانہ فرمایا ہو اس کے بعد دوسرے کے روانہ کرنے کی ضرورت کیا تھی۔

دوسرے یہ کہ نوعیت واقعہ سے ظاہر ہے کہ ابن زیاد کا یہ حکم دینا کہ قصر پر جا کر حسین کو برا کہو مگر اسی سے امام حسین کے قاصد کا یہ فائدہ اٹھانا کہ وہ امام حسین کے سلسلے میں اپنے مشن کی تبلیغ کر دے۔ ایک حاکم اور وہ بھی ابن زیاد کا سا اس کے لئے کتنی خجالت آمیز شکست تھی اب ایک دفعہ وہ اتنی بڑی زک اٹھانے کے بعد پھر بالکل اسی طرح کی زک اٹھانے کیلئے دوبارہ تیار ہو جاتا یا دھوکہ کھا جاتا۔ اس سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ تیسرے یہ کہ اس صورت میں امام حسین نے منزل زبالہ میں جو تحریر پڑھی ہے اس میں مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ کے ساتھ دو شخصوں کی شہادت کا ذکر ہونا چاہیے ایک قیس بن مسہر اور دوسرے عبداللہ بن یقطر۔ مگر آپ کے بیان ذکر ایک ہی شخص کا ہے دوسرے کا کوئی تذکرہ نہیں ہے

چاہتے ہیں کہ مجمع بن عبداللہ عائذی سے امام نے صرف اپنے ایک قاصد کو پوچھا اور وہ قیس بن مسہر صیداوی تھے دوسرے قاصد یعنی عبداللہ بن یقطر کا کچھ حال نہ پوچھا کہ ان پر کیا گذری۔ ہاں ان آخری دو باتوں کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن یقطر کی خبر جناب مسلم و ہانی کے ساتھ پہلے آچکی تھی جسکی حضرت نے منزل زبالہ پر خبر دی اور قیس کی خبر حر سے ملاقات کے بعد تک کوئی نہیں آئی تھی۔ اس لئے مجمع بن عبداللہ سے حضرت نے انہی کو دریافت فرمایا۔

پھر بھی تاریخی حیثیت سے یہ مسئلہ ابھی تک میری نگاہ میں ایک مشکل کی حیثیت رکھتا ہے جو پورے طور پر حل ہوتے نظر نہیں آتی۔

لشکرِ حُر کے سامنے امام کا خُطبہ

عراق کی طرف جاتے ہوئے جب حر کا ایک ہزار کا لشکر امام سے آکر ملا اور حضرت انکو سیراب کراچکے اور اس کے بعد ظہر کی نماز کا وقت آیا تو حضرت نے نماز کے قبل اس کے لشکر کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس کا ذکر شیخ مفید اور طبری دونوں نے اس طرح کیا ہے:۔

"حر امام کے ساتھ رہا یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت آیا اور امام حسین علیہ السلام نے حجاج ابن مسرور (مسروق) کو حکم دیا کہ اذان دیں۔ جب اقامت کا ہنگام آیا۔ تو امام حسین برآمد ہوئے۔ ایک تہبند ایک چادر اور نعلین پہنے ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا "ایہاالناس" میں تمہاری جانب اس وقت تک نہیں آیا جب تک تمہارے خطوط نہیں گئے اور قاصد پہنچے نہیں کہ آیئے ہمارا کوئی امام نہیں ہے۔ ممکن ہے کہ آپ کے ذریعہ سے ہمیں خدا حق و ہدایت پر مجتمع کر دے۔ اب اگر تم لوگ اس بات پر قائم ہو تو میں آگیا ہوں تم مجھ سے اطمینانی طریقہ سے ازسرنو عہد و پیمان کرو کہ میرا ساتھ دو گے اگر تم ایسا نہیں کرنا چاہتے اور تم میرا آنا ناپسند کرتے ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں۔ یہ سنکر سب خاموش رہے اور کسی نے ایک لفظ بھی جواب میں نہیں کہا۔ حضرت نے مؤذن کو حکم دیا کہ اقامت کہی جائے۔

لشکرِ حر کے سامنے دوسرا خطبہ

عصر کی نماز کے بعد جبکہ آگے روانہ ہونے کی تیاری بھی ہوچکی تھی حضرت نے دوسرا خطبہ ارشاد فرمایا جسے شیخ مفید اور طبری نے اس طرح نقل کیا ہے:۔

"پھر حضرت نے سلام پھیرا اور ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا۔ "ایہاالناس" تم لوگ اگر خوف الٰہی سے کام لو اور صاحب حق کے حق کو پہچانو تو یقیناً اللہ کی رضا کا اچھا ذریعہ ہوگا۔ ہم رسولؐ کے اہلبیت ہیں اور اس منصب کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت ان لوگوں کے جو اس کا غلط دعویٰ کرتے ہیں اور جو تمہارے ساتھ ظلم و تعدی کا سلوک کرتے ہیں اور اگر تم بہرحال ہمیں ناپسند کرتے ہو اور ہمارے حق سے چشم پوشی کرتے ہوئے ہو۔ اور تمہاری رائے اب تمہارے خطوط کے مضامین اور قاصدوں کے بیانات کے خلاف ہے تو میں واپس چلا جاؤں۔ اب حر نے جواب دیا کہ خدا میں نہیں جانتا کہ یہ خطوط اور قاصد جن کا آپ ذکر کرتے ہیں۔ کیا ہیں؟ یہ سنکر امام حسینؑ نے اپنے ایک صحابی سے فرمایا کہ اے عقبہ بن سمعان وہ دونوں تھیلے تو لے آؤ۔ جن میں لوگوں کے خطوط ہیں وہ دو تھیلے آؤ

اسکے بعد کا ایک اہم خطبہ

طبری کی روایت ہے:۔

ابو مخنف نے عقبہ بن ابی عیزار کی زبانی نقل کیا ہے کہ امام حسین نے اپنے اصحاب اور حر کے ساتھیوں کے سامنے مقام بیضہ پر خطبہ ارشاد فرمایا کہ اے گروہ مردم

حضرت پیغمبر خدا کا ارشاد ہے کہ جو کوئی کسی ظالم بادشاہ کو دیکھے کہ وہ محرمات الٰہیہ کو حلال بنائے ہوئے ہے عہد خدا کو توڑے ہوئے سنت پیغمبر خدا کے مخالف ہو اور بندگان الٰہی میں گناہ اور ظلم و تعدی کے افعال کا مرتکب ہوتا ہے وہ اسکے قول و فعل میں کسی صورت سے تبدیلی کی کوشش نہ کرے تو اللہ کے لئے زیبا ہوگا کہ اس شخص کو اسی ظالم کے درجہ میں داخل کرے۔ معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ لوگ اہل شام شیطان کی اطاعت کے پابند ہوگئے ہیں اللہ کی اطاعت کو چھوڑ چکے ہیں انھوں نے فتنہ و فساد ظاہر کیا ہے۔ حدود اللہ کو معطل کر دیا ہے۔ مسلمانوں کے مشترک اموال کو اپنی ملکیت سمجھ لیا ہے حرام الٰہی کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیا ہے اور میں سب سے زیادہ اس کا حقدار ہوں کہ اس وقت انقلاب پیدا کرنے کی کوشش کروں اور تمہارے خطوط میرے پاس آچکے ہیں اور تمہارے قاصد پہنچ چکے ہیں اس عہد و پیمان کے ساتھ کہ تم مجھے چھوڑو گے نہیں میرے تعاون کو ترک نہ کروگے۔ اب اگر تم اپنے معاہدہ پر قائم ہو تو راہ راست حاصل کرو اور اس صورت میں میں حسین ہوں علی کا اور دختر رسول خدا کا فرزند ہوں میری جان تمہاری جانوں سے وابستہ اور میرے اہل و عیال اور تمہارے اہل و عیال ساتھ ہو سکتے اور جو مجھ پر گزرے اس میں تم کو شریک رہنا ہوگا اور اگر تم ایسا نہ کرو اور اپنے معاہدہ کو توڑ دو اور میری بیعت کا حلقہ بھی اپنی گردنوں سے اتار پھینکو یہ کوئی عجیب امر نہ ہوگا۔ تم نے ایسا ہی میرے باپ میرے بھائی اور میرے چچا کے بیٹے مسلم کے ساتھ کیا بڑا فریب خوردہ ہے وہ جو تمہارے فریب میں آئے مگر اس سے کوئی اور نقصان نہ ہوگا۔ تمہیں اپنے حصہ کو ہاتھ سے دوگے اور اپنے نصیب کو برباد کروگے اور جو عہد توڑے گا عہد شکنی سے اپنا ہی نقصان کرے گا اور اللہ مجھے عنقریب تم سے بے نیاز کر دے گا۔

راستے کا ایک اور خطبہ

طبری رقمطراز ہیں:۔

عقبہ بن ابی العیزار کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام مقام ذی حسم میں کھڑے ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد فرمایا کہ صورت حال جو ہے وہ تم دیکھ رہے ہو دنیا بدل چکی ہے اور اجنبی ہو چکی ہے اس کی نیکیاں رخصت ہو گئی ہیں اور وہ انتہائی تلخ و ناگوار ہو چکی ہے اب نہیں رہ گیا ہے اس میں سے مگر بہت کم جیسے پانی بہائے جانے کے بعد اس کے اندر بچ رہنے والے پانی کے قطرے کے اندر ایک حقیر زندگی جو زہریلی چراگاہ کے مثل ہے۔ کیا تمہاری نظروں کے سامنے یہ عمل نہیں ہے کہ حق پر عمل نہیں کیا جاتا اور باطل سے باز نہیں رہا جاتا اس وقت جو سچا مومن ہے وہ تو دل سے مرنے کا طلب گار ہوگا اس لئے کہ اس صورت حال کے مقابلہ میں مرنا میرے نزدیک سوا شہادت کے اور کچھ نہیں ہے اور ظالموں کے ساتھ زندگی گذارنا سوا دل کی تنگی کے اور کچھ بھی نہیں۔

زہیر بن قین کی جوابی تقریر

مذکورۂ بالا امام کے خطبہ کے بعد طبری کے راوی نے کہا ہے۔

زہیر بن قین بجلی کھڑے ہو گئے اور اپنے اصحاب سے کہا کہ تم کچھ کہتے ہو یا میں کہوں۔ سب نے کہا نہیں تم کہو۔ انھوں نے حمد و ثنائے الٰہی ادا کی پھر کہا۔ ہم نے سنا۔ اے فرزند رسول صلی اللہ آپ کو منزل مقصد تک پہونچائے۔ آپ کے ارشاد کو بخدا

اگر دنیا باقی رہنے والی ہوتی اور ہم ہمیشہ اس میں رہتے مگر جدائی اس سے صرف آپ کی امداد و ہمدردی کی وجہ سے ہوتی تب بھی ہم آپ کا ساتھ دینے کو اس دنیا میں رہنے پر ترجیح دیتے۔ زہیر کی تقریر سنکر امام نے ان کے لئے دعائے خیر فرمائی۔

نہم محرم کی شام کو یا شب عاشور امام کا یادگار خطبہ

روز نہم محرم گذرگئے صلح ختم ہو چکی، عمر سعد نے ابن زیاد کے حکم فوری کے ماتحت حملہ کر دیا اور حضرت امام حسینؑ نے اپنے بھائی ابو الفضل العباس کو بھیجکر ایک شب کی مہلت حاصل کی۔ اس رات کو مہلت ملنے کے بعد امام نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کر کے اپنا تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ جہاں تک مجھے علم ہے کربلا میں صرف یہ ایک خطبہ ہے جو آپ نے اپنے ساتھیوں کی جماعت کے سامنے پڑھا ہے۔ حالانکہ خطبہ کے مقاصد یعنے تحریص و ترغیب جوش انگیزی اور ولولہ خیزی کے لحاظ سے کربلا کے مقتضیات خطبہ کے بہت کم جمع ہوا کرتے تھے۔ ظاہر ہے اتنی قلیل التعداد جماعت میں عددی قلت کو اگر کسی حد تک پورا کر سکتی ہے تو وہ جوش کی زیادتی اور ہمت کی بلندی۔ مثل مشہور ہے" حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی" — اس کے مقابلے میں جتنے موانع زیادہ اور ہمت کی پستی کے اسباب فراواں ہوں اتنی ہی قائد کو زیادہ تقریریں کرنی پڑیں گی۔ اگر دور کی مثال ڈھونڈھنے کی زحمت گوارا نہ کیجئے تو ماضی قریب میں جنگ جرمنی کی شدت کے عالم میں چرچل کی وزارت کا ابتدائی دور دیکھ لیجئے جبکہ حالات ناساز گار تھے اور تقریروں کے زور پر جنگ کا انحصار رہ گیا تھا۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو ایک ناواقف انسان جو کربلا کے واقعات سے مطلع نہ ہو۔ یہ خیال کرے گا کہ تیس ہزار کے مقابل میں اپنے گرد بہتر سو سوا سو افراد کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھنے کے لئے ان کے قائد کو پے در پے اپنے خدا کی دی ہوئی اعجاز بیانی کی تمام طاقتوں کے آتشیں الفاظ اور پر زور برق انداز میں تقریریں کرنا پڑتی ہوں گی مگر یہ واقعہ ہے کہ کربلا میں وہ مختصر سی جماعت قلیل سہی مگر عزم و ارادہ کی طاقتوں اور استحکام ایمانی کے تقاضوں سے اتنی معمور تھی کہ امام حسین کو کربلا پہونچنے کے بعد سے شب عاشورہ نویں محرم کی سہ پہر تک آٹھ دن اور اس کے بعد شب عاشور اور روز عاشور کے تقریباً بیس اکیس گھنٹوں میں ایک مرتبہ بھی اس کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی کہ آپ انکے سامنے جوش و خروش پیدا کرنے کیلئے کوئی خطبہ ارشاد فرمائیں۔

نہم کی شام کو — یہ خطبہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس کی نوعیت وہ انفرادی حیثیت رکھتی ہے جسے ہم چاہیں جو کہیں مگر ترغیب و تحریص تو کہہ ہی نہیں سکتے۔

شیخ مفید علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں۔

امام حسین نے شام کے وقت اپنے اصحاب کو جمع فرمایا۔ امام زین العابدین کا بیان ہے کہ میں اس موقع پر بیمار تھا مگر قریب آگیا تاکہ سنوں کہ حضرت اپنے اصحاب سے کیا فرماتے ہیں۔ میں نے اپنے والد بزرگوار کو سنا کہ آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کی بہترین تعریف کا فریضہ ادا کرتا ہوں ہر حال میں شکر ادا کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت کے منصب کی عزت عطا کی۔ اور علم قرآن کی دولت دی اور دینی حقیقت کے بارے میں فہم و تفصیل کرامت فرمایا اور ہمیں گوش شنوا، چشم بینا اور دل دانا عطا فرمائے لہٰذا ہمیں شکر گزاروں میں محسوب فرما۔ اس کے بعد یہ ہے کہ حقیقتاً مجھے نہیں معلوم کہ دنیا میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ وفادار اور بہتر ہوں اور نہ کسی کے اعزا جو میرے عزیزوں سے زیادہ نیکوکار اور باوفا ہوں۔ اللہ تمہیں میری جانب سے جزائے خیر عطا فرمائے۔ واضح ہونا چاہیے کہ میرے خیال میں ہمیں ان دشمنوں کے ہاتھوں ایک خونریز معرکہ کا سامنا ہوگا۔ ہاں تو خوب سمجھ لو کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں، تم سب چلے جاؤ۔ بالکل جائز طور پر

تمہارے لئے اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور نہ میری طرف سے کوئی ذمہ داری ہے یہ رات کی تاریکی اب تمہارے سامنے آرہی ہے، اس کو اپنا مرکب بناؤ اور روانہ ہو جاؤ یہ سننا تھا کہ آپ کے بھائیوں، بیٹوں اور بھتیجوں اور عبداللہ بن جعفر کے فرزندوں نے کہا ہم کیوں ایسا کریں کیا اسلئے کہ آپ کے بعد دنیا میں باقی رہیں اللہ ہمیں وہ دن نصیب نہ کرے سب سے پہلے یہ الفاظ عباس بن علی کی زبان پر جاری ہوئے اور پھر تمام مجمع نے ان کے ساتھ اتفاق کیا اور اسی سے ملتے جلتے ہوئے الفاظ عرض کئے۔

اس روایت کو طبری نے دو طریقوں سے نقل کیا ہے ایک وہ طریق جو ضحاک بن قیس مشرقی تک منتہی ہوتا ہے یہ اصحاب امام حسین کی ایک ایسی فرد ہیں جو بقول طبری واقعہ کربلا سے زندہ بچ گئے تھے۔ اس کیفیت کا بیان اور اس پر تبصرہ مولانا مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری نے مقتل ضحاک بن قیس کے مقدمہ میں تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔

امام زین العابدین کی زبانی جو روایت درج کی ہے وہ تقریباً شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ کی روایت سے بالکل متحد ہے ــــ اختلاف کچھ لفظوں کا ہے جن میں بعض میں فقط طول و اختصار کا فرق ہے معنی پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اور بعض میں وہ دونوں میں سے ایک کے بعض نسخوں میں کاتب یا درمیانی راوی کی غلطی یا اشتباہ معلوم ہوتا ہے۔

دوسری روایت ضحاک بن عبداللہ مشرقی کی ہے۔ یہ حسب ذیل ہے۔

جب رات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ یہ رات تم پر پردہ ڈال چکی ہے لہذا اس کو اپنا مرکب بناؤ پھر ہر ایک تم میں سے میرے ایک ایک عزیز کا ہاتھ پکڑے اور پھر تم اپنی بستیوں اور شہروں میں منتشر ہو جاؤ اور اس وقت تک کے لئے کہ جب کشائش حاصل ہو اسلئے کہ یہ لوگ بس میرے طلب گار ہیں اور اگر مجھے پا جائیں تو پھر کسی دوسرے کی تلاش کی طرف متوجہ نہ ہونگے یہ سنکر آپ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں اور عبداللہ بن جعفر کے فرزندوں نے کہا کہ ہم ایسا کیوں کریں، اس لئے کہ آپ کے بعد باقی رہیں، اللہ وہ دن ہمیں کبھی نہ دکھائے۔ سب سے پہلے یہ صدا عباس بن علی نے بلند کی اور پھر سب نے قریب یہی کہا اس پر امام حسین نے فرمایا کہ اے عقیل کے فرزندو تمہارے لئے مسلم کا قتل ہونا کافی ہے تم چلے جاؤ، تمہیں میں خاص طور پر اجازت دیتا ہوں۔ انھوں نے کہا اس صورت میں لوگ کیا کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگ اور سردار اور اپنے چچاؤں کی اولاد کو جو بہترین چچا تھے چھوڑ دیا۔ اور نہ ان کے ساتھ کوئی تیر لگایا اور نہ کوئی نیزہ اور نہ تلوار سے مقابلہ کیا اور نہ خبر لی کہ آپ پر کیا گذری، نہیں بخدا ہم ایسا نہیں کریں گے بلکہ آپ پر اپنی جان و مال اور گھر بار کو قربان کر دیں گے اور آپ کے ساتھ رہ کر جنگ کریں گے تاکہ جو کچھ آپ پر گذرے اس میں ہم شریک رہیں، خدا برا کرے اس زندگی کا جو آپ کے بعد ہو۔

اس میں اور قبل کی روایت میں علاوہ لفظی اختلافات کے معنوی اختلافات بھی ہیں۔ مگر ایسے جن سے خطبہ کے ماحصل پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان دونوں طرح کے اختلافات کی تفصیل حسب ذیل ہے:۔

(۱) پہلی روایت میں خطبہ کا وقت بتایا ہے "شام کے قریب" اور دوسری روایت میں ہے "جب رات ہوئی" شہرت عامہ اس دوسری روایت کے مطابق ہو گئی ہے۔ یہ خطبہ شب عاشور ارشاد ہوا ہے۔

(۲) پہلی روایت میں خطبہ کا تمہیدی حصہ مذکور ہے جس میں حمد و صلوٰۃ و شکر الٰہی اور اپنے خاندانی مراتب

کے اظہار کے ساتھ اصحاب کی وفاداری اور اعزا کی قرابت پروری پر فخر و نازش مذکور ہے اور یہ کہ کل موقع جنگ یا روز قربانی ہے اور پھر یہ کہ میں تمہیں اجازت دیتا ہوں اور دوسرے لفظوں میں "بیعت تمہاری گردنوں سے اٹھائے لیتا ہوں اور اس کے علاوہ یہ کہ" رات کی تاریکی تمہارے سامنے ہے " دوسری روایت میں ابتدائی حصہ بالکل حذف کر دیا گیا ہے بس یہیں سے شروع کیا گیا ہے کہ جب رات ہوئی حالانکہ اس فقرے کے معنی میں پہلی اور دوسری روایت کے بتائے ہوتے وقت کے لحاظ سے فرق ہو جاتا ہے۔

وہاں چونکہ خطبہ کا وقت عند قرب المساء بتایا گیا ہے لہذا "ہذا اللیل قد غشیکم" کے معنی یہ ہوں گے کہ رات اتنی قریب ہے کہ گویا آ ہی گئی ہے یعنی قرب کے انتہائی اظہار کے لئے مجازاً فعل ماضی لایا گیا ہے اور دوسری صورت میں حقیقی طور پر یہ معنی ہوں گے کہ رات آ ہی گئی ہے ہاں پہلی روایت میں عند قرب المساء کے معنی اگر یہ سمجھے جا سکتے ہیں (اگرچہ لفظی طور پر ذرا بعید ہیں) کہ رات کو شام سے قریب یعنی رات ابتدائی حصہ میں حضرت نے یہ خطبہ پڑھا۔ اس طرح دونوں راویوں کے بیچ وقت کا اختلاف بھی ختم ہو جائے گا اور اس فقرے کے معنی بھی دونوں جگہ ایک ہو جائیں گے۔

(۳) پہلی روایت کا مضمون اس فقرے پر ختم ہو جاتا ہے، مگر دوسری روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ ہے کہ "ہر ایک تم میں سے میرے عزیزوں میں سے بھی ایک ایک ہاتھ پکڑ لے اور پھر تم لوگ اپنی بستیوں اور شہروں میں منتشر ہو جاؤ اس وقت تک کے لئے جب تک کہ کشائش حاصل ہو۔ اس لئے کہ یہ لوگ بس میرے طلبگار ہیں اور اگر مجھے پا جائیں تو پھر کسی دوسرے کی تلاش کی طرف متوجہ نہ ہوں گے"

پہلی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ مگر صورت واقعہ سے ظاہر ہے کہ یہ الفاظ حضرت نے ضرور ارشاد فرمائے ہوں گے اس لئے اعزا و اقارب اور خصوصیت سے حضرت ابوالفضل العباس کو بھی اپنے تاثرات کے اظہار کی ضرورت پڑی۔

(۴) حضرت ابوالفضل کے جواب کے الفاظ جن سے تمام اعزا نے اتفاق کیا، دونوں روایتوں میں یکساں ہیں مگر دوسری روایت میں حضرت کا اولاد عقیل سے جو خصوصی تخاطب اور اس کا جواب ہے وہ پہلی روایت میں بیان نہیں ہوا ہے۔ عام طور سے یہ روایت جو بیان ہوتی ہے اس میں دونوں کے اجزا کو سمو دئے جاتے ہیں۔ اور یہ طریقہ کار بظاہر غلط نہیں ہے اس لئے کہ کسی ایک میں دوسرے کے مضمون کی نفی نہیں ہے بلکہ کچھ اجزاء خطبہ کے اس روایت میں درج ہوتے ہیں کچھ اس میں اور سب امام نے ارشاد فرمائے تھے لیکن اختصاراً ہر ایک راوی نے کچھ اجزاء بیان کئے ہیں اور کچھ بیان کرنا ضروری نہیں سمجھے۔ پورے خطبہ کا ان تمام اجزاء پر مشتمل ہونا بعید نہیں بلکہ تقریباً یقینی ہے

اصحاب امام کی جوابی تقریر

طبری نے لکھا ہے۔

ابو مخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے عبداللہ بن عاصم نے کہا۔ ضحاک بن عبداللہ مشرقی کی زبانی انھوں نے بیان کیا کہ (امام کے خطبہ کو سن کر اعزا و اقارب کے جوابات کے بعد) مسلم بن عوسجہ اسدی کھڑے ہوئے اور کہا کیا بھلا ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں اور اللہ کی بارگاہ میں آپ کے حق کو ادا کرنے کے جواب دہی کا سامان نہ کریں بخدا (میں انھیں نیزے لگاؤں گا) یہاں تک کہ ان کے سینوں میں اپنا نیزہ توڑ دوں گا اور انھیں تلوار لگاؤں گا جب تک کہ اس کا قبضہ میرے ہاتھوں میں برقرار رہے اور آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ جان بحق

تسلیم ہوں۔ اور سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا بخدا ہم آپ کو نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ اللہ کے علم میں ثابت ہو جائے کہ ہم نے رسول خدا کے بعد آپ کے بارے میں آپ کے حق کا تحفظ کیا۔ بخدا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ میں قتل کیا جاؤں گا پھر زندہ کیا جاؤں گا، پھر جلا دیا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں منتشر کر دی جائے گی۔ یہی میرے ساتھ ستر مرتبہ ہوگا جب بھی آپ سے جدا نہ ہونگا۔ یہاں تک کہ (آخری بار بھی) مجھے موت آپکے سامنے آ جاتی ہو لیکن یہ ایک دفعہ کا قتل ہوتا ہے پھر میں ایسا اب کیوں نہ کر لونگا جبکہ پھر عزت و راحت ہے جو کبھی ختم ہونے والی نہیں ہے اور زہیر بن قین نے کہا مجھے تو آرزو تھی کہ میں قتل کیا جاتا اور پھر زندہ ہوتا پھر قتل کیا جاتا یہاں تک کہ اسی طرح ہزار دفعہ مارا جاتا اور اس ذریعہ اللہ قتل ہونے کی مصیبت کو آپ سے اور آپ کے خاندان کے جوانوں کی جان سے رد کر دیتا ہے (ضحاک کا) بیان ہے کہ آپ کے اصحاب میں سے کئی آدمیوں نے اسی سے ملتی جلتی تقریریں کیں، اور سب نے کہا کہ ہم بخدا آپ سے جدا نہ ہوں گے بلکہ ہماری جانیں آپ پر فدا ہوں گی۔ ہم اپنے سینے، پیشانیاں اور ہاتھ آپ کی سپر بنائیں گے جب ہم قتل ہو جائیں گے تو سمجھیں گے کہ ہم نے اپنا حق ادا کر دیا اور جو فرض ہمارا تھا وہ پورا ہو گیا۔

ان تقریروں کے آغاز میں ضحاک بن عبداللہ کی سند کے دوبارہ ..... ذکر کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان تقریروں کا ذکر حضرت امام زین العابدین والی روایت میں نہیں ہے اور غالباً اسی لئے شیخ مفید نے ان کا ذکر نہیں کیا مگر امام کی روایت میں بھی اس کی نفی نہیں ہوئی ہے بلکہ خود امام کے بعض فقرات کی طرح جو بہ نظر اختصار اس روایت میں درج نہیں ہوئے تھے۔ یہ اجزاء بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیان نہیں کئے گئے تھے۔ لیکن وہ کسی طرح بھی قابل انکار نہیں ہیں۔

لشکر اعداء کے سامنے امام کا خطبہ

صبح عاشورہ جب صفوف لشکر مرتب ہو چکے تو شیخ مفید علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

حضرت امام حسینؑ نے اپنی سواری کا اونٹ منگوایا اور اس پر سوار ہوئے اور باواز بلند فرمایا۔ اس طرح کہ فوج کے بڑے حصہ تک آپ کی آواز پہونچ رہی تھی کہ اے اہل عراق، اے لوگو! میری بات سنو اور جلدی سے کام نہ لو۔ میں چاہتا ہوں کہ جو تمہارا حق مجھ پر ہے اس کو ادا کر دوں اور تمھیں نصیحت کر کے اپنا عذر ختم کر دوں۔ اس کے بعد اگر تم نے انصاف سے کام لیا تو یہ تمہارے لئے باعث سعادت ہوگا اور اگر انصاف نہ کیا تو پھر جو کرنا ہو وہ کرنا اور کوئی حسرت دل میں نہ اٹھا رکھنا اور نہ میرے ساتھ مراعات و مہلت دہی سے کام لینا۔ میرا مددگار وہ اللہ ہے جس نے قرآن نازل کیا اور وہی تمام نیک کرداروں کا مددگار ہے اس کے بعد آپ نے حمد و ثنائے الہی ادا کی اور خداوند عالم کے شایان شان توصیف و تمجید کی اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور دیگر انبیاء اور ملائکہ پر درود بھیجا اس شان سے کہ کوئی بولنے والا آپ کے پہلے اور آپ کے بعد فصاحت و بلاغت میں آپ سے بڑھ کر بولتے نہیں سنا گیا۔ پھر فرمایا میرا نسب تو دیکھو، غور کرو۔ میں کون ہوں۔ پھر ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالکر اپنے افعال کو دیکھو اور سوچو کہ میرا قتل اور میری بے حرمتی تمہارے لئے مناسب ہے کیا میں تمہارے نبی کا نواسہ اور ان کے وصی چچازاد بھائی اور سب سے پہلے الله پر ایمان لانے والے شخص کا فرزند نہیں ہوں۔ کیا سیدالشہدا حمزہ میرے (باپ کے) چچا اور جعفر طیار جو قدرت کے عطا کردہ بازوؤں سے جنت میں پرواز کرتے ہیں میرے چچا نہیں تھے؟ کیا تمھیں نہیں معلوم کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں فرمایا کہ یہ

دونوں سردار جوانان جنت ہیں۔ اب اگر تم مجھ کو بھی سچا سمجھو اور حقیقتاً جو میں کہتا ہوں درست ہے اور بخدا میں نے جب سے مجھے معلوم ہے کہ اللہ اسے ناپسند کرتا ہے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو خیر، اور اگر تم مجھے جھوٹا سمجھو تو تم میں سے ایسے لوگ ہیں جن سے تم اس کے متعلق دریافت کرو تو وہ تم کو بتا دیں گے۔

پوچھ لو جابر بن عبداللہ انصاری سے پوچھ لو ابو سعید خدری سے، سہل بن سعد ساعدی سے، زید بن ارقم، انس بن مالک سے یہ تمہیں بتلائیں گے کہ انھوں نے یہ حدیث خدا رسول خدا سے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں سنی ہے۔ کیا یہ تمہیں میری خون ریزی سے مانع ہونے کیلئے کافی نہیں۔ شمر نے کہا میں خدا کی ایک حرف پر عبادت کرتا ہوں اگر یہ سمجھ میں آتا کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ حبیب ابن مظاہر نے کہا بخدا میں یہ سمجھتا ہوں کہ تو ستر حرفوں پر عبادت کرتا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تو ٹھیک کہتا ہے۔ تیرے فہم سے بالاتر ہے کہ حضرت کا ارشاد تیرے دل پر موثر ہو تیرے دل پر تو خدا نے مہر لگا دی ہے پھر امام حسینؑ نے فرمایا کہ اچھا اگر تمہیں اس میں شک ہے تو اس میں بھی شک ہے کہ میں تمہارے نبی کا نواسہ ہوں۔ خدا کی قسم مشرق اور مغرب کے درمیان اس امت بلکہ کسی دوسری امت میں بھی کسی نبی کا نواسہ موجود نہیں ہے۔

سوچو تو کیا تم مجھ سے کسی مقتول کے خون کا عوض لینا چاہتے ہو جسے میں نے قتل کر دیا ہو۔ یا کسی مال کا مطالبہ رکھتے ہو جسے میں نے تلف کر دیا یا کسی زخم کا قصاص لینا چاہتے ہو، اب سب خاموش ہو گئے۔ کوئی کچھ نہ بولتا تھا۔ حضرت نے پکارا اے شبث بن ربعی، اے حجاز بن ابجر اے قیس بن اشعث اے یزید بن حارث کیا تم نے مجھے نہیں لکھا کہ میوے پختہ ہو گئے ہیں۔ باغ سرسبز و شاداب ہیں اور آپ کی مدد کے لئے ایک تیار لشکر موجود ہے۔ قیس ابن اشعث نے کہا۔ ہم نہیں جانتے آپ کیا کہتے ہیں۔ بہر حال آپ اپنے رشتہ داروں کے فیصلے پر سر جھکا دیں اور آپ کے ساتھ کوئی ناپسندیدہ برتاؤ کبھی نہ کریں گے! حضرت نے فرمایا بخدا میں ذلیل آدمی کی طرح اپنے کو تمہارے سپرد نہ کروں گا اور نہ غلاموں کی طرح فرار کروں گا۔ پھر آپ نے بلند آواز سے فرمایا۔ اے اللہ کے بندو! اللہ سے پناہ مانگنا چاہیے اس وقت سے جب تم مجھے اپنے حملوں کا نشانہ بناؤ۔ میں پناہ مانگتا ہوں ہر اس مغرور سے جو قیامت پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ اس کے بعد آپ نے اپنے اونٹ کو بٹھا لیا۔ اور عقبہ بن سمعان کو حکم دیا، انھوں نے جا کر اُسے باندھ دیا۔

طبری (ج ۶ ص ۲۴۲ - ۲۴۳) میں یہ پورا خطبہ ضحاک بن قیس مشرقی کی زبانی نقل کیا ہے جس کے الفاظ شیخ مفید کی بیان کردہ روایت سے

تقریباً بالکل موافق تو نہیں مگر تھوڑا تھوڑا اختلاف شروع سے آخر تک برابر چلا گیا ہے پھر بھی معنوی فرق بہت کم پایا جاتا ہے۔

زہیر بن قین کی تقریر

ابو مخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے علی بن حنظلہ بن سعد شامی نے کہا اپنی قوم کے ایک ایسے شخص کی زبانی سنکر جو واقعہ کربلا میں موجود تھا اس شخص کا نام کثیر بن عبداللہ شعبی تھا۔ وہ کہتا ہے کہ جب ہم حسین پر حملہ آور ہوئے تو زہیر بن قین (صف حسینی) سے باہر نکل کر سامنے آئے اپنے گھوڑے پر سوار مکمل آراستہ و پیراستہ اور انھوں نے کہا اے اہل کوفہ ڈرو عذاب خدا سے ڈرو یقیناً مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو نصیحت کرے اور ہم ابھی تک باہم بھائی ہیں ایک ہی دین اور ایک ہی ملت پر جب تک ہمارے درمیان

تلواریں چلی نہیں ہیں اور تم ابھی تک ہماری طرح نصیحت کے مستحق ہو۔ جب تلواریں چلنے لگیں گی تو پھر تعلقات ختم ہو جائیں گے اور ہم ایک امت اور تم دوسری امت قرار دئے جاؤ گے یقیناً اللہ نے ہماری اور تمہاری آزمائش کی ہے۔ اپنے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد کے ساتھ تاکہ ظاہر ہو کہ ہمارا عمل کیا ہوتا ہے اور تمہارا عمل کیا ہوتا ہے ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں کہ تم ان کی مدد کرو اور ظالم عبید اللہ ابن زیاد کا ساتھ چھوڑ کر الگ ہو کیونکہ تمہیں اس سے اور اسکے کارندوں سے پہلے اس کے باپ سے سوائے برائی کے کبھی کوئی نتیجہ نہیں مل سکتا ہے۔ اپنے اقتدار کے زمانہ میں وہ تمہاری آنکھوں میں سلائیاں پھروا دئیے اچھے آدمیوں اور حافظانِ قرآن کو قتل کراتے رہے ہیں جیسے حجر بن عدی اور ان کے رفقاء اور ہانی بن عروہ اور دوسرے ایسے ہی لوگ۔ راوی کہتا ہے کہ یہ سنکر فوج شام کے لوگ گالیاں دینے لگے اور عبید اللہ ابن زیاد کی تعریفیں اور اس کے لئے دعائیں کرنے لگے۔ اور کہا کہ بخدا ہم نہ مانیں گے جب تک کہ تمہارے سردار (حسینؑ) اور ان کے ساتھ والوں کو قتل نہ کریں انہیں اور ان کے اصحابؑ کو زندہ امیر ابن زیاد کے پاس بھیجیں۔ زہیر نے ان سے کہا کہ اے بندگانِ خدا اولاد فاطمہ زہراؑ امداد و اعانت کی مستحق سمیہ کے فرزند سے زیادہ ہے۔ اچھا اگر تم ان کی مدد نہ کرو تو خدا کا واسطہ انھیں قتل تو نہ کرو بلکہ ان کے معاملہ کو براہ راست یزید پر چھوڑ دو وہ اس قتل حسینؑ کے بغیر بھی تم سے خوش رہ سکتا ہے یہ سنکر شمر نے ان کو ایک تیر لگایا اور کہا چپ رہو خدا تمہاری آواز بند کرے۔ تم نے اپنے طویل کلام سے ہمیں پریشان کر دیا۔ زہیر نے کہا اے جاہل دوحشی کے بچے میں تجھ سے بات نہیں کر رہا ہوں، تو تو جانور ہے سمجھا میرے خیال سے تجھے دو آیتیں بھی قرآن مجید کی یاد نہیں ہیں تجھے روز قیامت رسوائی اور عذاب کے سوا کچھ نہیں۔ شمر نے کہا دیکھو تھوڑی دیر میں اللہ تمہیں اور تمہارے سردار کو قتل کرا دے گا۔ انھوں نے کہا موت سے مجھے ڈراتا ہے۔ بخدا ان کے ساتھ مرنا مجھے تم لوگوں کے ساتھ حیات جاودانی حاصل کرنے سے زیادہ پسند ہے اس کے بعد پھر وہ فوج کی طرف مخاطب ہوئے اور بلند آواز سے کہا اے بندگان خدا اپنے مذہب کے بارے میں اس جاہل احمق اور اس کے ایسے دوسرے لوگوں کے دھوکہ میں نہ آؤ۔ بخدا شفاعت محمد مصطفےٰؐ ان لوگوں کو نصیب نہیں ہو سکتی کہ جو ان کی اولاد و اعزا کا خون بہائیں۔ زہیر اتنا کہہ چکے تو ایک شخص نے (اصحاب حسینؑ میں سے) پکار کر کہا کہ حضرت امام حسین فرما رہے ہیں کہ بس چلے آؤ اگر مومن آل فرعون نے اپنی قوم کو نصیحت کا حق ادا کر دیا اور پوری کوشش سے انھیں حق کی طرف دعوت دی تو یقیناً تم نے بھی انھیں نصیحت کر دی۔ مگر یہ نصیحت اور کوشش و ہدایت کوئی فائدہ بھی تو رکھے —

حُر کی تقریر

فوج عمر سعد سے حر ابن یزید الریاحی نے جدا ہو کر امام کی خدمت میں حاضر ہو کر اجازت جہاد حاصل کی۔ اس کے بعد لشکر ابن زیاد کے سامنے جا کر تقریر کی۔ شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں۔

انھوں نے کہا اے اہل کوفہ تمہاری مائیں ماتم میں بیٹھیں (کیا غضب ہے کہ) تم نے اس نیک اور بزرگ کو دعوت دی۔ جب وہ آئے تو تم نے ان کو چھوڑ دیا اور تم نے یہ خیال ظاہر کیا کہ تم ان کے سامنے اپنی جانیں نثار کر دو گے پھر خود انہیں کے خلاف قتل کرنے کے لئے دوڑ پڑے اور تم نے ان کی

سانس کا راستہ بند کر دیا۔ ان کا گلا گھونٹ رکھا ہے اور ہر طرف سے گھیر لیا کہ انھیں اللہ کی وسیع و عریض زمین میں کسی طرف جانے کا موقع نہیں دیتے ہو۔ وہ تمہارے ۔۔۔۔۔ مثل قیدی کے بے بس ہو گئے ہیں کہ نہ اپنے نفع کا کوئی سامان کر سکتے ہیں نہ ضرر کو دفع کر سکتے ہیں اور تم نے انھیں ان کی عورتوں، بچوں اور تمام اعزا کو روک رکھا ہے اس بہتے فرات کے پانی سے جسے یہودی، عیسائی اور مجوسی اور عراق کے سور اور کتے تک پیتے اور لوٹتے ہیں (دیکھ لو) لوگوں کا یہ عالم ہے کہ پیاس نے انھیں زمین پر ڈال دیا ہے کیا برا تم نے سلوک کیا ہے حضرت محمد مصطفیٰؐ کی اولاد کے ساتھ۔ خدا کرے تمہیں قیامت کی پیاس میں سیراب ہونا نصیب نہ ہو۔ تقریر یہاں تک پہنچی تھی کہ کچھ لوگوں نے آپ پر تیروں سے حملہ کر دیا۔ وہ وہاں سے ہٹ کر پھر امام کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

طبری نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے جلد ۶ ص ۲۴۵ اور شیخ مفید علیہ الرحمہ کی روایت میں کچھ جزوی اختلافات ہیں۔

حنظلہ بن اسعد کا مخاطبہ

حنظلہ بن اسعد شامی حافظ قرآن مجید تھے۔ ان کا مخاطبہ بھی آیات قرآن ہی کے ساتھ۔ طبری نے لکھا ہے (جلد ۶ ص ۲۵۴)

حنظلہ بن اسعد شامی آئے اور امام کے سامنے کھڑے ہوئے اور پکار کر کہنے لگے (آیات قرآنی جن کا ترجمہ یہ ہے) اے قوم میں تمہارے لئے ڈرتا ہوں معتوب گردوں کے انجام کار سے۔ جیسے قوم نوحؑ اور عاد و ثمود اور جو ان کے بعد تھے اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں چاہتا اور اے قوم میں تمہارے لئے ڈرتا ہوں روز قیامت کے ہول سے جس وقت تم بھاگ رہے ہو گے۔ اگر خدا کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہو گا اور جسے اللہ گمراہی میں چھوڑ دے اس کا کوئی ہدایت کرنے والا نہیں ہو سکتا۔

اس کے بعد کہا اے قوم حسینؑ کو قتل نہ کرو۔ نہیں تو تم عذاب کا مستوجب بنو گے اور افترا پرداز ہمیشہ ناکام رہتا ہے۔ امام حسینؑ نے فرمایا اے ابن سعد اللہ تیری رحمت تمہارے شامل حال کرے۔ عذاب کے مستحق تو یہ اس وقت ہو گئے کہ جب انھوں نے دعوت حق کو ٹھکرا دیا اور تمہارے مخالف کھڑے ہو گئے۔ دوڑے اس مقصد سے کہ تمہارا اور تمہارے اصحاب کا خون بہائیں حالانکہ اب تو انھوں نے تمہارے نیک بھائیوں کو قتل بھی کر دیا۔

شہید کربلا کی آخری تقریر

یہ تقریر ایسے نازک موقع پر ہوئی تھی جب کسی دوسرے مقرر کی نہ زبان میں طاقت ہو سکتی ہے نہ دل میں کہ وہ ایک جملہ بھی بطور تقریر کے کہہ سکے یہ وہ موقع ہے جب مجاہد کربلا گھوڑے سے روئے زمین پر تشریف لا چکے ہیں دل پر تو اٹھارہ داغ لگے ہی تھے اب جسم پر سینکڑوں زخم بھی لگ چکے تھے۔ طبری نے لکھا ہے:

ابو مخنف کا بیان ہے کہ مجھ سے صقعب بن زہیر نے کہا حمید بن مسلم کی زبانی (حمید سے کسی نے بیان کیا ہے اس کا ذکر نہیں ہے کیونکہ خود حمید واقعہ کربلا میں موجود نہ تھے) کہا (راوی نے) کہ حضرت (روز عاشورہ) ایک خز کا جبہ پہنے تھے اور عمامہ باندھے تھے اور وسمہ کا خضاب لگا ہوا تھا۔ کہا میں نے سنا آپ کو کہ آپ شہید ہونے کے قبل فرما رہے تھے اس حالت میں

کہ جب پیادہ پا ایک نہایت بہادر شہسوار کی حیثیت سے
جنگ کر رہے تھے۔ حریفوں کو پچھاڑتے تھے۔
اور دشمن پر ہر مناسب موقع پر وار
بھی کر رہے تھے۔ رن میرے قتل پر باہم ایک دوسرے

کو ترغیب دے رہے ہو۔ بخدا مجھ سے بڑھ کر کوئی ایسا نہ
ہوگا جس کے قتل کرنے پر خدا ناراض ہو۔ بخدا میں
امید کرتا ہوں کہ تمہاری اس تذلیل و توہین کی
بدولت خدا مجھ کو عزت دے گا۔

امام حسینؑ کو اصحاب و اعزّا کا جواب!

میں اپنی بیعت کی گرہ تمہاری گردنوں سے کھولے دیتا ہوں تم اپنے قوم و قبیلہ اور رشتہ داروں سے جا ملو۔ آپ نے اپنے عزیزوں سے فرمایا کہ تمہارے لئے مباح کئے دیتا ہوں کہ تم مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ تم ان دشمنوں سے مقابلہ نہیں کر سکتے ان کی تعداد اور ان کی قوت بہت زیادہ ہے اور یہ صرف مجھے چاہتے ہیں مجھے اور لوگوں کو چھوڑ دو خدا وند عالم میری مدد کرے گا اور اپنی اچھی نگاہ مجھ سے نہ ہٹائے گا جیسا کہ میرے پاکیزہ اسلاف کے ساتھ اس کا دستور رہا ہے اس حکم کے بعد لشکر والے تو جدا ہو گئے۔ لیکن آپ کے اعزا اور قریبی رشتہ داروں نے ساتھ چھوڑ کر جانے سے انکار کیا۔ انھوں نے کہا ہم آپ سے جدا نہ ہوں گے جو آپ پر گذرے گی وہ ہم پر بھی گذرے گی اور جو دکھ آپ جھیلیں گے وہی ہم بھی جھیلیں گے جو مصیبت آپ پر آئیگی وہ ہم پر بھی آئے گی۔ ہم آپ کے ساتھ رہ کر خدا سے زیادہ قریب رہ سکتے ہیں

اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے بھی اپنے نفوس کو اس بات پر آمادہ کر لیا ہے جس پر میں اپنے نفس کو آمادہ کر چکا ہوں تو یہ جان لو کہ خدا وند عالم اپنے بندوں کو اچھے مدارج مصائب جھیلنے میں صبر کرنے پر عنایت فرماتا ہے۔ اللہ نے مجھے میرے ان بزرگوں کی شرکت میں جن کی میں آخری فرد ہوں۔ مصائب کے برداشت کرنے کی وجہ سے جو عزتیں عطا کی ہیں ان خدا وندی اعزاز میں تمہارا بھی حصہ ہوگا اور تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ دنیا اس کا تلخ و شیریں جو کچھ ہے سب خواب ہی خواب ہے اور اسی خواب سے بیداری آخرت میں ہوگی جو آخرت میں کامیاب رہا درحقیقت وہی کامیاب ہے اور جو آخرت میں بدبخت رہا وہی دراصل بدبخت ہے۔ اے ہمارے دوستو! ہمارے ماننے والوں اور ہمارا دامن پکڑنے والو! کیا مناسب نہ ہوگا کہ میں تم سے اپنا اور تمہارا پہلا پہلا ماجرا بیان کردوں تاکہ تمہارے لئے ان مصائب کی برداشت آسان ہو جائے جو تمہیں درپیش آنے والی ہیں۔ انصار نے کہا اے فرزند رسول ضرور بیان فرمائیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب خدا وند عالم نے آدم کو پیدا کیا اور انھیں استقامت بخشی اور انھیں تمام چیزوں کے نام بتلائے اور آپ ملائکہ کے سامنے پیش کیا تو حضرت محمدؐ، علیؑ، فاطمہ اور حسن و حسین کی پانچ پانچ شکلیں پشت آدم میں ودیعت کیں اس وقت ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے نور سے آفاق روشن تھے کل آسمان تمام زمین پردہ ہائے عرش و کرسی اور جنت سبھی ان کے نور سے منور تھے اس کے بعد خدا وند عالم نے آدم کی تعظیم کی خاطر ملائکہ کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں آدم کو خدا وند عالم نے اس وجہ سے یہ فضیلت بخشی کہ انھیں خزینہ دار بنایا تھا ان شکلوں کا جن کے انوار سے تمام آفاق نورانی تھے سب نے سجدہ کیا۔ سوائے ابلیس کے اس نے آدم کی عظمت اور ہم اہلبیت کے انوار کے سامنے سر جھکانے سے انکار کیا حالانکہ کل ملائکہ نے سر جھکایا۔ مگر شیطان نے اپنے کو بڑا اور رفیع المنزلت سمجھا اور اسے اس انکار اور تکبر کی وجہ سے کافروں میں سے قرار دیا گیا

حضرت سلیمان شہید بصرہ
قاصد تحریک کربلا

(علامہ ڈاکٹر سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کامونپوری علی گڑھ)

اسلامی انقلاب نے بشریت کا اعزاز بڑھایا تمدن وتہذیب کو عظیم الشان رفعت دی۔ قومی و ملکی ونسلی سطح سے انسان کو اونچا کیا۔ فکر وعمل اور عقیدہ و کردار پر انسانی بلندی کی بنیاد رکھی۔ جناب رسول خدا کا یہ ارشاد گرامی اگرچہ چند لفظوں پر مشتمل ہے مگر اس کے اثرات ونتائج لامحدود ہیں۔ "کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر کردار کی نسبت سے۔"

یہ سادہ اصول ہمہ گیر انقلاب کا باعث ہوا۔ اور اس نے انسانی ترقی کا اتنا بڑا دروازہ کھول دیا جس کا پہلے تصور بھی نہ تھا۔ بلال حبشیؓ۔ صہیب رومیؓ۔ سلمان فارسیؓ پہلے غلام تھے لیکن اسلام نے بہت سے عربی سرداروں پر ان کو فوقیت دے دی۔ اسلام کے پہلے غلام آقا کی ملکیت تھے۔ آقا غلام کو قتل کرسکتا تھا۔ معمولی معمولی باتوں پر آزاد انسان غلام بنایا جاتا تھا۔ اسلام نے غلام سازی کے تمام ذرائع کا سدباب کیا، صرف اُن لوگوں کے لئے اس کا دروازہ کھلا رہا جو مسلمانوں سے جنگ کرتے۔ اسلام نے غلام آزاد کرنے کا ایک جذبہ خلق کیا۔ غلامی کو برادری تک پہونچادیا۔ غلاموں کو بڑے بڑے عہدے دیئے اہم مسائل میں ان پر اعتماد کیا۔

مقتل عقبہ بن سمعان میں ہم نے حضرت عقبہ غلام جناب رباب کی تاریخی عظمت پر تبصرے کئے ہیں اور ان کو واقعہ کربلا کے عینی مشاہد کی حیثیت سے پیش کیا ہے حضرت سلیمان بھی اس سلسلے کی ایک سنہری کڑی ہیں یہ قافلہ شہدائے کربلا کے پیغمبر ہیں۔

کربلا کا صور انقلاب { اموی حکومت نے اسلامی تفوق مٹا ڈالے زندگی کا رشتہ اخلاق سے جدا کر لیا سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہ کا انتقال ہوگیا۔ اموی گورنر نے مرکز کے حکم کے مطابق امام حسینؑ کے سامنے بیعت یزید کا سوال رکھا۔ اموی حکومت کے طرز جہانبانی خصوصاً یزید کے افعال وکردار سے عرب کا بچہ بچہ واقف تھا۔ صحابہ و تابعین میں کچھ لوگوں نے یزید کے طرز زندگی پر تنقید بھی کی لیکن امام حسینؑ کی طرح کسی نے ہمت و عزیمت سے کام نہیں لیا حضرت نے صاف صاف انکار کردیا کہ یزید کی بیعت مجھ سے ممکن نہیں ہے اسلامی قیادت کی کوئی صفت یزید میں نہیں ہے یزید کی خواہش یہ تھی کہ اگر حضرت بیعت نہ کریں تو بجائے میدان جنگ کے مدینہ یا مکہ یا کسی دوسری جگہ اچانک حضرت کو قتل کردیا جائے۔ امام حسین علیہ السلام نے صور انقلاب پھونکا اور اپنی قربانی سے مردہ دلوں کو زندہ کیا۔ آپ نے آزادیٔ ضمیر کا پیام ہر شخص کو پہونچایا۔ اگر حضرت مدینہ میں قتل ہو جاتے تو آپ کا پیام محدود ہو کر رہ جاتا آپ نے مدینہ چھوڑا، مکہ میں فروکش ہوئے مکہ میں بھی حکومت نے جاسوس مقرر کر دیئے تاکہ اچانک آپ قتل کر دیئے جائیں اور حکومت آپ کے قتل کی ذمہ داری سے بچ جائے دور دور یہ خبر پھیلنے لگی کہ یزید کو اپنی بیعت پر امام حسینؑ سے اصرار ہے اور حضرت اس کی بیعت کو خلاف شرع سمجھتے ہیں یزید حضرت کے قتل کے درپے ہے۔ اہل کوفہ نے حضرت کے سامنے ایک پناہ گاہ کی پیش کش کی اور اپنی اصلاح کے لئے آپ کو دعوت دی۔ امام حسینؑ نے اپنے متعلقین کو چند مقامات پر اپنے نقطہ نظر کی وضاحت کے سلسلے میں خط لکھے۔ کوفہ میں حضرت نے جناب مسلم کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ افسوس ہے کہ وہ کل خطوط جو حضرت کے پاس آئے اور حضرت نے جو جوابات دیئے آج محفوظ نہیں

ہیں - ورنہ تاریخ و شریعت کے بہت سے مسائل ان سے حل ہو جاتے - اہل بصرہ کو بھی حضرت نے خط لکھا تھا - کربلا کے سلسلے میں بصرہ کے رجحانات پر اہل قلم نے ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی - مراثی میں بھی ادھر خیال نہیں گیا - اس عنوان سے اس سلسلہ کا آغاز کیا جاتا ہے۔

امامؑ کا قاصد بصرہ میں

بصرہ کے شمال میں فرات جنوب میں خلیج بصرہ اور مشرق میں حدود ایران اور مغرب میں نجد سے ملا ہوا صحرا ہے سنہ ۱۴ھ (سنہ ۶۳۵ء) میں اسے خلیفہ دوم نے آباد کیا تھا - یہاں سفید و نرم پتھر ہوتے تھے اسی مناسبت سے اس مقام کا نام بصرہ رکھا گیا - عرب و ایران سے جنگ کا سلسلہ جاری تھا اس لئے اسے فوجی چھاؤنی کی حیثیت دی گئی اس کی آبادی نہایت تیزی سے بڑھنے لگی - بعض مورخ لکھتے ہیں کہ خلیفہ دوم نے ستر ہزار خاندان یہاں آباد کئے (مختصر تاریخ البصرہ علی ظریف الاعظمی ۱۳ مطبوعہ بغداد سنہ ۱۹۲۷ء)

نیکی و بدی کی کشمکش اور تاریخی حوادث میں بصرہ کا خاص حصہ رہا ہے - جنگ جمل بصرہ کی سرزمین پر ہوئی بصرہ سے متعلق امیر المومنینؑ کے بہت سے خطوط اور ارشادات نہج البلاغہ وغیرہ میں ہیں! جب اموی حکومت قائم ہو گئی تو بصرہ پر متعدد گورنر مقرر ہوئے سنہ ۴۵ھ میں زیاد بصرہ کا گورنر مقرر ہوا سنہ ۵۳ھ میں اس کا انتقال ہو گیا سنہ ۵۵ھ میں ابن زیاد یہاں گورنر مقرر ہوا سنہ ۵۶ھ میں جب امیر معاویہ نے یزید کی بیعت کی تحریک چلائی تو ابن زیاد نے اس میں کافی حصہ لیا - اسی سال رجب میں معاویہ کا انتقال ہو گیا تو یزید نے بھی اسے اس جگہ رکھا - حضرت مسلمؑ کے کوفہ پہونچنے کے بعد امام حسینؑ کے نقطہ نظر کی ہمنوائی میں عام طور پر دلچسپی لی جانے لگی - کوفہ کے گورنر نعمان بن بشیر نے اس رجحان کو قوت سے دبانا پسند نہیں کیا - یزید کو ضرورت محسوس ہوئی کہ نعمان کو معزول کر کے کوئی دوسرا گورنر مقرر کرے "سرجون" غلام سے جب یزید نے مشورہ کیا تو اس نے بتایا کہ معاویہ کی تحریر موجود ہے جس میں ابن زیاد کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا ہے' یزید نے ابن زیاد کو کوفہ اور بصرہ دونوں جگہ کا گورنر نامزد کر دیا - ابن زیاد صبح کو کوفہ روانہ ہونے والا تھا کہ امام حسین علیہ السلام کے نامہ بر حضرت سلیمان بن ابو رزین امام حسین علیہ السلام کا خط لیکر بصرہ پہونچے۔

سلیمان کا نسب اور ضروری تعارف

ان کی ماں کا نام کبشہ تھا یہ امام حسینؑ کی کنیز تھیں حضرت نے ان کو ایک ہزار درہم میں خریدا تھا یہ امام کی زوجہ ام اسحاق بنت طلحہ بن عبید اللہ تیمیہ کی خدمت کرتی تھیں حضرت نے اس کنیز کی شادی ابو رزین سے کر دی جن سے سلیمان پیدا ہوئے - بعض علما نے ان کو امام حسن علیہ السلام کا غلام لکھا ہے لیکن زیادہ تر تاریخوں میں انہیں امام حسینؑ کا غلام لکھا ہے - شیخ طوسی نے اپنے رجال میں اور ابن داؤد نے اپنے رجال میں یہ لکھا ہے کہ سلیمان امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوئے اس سے لوگوں کو یہ گمان ہوا کہ ان کی شہادت کربلا میں واقع ہوئی۔ حالانکہ اکثر و بیشتر تاریخیں ان کو بصرہ میں قاصد تحریک کربلا کی حیثیت سے پیش کرتی ہیں زیارت ناحیہ میں بھی ایک فقرے سے یہ گمان پیدا ہوا ہے زیارت کے الفاظ یہ ہیں۔

السّلام علی سلیمان مولی الحسینؑ بن امیر المومنینؑ ولعن اللہ قاتلہ سلیمان بن عوف الحضرمی۔

یعنی امام حسینؑ کے غلام سلیمان پر سلام جن کو سلیمان بن عوف حضرمی نے قتل کیا۔

ان سب مقامات کو پیش نظر رکھ کے جن سے یہ گمان پیدا ہوتا ہے کہ سلیمان کربلا میں شہید ہوئے علامہ شیخ عبد اللہ مامقانی نے تنقیح المقال فی اسماء الرجال ۹۵/۲ میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ سلیمان اگرچہ شہید تو بصرہ میں ہی ہوئے ہیں لیکن وہ شہدائے کربلا کی فہرست میں شامل ہیں۔

المقتول فی رسالتہ کالمقتول بالطف فی الشرف والسعادۃ

جو امام کے پیام کے پہونچانے کے سلسلہ میں شہید ہوا وہ شرف و سعادت میں انہیں کے ہم پلہ ہے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

خط کا مضمون

امام حسینؑ نے احنف بن قیس بن عبد اللہ بن معمر، قیس بن ہیثم، مالک بن مسمع مسعود

جو عمر منذر بن جارود کے نام ایک ہی مضمون کا خط تحریر فرمایا تھا ابو حنیفہ دینوری م ۲۸۲ھ (اخبار الطوال ص ۲۳۲ مطبوعہ مصر) نے خط کی عبارت یہ لکھی ہے فانی ادعوکم الی احیاء معالم الحق و اماتة البدعة فان تجیبوا تهتدوا سبیل الرشاد۔

میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ حق کے آثار کو زندہ کرو اور بدعت کو فنا کرو اگر تم میری دعوت پر لبیک کہو گے تو تم راہ راست پا جاؤ گے ابن اثیر جزری م ۶۳۰ھ نے تاریخ کامل ج ۴ ص میں لکھا ہے وانا ادعوکم الی کتاب الله وسنة نبیه فان السنة قد ماتت والبدعة قد احییت۔

"حضرت نے انہیں کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف بلایا اور فرمایا کہ سنت مردہ کر دی گئی ہے اور بدعت زندہ کر دی گئی ہے"

یہ خط اگرچہ بہت مختصر ہے لیکن ان کے لئے مختصر نہ تھا جو اس دور سے گزر رہے تھے اور جن کی آنکھوں کے سامنے کتاب اللہ پس پشت ڈال دی گئی تھی سنت پیغمبر دفن کی جا رہی تھی اور بدعت و لادینی کا استقبال کیا جا رہا تھا امام کے ان چند الفاظ نے اہل البصرہ کے پیش نظر اس عہد کی مجسم تصویر رکھ دی زیادہ مفصل خط کی اس وقت ضرورت ہوتی جب کہ اموی احوال کی نجاست سے صرف حضرت واقف ہوتے اور اہل البصرہ بے خبر ہوتے لیکن جب کہ اموی کردار کے چرچے عام طور پر ہر زبان پر تھے خط میں صرف مجمل اشارہ ہی کافی تھا۔

حضرت سلیمان کی شہادت

امام کا یہ خط جس نے بھی پڑھا حکومت کے خوف سے اسے راز میں رکھا۔

"منذر بن جارود کو یہ اندیشہ ہوا کہ شاید یہ قاصد ابن زیاد کا جاسوس ہے" ابو حنیفہ دینوری نے لکھا ہے۔

منذر کی لڑکی (بحریہ) ابن زیاد سے منسوب تھی منذر کو خیال ہوا کہ کہیں میری آزمائش کے لئے امام حسین علیہ السلام کے نام سے ابن زیاد نے یہ خط تصنیف نہ کر لیا ہو۔ منذر قاصد کو لے کر ابن زیاد کے پاس پہنچے اور خط کے مضمون کی ابن زیاد کو اطلاع دی ابن زیاد نے شہید وفا حضرت سلیمان کو قتل کر دیا رضوان اللہ علیہ و برکاتہ۔

قتل کی تفصیلات سے تاریخی صحائف خالی ہیں کسی نے لکھا ہے کہ سولی دی گئی کسی نے لکھا ہے قتل کئے گئے لیکن آپ کی وفاداری و اخلاص و ہمت و دلیری کی قسم کھائی جا سکتی ہے آپ کی قربانی کی یاد بہت سے دلوں میں جوش پیدا کر دے گی اور حق و صداقت کے تحفظ کے لئے ہمیشہ لوگوں کو ابھارتی رہے گی اور خطروں کے مقابلہ کے لئے آمادہ کرتی رہے گی بصرہ میں بہت سے مشاہیر کے مزارات ہیں جو اپنے عہد میں شہرت کے مالک تھے اور آج بھی علم و ادب کی دنیا میں ان کی یاد تازہ ہے لیکن ان میں سے کوئی بھی حضرت سلیمان کے اوج کو نہیں پہنچ سکتا۔ شہید اپنے مقدس خون سے نئی زندگی کے چہرے کو نکھار دیتا ہے شہید کی قربانی آہنی عزم پیدا کرتی ہے شہید گمنام ہونے کے باوجود ہمیشہ مصنف و ادیب و شاعر و فقیہ و معلم پیدا کرتے رہتے ہیں حضرت سلیمان کہنے کو غلام تھے لیکن آج شہادت کے شرف سے ممتاز ہیں وہ اس بلند مقام پر ہیں جہاں شاہوں کی رسائی نہیں ان کی بلندی پر علماء حسرت کی نظر ڈالتے ہیں اور حکماء و ربانیین رشک کرتے ہیں واقعہ کربلا کا جب بھی مطالعہ ہوگا اس کی تمہید میں حضرت سلیمان کا ذکر خیر ضرور ہوگا۔

علی طالب الشطی مصنف مختصر تاریخ البصرہ (ص ۴۳) واقعہ کربلا کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

سودت هذه الحادثة المولمة صحائف تاريخ بني امية

"اس المناک حادثہ نے بنی امیہ کی تاریخ کو سیاہ کر دیا"

حضرت سلیمان کی شہادت واقعہ کربلا سے جدا نہیں کی جا سکتی جس طرح بنی ہاشم کے قتل نے علویوں و فاطمی جوانوں کی خونریزی نے جس طرح انصار امام کی شہادت نے اموی تاریخ کو سیاہ بنا دیا ہے اسی ذیل میں حضرت سلیمان کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا حضرت سلیمان کو ہرگز [illegible] شہادت ہمیشہ اہل معرفت کو متاثر کرتی رہے گی اور جب بھی ان کی شہادت کا ذکر ہوگا اموی حکومت سے دلوں میں نفرت پرورش پاتی رہے گی اور حق کی حمایت کے لئے دل میں شجاعت اور ارادہ میں قوت، نیت میں خلوص کی موجیں اٹھتی رہیں گی۔

حسینی سفیر

جناب نجیب الحسن صاحب صوری قمر پوری

موجودہ دور آزادی ہے جبکہ دنیا میں جمہوری نظام نہیں جگہ جگہ قائم ہوگئی ہیں یا قائم ہو رہی ہیں۔ ہر ملک میں سفیر کا لفظ عام فہم ہوگیا ہے۔ ایک حکومت کا نمائندہ جو دوسری حکومت میں رہ کر سفارت انجام دیتا ہے ایک اہم حیثیت رکھتا ہے۔ کسی ملک کا سفیر اپنے ملک کا اور اپنی سرکار کا دوسرے ملک میں ذمہ دار نمائندہ ہوتا ہے اس کی ہر حرکت و عمل گویا براہ راست اسی کی حکومت کا عمل ہوتا ہے۔ تاریخ پر نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ قبل مسیح اور بعد مسیح جو نہی جب معاشرہ میں حکومت نے جنم لیا کار سفارت کسی نہ کسی شکل میں ہوتا رہا۔ "سفیر" کا لفظ نہیں "سفارت" تو مسلم دکھائی پڑتی ہے۔ خواہ سفیر کا نام کچھ بھی رہا ہو لیکن اس کا کام اس وقت بھی وہی تھا جو آج ہے۔ ایک ملک کے سفیر کے جان و مال کی ذمہ داری دوسرے ملک کی حکومت پر عائد ہوتی تھی اور آج کل بھی ایسا ہی ہے۔ اگر اتفاقاً کسی سیاسی بنیاد پر ملکوں میں جنگ ناگزیر ہو تو سفیر ہر دور میں بحفاظت اپنے ملک میں پہنچا دیا جاتا ہے۔ ہر زمانے میں سفیر کا قتل ایک ایسے گناہ کی حیثیت رکھتا ہے جس کی تاریخ نا منظور ہے۔ کسی ملک کی بد اخلاقی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس ملک میں دوسرے ملک کا سفیر قتل کر دیا جائے۔ خواہ قتل کا سبب حکومت ہو یا عوام ہوں۔

آج ہم ایک ایسے سفیر کا حال لکھیں گے جس کو قتل کر کے کوفہ کے عوام نے انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگایا تھا۔ وہ کوفہ جو حضرت علی علیہ السلام کا دارالخلافت رہ چکا تھا۔ وہیں کے باشندوں نے حضرت علیؑ کے بھتیجے حضرت مسلمؑ کو شہید کر ڈالا۔ اور اپنی بے وفائی و دغا بازی میں خود مثال بن کے رہ گئے۔

حضرت مسلمؑ خاندان بنی ہاشم کی ممتاز فرد تھے۔ اور عرب کے بہادروں کی پہلی صف میں آتے تھے۔ حضرت امام حسینؑ نے انکو اپنا نائب اور سفیر بنا کر کوفہ روانہ فرمایا تھا۔ مسلمؑ علم میں ممتاز، فن حرب میں یکتا اور فن تقریر میں فرید تھے۔ ان کے باپ کا نام حضرت عقیل تھا۔ اس طرح یہ ابو طالب کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ابو طالب نے اسلام کے پھیلانے میں رسولؐ کی حمایت کی۔ عقیل نے حضرت علیؑ کا ہاتھ بٹایا اور مسلمؑ نے حسینؑ کی مدد کی۔ اسلام پر جان نثار کرنا جناب مسلمؑ کی سرشت میں تھا۔

واقعات یوں بیان کئے جاتے ہیں کہ معاویہ کے مرنے کے بعد یزید شام کا بادشاہ ہوا اور بلاد اسلامی پر حکومت کرنے لگا۔ دولت کے نشہ میں چور اموی تاجدار نے فسق و فجور کو فروغ دیا اور نفاق کا وہ پودا جس کو اوروں نے لگایا تھا۔ اس کے زمانے میں تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ یزید نے امام حسینؑ سے بیعت چاہی لیکن اس کی نجس خواہش پوری نہ ہوئی۔ حسین علیہ السلام کو ہر طرح سے مجبور کیا جانے لگا یہاں تک کہ فرزند رسول نواسۂ پیغمبر امام حسین علیہ السلام نے نانا کی پیروی کی اور مدینہ رسولؐ سے ہجرت فرمائی۔ اب امام کہاں جائیں کس جگہ آپ کو امان مل سکتی ہے یہ ایک اہم مسئلہ تھا جسے امام حسینؑ کو حل کرنا تھا۔

کوفے کے عمائد اور شہریوں نے بارہ ہزار یا اس سے زائد خطوط حسینؑ کی خدمت میں روانہ کئے تھے۔ اور ان کو کوفہ آنے کی دعوت دی تھی۔ امام حسینؑ کو بتلایا گیا تھا کہ کوفے کے باشندے حسینؑ کی محبت میں سرشار ہیں اور حسینؑ ہی کے ہاتھوں پر بیعت کر کے دینی و دنیوی کامیابیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

بعض خطوط کا مضمون یہ تھا لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک علی الحق ۔

یعنی یہ ہے کہ ہم امام و پیشوا نہیں رکھتے ہیں جلد تشریف لائیے شاید خدا حق کو ہمارے ہاتھ پر جاری کرے ۔ ایسی حالت میں جبکہ رسولؐ کی امت حق سے مایوس ہو چکی تھی۔ (خلاصۃ المصائب صفحہ ۱۴)

کفر و الحاد میں پھنسنے والی تھی حسین علیہ السلام کا بحیثیت امام کے اس کی مدد کرنا ضروری تھا۔ کوفہ سے آئے ہوئے خطوط میں امام حسینؑ علیہ السلام کو اس امر کا یقین دلایا گیا تھا کہ اہل کوفہ راہ ہدایت کی تلاش میں ہیں اور نصرت حق کے لیے تیار ہیں ۔

امام حسینؑ علیہ السلام کے لیے جن کا کام ہدایت کرنا تھا اور جنھوں نے صرف تبلیغ حق کی خاطر گھر بار چھوڑا تھا یہ ضروری تھا کہ کوفہ تشریف لے جائیں۔ امام حسینؑ نے کوفہ پہنچنے کے قبل اپنے بھائی حضرت مسلمؑ کو اپنا نائب اور سفیر بنا کر کوفہ روانہ کیا تاکہ وہاں کے عوام کی ذہنیت کا صحیح اندازہ لگ سکے ۔ حسینؑ کا یہ سفیر کوفیوں کا بلایا ہوا مہمان تھا اور محض ان کو ہدایت کی روشنی دکھانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ کوفیوں کا یہ مہمان ان کی میزبانوں کے دست ظلم کا شکار ہو گیا کوفیوں نے اپنی دغا کا ثبوت دیا اور حسینیؑ سفیر کو بے یار چھوڑ دیا اور اعتماد و سفارت کا یہ امین کوفہ میں شہید کر ڈالا گیا ۔

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ جناب مسلمؑ ابن عقیل حضرت امام حسینؑ علیہ السلام سے رخصت ہو کر کوفہ پہنچے ۔ پیکر صدق و صفا جان اعتماد و روح وفا حضرت مسلمؑ کی ابتدا میں اہل کوفہ نے بڑی قدر و منزلت کی اور ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے آ آ کر حضرت مسلمؑ کے دست مبارک پر بیعت کی۔ قریب تھا کہ کوفہ کی حکومت کا تختہ الٹ جاتا لیکن افسوس وہ صورت باقی نہ رہ گئی ۔ جناب مسلمؑ نے حالات سے امام حسینؑ علیہ السلام کو مطلع کیا اور لکھا کہ اہل کوفہ برابر بیعت کرنے چلے آتے ہیں اور دوستوں کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود ہے کوفہ کا تو لائی رنگ دیکھ کر ایک ملعون نے جس کا نام عبداللہ حضرمی تھا یزید کو لکھا کہ کوفہ میں دوستداران اہل بیت کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اور یزیدی حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں۔ یزید نے ان واقعات سے مطلع ہو کر ایک حاکم فاسق عبید اللہ ابن زیاد کو تحریر کیا کہ وہ جلد کوفہ پہنچ کر وہاں کی گورنری اختیار کرے اور لکھا کہ لا تدعی من نسل علی الا قتلہ ایک شخص کو اولاد علی سے جیتا نہ چھوڑنا ۔ یہ حاکم یزید پلید کے حکم سے کوفہ پہنچا اور لوگوں کو جمع کر کے منبر پر گیا اور کلمات تخویف و تہدید یزید کی جانب سے بیان کیے مجمع میں خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ ایک دوسرے سے مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ بادشاہوں کے معاملات میں دخل دینا غیر مناسب ہے اور یہ کہہ کر وہ بدعہد و پُر دغا اپنے صحیح رنگ و روپ میں ظاہر ہو گئے ۔ مسلمؑ کی عزت کا خیال کیے بغیر اہل کوفہ نے حضرت سے ربط و ضبط ختم کر دیا ۔

ان واقعات کی روشنی میں ہم ان کوفیوں کے کردار سے بخوبی آشنا ہو گئے اور ہماری سمجھ میں آ گیا کہ وہ بزدل اور نامرد وفا کا نام تک نہ جانتے تھے عہد ان کے نزدیک غیر مستحکم بالو کے محل سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ ان کے دلوں میں شمع ایمان جلوہ گر نہ تھی اور ذہن تاریک تھے یہی تو وجہ تھی کہ انھوں نے حضرت مسلمؑ کا ساتھ چھوڑ دیا ۔ حاکم کا خوف ان کے دلوں پر ایسا مسلط تھا کہ خوف خدا کے لیے کوئی جگہ ان کے قلوب میں باقی نہ رہ گئی تھی ۔

ہر جگہ بروں میں دو چار اچھے بھی ہوتے ہیں چنانچہ جب حضرت مسلمؑ کوفہ میں بے یار بیکس اور تنہا ہوئے تو آپ نے ایک مرد مومن ہانی ابن عروہ کے گھر میں پناہ لی۔ ہانی محبت اہلبیتؑ کو دنیا پر ترجیح دینے والوں میں سے تھے اور مومن تھے اور مومن سرفروش ہوتا ہے وہ خاندان رسالت کی ایمان پرور ذات جناب مسلمؑ کو پناہ دینا اپنے لیے فخر سمجھتے تھے ۔ ہانی بن عروہ کا یہ فعل حاکم کوردل کی نگاہ میں جس کی آنکھوں پر امارت اور دنیاوی عشرت و جاہ کے پردے پڑے تھے بڑا گناہ اور جرم ثابت ہوا اور اس نے اس بوڑھے مومن ہانی کو شہید کر دیا۔ اب تو جناب مسلمؑ کوفہ میں مکمل طور پر غریب اور بے یار ہو گئے ۔ ہانی کے واقعہ نے لوگوں کو ایسا خوف زدہ کر دیا تھا کہ کوئی مسلمؑ کو اپنے مکان کے قریب بھی کھڑا نہ ہونے دیتا تھا ۔ کوفہ کی اس نفاق پرور فضا کو دیکھ کر سفیر حسینی بہت پریشان ہوا اور چاہا کہ کسی صورت سے آقا و مولا حضرت امام حسین علیہ السلام کو واقعات کی تفصیل سے آگاہ کر دیا جائے تاکہ وہ کوفہ آنے کے

ارادے سے باز رہیں لیکن مجبوریوں نے جناب مسلمؑ کی تمنا کو پورا نہ ہونے دیا۔ اس عالم بیکسی میں جناب مسلمؑ کوفہ میں چھپے چھپے ادھر اُدھر پھرتے رہے بھوک اور پیاس کی سخت تکلیف کے باعث ایک مکان کی دیوار سے سہارا لیکر بیٹھے۔ وہ مکان ایک زن مومنہ طوعہؑ کا تھا۔ طوعہ اتفاقاً مکان سے برآمد ہوئی جناب مسلمؑ نے اس سے پانی طلب کیا اس نے پانی حاضر کیا۔ پانی پینے کے ایک ساعت بعد تک مسلمؑ طوعہ کے گھر ہی پر اسی طرح بیٹھے رہے۔ طوعہ نے کہا کہ اے بندۂ خدا اٹھو اور اپنے گھر جاؤ زمانہ پُر آشوب ہے۔ حضرت مسلمؑ نے فرمایا "میں اس شہر میں غریب الوطن ہوں اور کوئی مکان نہیں رکھتا اور نہ یہاں میرا کوئی عزیز ہے نہ قریب ہے میں اس شہر میں بے یار و مددگار ہوں۔ آج کی شب تم مجھے اپنے گھر میں جگہ دو فردائے قیامت میں رسولؐ خدا تمھیں بہشت میں جگہ دیں گے۔ رسولؐ کا نام سنتے ہی زن مومنہ فرط محبت رسول سے اچھل پڑی اور کہا تم کون ہو۔ جناب مسلمؑ نے فرمایا اے طوعہ میں ہوں بے خانماں مسلم بن عقیل۔ نام سنتے ہی وہ زن مومنہ حضرت مسلمؑ کو مکان کے اندر لے گئی اور ایک کمرے میں مقیم کر دیا۔ طعام و آب حضرت کے لیے حاضر کیا لیکن حضرت کو اس عالم پریشانی میں بھوک پیاس کا خیال کہاں۔ رات بھر آپ جاگتے رہے اور عبادت خدا میں مصروف رہے۔ تھوڑی دیر گذرنے کے بعد طوعہ کا ملعون بیٹا آیا جس نے بار بار طوعہ کو جناب مسلم کے کمرے میں آتے جاتے دیکھا اس نے طوعہ سے حالات کا انکشاف چاہا طوعہ نے بتانے سے انکار کیا۔ اس ملعون نے بڑی منتیں کیں۔ طوعہ نے اپنے لڑکے کو اس وعدے پر حالات سے واقف کر دیا کہ وہ اس راز کو دوسروں سے چھپائیگا۔ رات تو ملعون نے کسی نہ کسی طرح کاٹی صبح ہوتے ہی وہ ابن زیاد کے پاس گیا اور تمام واقعات سے اسکو آگاہ کر دیا۔ مسلمؑ ادھر نماز صبح سے فارغ ہوئے ادھر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ اللہ رے غیور مسلمؑ کسی طرح بھی طوعہ کے گھر کی بے حرمتی برداشت نہ کی۔ اور تلوار لگا کر مکان سے باہر تشریف لائے۔ اور ایک دیوار کے سہارے کھڑے ہو گئے۔ ابن زیاد نے حضرت مسلمؑ کی گرفتاری کے لیے محمد ابن اشعث کو بھیجا تھا، جب مسلمؑ سے محمد اشعث اور اس کے ساتھیوں نے جنگ کی تو حضرت مسلمؑ نے ڈیڑھ سو منافقین کو واصل جہنم کیا۔ ابن اشعث نے مزید کمک ابن زیاد سے طلب کی۔ ابن زیاد نے کہلا بھیجا کہ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے۔ ایک آدمی تمہارے اتنے آدمی کو قتل کر دے اور تو باوجود فوج کے اسکو گرفتار نہ کر سکے۔ ابن اشعث نے جواباً لکھا کہ اے امیر کیا تو نے اسے کوفہ کے کسی بقال کی گرفتاری سمجھ رکھا ہے بنی ہاشم کے مشہور بہادر شیر بیشۂ شجاعت مسلمؑ کو گرفتار کرنا سہل نہیں۔

الغرض ابن زیاد نے مزید کمک بھیجی پھر بھی جناب مسلمؑ کو گرفتار نہ کر سکے۔ جب ابن اشعث نے دیکھا کہ کافی لوگ قتل ہو چکے ہیں تو اس نے فوج والوں کو حکم دیا کہ پیچھے ہٹیں تاکہ جناب مسلمؑ مردانہ وار لڑتے ہوئے بڑھیں اور کہا کہ راستہ میں ایک کنواں کھود کر اس پر خس و خاشاک ڈال دیا جائے تاکہ دوران جنگ میں حضرت مسلمؑ دھوکے سے اس کنوئیں میں گر جائیں اور گرفتاری عمل میں آسکے۔ ان مکار سیاست دانوں نے بزدلانہ ذہنیت کے تحت یہ تمام ترکیبیں کیں۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جناب مسلمؑ لڑتے لڑتے یکبارگی کنوئیں میں جا رہے۔ اور جیوں ہی وہ جناب کنوئیں میں گرے ابن اشعث نے تلوار کا ایک ایسا وار کیا کہ حضرت کا ایک لب کٹ گیا۔ بہر حال جناب مسلمؑ کو ان ترکیبوں سے گرفتار کر لیا گیا۔ گرفتار ہو جانے کے بعد جناب مسلمؑ ابن زیاد کے سامنے لائے گئے۔ انھوں نے ابن زیاد ملعون کو سلام نہ کیا اور وہ کیوں ایسا کرتے وہ تو صلح و سلام حضرت امام حسینؑ کے سفیر تھے۔ حسینی سفیر کی شان سے بعید تھا کہ وہ حاکم ظالم اور سفاک سرشت کو سلام کریں ابن زیاد نے جناب مسلمؑ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ مظلوم مسلم نے فرمایا کہ اے ملعون اگر تو مجھے قتل کرنا چاہتا ہے تو قتل کر دے مجھے اس کی پروا نہیں۔ بنی ہاشم کی افراد کا زیور شہادت ہے۔ وہ راہ حق میں جاں نثاری عین مقصد حیات سمجھتے ہیں۔ لیکن میری کچھ وصیتیں ہیں اگر کوئی قبیلہ قریش کا ہو تو اس سے کہہ دوں تاکہ وہ پوری کر دے۔ ابن زیاد نے کہا کہ وہ کون کون وصیتیں ہیں جناب مسلمؑ کے کردار اور صفات کی اہلیت کا اندازہ ان کی وصیتوں سے بخوبی لگ سکتا۔ جناب مسلمؑ نے فرمایا کی پہلی وصیت میری یہ ہے کہ گواہی دیتا ہوں میں وحدانیت خدا اور نبوت رسولؐ خدا اور ولایت علی مرتضےؑ کی

اس وصیت کے ذریعہ جناب مسلمؑ نے کتنے عمدہ طریقے پر سید الشہداؑ کی نیابت کی اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ حسینؑ نے جس کو سفیر بنا کر بھیجا تھا اس نے کارِ سفارت کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور من وعن حسینی مشن کی ترجمانی مرتے دم تک کی۔ دوسری وصیت آپ نے یہ کی کہ میں مقروض ہو گیا ہوں لہٰذا میری زرہ بیچ کر میرا قرض ادا کر دیا جائے۔ آپ کی دیانت امانت کی جھلک اس وصیت میں موجود ہے۔ تیسری وصیت یہ تھی کہ جس نے یہ ظاہر کر دیا کہ آپ کس قدر قابلِ اعتماد تھے آپ نے فرمایا کہ میرے آقا و مولا حسینؑ کو مطلع کر دیا جائے کہ زمانہ ان سے برگشتہ ہے اور وہ کوفہ کی سمت آنے سے باز رہیں کہ اہلِ کوفہ ان کے ساتھ بھی دغا کریں گے جیسا کہ انھوں نے میرے ساتھ دغا کی۔

واہ رے صداقت شعار ایلچی مسلمؑ مرتے دم تک حسینؑ کی زندگی کا خیال رہا۔ کوفہ کے پر ہول اور غریب الوطن ماحول میں بھی اپنے آقا و مولا کی تحریک سے روگردانی نہ کی۔ کیوں نہ ہو ابو طالب کے گھرانے والوں کا تو وفا جوہر ہے۔ دنیا نے کربلا میں عباسؑ کی وفا دیکھی ہے جناب مسلمؑ کی زندگی سے ہم کو صداقت، شجاعت، بلند کرداری اور اعتماد کا سبق ملتا ہے مظلوم مسلمؑ کے واقعاتِ زندگی ہم کو درسِ عمل دیتے ہیں اور شمعِ ہدایت دکھاتے ہیں۔ وہ فرض شناس تھے اور دنیا کو فرض شناسی سکھا گئے۔ خود جامِ شہادت نوش کر لیا لیکن فرض کو نہ بھولے۔ اعتماد کی امانت میں خیانت نہ کی۔

امام کا جواب جناب مسلم بن عقیل کو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حسین ابن علیؑ کی سے ان کے چچا کے بیٹے مسلم بن عقیل کی طرف۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں دل کی کمزوری ہی نے تمھیں یہ خط لکھنے پر آمادہ نہ کیا ہو جس میں تم نے معافی چاہی ہے۔ اس طرف جانے سے جدھر میں نے تم کو روانہ کیا ہے۔

اے میرے بھائی! میں جدھر تمھیں روانہ کیا ہے بلا تامل اُدھر متوجہ رہو۔ میں نے اپنے نانا محمد مصطفٰیؐ کو ارشاد فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ ہم اہلِ بیت میں سے وہ نہیں جو بُرا شگون لے یا جس کے ذریعہ شگون لیا جائے۔ لہٰذا جب میرا یہ خط تمھاری نظر سے گزرے تو جدھر کا میں نے حکم دیا ہے اُدھر روانہ ہو جاؤ۔ تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔

ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ

جناب سید نواب علی رضا صاحب سفیر سندیلوی مرحوم

ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ صحابی رسول و علی ابن ابی طالب کے مصاحب بافتہ تھے یعنی شیعیان علیؑ میں سے تھے یہ کوفہ کے رہنے والے تھے اور شہر کوفہ میں بزرگ اور محترم مانے جاتے تھے سنہ ۶۰ھ میں ہانی بن عروہ کی عمر نواسی برس کی تھی کہ سنی کی وجہ سے قوائے جسمانی جواب دے رہے تھے چلنے پھرنے کی طاقت نہ تھی اس لئے خانہ نشین تھے ان کی جسمانی کمزوریوں کے باوجود ہانی بن عروہ کی ایمانی طاقت زبردست تھی۔ قرآن کی آیت مودۃ اور پیغمبر خدا کی حدیث ثقلین کے پورے عامل تھے۔ نواسی برس کے سن میں ہانی رضی اللہ عنہ نے اہلبیت رسول کے ساتھ بے مثل رفاقت کا ثبوت دیا اور محبت آل رسول میں وہ تکلیف اٹھائی جو ایک ضعیف العمر کیلئے ناقابل برداشت تھی یہاں تک کہ سخت ترین اذیت جسمانی کے ساتھ درجہ شہادت حاصل کیا۔ ہانی بن عروہ کی شہادت بھی جنگ کربلا کی پیش خیمہ ہے۔ ہانی بن عروہ، مسلم بن عقیل، قیس بن مسہر صیداوی۔ یہ تین بزرگوار قبل از جنگ کربلا شہر کوفہ میں شہید ہوئے ان میں سے ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ کے حالات شہادت کتب تواریخ میں اس طرح درج ہیں۔

سنہ ۶۰ھ میں جب اہل کوفہ کی دعوت پر فرزند رسول امام حسین علیہ السلام نے اپنے بھائی مسلم کو بطور اپنے نائب کے کوفہ روانہ کیا اور اٹھارہ ہزار کوفیوں نے جناب مسلم کی بیعت کرکے پھر شرمناک بے وفائی کی اور عبداللہ بن زیاد کے مطیع بن کر جناب مسلم کو تنہا چھوڑ دیا۔ چنانچہ جب جناب مسلم کوفہ میں بے یار و مددگار ہو گئے تو سواد اعظم کی کتاب روضۃ الشہدا میں ہے (ترجمہ فارسی) حضرت مسلم نے ہانی بن عروہ کے گھر جا کر کہا کہ اے ہانی میں غریب الوطن ہوں کوفیوں کی بے اعتنائی کا خیال کرکے تمہاری پناہ میں آیا ہوں تاکہ تم دشمنوں کے شر سے مجھے بچاؤ اور میری حمایت کرو۔ ہانی نے قبول کرکے اپنے گھر میں ان کے لئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا اور کہا کہ آپ اس میں بہ سلامت و عافیت قیام فرمائیں۔

چنانچہ جناب مسلم ہانی بن عروہ کے گھر میں پناہ گزین تھے اور اس کا حال کسی کو معلوم نہ تھا ابن زیاد بدنہاد جناب مسلم کی تلاش میں تھا چنانچہ اس نے اپنے غلام معقل نامی کو تین ہزار درہم دیکر کہا کہ جس طرح ممکن ہو مسلم کا پتہ لگائے۔ معقل نے نہایت چالاکی اور مکاری کے ساتھ پتہ لگایا اور اپنے آقا ابن زیاد کو بتلایا کہ جناب مسلم ہانی بن عروہ کے گھر میں ہیں اس وقت ہانی بن عروہ بیمار تھے۔ عبیداللہ بن زیاد نے ابن اشعث اور اسماء بن خارجہ کے ذریعہ سے ہانی کو طلب کیا۔ یہ دونوں شخص ہانی کے یہاں گئے اور سواری پر ابن زیاد کے پاس لائے ابن زیاد نے جناب مسلم کا حال دریافت کیا۔ ہانی نے پہلے چھپانا چاہا لیکن جب ابن زیاد کے غلام معقل نے تصدیق کی تو کہا کہ وہ بلا طلب میرے یہاں آئے اور میں نے ان کو پناہ دی۔ عبیداللہ بن زیاد نے کہا اچھا ان کو پیش کرو۔ ہانی نے کہا یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ جس کو میں نے پناہ دی ہے اس کو دشمن کے حوالے کر دوں۔ الغرض ان کے بارے میں دونوں میں گفتگو ہوتی رہی اور سخت کلامی پر نوبت پہونچی ابن زیاد بدنہاد نے ہانی پر چھڑی کا وار کیا جس سے بوڑھے صحابی کی ناک ٹوٹ گئی اور خون بہنے لگا۔ دو شخص جو ہانی کو سواری پر ان کے مکان سے ابن زیاد کے پاس لائے تھے ان میں سے ایک شخص اسماء بن خارجہ

نے ابن زیاد کی یہ حرکت دیکھ کر کہا اے غدار ہم تیرے کہنے سے ہانی کو لائے تھے اور تو نے ان کے ساتھ یہ حرکت کی۔ ابن زیاد نے اسماء بن خارجہ کو اتنا پٹوایا کہ جاں بلب ہو گیا اس کے بعد ابن زیاد نے پھر ہانی سے کہا کہ تو اپنی جان کو دوست رکھتا ہے یا مسلم کو۔ ہانی نے جواب دیا میری ہزار جانیں مسلم پر فدا ہیں۔ یہ ہے صحابی رسول کی شان۔ جناب مسلم خدا کے حیدری تھے۔ اور فرزند رسول کے چچا زاد بھائی تھے۔ اسی لئے ہانی بن عروہ صحابی رسول خاندان رسالت کے ایک فرد پر دل و جان سے فدا تھے اور اپنی جان پر مسلم کی جان کو مقدم سمجھتے تھے۔

خانوادہ رسالت سے ہمدردی کی سزا

"عالم ضعیفی میں بعمر ۸۹ بحالت بیماری ہانی بن عروہ صحابی رسول سواری پر عبید اللہ بن زیاد کے حکم سے جو کوفہ میں یزید بن معاویہ کی جانب سے حاکم تھا لائے گئے تھے ان کے بارے میں ابن زیاد نے حکم دیا جیسا کہ روضۃ الشہدا میں ہے (ترجمہ فارسی) "ابن زیاد نے حکم دیا کہ ہانی کو برہنہ کر کے تازیانے لگائے جائیں جن کی عمر نواسی برس کی تھی اور وہ رسول خدا اور علی مرتضیٰ کی صحبت کا شرف حاصل کر چکے تھے دو چوبوں میں باندھ دئے گئے تھے ابن زیاد نے ان سے پھر کہا کہ مسلم کو لاؤ تو چھوڑ دئے جاؤ۔ ہانی نے جواب دیا کہ بخدا اگر تو مجھ پر بدترین عقوبت روا رکھے تب بھی پتہ نہ دوں گا۔ تو نہیں جانتا کہ جب سے میں نے اہلبیت محمدؐ کی راہ میں قدم رکھا تھا دنیا کی تمام تکلیفوں کو اپنے اوپر گوارا کر لیا۔ ابن زیاد نے حکم دیا کہ پانچسو کوڑے مارے جائیں پس ہانی صحابی رسول کو اس قدر کوڑے لگائے گئے کہ وہ بیہوش ہو گئے۔ حاضرین نے ابن زیاد سے کہا کہ یہ شخص اصحاب رسول سے ہے اس کو لکڑیوں سے کھول کر نیچے اتارنے کا حکم دے۔ چنانچہ ہانی نیچے اتارے گئے اسی وقت ان کا انتقال ہو گیا۔"

ہانی بن عروہ کی شہادت جناب مسلم کی شہادت سے پہلے واقع ہوئی، ہانی بن عروہ کی شہادت بھی دنیا میں بڑا عبرتناک واقعہ ہے اور اس واقعہ سے اہل دنیا کو دو عظیم سبق حاصل ہوتے ہیں۔

ایک سبق عبرت

نیابت رسول کے مدعی خلافت اسلامی کے دعویدار کا بھائی اور نائب جو حاکم کوفہ تھا (ابن زیاد) جانتا تھا کہ ہانی صحابی رسول ہیں۔ اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا کہ ہانی نواسی برس کے ضعیف العمر بحالت بیماری سواری پر آئے ہیں جو سمجھتا تھا کہ ہانی نے جناب مسلم کو پناہ دیکر اپنا ایک انسانی فرض ادا کیا ہے اتنی سی بات پر ابن زیاد پہلے اپنی چھڑی سے انکی ناک زخمی کرتا ہے پھر لکڑیوں میں بندھوا کر ایک بوڑھے اور بیمار شخص کو برہنہ کر کے پانچسو کوڑے لگواتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح جسم سے پرواز کر جاتی ہے یہ انتہائی ظلم بہمیت اور بے رحمی ہے اور خلافت اسلامیہ کی جانب سے یہ شرمناک کارروائی اسلام پر ایک شرمناک دھبہ ہے

دوسرا سبق اخلاق انسانی

ہانی بن عروہ جو صحابی رسول تھے انھوں نے اپنے طرز عمل سے اخلاق انسانی کا نمونہ پیش کیا۔

(۱) اخلاق محمدی کے مطابق ہانی نے ایک غریب الوطن کو اپنے گھر میں پناہ دی۔

(۲) ہانی نے خاندان رسالتؐ کی محبت اور رفاقت میں صحابی رسول کی حقیقی شان دکھا دی کہ رسول اللہ کے دوست اور صحبت میں بیٹھنے والے خاندان رسول کے فدائی اور جاں نثار ایسے ہوتے ہیں۔

(۳) ہانی نے ابن زیاد سے کہہ دیا اور عمل سے دکھلا دیا۔ راہ محبت آل محمدؐ میں قدم رکھنے کے بعد تمام دنیا کی تکلیفوں کو گوارا کر لینا چاہیئے۔

(۴) ہانی بن عروہ نے باوجود ضعیف العمر ناتواں اور بیمار

ہونے کے جناب مسلم کے سامنے پیش کرنے کا اقرار نہ کیا تاک زخمی ہوئی۔ خون جاری ہوا مگر خوے وفا نہ بدلا۔ برہنہ کئے گئے۔ دو بکڑیوں میں باندھے گئے پھر بھی وفا میں ثابت قدم رہے۔ بالآخر اس ناتواں جسم پر کوڑے مارے گئے۔ لکڑیوں میں بندھے تھے۔ تڑپنے کا موقع نہ تھا۔ صدہا تازیانے کھائے اور جان دے دی۔ لیکن وفا میں فرق نہ آنے دیا۔ ہائی آپ بے شک سچے صحابی رسول تھے۔ بے شک آپ محب آل محمدؐ تھے۔ بے شک آپ نے محبت آل محمد میں بہت تکلیف اٹھائی۔ دنیا آپ کی محبت ور رفاقت کو یاد کرے گی اور اس سے سبق لے گی۔ لیکن جس کی رفاقت میں آپ نے اپنی جان قربان کی وہ ذبح نہ سکا۔ مسلم کی موت آپکی موت سے بھی زیادہ سخت اور دردناک ہے اور مسلم جس کی رفاقت میں مارے گئے اس کی موت مسلم کی موت سے زیادہ سخت اور پُردرد ہے۔ دربار ابن زیاد میں آپ کی جان دیکھکر حاضرین کو اتنا تو خیال ہوا کہ یہ صحابی رسول ہیں۔ لکڑیوں میں بندھے ہیں کھولدیے جائیں۔ کاش آپ میدان کربلا میں دیکھتے کہ رسول اسلام جناب محمدؐ کے فرزند حسینؑ کی لاش جب گھوڑوں سے پامال کی جارہی تھی ہزاروں مسلمانوں میں سے کسی نے بھی نہ کہا کہ یہ رسول کا لخت جگر ہے۔ روح رواں ہے اس کی لاش پامال نہ کرو۔ بیشک آپ نے مسلم کی رفاقت میں اپنی جان فدا کی اور مسلم نے حسینؑ کی رفاقت میں اپنی جان نثار کی اور حسینؑ نے راہ خدا میں اپنا گلا کٹوایا اور کنبہ فدا کیا۔ رفاقت اور قربانیوں کے افسانے اہل عالم کے لئے انسانیت اور صراط مستقیم کے سبق ہیں۔

منزل رہیمہ پر آپ کا ایک ارشاد

ابو ہرم نے آپ سے دریافت کیا کہ فرزند رسول آپ کو آپ کے نانا کی قبر سے کس چیز نے چھڑایا تو آپنے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "بنو امیہ نے میری منزلت گھٹائی۔ میں نے صبر سے کام لیا، میرا مال لے لیا اس پر بھی میں نے صبر کیا لیکن اب میری جان کے پیچھے پڑگئے تو میں جان بچانے کی خاطر نکل کھڑا ہوا ہوں اور خدا کی قسم وہ مجھے قتل کرکے رہیں گے جس کی پاداش میں خدا انھیں ایسی ذلت دیگا جو سب کو شامل ہو گی اور تلوار کا مزہ چکھائیگا اور ان پر ایسے کو مسلط کریگا جو انھیں خوب ذلیل کرے گا اتنا کہ وہ قوم سبا[1] سے ذلت میں بڑھ جائیں گے۔

---

[1] قوم سبا پر ایک عورت حکمرانی کرتی تھی اور ان کے مال اور ان کی جانوں پر متصرف تھی۔ ۱۲

میر انیس کے مرثیے کے چند بند

شہادت حضرت مسلم

اترے رفیق خاص قریب خیام شاہ — کچھ فاصلے سے گرد فروکش ہوئی سپاہ
نکلا حرم سے حضرت خیر النساء کا ماہ — کرسی پہ جلوہ گر ہوا وہ عرش بارگاہ
ہر نخل غیرت شجر طور ہو گیا — صحرا خدا کے نور سے معمور ہو گیا

اس دن بہت اداس تھا زہرا کا یادگار — زردی تھی رخ پہ گیسوؤں پر راہ کا غبار
صحرا پہ گہہ نظر تھی گہے سوئے کوہسار — کہتے تھے دیکھ دیکھ کے گردوں کو بار بار
کس کو نہ بے وطن کیا کس پر جفا نہ کی — اے دہر تو نے آہ کسی سے وفا نہ کی

یہ کہہ کے رو رہے تھے شہ دیں کہ ناگہاں — ناقے پہ ایک شخص ہوا دور سے عیاں
عباس سے یہ کہنے لگے شاہ دو جہاں — تم جلد اس عرب کو بلا لاؤ بھائی جاں
تشویش ہے رسولؐ خدا کے حبیب کو — کچھ پوچھنا ہے اس سے حسینؑ غریب کو

جلدی چلے یہ سنتے ہی حکم شہ انام — پاس اُن کے جا کے آپ نے کی سبقت سلام
ناقہ بٹھا کے کود پڑا تب وہ نیک نام — عباس نامور نے یہ اس سے کیا کلام
آیا ہے تو جدھر سے ادھر ہم بھی جاتے ہیں — اے شخص جلد چل تجھے آقا بلاتے ہیں

دیکھا جو رعب و دبدبہ و شوکت و جلال — دست ادب کو جوڑ کے اس نے کیا سوال
ہے کون شخص آپ کا آقائے خوش خصال — عباسؑ نے کہا کہ رسول خدا کا لال
نور نگاہ فاتح بدر و حنین ہے — آقا میرے ہیں اسم مبارک حسینؑ ہے

پس سن کے اشک آنکھوں سے اس شخص نے بہائے
چھاتی پہ ہاتھ مار کے بولا کہ ہائے ہائے
کیوں اس طرف کو سید والا وطن سے آئے
آفت سے نورِ چشم علی کو خدا بچائے
سب اہلِ شہر ہیں کوفیوں کو اُن سے بیر ہے
پھر جائیں آپ جانب یثرب تو خیر ہے
گھبرا گئے یہ سنتے ہی عباس باوفا
فرمایا اے عرب ترے رونے کی وجہ کیا
مسلم نے بھی یہ حال تو خط میں نہیں لکھا
اس نے کہا کہ اور ہے کچھ واں کا ماجرا
سب شہر پھر گیا ہے شہِ خاص و عام سے
کہتا ہے جو کہوں کا مفصل امام سے
پہنچا وہ جب قریب شہنشاہِ سرفراز
تسلیم کرکے پاؤں پہ رکھا سرِ نیاز
ہاتھ اس کا لے کے ہاتھ میں اُٹھے شہِ حجاز
بولا کنارے جاکے وہ امت کا کارساز
گر نیک ہو سفر تو وسیلہ ظفر کا ہے
آنا ہوا کدھر سے ارادہ کدھر کا ہے
کی عرض اُس نے اے پسرِ سید البشر
کوفے کے شہرِ شوم سے آتا ہوں میں ادھر
فرمایا شہ نے ہے تجھے مسلم کی کچھ خبر
رونے لگا وہ مردِ مسافر جھکا کے سر
شہ بولے وجہ کیا جو تیرا حال غیر ہے
جلدی بتا کہ میرے مسافر کی خیر ہے
گھبرا کے حال پوچھتے تھے شاہِ نامدار
گر گر کے وہ قدم پہ یہ کہتا تھا بار بار
پھر جائیے اب وطن کی طرف بہرِ کردگار
کوفے میں سب ہیں عہد شکن اور ستم شعار
آلِ رسول پاک پہ کیا کیا جفا نہ کی
یہ ہیں وہی جنھوں نے علی سے وفا نہ کی
ہاتھوں کو جوڑتا ہوں میں شاہا نہ جائیے
بہرِ علیؑ و احمدؐ و زہراؑ نہ جائیے
اس جا دغا ہے سید والا نہ جائیے
آقا نہ جائیے میرے مولا نہ جائیے
کیا دور ہے جو آکے عدو سدِ راہ ہوں
ایسا نہ ہو کہ آلِ محمد تباہ ہوں
بچوں پہ رحم کیجئے یا شاہِ انس و جاں
پہنچے نہ ان گلوں کو کہیں صدمۂ خزاں
بچھڑے نہ اس ضعیفی میں اکبر سا نوجواں
رکھے خدا جہاں میں ید اللہ کا نشاں
پھولا پھلا رسولِ خدا کا چمن رہے
روشن سدا چراغ مزارِ حسنؑ رہے

یہ فکر ہے کہ آپ کو لکھے ہیں سب نے خط — مطلب یہ ہے کہ یاں تلک آئیں کسی کے غط
مضموں بھی سب غلط ہیں عبارت بھی سب غلط — یہ خط نہیں ہیں قتل کی تدبیر ہے فقط
حاکم کا مدعا ہے کہ ظلم و ستم کر دں — گر جھوٹ ہو تو ہاتھوں کو اپنے قلم کر دں
کوئی تمام مایۂ جور و فساد ہیں — مصند ہیں بد طریق ہیں بد اعتقاد ہیں
تربت میں فاطمہؑ کے رلانے پہ شاد ہیں — تیغیں ادھر ہیں دل سوے ابن زیاد ہیں
بے ہمتوں نے کون سا وعدہ وفا کیا — کیونکر کہوں کہ مسلم بیکس سے کیا کیا
پھر بولا سر کو پیٹ کے با صد غم و محن — آقا ہوا شہید وہ مظلوم بے وطن
نیزے پہ سر ہے جسم ہے بے گور و بے کفن — اور اب تلک بندھی ہوئی ہے پاؤں میں رسن
تربت نہیں نصیب تن پاش پاش کو — گلیوں میں لوگ کھینچتے پھرتے ہیں لاش کو
باقی جو تھا حضور کا غم خوار و خیر خواہ — مسلمؑ نے لی تھی گھر میں اسی دوست کے پناہ
کوڑے لگے پہ منھ سے نہ کی اس جری نے آہ — مسلمؑ کے ساتھ وہ بھی ہوا قتل بے گناہ
صادق جو تھے وفا میں تو کامل تھے عشق میں — دونوں کے سر روانہ ہوئے ہیں دمشق میں
شہ نے سنا عرب سے جو سارا یہ ماجرا — فرمایا بازگشت ہے سب کی سوئے خدا
جو مسلمؑ غریب پہ ہونا تھا ہو چکا — باقی ہے کچھ جو ظلم وہ اب ہم پہ ہوئے گا
خواہان مرگ سبط رسالتؐ مآب ہے — ان کا جہاں سے کوچ مرا پا تراب ہے
یہ بات کہہ کے رونے لگے شاہ نامدار — وا مسلما کہا کئی باری بہ حال زار
فرماتے تھے کہ ہائے مرے یار غم گسار — بھائی حسینؑ تیری غریبی پہ ہو نثار
میں جانتا تھا اب مرے لینے کو آؤ گے — اس کی خبر نہ تھی کہ ہمیں چھوڑ جاؤ گے
دوڑے ہوئے جب آئے تم اس شہر کے قریب — مارے گئے وہاں کوئی حبس جا نہ تھا حبیب
پردیس میں لحد بھی نہ تم کو ہوئی نصیب — کیسا سفر تھا ہائے مرے قاصد غریب
تکتے تھے مجھ کو یاس سے منھ پھیر پھیر کے — کوفے میں لے گئی تھی اجل تم کو گھیر کے

کوئی بدی کریں گے یہ مجھ کو نہ تھی خبر
درپیش ہے ہمیں بھی اسی طرح کا سفر
مت بے بڑے ہیں گشتۂ اول کے واسطے
اتنے میں روتے روتے جو کچھ آگیا خیال
اس نے کہا کہ کیا کہوں اے شاہِ خوشخصال
بے رحم نے یتیموں پہ کیا کیا ستم کئے
آتا تھا شہر کوفہ سے جس دم میں وحہ گر
آنکھیں کھلی تھیں چاند سے چہرے تھے خوں میں تر
ہاتھوں سے آشکارا نشانِ سجود تھے
فریاد کر کے کہنے لگے سرورِ عرب
بندوں کا اختیار ہے کیا جو رضائے رب
معلوم تھا کسے کہ تباہی یہ آئے گی
رو رو کے پوچھا بچوں کی قبروں کا جب پتا
کی عرض کچھ نہ پوچھئے اے ابنِ مرتضیٰ
یوں دفن کم ہوا ہے کوئی کائنات میں
یہ سن کے اٹھ کھڑے ہوئے حضرت بچشمِ نم
اب کس طرف کا قصد ہے اے سرورِ اُمم
منھ کوستان و تیغ سے موڑا نہ جائے گا
رخصت ہوا وہ مردِ مسافر بصد فغاں
آنکھوں سے اشک ریشِ مبارک پہ تھے رواں
صدمے سے رنگ بانوئے بیکس کا فق ہوا

شرمندہ ہے حسینؑ تمھیں پہلے بھیج کر
اب ہم بھی آن پہنچے ہیں واں تم گئے جدھر
سبقت تو ہے ضرور ہر اول کے واسطے
مسلمؑ کے دونوں بیٹوں کا پوچھا عرب سے حال
حارث کے ہاتھ آ گئے وہ دونوں نونہال
بازو بندھے تھے دونوں کے جب سر قلم کئے
حاکم کے آگے جاتے تھے وہ چھوٹے چھوٹے سر
رخ پر پڑی لٹکتی تھیں زلفیں ادھر ادھر
بے رحم کے طمانچوں سے عارض کبود تھے
خاموش رہ کہ صبر کی طاقت نہیں ہے اب
دونوں یتیم بھی نہ بچے اس کے ہے غضب
ماں ان کی جب سنے گی تو کیا خاک اڑائے گی
وہ شخص دونوں ہاتھوں سے سر پیٹنے لگا
تجہیز کیسی قبر کجا اور کفن کجا
خندق میں لاش باپ کی بیٹے فرات میں
کہنے لگا وہ مردِ عرب چوم کر قدم
شہ نے کہا کہ جائیں گے مقتل پہ اپنے ہم
مجھ سے خدا کی راہ کو چھوڑا نہ جائے گا
موڑائے سر کو گھر میں گئے شاہِ دوجہاں
حضرت کو روتے دیکھ کے گھبرائیں بی بیاں
زینبؑ زمیں پہ اٹھ کے گری یہ قلق ہوا

کلثومؑ سر کو پیٹ کے آئی بہن کے پاس
تکتی تھی منھ کو شہ کے سکینہؑ بہ چشم یاس
خیمے سے صحن تک جو گئی جا بجا گری
رونے سے شہ کے ہوش کسی کے نہ تھے بجا
کہتی تھی رو کے زوجۂ عباسؑ باوفا
پوچھو تو حال کیوں شہِ والا کا غیر ہے
کبراؑ پکارتی تھی کہ صغراؑ کی خیر ہو
مسلمؑ کی بیٹی کہتی تھی بابا کی خیر ہو
ہے ہے وطن سے آن کے وہ لُٹ گئے نہ ہوں
کہتی کبھی سکینہؑ سے رو کر وہ بے قرار
وجہِ بکا تو پوچھو بہن تم پہ میں نثار
پڑتا ہے دل میں شک مری چھاتی دھڑکتی ہے
اتنے میں بڑھ کے شاہ سے زینبؑ نے یہ کہا
فرمایا شاہ نے کہ بہن قہر ہو گیا
مسلمؑ سے کوفیوں نے بڑی بے وفائی کی
بیٹی کہ رانڈ ہو گئی عباسؑ کی بہن
مارا گیا مرے لئے ہے ہے وہ صف شکن
آ پہونچی فصل فاطمہؑ کے خاک اڑانے کی
سمجھو تم اس خبر کو مرے قتل کی خبر
پرسے کو آئی زوجۂ عباسؑ نامور
رانڈ سالہ بی بیاں اسے جب دم پنھائیں گی
کہہ دو سکینہؑ دخترِ مسلمؑ کے پاس جائے
کبراؑ برابر اس کے زمیں پر پچھاڑیں کھائے
ہم بھی خدا کی راہ میں اب قتل ہوئیں گے

قاسمؑ کی والدہ میں نہ مطلق رہے حواس
سب سے زیادہ زوجۂ مسلمؑ کو تھا ہراس
چہرے کا رنگ اڑ گیا سر سے ردا گری
سینوں میں دل دھڑکنے سے لرزاں تھے دست و پا
باہر سے یاں انھیں تو بلا دے کوئی ذرا
کیا ہو گیا وطن میں تو لوگوں کی خیر ہے
یا رب مریضِ بیکس و تنہا کی خیر ہو
غربت میں قاصدِ شہِ والا کی خیر ہو
بھائی میرے پدر سے کہیں چھٹ گئے نہ ہوں
ہے دل میں شہ کے سب سے زیادہ تمھارا پیار
حضرت مجھی کو دیکھ کے روتے ہیں بار بار
رہ رہ کے غم کی آگ جگر میں بھڑکتی ہے
بھیا مجھے بتاؤ تو رونے کی وجہ کیا
بیٹوں سمیت قتل ہوا ابنِ عم مرا
گاڑی نہ لاش بھی مرے مظلوم بھائی کی
رانڈ سالہ اس کو دو کہ نہ اس کو ملا کفن
اب ہم نہ پھر کے جائیں گے ہم سے چھٹا وطن
زینب یہ ابتدا ہے مرے مارے جانے کی
بانو نے ساتھ زوجۂ مسلمؑ کے کھولا سر
بیکس تھا وہ شریکِ عزا ہو تمام گھر
اماں نکل کے قبر سے پرسے کو آئیں گی
چھاتی کو جب وہ پیٹے تو یہ سر پہ خاک اڑائے
باپ اس کا مر گیا ہے گلے سے اسے لگائے
اک دن اسی طرح ہمیں سب مل کے روئیں گے

یہ سُن کے چھاتیوں کو لگے پیٹنے حرم
مارا گیا وطن میں غلامِ شہِ اُمم
صدمے اُٹھا کے تین دِلوں پر گذر گئے
غُل سُن کے آئے خیمے میں عباسِ نامور
دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا روئے جھکا کے سر
سمجھیں گے اُن سے قاتلِ مُسلم نظر میں ہیں
وابستہ جس کے دم سے ہو اُس کا رہے خیال
ہم سب غلام جن کے ہیں دیکھو تو اُن کا حال
لازم ہے تم کو صبر کہ دُنیا میں نام ہو
مُسلم ہوئے ہراولِ فوجِ شہِ انام
کیا نیک کوچ تھا کہ ہوا خُلد میں مقام
ماں سے سوا شفیق ہیں اور حق شناس ہیں
شوہر تمہارا صاحبِ عزت تھا اے بہن
زخموں کے بدلے ہاتھ لگا خُلد کا چمن
راضی علیؑ ہوں شاد خدا کا حبیب ہو
مُسلم کا خوں جو راہِ خدا میں ہوا سبیل
تائیدِ ذوالجلال سے رُتبہ ہوا جلیل
سمجھو نہ یہ سفر کی تباہی میں مر گیا
سمجھاتے تھے بہن کو یہ عباسؑ نامور
مُسلم کو یاد کر کے حرم پیٹتے تھے سر
تم بن ہماری زیست کی صورت بگڑ گئی
شور و بُکا ذرا نہ ہوا کم تمام رات
تڑپا کئے امامِ دوعالم تمام رات
بس اے انیس اب نہیں لکھنے کی تاب ہے

چلّائی دو کے زوجۂ مُسلم کہ ہے ستم
فریاد ہے کہ رانڈ ہوئی میں اسیرِ غم
وارث بھی مر گیا مرے بچے بھی مر گئے
دیکھا بہن تڑپتی ہے سر پٹکے خاک پر
بولے قریب آ کے خدا پر کرو نظر
پیٹو نہ سر کہ سیّد والا سفر میں ہیں
لازم نہیں تمھیں کہ بھرے گھر میں کھولو بال
مانگو دُعا جہاں میں رہے فاطمہؑ کا لال
اُس کا زہے شرف کہ نثارِ امام ہو
دُنیا میں تا قیامِ قیامت رہے گا نام
مخدومہ جہاں انھیں روئیں گی صبح شام
بچے تمھارے فاطمہؑ زہرا کے پاس ہیں
خلعت ملے بہشت میں پایا نہ گر کفن
ہمسایۂ رسولؐ ملا گو چھُٹا وطن
مانگو دعا کہ ہم کو یہ دولت نصیب ہو
پہونچا کنارِ کوثر و تسنیم و سلسبیل
عاقل کمال تھا پسرِ حضرتِ عقیلؑ
زندہ ہے وہ جو راہِ الٰہی میں مر گیا
روتے تھے سر جھکائے ہوئے شاہِ بحر و بر
بیٹی پکارتی تھی کہ ہے ہے مرے پدر
بیٹوں کو ساتھ لے گئے بیٹی بچھڑ گئی
سویا نہ کوئی خیمے میں اک دم تمام رات
گھر میں رہا حسینؑ کے ماتم تمام رات
اب آتشِ اَلم سے کلیجہ کباب ہے

"امامؑ کا پیامبر"

جناب قاسم شبیر صاحب نقوی نصیر آبادی

علیؑ و فاطمہؑ کی جاں! عقیلؑ کے دل و جگر!!
"نشانِ عشق و آگہی" تھا تیرا مطمحِ نظر

نبیؐ کے دل میں ہی جگہ ترے خلوصِ کار کی
"امام کی پیمبری" میں جان تک نثار کی

ترے ثباتِ نفس کے تھے نقش حق کی راہ میں
مآلِ زندگی تھا ہر جگہ تری نگاہ میں

نفس نفس کو مقصدِ رضا بنا گیا ہے تو
قدم قدم پہ دل کی قوتیں لٹا گیا ہے تو

متابعت کا حق ادا کیا ہو کیسی شان سے!
عمل سے جذبِ شوق سے نگاہ سے زبان سے

تری حیات و مرگ میں کمالِ امتیاز تھا
شجاعتوں کو فخر تھا شہادتوں کو ناز تھا

"فریب" نے پناہ دی نہ ایک حق پناہ کو
ملی امان کی جگہ نہ تجھ سے بے گناہ کو

اس افتراقِ ظلم کی نہ تھی کسی کو کچھ خبر
نہ ان بخجستہ خو کہیں پسر کہیں کہیں پدر

تھی تیری ذات "مبتدا" حسینؑ کے جہاد کی
تری بلا دیری فضائے کربلا نے یاد کی

مہم تھی فرضِ خاص کی ترا سفر سفر نہ تھا
سعادتوں پہ تھی نظر مصیبتوں کا ڈر نہ تھا

ہزار زندگی لئے تھی تیری مرگِ بیکسی
ترے قدم پہ جھک گئے غرورِ کفر و خود سری

مسلم بن عقیلؑ

از نواب شبیر صاحب نقوی نصیر آبادی

مسلم مظلوم! تو بھی نازشِ اسلام تھا
عین منشائے امامت تیرا ہر اک کام تھا

تیرا خوں تھا سرخیٔ افسانۂ ذبحِ عظیم
تیرے قدموں سے تھی وابستہ صراطِ مستقیم

حسنِ کردار و عمل سے تو ہوا فخرِ عقیلؑ
رونقِ ذکرِ حسینی ہو ترا ذکرِ جمیل

نصرتِ شبیرؑ میں ہیں زندگی قربان کی
ہاتھ آئیں تجھ کو ساری رفعتیں ایمان کی

کیسے فرزندوں کی الفت ہوتی تیری سدِ راہ
بس اطاعت تھی امام العصرؑ کی پیشِ نگاہ

ظالموں سے تو نے تنہا اس طرح پیکار کی
یاد آئی دشمنوں کو حیدرؑ کرار کی

یہ ترے حسنِ عقیدت کی تھی جلوہ گستری
گو نہ تھا معصوم لیکن کر گیا پیغمبری

تیری مرگِ بیکسی نے خود جو تھی اپنا جواب
کوفیوں کے ظلم کی تصویر کر دی بے نقاب

تیرے دل میں وقتِ آخر جا گزیں تھا یہ خیال
ہو گا کیا معصوم بچوں کا غریبی میں مآل

اے ہراولِ سبطِ پیغمبرؐ کے! اے عالی مقام
دور افتادہ نواب دل حزیں کا لے سلام

اے ایلچیٔ سبطِ نبی آسمان وقار

محیا نو سیدپوری

کرب و بلا کی منزلِ اول کے تاجدار
اے مسلم عقیل اب وجد کی یادگار
اے ایلچیٔ سبط نبی آسمان وقار

خطبہ کی شان، آئینہ منصوص کردگار
تبلیغ میں رسول کا انداز آشکار
میدان کارزار میں حیدر کی ذوالفقار

تو عزم کا حسینؑ کے آئینہ دار تھا
تو ہمتِ بلند کا اک شاہکار تھا
یعنی وقارِ دین نبیؐ تھا ترا وقار

پرتو تھا تو جمال و کمالِ حسینؑ کا
تو پیش رو تھا جاہ و جلالِ حسینؑ کا
آغاز ہی میں تھی ترے انجام کی بہار

طاعت کا اعتبار اطاعت کی آبرو
انسانیت کا درس شجاعت کی آبرو
قرآن کی آب و تاب۔ طہارت کا افتخار

سیرت پہ تیری حق و صداقت کو ناز ہے
اے نائبِ امام، امامت کو ناز ہے
سر دفترِ جلالتِ مردانِ حق شعار

صد مرحبا لحاظ وہ حکم رسولؐ کا
ہر چند زد پہ ابن زیادِ لعین رہا
دھوکہ سے قتل اس کو بھی کرنا تھا ناگوار

تائیدِ عزم قتل میں ہانی کی رائے تھی
اپنی طرف سے تو نے مگر ابتدا نہ کی
اے مسلکِ حسینؑ کے حامی ترے نثار

تنہا شہید ایسی تری ہمت کو مرحبا
تو سیکڑوں میں گھر کے بھی پیچھے نہیں ہٹا

تنہا ہی تو نے کھینچ لی شمشیرِ آب دار

تجھ کو قریب دیکھ کے گرفتار کر سکے   تیرے مقابلے میں نہ پیکار کر سکے

منگوائی ظالموں نے مدد گرچہ تین بار

کیا دور ہے کہ خلد سے آئے ہوں خود علیؑ   تھا اور کون داد جو دیتا جہاد کی

واللہ تیری شانِ شجاعت ہے یادگار

اے غم نواز آج کی تشنہ لبی تری   دہرائی جائے گی ستم کربلا میں بھی

وہ بے زباں کا حلق وہ تیرِ ستم شعار

اک جسم ناتواں تھا جسے قید کر لیا   تیرا دل و دماغ نہ مغلوب ہو سکا

اے شیرِ بیشۂ اسد اللہ نامدار

اظہارِ حق میں وہ تری جرأت بیان کی   دربارِ ظلم میں وہ حرارت بیان کی

تجھ کو دل و دماغ پہ تھا کتنا اعتبار

اک زلزلہ سا قصرِ حکومت میں آگیا   ابنِ زیادِ شوم کا دل تھرتھرا گیا

صلِ علیٰ وہ شانِ خطابت ہے یادگار

اللہ رے جلالِ شہادت کی زندگی   ہنس کر کہا خراش یہ کافی نہیں ہوئی

قاتل کا اضطراب میں اوچھا پڑا جو وار

گلیوں میں لاش کھینچتے پھرتے تھے اشقیاء   سنتے ہیں سر ترا درِ کوفہ پہ نصب تھا

اہلِ حرم کو لائے تھے جس وقت نابکار

اس کو خبر نہ تھی کہ ملا اس حال میں پدر   کیا گذری ہوگی ننھی سی بچی کی جان پر

سر سے ترے نگاہ ہوئی ہوگی جب دوچار

لوحِ مزار پر ترے کتبہ یہ چاہیے   اپنے تمام فرض ادا کر کے شان سے

سوتا ہے یاں سفیرِ حسینِ فلک وقار

باقی تو یہ معرکہ بھی ہے تائیدِ کربلا   کوفے میں ہو رہی ہے یہ تمہیدِ کربلا

مظلوم کو سکون ہے ظالم کو اضطرار

تمہید

ہانی ابن عروہ

از محترمہ بانو سیدپوری

تجھ کو حاصل اعتمادِ نائبِ سلطانِ دیں ——— آفریں اے ہانیٔ ذی مرتبت صد آفریں
فیضِ صحبت تجھ کو احمد سے بھی تھا حیدر سے بھی ——— عشق پیغمبر سے بھی تھا آلِ پیغمبر سے بھی
رتبہ دانِ آلِ احمد آیتِ حق کا امیں ——— صاحبِ قول و عمل اے پیکرِ صدق و یقیں
تیرا اخلاصِ محبت تیرا پیمانِ وفا ——— آدمیت کا شرف انسانیت کا معجزا
بے وفائی کی بھیانک تیرگی کوفے میں تھی ——— اک مسلسل اضطراب و بزدلی کوفے میں تھی
بے حیائی اہلِ کوفہ کا چلن جس وقت تھا ——— تیری خودداری تری غربت کا جذبہ مرحبا
اُس بھیانک تیرگی میں ضو فشاں سیرت تری ——— جرأت و پامردی و ہمت کی جاں سیرت تری
وہ تڑپ احساس کی تیرے وہ دورِ بے حسی ——— جہل کی ظلمت میں وہ ایماں کی تیرے روشنی
حق پرستی تیرا مسلک حق روی تیرا چلن ——— دید کے قابل ترے کردار کا تھا بانکپن
بے وفائی کے اندھیرے میں وفا کی روشنی ——— کذب کی ظلمت میں تھا صدق و صفا کی روشنی
دھمکیوں پر دھمکیاں دیتا رہا ابنِ زیاد ——— تجھ کو اپنے دل کی قوت پر تھا کتنا اعتماد
کس قدر جذبہ حمیت کا ترے بیدار تھا ——— جان دینا سہل ہٹنا عہد سے دشوار تھا
سر کٹایا تو نے ایماں کی حفاظت کے لئے ——— تو نے ٹھکرایا حکومت سے صداقت کے لئے
ہر سکوں اسلام ہر جنبش تری ایمان تھی ——— کشمکش میں اعتدالِ نفس کی یہ شان تھی
کربلا میں تھی قیامت سی قیامت وقتِ عصر ——— الاماں احساسِ تنہائی کی شدت وقتِ عصر
یاد فرمایا تھا جب انصار کو شبیرؑ نے ——— ابتدا کی نام سے تیرے شہِ دلگیر نے
وہ ترا عرفانِ حق اک معجزہ تھا مردِ حق ——— تیری سیرت نے دیا ہے یہ زمانے کو سبق
جاودانی زندگی ملتی ہے اکثر موت سے ——— آدمی بے آبرو ہوتا ہے ڈر کر موت سے

حق پہ مر مٹنا سعادت ہو بشر کے واسطے
سر کٹا نا دیں پہ ہو معراج سر کے واسطے

قاصدِ حسین علیہ السلام

جناب نہال لکھنوی

سلام تجھ پہ امامِ حسینؑ کے قاصد

رسولِ پاک کے اے دل کے چین کے قاصد
جنابِ فاطمہؑ کے نورِ عین کے قاصد
اور ابنِ فاتحِ بدر و حنین کے قاصد
حسینؑ بادشہِ مشرقین کے قاصد
سلام تجھ پہ امامِ حسینؑ کے قاصد

تو ہی وہ راہروِ جادۂ صداقت تھا
نظر میں جس کی جمالِ رُخِ امامت تھا
جسد پہ زیب ترے جامۂ سفارت تھا
ترا مجاز بھی دیباچۂ حقیقت تھا
سلام تجھ پہ امامِ حسینؑ کے قاصد

خداشناس، حق آگاہ، قدردانِ حسینؑ
جبیں پہ تھا تری نقشِ آستانِ حسینؑ
گیا تھا کوفے میں تو بن کے ترجمانِ حسینؑ
زہے نصیب ترے حاملِ نشانِ حسینؑ
سلام تجھ پہ امامِ حسینؑ کے قاصد

شعاعِ مہرِ درخشاں تری وفا پہ گواہ
ضیائے ماہِ فروزاں تری وفا پہ گواہ
ہر ایک صاحبِ ایماں تری وفا پہ گواہ
تری قسم شہِ ذیشاں تری وفا پہ گواہ
سلام تجھ پہ امامِ حسینؑ کے قاصد

امام پاک کے قاصد عقیل کے دلبر
رضائے سبط پیمبر تھی تیرے پیش نظر
مصیبتوں میں بھی شکر خدا رہا لب پر
بدل سکا نہ ارادوں کو تیرے لشکر شر
سلام تجھ پہ امام حسینؑ کے قاصد

دم جہاد عجب آن بان تھی تیری
جبین ظلم کے آگے نہیں جھکی تیری
غم [illegible] وہ غربت وہ بیکسی تیری
بھلا سکے گی نہ تاریخ تشنگی تیری
سلام تجھ پہ امام حسینؑ کے قاصد

ادائے فرض کی دشواریاں ارے توبہ
قدم قدم پہ تجھے انقلاب نے گھیرا
نفس نفس پہ لباس انتشار نے بدلا
امین بار سفارت شہید ظلم و جفا
سلام تجھ پہ امام حسینؑ کے قاصد

اخی امام کے سردار و محسن ملت
قدم قدم پہ تجھے کوفیوں نے دی زحمت
مسافرت کا وہ عالم بلاؤں کی کثرت
ہوئی ہے بعد ترے تیری لاش پر بدعت
سلام تجھ پہ امام حسینؑ کے قاصد

تجھے شہید کیا کوفیوں نے بے تقصیر
خبر یہ سن کے بہت روئے ابن خیبر گیر
شہید کر کے تجھے لاش کو کیا تشہیر
اس انقلاب کی ہو گی نہ تا بہ حشر نظیر
سلام تجھ پہ امام حسینؑ کے قاصد

غریب مسلم حق کوش تیرا کیا کہنا
جفا شعاروں کے لشکر سے تو لڑا تنہا
رہِ رضا کا تو ہی وہ شہید ہے پہلا
کیا ہے جس پہ شر مشرقین نے گریا
سلام تجھ پہ امام حسینؑ کے قاصد



گلدستہ

وہ اصحابِ رسولؐ جو کربلا میں شہید ہوئے

حصۂ نظم

مرزا دبیر مرحوم
علامہ مانی جائسی
میرزا مہذب
رزم ردولوی
میر ولایت حسین صاحب ولا
ثمر ہلوری

حصۂ نثر

مرزا سجاد حسین بی کام
علامہ سیّد مجتبیٰ حسن کامونپوری
سیّد مرتضیٰ حسین صدر الافاضل
مولانا سیّد علی صاحب
سیّد محمد راحم
فرقان رضوی

فہرست

حصۂ نثر

حصۂ نظم

وہ اصحابِ رسول جو واقعہ کربلا میں شہید ہوئے

مرزا سجاد حسین صاحب بی کام لکھنؤ یونیورسٹی

کیسی جلیل القدر تھیں وہ ہستیاں اور کیسے مبارک تھے وہ لوگ جنھوں نے رسولِ اسلام کے عہد زریں کی زیارت نیز اُن کی صحابیت کی سیادت و سعادت حاصل فرمائی اور وفات پیغمبر کے بعد بھی حق پر قایم رہتے ہوئے نصرت سید الشہداء میں اپنی جانوں کی گرانقدر قربانیاں پیش کر کے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

ایک حیثیت سے میدان کربلا میں شہید ہونے والے یہ اصحاب رسول اور بھی قابل تعریف ہیں اس لئے کہ عمر کے اعتبار سے یہ فدایان امام مظلوم اس حصّہ میں پہونچ چکے تھے جسے ضعیفی اور پیری کہا جاتا ہے اور جہاں پہونچ کر انسان کے جذبات اور ولولے ٹھنڈے اور نرم پڑ جاتے ہیں نیز سابق کا سادہ جوش اور گرما گرمی باقی نہیں رہ جاتی۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان حضرات نے جس عزم و ثبات کا مظاہرہ میدان کربلا میں کیا اور شجاعت و بہادری کے جیسے مرقعے پیش کئے ان کے آگے نوجوانوں کی شجاعت و بہادری ہیچ نظر آتی ہے۔ عمر طبعی کو پہونچنے کے بعد انسان میں سنجیدگی آجاتی ہے اور وہ ہر اقدام سوچ سمجھکر نیز اپنے سابق تجربات و مشاہدات کو پیش نظر رکھ کر ہی کرتا ہے اس لئے ان اصحاب رسولؐ (جو شہیدان کربلا ہیں) کی بھی سنجیدگی و متانت جزو مزاج بن چکی تھی اور ان کے اقدام کو ہم "وقتی جذبہ" کے نام سے تعبیر نہیں کر سکتے بلکہ اس کو تو ہم دانشمندانہ دلیرانہ اور سمجھ بوجھ کر کیا جانے والا قابل ستائش اقدام ہی کہیں گے۔

اس لحاظ سے بھی یہ اصحاب رسولؐ ہماری نظروں میں بہت ہی مکرم و معزز اور محترم ہیں کیونکہ جب اصحاب رسولؐ کی اکثریت حسین مظلومؑ کے دامن کو چھوڑ چکی تھی اس وقت بھی یہ حضرات احول سے متاثر نہیں ہوئے اور دنیائے اسلام کو صحابیت کے صحیح مفہوم سے متعارف کرایا جس صحابی رسول نے دامن سید الشہداء سے متمسک ہونے کو ضروری نہ سمجھا، بزم رسول میں بیٹھنے کے باوجود بھی جو عظمت و بزرگی حسینؑ کا قائل نہ ہو بلکہ نصرت امام حسین سے پہلو تہی کی یا جرأت رندانہ سے کام لیکر خود میدان جنگ میں ان سے لڑنے کو نکل آیا وہ ہرگز سچا صحابی کہلانے کا مستحق نہیں اس لئے کہ ایسے صحابہ رسول امام حسین کے مرتبے سے جو اقوال و اعمال رسول سے بخوبی واضح تھا دوسروں سے بہتر طور پر متعارف تھے ایسی حالت میں ان کو تو سید الشہداء کا اور بھی زیادہ شیدا، فدائی اور جان نثار ہونا چاہیے تھا۔

اب ہم ان برگزیدہ ہستیوں اور واجب الاحترام

شخصیتوں کا مختصر ذکر کریں گے جو اصحاب رسول تھے اور واقعہ کربلا میں شہید ہوئے نیز جن کے اسمائے گرامی ہمیں معلوم ہو سکے ہیں۔

(۱) جناب عبد الرحمٰن بن عبد رب انصاری خزرجی

تاریخ کے اوراق دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صحابی رسول تھے اور مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام سے قرآن مجید پڑھنے کی سعادت بھی حاصل کی تھی نیز باب مدینۃ العلم سے تربیت و تعلیم بھی پائی تھی۔

امیر المومنین جیسے عالم سے اکتساب فیض کے بعد آپ کے علم و فضل نیز بلندیٔ کردار و اخلاق میں کسے کلام ہو سکتا ہے۔

آپ کا نام نامی ان صحابہ میں بھی شامل ہے جنھوں نے حدیث غدیر کی روایت فرمائی ہے یہ بھی آپ کی دوستیٔ اہلبیت کا ایک ثبوت ہے۔

آپ اُن جان نثاران حسین مظلومؑ میں ہیں جو آپ کے ساتھ حرم محترم ہی سے تشریف لائے تھے اور اس طرح آپ کو آقائے دو عالم کے ساتھ سفر کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔

آپ کا نام ہمیں عاشورہ کے روز حضرت بریرؓ کے ساتھ گفتگو کرنے میں بھی ملتا ہے جب جناب بریرؓ آپ سے مزاح کرنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ آج کا یہ قیامت خیز ہنگام ہے اور تم مزاح کر رہے ہو تو اس پر حضرت بریرؓ نے جواب دیا کہ آج سے زیادہ مسرت کا موقع کب نصیب ہوا تھا۔ ابھی تھوڑی ہی دیر بعد اس قفس عنصری سے نجات ملے گی اور پھر بہشت کی ابدی آرام دہ زندگی ہے (دیکھئے طبری) اس کی روایت آپ کے ایک غلام نے کی ہے۔

آپ کی شہادت حملہ اولیٰ میں واقع ہوئی اور انعامات آخرت سے سرفراز ہونے کے لئے بارگاہ احدیت میں پہنچے۔

(۲) جناب زاہر بن عمرو اسلمی کندی

آپ کا شمار ان اصحاب میں ہے جنھوں نے رسول اسلام سے روایتیں فرمائی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان اصحاب میں بھی جنھیں بیعت رضوان کا شرف خصوصی حاصل ہوا تھا۔

تاریخ کی ورق گردانی کرنے پر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ آپ بے انتہا شجاع و بہادر تھے۔ چنانچہ جنگ خیبر میں آپ کی شرکت تاریخوں سے ثابت ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی آپ کا نام نامی پایا جاتا ہے۔ محبت آل محمدؐ آپ کا طرۂ امتیاز تھی اور اس سلسلہ میں عظیم نقصانات برداشت کئے تھے۔ آپ عمرو بن الحمق کے ساتھی اور معاویہ کے زمانہ حکومت میں زیاد بن سمیہ گورنر کوفہ نے جناب عمرو بن الحمق کی گرفتاری کا حکم دیا تو آپ کے نام بھی وارنٹ گرفتاری جاری کیا گیا۔ لیکن آپ قبضہ میں نہ آسکے۔

خوش نصیبی سے آپ کو سنہ ۶۰ھ ہی میں حج بیت اللہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ جب امام مظلوم سفر عراق اختیار کرنے سے پہلے حج کرنے کے ارادے سے مکہ مکرمہ میں مقیم تھے وہیں سے جگر گوشۂ رسول کے شریک کارواں بنے اور کربلا تشریف لائے۔ آپ کے حملہ اولیٰ میں شہید ہونے کا ذکر کتب میں موجود ہے۔

(۳) جناب عقبہ بن صلت جہنی

آپ صحابیٔ رسول اور راوی احادیث ہیں

آپ سید الشہداء کے ساتھ راستے میں شامل ہوئے تخت و تاج اور حکومت و اقتدار کے لالچ میں نہیں بلکہ محض نصرت حسین اور خدمت اسلام کے جذبہ کی خاطر کیونکہ جب امام نے اپنے خطبوں میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ میں حکومت و اقتدار تاج و تخت کے واسطے نہیں

جا رہا ہوں۔ بلکہ میرے پیش نظر راہ حق میں اپنی جان کی قربانی دینا ہے تم میں سے جو شخص اس غرض سے آیا ہو کہ اسے کچھ دولت و مال حاصل ہو جائے گا تو وہ واپس چلا جائے۔ اور آپ کے یہ خطبات و ارشادات سنکر کافی لوگ چلے بھی گئے مگر حضرت عقبہ بن صلت جہنی نے جو عزم مصمم کر لیا تھا اس سے ایک انچ نہ ہٹے اور امام مظلوم کا ساتھ نہ چھوڑا۔ یہاں تک ۱۰ محرم الحرام سنہ ۶۱ھ کو سرزمین کربلا پر نصرت سید الشہداء ہو کر حیات ابدی کے حامل بنے۔

(۴) حضرت عمّار بن ابی سلامہ دالانی

آپ نے زمانہ رسول کا ادراک کیا ہے۔

آپ بڑے پائے کے شیعان علی میں سے تھے اور جنگ جمل، صفین اور نہروان میں مولائے کائنات کے دوش بدوش منافقین سے جہاد کیا اور انتہائی دوستی و محبت کا اظہار فرمایا۔ بہت کم وہ اصحاب رسول ہیں جنھیں ان تینوں جنگوں میں شرکت کا موقع ملا۔ نیز کبھی آپ کے پاؤں صراط حق سے نہیں بھٹکے۔ اور ہمیشہ راہ حق و صداقت پر گامزن رہے۔

حضرت علی مرتضیٰ ع کی رفاقت کے بعد سید الشہداء کی نصرت میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور اپنی گرانقدر قربانی سے اسلام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اپنا ممنون احسان بنا گئے۔

(۵) حضرت مسلم بن کثیر اعرج

آپ نے بھی حضرت رسول مقبول ص کے عہد مبارک کا ادراک کیا ہے۔

آپ نے بھی فاتح خیبر کی رفاقت و نصرت میں جنگ جمل میں حصہ لیا اور آپ کے بعد بھی محب اہلبیت بنے رہے یہاں تک کہ امام حسین علیہ السلام کے ساتھ میدان نینوا میں شہید ہوئے اور امام آخر الزمان ع کی اس مدح کے مستحق قرار پائے کہ میرے ماں باپ فدا نصرت حسین ع میں اپنی جانوں کی گرانقدر قربانیاں پیش کرنے والی بزرگ ہستیوں پر۔

آپ کا نام بھی فہرست شہدائے حملہ اولیٰ میں ہے۔

آپ کے نام اور ولدیت کے متعلق تاریخ کے الفاظ میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ ناسخ نے آپ کا اسم گرامی اسلم بن کثیر ازدی اعرج تحریر کیا ہے کسی نے ازدی کے بعد اعوج کی بھی تحویلت کی ہے۔

(۶) مسلم بن عوسجہ اسدی

آپ کو بھی صحابی پیغمبر ہونے کا شرف حاصل تھا۔ نیز آپ نے بھی سرور کائنات سے متعدد احادیث کی روایت فرمائی ہے۔

آپ کی ولادت عرب کے ایک معزز خاندان میں ہوئی تھی۔ اس لئے کسی انسان کو بہتر و اعلیٰ بنانے میں نسبی و خاندانی صفات کی جو آمیزش ہوتی ہے وہ آپ میں پوری طرح موجود تھی۔ آپ بہت ہی عبادتگذار اور محب اہلبیت تھے۔ بحیثیت شجاع کے بھی تاریخ آپ کا ذکر خیر کرتی ہے۔

حضرت مسلم ابن عقیل جو امام حسین کے سفیر بن کر کوفہ تشریف لے گئے تھے ان کی آپ نے کافی امداد فرمائی اور بیعت لینے وغیرہ میں شریک رہے نیز آپ جناب مسلم ابن عقیل کے معتمد اور خاص نمائندے کی حیثیت رکھتے تھے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے طبری ج ۲ صفحہ ۲۰۳ و ۲۰۷

حضرت مسلم ابن عقیل کی شہادت کے وقت آپ کی موجودگی کا ذکر تاریخ میں نہیں ہے اور آپ امام حسین ع سے آکر کب ملحق ہوئے اس کا بھی پتہ نہیں چلتا۔ البتہ ابصار العین میں لکھا ہے کہ :-

"جب حضرت مسلم ابن عقیل شہید کر ڈالے گئے تو توقت

مسلم ابن عوسجہ کہیں چھپ گئے پھر اس کے بعد کسی طرح مقتولوں کے زمرے سے نکلکر امام حسین تک پہونچے اور ان پر اپنی جان نثار کی۔"

بہر حال کربلا میں آپ کی موجودگی تاریخ سے بخوبی ثابت ہے اور آپ کی شہادت اعوان و انصار حسینی میں نمایاں مقام رکھتی ہے شہادت کے علاوہ بھی متعدد ایسے مواقع ہیں جہاں آپ کا ذکر ملتا ہے۔

ایک تو اس موقع پر جب شب عاشورہ امام عالی مقام نے خطبہ ارشاد فرمایا ہے جس کا ماحصل یہ تھا کہ "میرے فدائیو اور جان نثارو! میں تم سے اپنی بیعت اٹھائے لیتا ہوں۔ جس کا جی چاہے چلا جائے اس لئے کہ یہ یزیدی میرے خون کے پیاسے ہیں اور میری جان لینے پر تلے ہوئے ہیں۔ اس وقت اعزاء کے بعد انصار میں سب سے پہلے حضرت مسلم ابن عوسجہ اٹھے تھے اور جو جملے ارشاد فرمائے تھے وہ اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ آپ نصرت حسینؑ کے لئے کس قدر بے چین تھے اور امام حسینؑ پر جان فدا کرنے کے کتنے متمنی۔ وہ الفاظ تاریخ میں آج تک محفوظ ہیں اور سونے کے حرفوں سے لکھے ہوئے ہیں۔ جو حضرت مسلم ابن عوسجہ کے فدائی امام ہونے کے بہترین معرف ہیں اور جن سے جوش و عزم و استقلال ٹپک رہا ہے وہ جوشیلے استقلال انگیز اور عزم خیز جملے یہ ہیں۔

"آپ کا ساتھ چھوڑنے کے معنی یہ ہیں کہ ہم عنداللہ جوابدہ ہوں آپ کی نصرت کے لئے۔ قسم بخدا ایسا کرنا محال ہے یہاں تک میں اشقیا کے سینوں میں اپنے نیزوں کو توڑ دوں اور ان کو تلوار لگاؤں جب تک کہ اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں رہے۔ میں آپ سے کبھی علیحدہ نہ ہوں گا۔ اگر میرے پاس ہتھیار نہ ہوں گے تو آپ کی رفاقت میں ان کو پتھروں سے مجروح کروں گا۔ یہاں تک کہ آپ کے ساتھ اس دنیائے فانی کو چھوڑ دوں"

دوسرا موقع وہ ہے جہاں آپ کا ذکر ملتا ہے کہ جب سید الشہداءؑ نے صبح عاشورہ آغاز جنگ سے قبل خندق میں آگ روشن کرا دی تھی اس وقت شمر ملعون خیام حسینی کے پاس سے ہو کر گذرا اور آگ کو روشن دیکھکر بولا کہ تم نے قیامت کی آگ میں جلنے سے پہلے ہی اپنے لئے آگ کا سامان کر لیا۔ اس وقت حضرت مسلم ابن عوسجہ کو تاب ضبط باقی نہ رہی اور امام حسین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولا اجازت دیں تو تیر سے اس کا کام تمام کر دوں مگر مصلح اعظم اور پیغامبر امن امام نے ارشاد فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ ابتدائے جنگ میری طرف سے ہو۔ اس سے ایک طرف حضرت مسلم کے جوش ایمانی کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کیسے مطیع فرمانبردار امام تھے کہ کوئی بھی قدم بلا اجازت نہ اٹھاتے۔

متعدد معتبر کتب میں مذکور ہے کہ سب سے پہلے شہید آپ ہیں۔ اس اعتبار سے بھی آپ کو فہرست شہیدان کربلا میں ایک خاص مقام حاصل ہے

جب امام کی مختصر سی فوج پر میمنہ کے ساتھ فرات کی طرف سے فوج اشقیا حملہ آور ہوئی تو فوج حسینی نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور دشمنوں کو شکست فاش ہوئی جب اس خونریز جنگ کا اختتام ہوا اور دامن غبار چاک ہوا تو اس وقت حضرت مسلم ابن عوسجہ خون میں غلطاں دکھائی دئے۔ مہمان نواز امام سرہانے پہنچا تو دیکھا کہ عنقریب روح پرواز کرنا چاہتی ہے۔ راکب دوش رسول نے فرمایا کہ رب سبحانہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمتوں سے نوازے تم چلو ہم بھی جلد پہونچتے ہیں۔"

یہاں پر تاریخ میں وہ گفتگو جو حبیب ابن مظاہر اور مسلم ابن عوسجہ کے مابین ہوئی تھی یادگار حیثیت رکھتی ہے اور ناقابل فراموش ہے۔ جناب مسلم ابن عوسجہ کی یہ حالت زار دیکھکر جناب حبیب نے انھیں مبارکباد دیتے ہوئے کہا کہ تم عنقریب ہی انعامات الہٰیہ سے

سرفراز ہوگئے"۔ جناب مسلم نے بخوشی اس مبارکباد کو قبول فرمایا اس کے بعد جناب حبیب نے سوال کیا کہ کوئی وصیت ہو تو بیان کرو۔ اس وقت جناب مسلم کا جواب اس بات کا مظہر ہے کہ آپ کے پیش نظر صرف نصرتِ امامؑ تھی چنانچہ یہ نہیں کہا کہ میری زوجہ کا خیال رکھنا یا میرے بچوں کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آنا۔ بلکہ فرمایا کہ تم بھی اپنی جان جلد امام پر قربان کرو۔"

اس کے بعد روح جنت فردوس کیطرف پرواز کرگئی

(۷) حضرت حبیب ابن مظاہر

آپ صحابیٔ رسول ہونے کے ساتھ ساتھ صحابی امیرالمومنین صحابیٔ امام حسنؑ اور صحابیٔ امام حسینؑ ہونے کا شرف بھی رکھتے ہیں۔ ایسا شیخ طوسی نے تحریر فرمایا ہے۔

آپ کی ولادت عرب کے ایک ممتاز خاندان میں ہوئی تھی اور آپ کے چچا زاد بھائی جناب ربیعہ بن حوط ایک بہت ہی متعارف شاعر ہوئے ہیں۔ یہی نہیں کہ صرف آپ کی ولادت ایک معزز خاندان میں ہوئی ہو بلکہ آپ کی درس و تدریس اور تعلیم و تربیت بھی ایک ایسے بزرگ کے ذریعہ ہوئی ہے جسے دنیائے اسلام باب مدینۃ العلم اور خطیب منبر سلونی کے القاب سے یاد کرتی ہے امیرالمومنین کی تعلیم و تربیت دنیا اس بات کا مستقل ثبوت ہے کہ آپ کا کردار انتہائی بلند تھا۔

آپ امام حسین کے سچے مخلص اور محب تھے چنانچہ تاریخ اپنے دامن میں ایسے بہت سے واقعات محفوظ کئے ہوئے ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ نے خط و کتابت نیز ذاتی دیکھ گفت و شنید کے ذریعہ شیعان امام حسینؑ میں اضافہ کرنے کی سعیٔ بلیغ فرمائی ہے۔ آپ کے حضرت مسلم ابن عقیل کے مدد کرنے کا ذکر تاریخ میں ہے ملاحظہ کیجئے طبری ج ۱ صفحہ ۱۹۹) یہی نہیں بلکہ کربلا تک میں حبیب ابن مظاہر امام حسینؑ کے فدائیوں اور جان نثاروں کی تعداد میں اضافہ کرنے کے لئے عملاً کوشاں رہے۔ چنانچہ شب عاشورہ بھی آپ نے امام سے اجازت طلب فرمائی کہ وہ جاکر اپنے قبیلہ بنی اسد سے جو اس کے اطراف میں مقیم ہیں آپ کی نصرت کرنے کا استدعا کریں۔ امام عالی مقام نے اجازت مرحمت فرمائی اور آپ وہاں تشریف لے گئے اور ہر ممکن طریقہ سے اُن کو امام حسینؑ نصرت کی طرف متوجہ فرمایا اور اُن لوگوں نے بھی آپ کی نصیحت سے اثر لیا اور سب سے پہلے عبداللہ بن بشیر نے آپ کی حمایت میں آواز بلند کی اور اس کے بعد اور بھی بہت سے افراد نے نصرت سیدالشہداء کے نام پر لبیک کہی۔ حضرت حبیبؓ سب کو لیکر چلے لیکن اس کا پتہ عمر سعد کو چل گیا اور اس نے پانچسو سواروں کو راستہ روکنے کی غرض سے بھیجدیا جس کا مقابلہ کرنے کی قوت اس مختصر جماعت میں نہ تھی۔ نتیجتاً وہ سب لوگ لوٹ گئے اور جناب حبیبؓ تنہا تشریف لائے۔

آپ کی معرفت کی انتہائی بلندیوں کو دیکھنے کے بعد ہی آپ کو امام حسین نے اپنی مختصر اور بے مثال فوج کے حصہ میسرہ کا سردار بنایا تھا۔

امام سے بے انتہا محبت رکھنے کی وجہ سے یہ مجاہد راہِ خدا مظلوم کربلا کے متعلق کوئی گستاخانہ یا نازیبا کلمہ سننے کا روادار نہ تھا چنانچہ اس کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں کہ جب کسی دشمن نے کوئی گستاخی کی ہے یا نازیبا کلمہ کہا ہے تو حضرت حبیب نے اس کا دندان شکن جواب دیا ہے۔ صبح عاشورہ جب امام حسین نے اپنا خطبہ ارشاد فرمایا ہے تو اس کے سننے کے بعد شمر ملعون نے یہ آواز بلند کہا کہ میں منافق ہوں اور عبادت پروردگار عالم صرف ایک حرف پر (یعنی زبانی) کرتا ہوں۔ اگر کچھ میری سمجھ میں آرہا ہے کہ آپ کیا کہتے ہیں۔ حبیب ابن مظاہر نے ان نازیبا کلمات کا جواب ان الفاظ میں دیا۔ جو طبری میں یوں مذکور ہیں۔

"بے شک خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو خدا کی ستر

حرفوں پر عبادت کرتا ہے (یعنی تیری عبادت مخلصانہ حیثیت سے یکرنگ نہیں بلکہ متضاد رنگ ہے) اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ تو سچ کہتا ہے کہ تیری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ امام کیا فرماتے ہیں کیونکہ تیرے دل پر مہر لگ چکی ہے۔"

دوسرا موقع وہ ہے کہ جس وقت حبیب کو غیظ آیا ہے اور وہ دشمنوں کے گستاخانہ کلمات کو نہیں سن سکے ہیں۔ یہ اس وقت ہوا جبکہ امام نے اصحاب کے ساتھ نماز جماعت پڑھنے کا قصد کیا اور فرمایا کہ ہمیں اتنی مہلت دی جائے کہ ہم نماز ظہر ادا کریں تو اس وقت اشقیا کی فوج میں سے کسی ملعون نے کہا کہ ہاں نماز پڑھ لو مگر تمہاری نماز درجہ قبولیت تک نہ پہونچے گی۔"

جناب حبیب یہ کلمات سنکر بے چین ہو گئے اور پیمانہ ضبط لبریز ہو گیا نیز یہ فرماتے ہوئے کہ تیری نماز قبول ہوگی اور فرزند رسول کی نماز قابل قبول نہیں حملہ آور ہوئے۔ حصین کے منہ پر تلوار ماری وہ زمین پر گرا دوسرے لوگوں نے حلقہ کرلیا اور جناب حبیبؓ سے اسے چھڑا کر لے گئے

لیکن اب جناب حبیبؓ میدان میں تھے جوش میں آکر یہ اشعار پڑھنے لگے کہ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم تعداد میں تمہارے برابر یا آدھے بھی ہوتے تو تم ہمارے سامنے سے یقینی طور پر بھاگ جاتے — اے حسب و نسب و اخلاق کے اعتبار سے بدترین قوم"۔ اس کے بعد آپ نے رجز پڑھا جو آپ کی خود داری کا واضح ثبوت ہے۔

"میں حبیب ہوں اور میرے باپ کا نام مظاہر تھا میدان جنگ اور بھڑکتی ہوئی لڑائی کے ہنگام کا شہسوار ہوں[1]

تمہاری تعداد ہم سے زیادہ اور لڑائی کا سامان تمہارے پاس فراواں ہے مگر ہم اپنی بات کے زیادہ دھنی اور مشکلات کے زیادہ برداشت کرنے والے ہیں نیز حجت ہماری بالا اور حقیقت نمایاں اور فرائض کی پابندی زیادہ اور دامن صاف ہے۔"

رجز پڑھنے کے بعد آپ میں ایک نیا جوش و ولولہ پیدا ہوا اور آپ تلوار لیکر پوری طرح سے آمادۂ جنگ ہوئے اور بہت خوب جنگ کی۔ آپ نے بدیل بن صریم کو بھی ایک ہی وار میں ختم کیا۔ اس نے جناب حبیب پر حملہ کیا اس کے بعد ایک دوسرے شخص نے حضرت حبیب پر نیزے کا وار کیا جس سے وہ گھوڑے سے زمین پر تشریف لائے اور اٹھنے کی کوشش ہی فرما رہے تھے کہ حصین نے جس کو آپ پہلے شکست دے چکے تھے، ایک تلوار لگائی جس سے وہ بے جان ہو کر گر پڑے اور کچھ دیر بعد روح جنت کی طرف پرواز کر گئی اور کائنات میں تاریکی چھا گئی لیکن مظالم کی انتہا اب بھی نہ ہوئی تھی بلکہ تمیمی اور حصین میں مباحثہ ہونے لگا۔ تمیمی کا دعویٰ تھا کہ انھیں قتل کرنے کا سہرا میرے سر ہے کیونکہ میں نے ہی اپنے وار سے گھوڑے سے گرایا اور حصین کہتا تھا کہ میری تلوار کے وار سے ان کا کام تمام ہوا۔ اس لئے یہ سعادت مجھے نصیب ہوئی بالآخر حصین نے کہا کہ مجھے اتنا کر لینے دو کہ ان کے سر کو اپنے گھوڑے کی گردن میں باندھ کر لشکر میں گردش کرا دوں تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ کارنامہ میں نے انجام دیا ہے اس کے بعد تم انعامات سے سرفراز ہونے کے لئے ان کے سر کو دربار ابن زیاد میں لے جانا۔ تمیمی نے یہ بات منظور کر لی اور پھر حصین نے ایسا ہی کیا اور اپنی شقاوت قلبی

---

[1] یہاں پر یہ واضح رہے کہ جناب حبیب بے انتہا شجاع و بہادر تھے یہاں تک کہ مخالفین بھی آپ کی بے پناہ شجاعت و دلیری کا لوہا مانتے تھے اسی لئے جب فوج مخالف سے کوئی مبارز لڑنے آتا تھا تو وہ اپنے خیال باطل میں مد مقابل کو ہیچ سمجھتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ تم سے کیا مقابلہ کروں اپنی فوج میں سے حبیب ابن مظاہر زہیر بن قین یا بریر بن خضیر جیسے کسی شجاع کو میرے مقابلہ کے لئے بھیجو۔

اور انتہائی بربریت کا مظاہرہ کر دیا۔
تاریخ کے اوراق اس کے بھی شاہد ہیں کہ آپ کے قتل ہونے پر امام مظلوم پر کافی اثر ہوا اور الفاظ حسرت و یاس زبان مبارک پر جاری ہوئے
ہزار ہزار درود اور لاکھ لاکھ سلام تم پر اے اصحاب رسول کہ تم نے جگر گوشۂ رسالت، مالک تاج جنت پروردہ آغوش نبوت، سید الشہداء مظلوم کربلا حضرت امام حسینؑ کی جانوں کو قربان کر کے صحابیت کی لاج رکھ لی۔ اسلام کو حیات جاودانی بخشی اور اپنے لافانی نقوش دین داری و حق پرستی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفحۂ ہستی پر چھوڑ گئے نیز دنیائے اسلام کو یہ درس دیا کہ مجاہدین راہ خدا تحفظ دین و مذہب کے لئے ہر عزیز سے عزیز شئے کو قربان کر دینے میں کچھ دریغ نہیں کرتے یہاں تک کہ موت کو بھی شہد سے شیریں سمجھتے ہیں۔ اور بچوں کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔
کاش ہمارے نوجوان، کربلا کے ان بوڑھے مجاہدین سے سبق لیں کہ کس طرح حق و صداقت کی راہ میں اپنا سب کچھ لٹانے پر بھی چہرے پر مسکراہٹ نظر آتی ہے نہ کہ ماتھے پر شکن۔

حضرت شبیب بن عبداللہ!

آپ کا شمار اصحاب رسول میں ہوتا ہے اور آپ صف اول کے فدایان و محبان حضرت علی میں سے تھے نیز حضرت علی کے ساتھ نہروان، صفین اور جمل کی جنگوں میں شریک ہوئے آپ کوفہ کے رہنے والے تھے اور حارث بن سریع کے غلام تھے کربلا میں امام مظلوم کی رفاقت و نصرت میں شہید ہوئے آپ کا ذکر ہم نے بعنوان سادات الاحرار میں بھی کیا ہے اس لئے آپ رسول اسلام کے صحابی ہونے کے ساتھ غلامی کے زمرہ سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

جناب انس بن حارث اسدی

آپ کو بھی پیغمبر اسلام کے صحابی ہونے کی سعادت نصیب ہوئی تھی اور آپ نے رسول کریم سے متعدد احادیث کی روایتیں فرمائی ہیں۔
سرکار رسالت کی لسان وحی ترجمان سے شہادت سید الشہداء کا حال سن چکے تھے اس لئے منتظر تھے کہ کب وہ وقت آئے اور کب میں نصرت امام میں جان دیکر درجہ شہادت پر فائز ہوں۔
تاریخیں بتاتی ہیں کہ آپ معرکہ کربلا میں موجود تھے اور آغاز جنگ ہو جانے کے بعد امام سے اجازت حاصل فرما کر میدان جدال و قتال میں آئے اور اس شان سے کہ عمامہ سے اپنی کمر باندھے ہوئے تھے اور اپنی بھوؤں کو رومال سے باندھ رکھا تھا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ اس وقت بہت ضعیف ہو چکے تھے اور یہ آپ کا انتہائی جذبۂ نصرت امام حسین تھا جو آپ نے اس پیرانہ سالی میں بھی تیر و تلوار کی اذیت و تکلیف کو برداشت کیا مگر نصرت و رفاقت حسینی سے گریز نہ فرمایا۔ امام آپ کے لئے یہ دعائے خیر فرما رہے تھے کہ اے خداوند عالم تو اس ضعیف مجاہد راہ خدا کے جذبۂ عمل کو پذیرا فرما۔ جناب انس آخرکار جنگ کرتے کرتے شہید ہوئے اور فضائے عالم میں رنج و الم کی بجلیاں کوندنے لگیں کائنات میں اندھیرا چھا گیا اور رسول کے ایک صحابی کا لاشہ جلتی ہوئی ریت پر پڑا تھا اور اس نبی کا کلمہ پڑھنے والے خوشیاں منا رہے تھے کہ لشکر حسینؑ کا ایک سپاہی اور کم ہوا۔

تحقیق و تجسس کی ایک معمولی کوشش۔

انس بن حارث صحابی کی تاریخ کربلا میں مخصوص اہمیت

انس کربلا کے متعلق جس پیشینگوئی کے امین تھے اس کا اس سلسلے کی دوسری پیشینگوئی کے ساتھ مطالعہ

علامہ سید مجتبیٰ حسن صاحب قبلہ کاموں پوری

خبر غیب کی دینی و عقلی قوت

انس بن حارث نے ایک غیبی خبر کی بنیاد پر کربلا میں اپنی جان عزیز جہان آفرین کے سپرد کی اس لئے خبر غیب کے دینی مقام پر سرسری طور پر روشنی ڈالنا ضروری ہے۔

انسان کے پاس جو ذرائع معلومات ہیں وہ براہ راست غیبی باتوں کا سراغ لگانے سے عاجز ہیں غیب کا علم خدا سے مخصوص ہے وہی جسے چاہے غیب آشنا بنا سکتا ہے۔ انسانی فکر اپنی ذاتی کوشش سے اس "عالم اعلیٰ" تک پرواز نہیں کر سکتی۔ جب کوئی غیب کی باتیں بتاتا ہے اور وہ ٹھیک بھی بات ہو جاتی ہیں تو اس سے عقل انسانی حیرت میں پڑ جاتی ہے اور اس نتیجہ پر پہونچتی ہے کہ اس غیبی خبر کا فاش کرنا اس کی کوشش سے ممکن نہیں۔ بشریت میں دوسرے انسان بھی اس کے شریک ہیں اور ہر درجہ کی صلاحیت کے انسان موجود ہیں لیکن کسی کا طائر علم غیب کے بلند آشیانہ تک نہیں پہونچا۔ اس لئے ضرور اس مخبر غیب کا "غیب الغیوب" کے سرچشمہ سے کوئی واسطہ ہے۔ گذشتہ زمانہ کے ان معلومات کا بیان کرنا جس کے دوسرے ذرائع نہیں ہیں آنے والے زمانہ کے متعلق کسی امر کا پیشین گوئی کرنا اور اس کا پورا ہونا ذہن کو اس یقین کی طرف کھینچ لاتا ہے کہ اس شخص پر پردہ غیب کے معلومات کا انکشاف ہوتا ہے اور یہ اللہ کی طرف سے مؤید ہے۔

قرآن و حدیث کے سچائی کے جہاں بہت سے ثبوت ہیں وہاں ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان دونوں نے غیبی خبروں کا ایک پہاڑ کھڑا کر دیا ہے۔ قرآن و حدیث میں "غیب الغیوب" خدا کی ذات و صفات کے متعلق جو معلومات فراہم کئے گئے ہیں وہ غیر مؤید انسان کی فکر تخلیق کی سطح سے بہت اونچے ہیں۔ روح و روحانیت اور فرشتوں کے متعلق جو باتیں کہی گئی ہیں انسان کے پاس کونسی ایسی کمند ہے کہ "ملاء اعلیٰ" کی دنیا سے ان معلومات کے ذخیرے کو کھینچ لائے۔ انسان ارضی مخلوق ہے۔ بغیر تائید الٰہی کے وہ ان مسائل تک نہیں پہونچ سکتا۔ گذشتہ قوموں کے واقعات جن کی انسانی تاریخ نے تدوین نہیں کی ہے ان کی خبر دینا اور بعد میں ان کا صحیح ثابت ہو جانا انسان کی نگاہ کو غیبی امداد کی طرف موڑ دیتا ہے۔ جو واقعات ابھی مستقبل کے ذہن میں ہیں ان کو ابھی فاش کر دینا انسان کو اس تصدیق پر مجبور کرتا ہے کہ ان معلومات کا ماخذ وہ نہیں۔ زمانہ کی حدوں سے بالا ہے اس کے سامنے ماضی و حال و مستقبل سب ایک سطح پر ہیں۔

سورہ روم میں قرآن مجید نے پیشگوئی کی تھی۔

الم۔ یہاں سے بہت قریب ہی ملک میں رومی نصاریٰ

ایرانی آتش پرستوں سے ہار گئے۔ مگر یہ ہارنے کے چند ہی سالوں کے بعد پھر ایرانیوں پر غالب آجائیں گے کیونکہ اس سے پہلے اور بعد (ہر زمانہ میں) ہر امر کا اختیار خدا ہی کو ہے (۲۱/۱-۳ روم ۳۰)

جناب رسول خدا کی بعثت کے نو سال بعد روم کی عیسائی حکومت اور ایران کی آتش پرست حکومت کے مابین فلسطین میں جنگ ہو گئی۔ رومی اہل کتاب تھے اس لئے مسلمان ایرانیوں پر ان کی فتح کے خواہش مند تھے۔ لیکن ان کی خواہش کے برعکس ایرانی غالب آئے۔ عرب کے مشرکوں نے اس کو اپنے حق میں فال نیک سمجھا انھوں نے قیاس کیا کہ جس طرح ایرانی مشرک روم کے اہل کتاب پر غالب آگئے ہیں ہم سب مسلمانوں پر غالب آکر رہیں گے۔ مشرک سرداروں نے اپنے عوام کے حوصلوں کو بڑھانے اور مسلمانوں میں احساس شکست پیدا کرنے کیلئے اس واقعہ کو خوب خوب اچھالا۔ اس سے مسلمان افسردہ ہوئے۔ قرآن نے اس سورہ میں یہ پیشین گوئی کی کہ چند ہی دنوں میں رومیوں کو فتح ہوگی۔ دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ پیشین گوئی پوری ہو کر رہی اور نو سال کے اندر رومیوں نے ایران کو مغلوب کر لیا۔

مستقبل کے وہ معلومات جن پر غیب کے گہرے پردے پڑے ہوئے ہیں ان کی پیشین گوئی اور ان کے صحیح علامات کا تعین عقل بشری نہیں کر سکتی۔ قرآن نے اس کی اطلاع فراہم کر دی۔

خدا ہی کے پاس قیامت کے آنے کا علم ہے۔ وہی مناسب موقع پر پانی برساتا ہے اور نر ہو یا مادہ جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں ہوتا ہے اُسے جانتا ہے۔ انسان کو تو اتنا بھی علم نہیں کہ وہ خود کل کیا کریگا۔ کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔ خدا ان سب باتوں سے آگاہ و خبردار ہے (۲۱/۳۳-۳۴- لقمان ۳۲-

ذیل کی آیت میں قرآن نے جو غیبی خبر فراہم کی تھی دنیا کے اہل علم اس سے بے خبر تھے۔

تم پہاڑ کو جامد سمجھتے ہو۔ یہ ابر کی طرح اُڑتے اُڑتے پھرتے ہیں۔ (۲۰/۸۷ نمل ۲۷)

فضا کے زمین سے کافی فاصلہ پر ہونے کی وجہ سے اس کے معلومات سے انسان بے خبر تھا۔ بغیر مادی ذرائع کے قرآن نے اس کی اطلاع فراہم کر دی۔

قرآن نے زندگی بعد مرگ اور برزخ اور جنت و دوزخ کے متعلق اطلاع فراہم کی جس تک علم الہی کے سوا کسی کی رسائی ممکن نہیں۔

"خدا کی قدرت کی نشانیوں میں آسمان و زمین کی خلقت اور ان جانداروں کا پیدا کرنا جو اس نے آسمان و زمین میں پھیلا رکھے ہیں ــــ اسے قدرت ہے کہ وہ جب چاہے انھیں جمع کرلے۔" (۲۵/۲۸ شوری ۴۲)

یہ وہ معلومات ہیں کہ قرآن کے انکشاف کے پہلے انسانی علم و فنون اور جس کی رسائی ان تک ممکن نہ تھی ان غیبی معلومات کا فراہم کرنا اس کا قطعی ثبوت ہے کہ یہ غیب مطلق کے خزانے سے حاصل ہوئی ہے اور خدا کے فیض نے ایک مخصوص انسان کے ذریعہ ان حقیقتوں کو آشکارا کیا ہے۔

قرآن کی طرح حدیث کی صحت کی بھی غیبی معلومات ایک کسوٹی ہیں۔ حدیث میں جو غیبی باتیں بتائی گئی ہیں وہ انسانی علم کی دسترس سے باہر ہے۔ خدا کے مخصوص فیض ہی سے یہ انکشاف ممکن ہوا۔ لہذا یہ اپنی صحت پر خود دلیل ہیں۔

آج ہم اس کسوٹی پر واقعہ کربلا کو کستے ہیں اور مسلمان مفکروں کے لئے واقعہ کربلا پر نظر و فکر کے لئے ایک نئی شاہراہ کھولتے ہیں۔ اور ایک ایسی بزرگ شخصیت کی گواہی پیش کرتے ہیں جو غیبی خبر کی شمع فروزاں ہاتھ میں لیکر کربلا کی قتل گاہ میں سر کیف پہونچ گئی اور جس نے بڑی آن بان اور بڑی جرأت و ہمت سے شہادت کا آب حیات پیا۔

انس ایک اہم ترین روایت کے راوی و مبلغ بلکہ اس روایت ہی نے ان کو شہادت کا جام شیریں پلایا۔

انس بن حارث صحابی کو رسولؐ خدا کی ایک پیشین گوئی کربلا تک لائی اور اس خون کفن شہید نے جرأت و ہمت و خلوص سے اس الہی کی اس طرح تعمیل کی جس طرح حضرت اسمٰعیل حکم الہی کی تعمیل کے لئے منیٰ کی قربان گاہ میں سر تسلیم جھکائے ہوئے پہونچ گئے تھے ۔۔۔ انس جیسی روایت کے مبلغ ہیں وہ سیکڑوں توہمات کے پردے چاک کر دیتی ہے اور مسلم فکر کو جو غیبی خبر پر عقیدہ رکھتی ہے تذبذب و تردد و شک کی وادی سے نکال کر یقین کی پر نور فضا میں پہونچا دیتی ہے اس روایت سے سچائی کا جو سیلاب اٹھتا ہے وہ تاریخی شکوک و تضاد کے خس و خاشاک کو بہائے جاتا ہے اس سے یہ قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ جس طرح حضرت اسمٰعیل منیٰ تک دعوت الہی کا خیر مقدم کرنے کیلئے گئے تھے اسی طرح امام حسین بھی خدا کی طرف سے مامور تھے کہ کربلا کی حق و باطل کی آخری جنگ میں اپنی قربانی سے سچائی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے فتح مند بنا دیں ۔۔۔ انس کی روایت اور انس کی شہادت شک کے ان مکڑی کے جالوں کو جن کو مصنف خلافت معاویہ و یزید محمود احمد عباسی صاحب نے اور ان کے بعض اسلاف نے تنا تھا ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ امام کو سفر کربلا سے روکنے والوں کی بھیڑ دکھا کر عباسی صاحب نے غلط فہمی پیدا کرنے کی جو ناکام کوشش کی ہے اس کے تار پود بکھر جاتے ہیں۔

ہزار قافلہ بیگانہ وار دید و گذشت
دلے کہ دید با نداز محرمانہ کجا ست ؟

انس کی زندگی واقعۂ کربلا کے بصیرت آموز مطالعہ کا ذوق پیدا کرتی ہے۔

ایسے انسان کی معرفت دلوں میں نور یقین پیدا کرے گی جو ایک فیصلہ کن وقت کے انتظار میں جی رہا تھا جو اپنی خاک کو کیمیا بنانے کی آرزو میں گردش شب و روز کے پیچھے دوڑ رہا تھا۔

زندگانی را بقا از مدعاست
کاروانش را درا از مدعاست
از تمنا رقص دل در سینہ ہا
سینہ ہا از تاب او آئینہ ہا
دل ز سوز آرزو گیرد حیات
غیر حق میرد چو او گیرد حیات

امام حسین کے ساتھیوں میں سے کچھ ایسے تھے جنھیں سنہ ۶۱ھ کا انتظار تھا یہ اپنی آخری سانسوں کو سنہ ۶۱ھ کی امانت سمجھتے تھے۔ کچھ وہ تھے جو راستہ میں امام کے ساتھ ہو گئے تھے اور بعض تو وہ تھے جو شب عاشور امام کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے۔ انس ان لوگوں میں تھے جنکو رسول کی پیشین گوئی پر کامل یقین تھا اور زندگی کی منزل متعین تھی۔

تاریخ و ادب و سیرت و جغرافیہ و علم الانساب وغیرہ کی مدد سے انس کی پوری پوری معرفت حاصل کرنے کی ضرورت ہے ان کی زندگی کے ہر گوشہ پر نصف النہار کی روشنی میں نظر ڈالنا ہمارا فریضہ ہے اس لئے کہ کردار سازی میں ہمیں ان کے عزم و خلوص و بے خوفی سے مدد ملتی ہے۔

انس کا خاندان و وطن

یہ خوشی کی بات ہے کہ انس کا پورا نسب نامہ تاریخ نے آجتک یاد رکھا۔ ہم کو انکا نسب نہ بھی معلوم ہوتا تو کوئی افسوس نہ ہوتا۔ اس لئے کہ انس خود اپنی زندگی کے معمار ہیں۔ ان کی زندگی کے مطالعہ میں خود اس قدر محویت و سوز و ساز ہے کہ ان کے گرد و پیش پر نظر کرنے کی فرصت کم ملتی ہے۔ ان کے شجرہ نسب میں ہمیں یہ نام ملتے ہیں انس بن حرث، بن نبیہ، بن کاہل بن عمرو بن صعب

بن اسد بن خزیمہ اسدی کاہلی ہے

بعض معمولی اختلافات ان کے نسب میں ملتے ہیں جن کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے اور ان اختلافات کو دور کرنا بھی آسان ہے۔ مثلاً ان کے باپ کے نام میں کہیں حرث لکھا ہے اور کہیں حارث، ہر اختلاف کا سبب پرانا رسم تحریر ہے جس میں الف مکتوبی نہیں ہوتا لیکن ملفوظ ظاہر ہوتا تھا۔ اسی طرح ان کے باپ کے نام میں اختلاف ہو گیا ہے کوئی حرث لکھتا ہے کوئی ہزلہ لکھتا ہے ـــ ابو احمد نے کہا ہے کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ انس ہزلہ کے بیٹے ہیں (دو اللہ اعلم ۱۴۷/۱ ترجمہ ارد و اسد الغابہ حمزہ دلون مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۳۶ھ)

جزری نے یہ رائے قائم کی ہے کہ حارث و ہزلہ یہ ایک ہی آدمی کے دو نام ہیں (۱۴۳/۱ اسد الغابہ)

جزری نے اپنی رائے کی تائید میں ابو احمد کا حوالہ دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ ایک عالم و فاضل شخص ہیں اگر انھیں معلوم ہوتا کہ یہ دو نام الگ الگ شخصیتوں کے ہیں تو وہ یہ نہ کہتے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں۔ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں ـ اس کے ثبوت میں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انس بن حارث وانس بن ہزلہ دونوں کے ذکر میں یہ مشترک بات ملتی ہے کہ وہ حضرت حسینؑ کے ہمراہ شہید ہوئے۔

(۱۸۹/۱ ترجمہ اسد الغابہ)

حضرت انس کے نام میں بھی بعض مصادر میں عرصہ سے غلطی چلی آرہی ہے۔ امالی صدوق م ۳۸۱ھ میں مالک بن انس کاہلی لکھا ہے (۹۷) مقتل الحسین خوارزمی م ۵۶۸ھ (۱/۸) مناقب ابن شہر آشوب م ۵۸۸ھ میں بھی یہ سامنے ہوا ہے صحیح نام انس بن حارث ہے یہی کربلا میں شہید ہوئے۔ مالک بن انس کسی شہید کا نام نہیں۔ سپہر کاشانی نے بھی ناسخ ۲۶۳/۲ میں اس غلطی پر توجہ دلائی ہے۔

انس کوفہ کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ بنی اسد کی نئی شاخوں سے کئی نمایاں لوگوں نے امام حسین کے ساتھ کربلا میں حصہ لیا۔ حبیب بن مظاہر اسدی، مسلم بن عوسجہ اسدی قیس بن مسہر صیداوی۔ عمرو بن خالد اسدی صیداوی کربلا کے نامور شہدا میں ہیں ان حضرات کی شہادت نے ان کے قبائل کو دائمی عزت بخشی، انس نے بھی قبیلہ بنی اسد کی ایک شاخ "کاہل" کا اپنی شہادت سے سر اونچا کیا۔ کاہل بن اسد بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر قبیلہ اسد کی ایک شاخ کے جد اعلیٰ تھے (منہج المقال مامقانی)

انس اور صحابیت

ابن مندہ م ۳۹۵ھ۔ ابو عمر (صاحب الاستیعاب) اور ابو احمد عسکری اور ابن حجر عسقلانی ان کو جناب رسول خدا کا صحابی تسلیم کرتے ہیں (اسد الغابہ ۱۴۷/۱ امام ابن حجر ۵۹۶/۱)

ابو نعیم نے غلط فہمی سے ان کو تابعین میں رکھا ہے، ذہبی سے بھی یہی غلطی ہوئی۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ صحابی نہیں ہیں اور ان کی حدیث مرسل ہے (تجرید اسماء الصحابہ ج ۱ ص ۳۱ مطبوعہ حیدرآباد)

ابو نعیم خصوصاً ذہبی کی اس رائے پر علماء نے تنقید کی ہے اور کہا کہ انس کی صحابیت سے ان کا انکار وہم پر مبنی ہے ابن حجر ذہبی کی کو ایک ماننے کی بات سمجھتے ہیں اور ذہبی اس رائے پر تعجب کرتے ہیں کہ انس کی روایت مرسل ہے یہ کہتے ہیں ان کی روایت کو مرسل کیسے کہا جا سکتا ہے؛ اس میں تو "سمعت" کا لفظ موجود ہے (اصابہ ابن حجر ۵۹۶/۱)

انس اصحاب صفہ میں

مورخ ابن عساکر م ۵۷۱ھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ انس بن حرث بن منبہ کاہلی بہت بڑے صحابی تھے ـ یہ ان لوگوں میں تھے جنھوں نے جناب رسول خدا کو دیکھا اور روایت بھی کی ـ عبد الرحمٰن سلمی نے ان کو اصحاب صفہ میں ذکر کیا ہے۔ شیخ ابو عبد الرحمٰن سلمی م ۴۱۲ھ نے اہل صفہ پر ایک جامع کتاب لکھی ہے۔ اہل صفہ کے ذکر میں جس کے حوالے جا بجا ملتے ہیں ـ صفہ مسجد نبی سے

سے ملا ہوا ایک چبوترہ تھا۔ جو پریشان حال مسلمان ہجرت کرکے مدینہ آگئے تھے اور ان کا کوئی سہارا نہ تھا رسول اللہ نے ان کو، یہاں مہمان بنا لیا تھا۔ یہ لوگ اسی چبوترے پر اپنی زندگی کے دن گزار لیتے تھے یہ لوگ مختلف اوقات میں آتے رہے اور جب کسی کو کوئی سہارا مل جاتا تھا تو وہ اپنے کاروبار میں لگ جاتا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ رہنے لگتا۔ ایک وقت میں ان کی تعداد چار سو تک ہوگئی تھی۔ رسول اللہ ان کی دیکھ بھال رکھتے اور ہر شخص کو ہر روز ایک ایک مُد کھجور دیا کرتے۔ اس وقت مسلمانوں کی اقتصادی حالت اتنی خراب تھی کہ ان کو کھجور کے سوا کوئی دوسری چیز غذا میں نہ مل سکتی، ان کی صحت خراب ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی رسول خدا رات کو اٹھ کر جاتے اور ان کی خبر لیتے۔ ایک بار رات کو حضرت کچھ غذا لیکر تشریف لائے اور دس دس آدمیوں کو نیند سے اٹھا کر کھلایا (۲/۳۵ سفینۃ البحار القمی عباس قمی)

رسول اللہ کی طرح اہل بیت بھی ان کی خبر گیری کرتے اصحاب صفہ میں بہت سے اہل دل تھے جن پر رسول خدا اور اہلبیت کی خاص نظر رہتی۔ ابونعیم اصفہانی نے لکھا ہے کہ اہلبیت میں جو فقراء اور اہل صفہ پر خاص توجہ رکھتے تھے ان میں حسین ابن علی اور عبداللہ بن جعفر بھی تھے یہ لوگ ان کے پاس بیٹھتے تھے۔ اور ان سے ملتے جلتے رہتے تھے۔ (۲۹ حلیۃ الاولیا ابونعیم اصفہانی) م ۴۳۰ھ مطبوعہ ۱۹۳۲ء)

ابونعیم کی اس تصریح سے ہمیں یہ رائے قائم کرنے کی گنجائش ملتی ہے کہ حضرت انس اور امام حسین ایک دوسرے سے مدت تک قریب رہے ہیں۔

انس میدان جہاد میں

انس کے کان دین کی دعوت پر لگے رہتے۔ دین جس وقت پکارتا یہ حاضر ہو جاتے۔ اصحاب صفہ میں جو ریاضت وعبادت کا چراغ روشن کرتا تھا جب ندائے رباقی اسے میدان جنگ میں پکارا تو لبیک کہتا ہوا وہاں پہونچ گیا۔ بدر و حنین دو غزوں میں انس کا نام آیا ہے (رجال مامقانی ۱۵۴)

دوسرے غزوات میں ان کے نام کی تصریح نہ ملنے سے ان کی شرکت کی نفی نہیں ہوتی یا تو دوسرے غزوات میں تاریخ ان کا نام نوٹ کرنا بھول گئی یا قصداً ان کو نظر انداز کر دیا گیا اس لئے کہ اہلبیت سے ان کی خصوصیت دوسرے حلقوں میں ان کی حق تلفی کی وجہ بن سکتی تھی۔ ممکن ہے کوئی اور وجہ ہو، سردست ہمارا کوئی فیصلہ نہیں ہے۔

البتہ بعض جنگوں میں ان کا نام لیا گیا ہے ان کی کافی تاریخی اہمیت ہے۔ رسول اللہ نے مکہ سے ہجرت کرکے جب مدینہ کو اپنی دعوت کا مرکز بنایا اور مدینہ اور اس کے آس پاس کے یہودیوں سے ناجنگی معاہدہ کر لیا۔ اور مدینہ کے گرد وپیش کے عربی قبائل سے بھی صلح کر لی تو قریش نے اسے رسول اللہ کی طاقت وکامیابی میں اضافہ تصور کیا اور ابتدا ہی میں آپ کی سیاسی زندگی کی کمر توڑنے کیلئے وہ بدحواس ہو کر مدینہ میں فوج کشی کر بیٹھے۔ بدر کے واقعہ کا یہی پس منظر ہے۔ یہ مسلمانوں کی موت وحیات کا فیصلہ کرنے والی جنگ تھی۔ پہلا موقع تھا کہ مسلمان اپنی مدافعت کیلئے اپنی تنظیم کرسکے مکہ کے مشرک تقریباً ایک ہزار تھے اور مسلمان صرف تین سو تھے۔ مشرکوں کے پاس سامان جنگ بھی ازادہ سے تھا۔ سو گھوڑے ساتھ لائے تھے۔ مسلمانوں کے پاس صرف دو گھوڑے تھے۔ مشرک ہر روز نو دس اونٹ ذبح کرتے تھے۔ مسلمانوں کے پاس کل ستر اونٹ تھے اس جنگ کی خصوصی اہمیت کی بنا پر قرآن مجید نے بھی بڑے اہتمام سے اس کا ذکر کیا۔ جن لوگوں نے اس غزوہ میں شرکت کی تھی ان کو ہمیشہ خاص عزت سے یاد کیا جاتا رہا۔ اس غزوہ میں شریک ہونے والوں کی فہرست میں صفہ کے روحانی مجاہد انس بن حارث کا نام بھی چمک رہا ہے۔

۸ھ میں فتح مکہ کے بعد مشرکین نے حنین میں ایک آخری زور آزمائی کی۔ بارہ ہزار مسلم فوج حنین کی طرف بڑھی۔ اس فوج میں ہر طرح کے لوگ شریک ہوگئے تھے۔ نو مسلم بھی تھے

منافق بھی تھے۔ اس لئے ابتداء میں مسلمانوں کو شکست ہوئی پھر اللہ نے اس شکست کو فتح سے بدل دیا۔ اس غزوہ میں بھی حضرت انس کا نام نامی ملتا ہے۔

انس اور روایت حدیث

واقعہ کربلا پر فکر و نظر کا رخ بدلنے والی حدیث

امام حسین علیہ السلام اللہ اور رسول کی طرف سے معرکۂ کربلا کی قیادت کیلئے مامور تھے اس کا علم بہت سے صحابہ و تابعین کو تھا اور بعض صحابہ جب وقت آیا تو رسول خدا کے فرمان کی روشنی میں اپنا اپنا فریضہ ادا کرنے کیلئے کربلا پہونچ گئے تھے۔۔۔ حضرت انس بن حارث سے اس سلسلہ کی جو روایت ہم یا ملی ہے اس کی سند و متن یہ ہے۔

"حدثنی سعید بن عبد الملک الحرانی عن عطا بن مسلم عن اشعث بن سحیم عن ابیہ عن انس بن الحرث الکاہلی۔ قال سمعت رسول اللہ۔ یقول ان ابنی ہذا یعنی الحسین یقتل بارض یقال لھا کربلا۔ فمن شہدہ منکم فلینصرہ"

سعید بن عبد الملک حرانی کہتے ہیں مجھ سے عطا بن مسلم نے بیان کیا ان سے اشعث بن سحیم نے ان سے ان کے باپ نے بیان کیا کہ انس بن حرث کاہلی فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرا یہ بیٹا ۔۔۔ حسین ایک زمین پر قتل کیا جائے گا جسے کربلا کہتے ہیں۔ جو تم میں سے اس وقت موجود ہو اس پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرے ۔۔۔ راوی کہتا ہے کہ اس بناء پر انس بن حرث کربلا گئے اور حسین کے ساتھ قتل ہوگئے۔ (اصابہ ابن حجر عسقلانی)

ابن سکن وابو علی سعید بن عثمان بن سعید بن سکن م ۳۵۳ھ) کہتے ہیں یہ روایت صرف اسی طریقہ سے ہے اور اس کے علاوہ انس کی کوئی اور روایت نہیں ہے

ابن سکن کی تنقید پر ہماری جوابی تنقید

صرف اسی طریقہ سے اس روایت کا ہونا اور انس کی صرف یہی ایک روایت کا ہونا اس حدیث کی اہمیت کو نہیں گھٹا سکتا۔ رسول اللہ کے صحابہ میں سلمہ بن نعیم اشجعی، مالک بن صعصعہ، سائب بن خلاد، محجن بن ادرع، غفاف غفاری، ذوالجبر حبشی نے صرف پانچ پانچ اور مالک بن ہبیرہ کندی اور زید بن حارثہ نے صرف چار چار اور کلثوم بن حصین غفاری، وجیہہ کلبی، عبداللہ بن وہب نے صرف دو دو اور مالک بن یسار وعبداللہ بن زمعہ و کلثوم علقمہ نے صرف ایک ایک روایت کی ہے۔ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل صحابی جن کو عشرہ مبشرہ میں شامل کیا جاتا ہے ان کی تو ایک بھی روایت نہیں ہے۔ لہذا انس کا صرف اسی روایت کا راوی ہونا اور اس روایت کا کسی دوسرے ذریعہ سے نہ مروی ہونا اس کی صحت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا جبکہ اس کے مطالب دشواہد سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے اور امام حسین کی شہادت کی خبر دوسرے اسناد سے بھی ملتی ہے جس میں مختلف درجۂ اعتبار و عمر کے صحابہ و صحابیات رسول سے اس خبر کو سنتے ہیں اور دوسرے راویوں کو اس کا امین بناتے ہیں۔۔۔ ان تمام احادیث کا ذخیرہ اکٹھا کر دینا جن میں جناب رسول خدا نے اپنے اہلبیت و اصحاب سے شہادت امام حسین کا ذکر فرمایا ہے۔ مقالہ کو اس کے طبعی حدود سے بڑھا دے گا اس لئے چند روایتوں کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے اس وقت صرف انھیں لوگوں کی حدیثوں پر اکتفا کی جاتی ہے جو حضرت سے بہت قریب تھے ازواج میں حضرت ام سلمہ روایات شہادت امام حسین کی مخصوص امانتدار ہیں۔ ان کے پاس اس سلسلے کے بہت سے اسرار تھے۔ ان کی بعض روایتیں درج کی جاتی ہیں۔

کربلا کی پیشگوئیوں کے روایت کی بزم میں انس تنہا نہیں ہیں

کیا ابن سکن وغیرہ کی نظر سے یہ روایتیں نہیں گذریں

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا وکیع قال حدثت

عبد اللہ بن سعید عن ابیہ عن عائشہ او ام سلمۃ ، قال وکیع شک ہو یعنی عبد اللہ بن سعید ، ان النبی قال لاحداہما لقد دخل علی ملک لم یدخل قبلہا ۔ فقال لی ان ابنک ہذا حسین مقتول ۔ و ان شئت اریتک من تربۃ الارض التی یقتل بہا ۔ قال فاخرج تربۃ حمراء ۔

(۲۹۴ مسند احمد بن حنبل)

عبد اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا ان سے وکیع نے ان سے عبد اللہ بن سعید نے ان سے ان کے باپ سعید نے کہ حضرت عائشہ یا ام سلمہ نے کہا کہ رسول اللہ نے بیان فرمایا کہ اس وقت میرے پاس وہ فرشتہ آیا ہے جو کبھی نہیں آیا تھا اس نے مجھ سے کہا آپ کا یہ بیٹا حسین قتل کیا جائے گا اگر آپ چاہیں تو اس زمین کی مٹی آپ کو دکھا دوں جہاں وہ قتل ہوں گے ۔ فرشتے نے حضرت کو سرخ مٹی نکالکر دکھائی ۔

عن سعد بن طریف عن ابی جعفر محمد بن علی عن ابیہ عن ام سلمۃ ۔ قالت قال رسول اللہ یقتل الحسین علی راس ستین من مہاجرتی ۔ (۱/۱۶۱ مقتل الحسین ابو الموید خطیب خوارزم موفق)

حضرت ام سلمہ کے پاس اس سلسلہ کی کئی اطلاعیں تھیں ۔ (۱/۱۵۸ مقتل خوارزمی)

سعد بن طریف امام محمد باقر سے وہ حضرت اپنے والد زین العابدین سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت ام سلمہ نے فرمایا کہ جناب رسول خدا نے فرمایا ہے سنہ ۶۰ھ کے آغاز میں حسین قتل کئے جائیں گے ۔

اس روایت میں " راس ستین ۔ یا تو اس میں تصحیف واقع ہو گئی ہے یعنی احدی کا لفظ بدلکر راس ہو گیا ہے یا مراد یہ ہے کہ سنہ ۶۰ھ کے آغاز ہی میں ان کے قتل کی تجویز عمل ہو جائے گی ۔

حضرت علی مختلف مواقع پر جناب رسول خدا کی خبر لوگوں سے بیان فرمایا کرتے تھے اس سلسلے کی ایک روایت یہ ہے :-

حدثنا عبد اللہ حدثنی ابی حدثنا محمد بن عبید حدثنا شرحبیل بن مدرک عن عبد اللہ بن نجی (الحضرمی) عن ابیہ ، انہ سار مع علی وکان صاحب مطہرتہ فلما حاذی نینوی وہو منطلق الی صفین ۔ فنادی علی اصبر ابا عبد اللہ ، اصبر ابا عبد اللہ بشط الفرات ۔ قلت ، ماذا ؟ قال دخلت علی النبی ذات یوم ۔ وعیناہ تفیضان قلت یا نبی اللہ اغضبک احد ما شان عینیک تفیضان قال بل قام من عندی جبرئیل قبل فحدثنی ان الحسین یقتل بشط الفرات قال ۔ فقال ہل لک ان اشمک من تربتہ ، قال قلت نعم فمد یدہ فقبض قبضۃ من تراب فاعطانیہا فلم املک عینی ان فاضتا

(۱/۸۵ مسند احمد بن حنبل شیبانی مروزی) (اخبار الطوال ص ۱۵۱ مقتل خوارزمی ص ۱۷۰)

کامل الزیارات ابن قولویہ قمی م سنہ ۳۶۷ھ وغیرہ میں اس سلسلے میں امیر المومنین کے تاثرات مختلف شکلوں میں مذکور ہیں ۔

عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے روایت کی ۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن عبید نے ان سے شرحبیل بن مدرک نے ان سے عبد اللہ بن نجی نے ان سے ان کے والد نے کہ وہ حضرت علی کے ساتھ سفر کر رہے تھے صفین جاتے وقت جب نینوی پہونچے تو بلند الفاظ میں فرمایا ۔۔۔ اے ابو عبد اللہ صبر کرو ۔ اے ابو عبد اللہ صبر کرو ۔ فرات کے کنارے ۔۔ میں نے کہا یہ کیا بات ہے ۔ فرمایا کہ میں ایک دن رسول خدا کے پاس گیا ۔ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ میں نے کہا کہ آپ کو کس نے ناراض کیا ہے آپ کی آنکھ سے آنسو کیوں جاری ہیں ۔ فرمایا ابھی جبرئیل میرے پاس سے گئے ہیں ۔ مجھ سے بیان کیا ہے کہ حسین فرات کے ساحل پر قتل کئے جائیں گے ۔ مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ ان کی قبر کی مٹی سونگھیں گے ۔ میں نے کہا ۔۔ ہاں ۔ ہاتھ بڑھا کر ایک مٹھی مٹی مجھے دے دی ۔ میں اپنے آنسوؤں کو

کو نہ روک سکا۔

ابن عباس کا نام محمود عباسی اور ان کے اسلاف اور معاصرین نے بہت لیا ہے کہ انھوں نے امام حسینؑ کو سفر کربلا سے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن ابن عباس سے اس سلسلے میں اس قدر روائتیں ہیں کہ ایک مورخ و سیرت نگار کو گھبرا کر کہ میں امام حسین کے، نہ ان کے طرزِ عمل کے متعلق مورخوں کے بیان پر تجدیدِ نظر کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے کہ ان سب روایات کو رد کر دیا جائے جو مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر نے اپنی احادیث کی چوٹی کی کتابوں میں درج کی ہیں —— یا ابن عباس کے متعلق مورخوں کے بیانات کو شک کی نظر سے دیکھا جائے یا اس کی کوئی تاویل کی جائے۔ میری نظر میں تو محمد بن حنفیہ اور عبداللہ بن جعفر اور ابن عباس کو امام نے مدینہ و مکہ میں رہنے کے لئے مامور کیا تھا تاکہ یہ لوگ مرکزِ حکومت کے طرزِ عمل پر نگاہ رکھیں۔ محمد بن حنفیہ کے متعلق قدیم مصادر میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ وہ امام کی طرف سے حالات کے جائزہ کے لئے (معین) مقرر ہوئے تھے۔ میں اسے ایک حقیقت کے طور پر پیش کرنے کا دعویٰ نہیں کرتا۔ میرا یہ ایک نظریہ ہے

مورخوں نے حالات سے بہت کچھ استنباط کیا ہے اسی حق کے قریب میں بھی کھڑا ہو گیا ہوتا۔ ابن عباس سے جو روایت مسلمانوں کے ہر مکتبِ خیال کے کتبِ احادیث میں نقل ہوئی ہیں۔ کیا یہ مورخوں کے بیانات پر ایک لمحہ فکریہ کی دعوت بھی نہیں دیتی۔ ابن عباس کی روایت ایک سند و متن حسب ذیل ہے۔

"ابو عبداللہ حافظ سے مروی ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھ سے ابوبکر محمد بن احمد نے بیان کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابراہیم بن عبداللہ بن حجاج نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے حجاج بن نصیر نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے قرہ بن خالد نے بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے عامر بن عبدالواحد نے ان سے ابوالضحیٰ نے انھوں نے ابن عباس سے روایت کی۔ یہ کہتے تھے کہ ہم اہلبیت کو

شک نہ رہا اور یہ بہت لوگ تھے کہ حسین ابن علی کربلا میں قتل ہوں گے۔ (مقتل خوارزمی ۱/۱۶۰)

آخر میں ہم ایک روایت مالک بن انس صحابی کی درج کرتے ہیں جو رسول اللہ کے دیرینہ خادم بھی تھے اور جن کی نگاہ سے بے شمار موقع ایسے آئے ہیں جن میں جناب رسول خدا نے اہلبیت خصوصاً امام حسین کے متعلق وحی الٰہی کی ترجمانی فرمائی ہے۔

انس کی روایت کی متن و سند حسب ذیل ہے جس میں ایک تاریخی واقعہ کربلا سے اونچا ہو کر مرضئ الٰہی کی تعمیل کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

"انس بیان کرتے ہیں کہ بارش کے فرشتے نے اللہ سے رسول کی بارگاہ میں حضوری کی اجازت چاہی۔ اللہ نے اجازت دے دی۔ رسول خدا نے ام سلمہ سے فرمایا۔ دروازے پر نگاہ رکھو کوئی آنے نہ پائے۔ حسین نے آنا چاہا ام سلمہ نے روکا وہ اندر آ گئے اور رسول کی پشت اور شانے اور گردن پر بیٹھنے لگے۔

فرشتے نے رسول سے کہا کیا آپ ان سے محبت فرماتے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہاں —— فرمایا لیکن آپ کی امت تو ان کو قتل کرے گی۔ اگر آپ چاہیں تو آپ کو ان کی قتل گاہ کی مٹی دکھا دوں۔ فرشتے نے سرخ مٹی لا کر دی۔ ام سلمہ نے اسے اپنے دوپٹہ میں باندھ لیا۔

ثابت (انس کے راوی) کہتے ہیں کہ ہمیں یہ خبر ملی کہ وہ کربلا ہے (ایک روایت یہ ہے) ہم سنتے تھے کہ وہ کربلا میں قتل کئے جائیں گے" (مسند احمد ۳/۲۶۵)

انھیں لفظوں میں اور معمولی فرق کے ساتھ یہ روایت بے شمار کتابوں میں ملتی ہے خوارزمی نے اپنے مقتل (۱۶/۱) میں بھی اسے درج کیا ہے ہم نے کئی روایتیں امام احمد بن حنبل کی مسند سے پیش کی ہیں۔ امام احمد مسلمانوں کے چاروں فقہی فرقوں میں اپنا خاص مقام رکھتے ہیں۔ خصوصاً فرقہ حنبلی کی تو ساری عمارت ہی انھیں کے روایات پر کھڑی ہے۔

المسند امام احمد کے روایات کا مجموعہ ہے جنھیں انھوں نے سولہ سال کی عمر سے یعنی ۱۸۰ھ سے شروع کیا تھا اور زندگی کے آخری حصہ تک اس ذخیرے کے جمع کرنے میں مشغول رہے زندگی کے آخری دور میں اپنے بیٹے عبداللہ کو ان احادیث کا املا کرا دیا عبداللہ خود بھی علم حدیث کے امام مانے جاتے ہیں — علامہ ابن تیمیہ جو سید الشہداء کے مخالفین کے پیشرو ہیں اور محمود احمد عباسی نے جب سے خلافت معاویہ و یزید میں جس کے زہر کو اپنی تصنیف کے جام میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے) مسند احمد بن حنبل کو جو اپنی مشہور کتاب منہاج السنۃ میں بڑی اہمیت دیتے ہیں اور اصرار کرتے ہیں کہ مسند میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے بھی القول المسدد فی الذب عن مسند احمد میں دعویٰ کیا ہے کہ مسند میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔

صحابہ و تابعین سے واقعہ کربلا کی پیشگوئیاں اس قدر کتب احادیث و تواریخ و مقاتل میں مذکور ہیں کہ ان پر ایک مستقل کتاب ترتیب دی جا سکتی ہے۔ صرف صدر الائمہ اخطب خوارزم ابو المؤید موفق بن احمد مؤید بن ابی سعید اسحاق مؤید مکی خوارزمی حنفی مولود ۴۸۴ھ متوفی ۵۶۸ھ نے اپنے مشہور مقتل الحسین (مطبع نجف ۱۹۴۸ء) میں ص ۱۵۱ سے ص ۱۷۰ تک حضرت ام سلمہ و ام فضل و ام عائشہ، انس بن حارث، انس بن مالک خادم رسولؐ، حضرت علی، معاذ بن جبل، شیبان بن مخزم، مسور بن مخرمہ، ابوہریرہ۔ اور خود امام حسین سے واقعہ شہادت امام پر پیشین گوئیوں کی ایک قطار کھڑی کر دی ہے۔

شیعہ مصادر میں تو نہایت تفصیل سے سید الشہداء اور ان کے ساتھیوں اور ان کے قاتلوں کے متعلق پیشین گوئیوں کا ایک خزانہ ہے علل الشرائع، عیون، خصال شیخ صدوق ارشاد شیخ مفید، قرب الاسناد حمیری، کامل الزیارت ابن قولویہ۔ مناقب ابن شہر آشوب احتجاج طبرسی وغیرہ اس سلسلے کی پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں۔

کربلا میں ایک تابعی شہید نے بھی ایک ایسی پیشگوئی کا ذکر کیا

زہیر بن قین علیہ الرحمۃ عثمانی مدرسہ سے تعلق رکھتے تھے

امیر المومنین علیہ السلام کے عہد میں صف مخالف میں تھے اور عثمانی کہے جاتے تھے۔ سنہ ۶۰ھ میں وہ حج سے پلٹ رہے تھے کہ ایک منزل پر امام حسینؑ اور ان کا ساتھ ہو گیا اور وہ امام کی دعوت سے متاثر ہوئے اور حضرت کے ساتھ انھوں نے اپنی قربانی پیش کی۔

زہیر جب امام کی جمعیت میں شامل ہونے لگے اور اپنے کاروان کو رخصت کرنے لگے تو سنہ ۲۵ھ یا سنہ ۲۶ھ میں کربلا کے متعلق جو پیشین گوئی سنی تھی اپنے حافظہ کی مدد سے اس وقت سلسلہ کلام میں بیان کی — یہ پیشین گوئی انھوں نے سلمان بن ربیعہ بن یزید باہلی سے سنی تھی — جسے غلطی سے لوگ حضرت سلمان فارسی رضوان اللہ علیہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ سلمان باہلی ایک مشہور شخص تھے۔ حضرت عمر نے ان کو جبل و کوفہ کا گورنر بنایا تھا۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں بھی وہ گورنری کے منصب پر رہے ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں جب مسلمانوں کی فوج ارمینیہ کو فتح کر رہی تھی تو اس کی قیادت سلمان باہلی ہی کر رہے تھے۔ عجلی اور ابن سعد نے سلمان باہلی کو ثقہ کہا ہے سلمان کی فوج مقام بلنجر (بر وزن غضنفر) میں تھی۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ مسلمانوں نے یہ فتح بڑی قربانی دیکر حاصل کی تھی اس لئے وہ اس وقت بہت خوش تھے اس موقعہ پر سلمان باہلی کا ذہن ایک سب بڑی کامیابی کی طرف منتقل ہوا جس کی خبر انھوں نے ایک پیشین گوئی میں سنی تھی، اسے انھوں نے مجمع کے سامنے بیان کیا۔ سننے والوں میں زہیر بن قین بھی موجود تھے۔ حضرت زہیر نے ساتھیوں سے کہا —

میں بلنجر کی جنگ میں سلمان کے ساتھ تھا جب فتح ہو گئی تو ہم بہت خوش ہوئے اس وقت سلمان نے ہم سے کہا

"کیا اللہ نے تمہیں جو دولت بخشی ہے اس سے تم خوش ہوئے۔ ہم سب نے کہا۔ ہاں۔ انھوں نے کہا جب تم شباب آل محمد حسین سے جنگ کو جاؤ تو ان کے ہمراہ آج کے فائدے مقابلہ میں بہت زیادہ خوش ہونا۔"

(تاریخ ابن کثیر ۱۹۔ ۲۱/۴)

ان تمام پیشین گوئیوں کے بعد حضرت انس بن حارث کی روایت کے متعلق یہ کہنا کہ یہی تنہا اس کے راوی ہیں اس طرح کی تمام دوسری پیشین گوئیوں سے غفلت و بے خبری کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے یا تنگ دلی کا۔

امام حسین پر الہام والقا کی بارش

مدینہ سے کربلا تک رسول امام کے خواب میں:۔

تاریخ و حدیث و مقاتل کی کتابوں میں ان خوابوں کا ایک سلسلہ ہے جو مدینے سے کربلا تک خود امام حسین نے دیکھے جن میں بار بار سرور عالم کو آپ نے ہدایت دیتے ہوئے دیکھا۔ امام کے اہلبیت نے بھی کئی خواب دیکھے — امام کی شہادت کے روز بھی کئی بزرگوں نے جناب رسول خدا کو رنج و غم کے عالم میں خواب میں دیکھا۔ خوارزمی نے مقتل الحسین ۱۸۲، ۱۸۶، ۱۹۵، ۲۱۸، ۱۴۹، ۱/۲۵۱ میں رسول اللہ کا بار بار آنا نقل کیا ہے ۱/۱۲۵ میں حضرت زینب کا خواب بھی مذکور ہے

یہ خواب ایک مسلم ذہن پر اثر ڈالتے ہیں کہ کربلا کے سلسلے میں امام کا نظام عمل الہام اور باطنی رہنمائی سے بنا ہوا تھا اور تمام پیشین گوئیوں کی کڑیوں کو جوڑنے سے ذہن کو یہ فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ اقتدار یا کوئی اور ادنیٰ خواہش امام کی قربانی کی محرک نہ تھی بلکہ آپ ذبح عظیم تھے پیغمبر کے ذریعہ سے وحی الٰہی نے امام حسین کی قربانی سے اسلام کی تجدید اور حیات نو کا کام لیا۔ روح رسالت اس سفر میں قدم قدم پر امام حسین کے ساتھ تھی۔

پیشین گوئیوں کا ایک اور حیرتناک رُخ

انس کے حافظے میں روایات کا یہ دفتر بھی ہوگا!

حریمِ باطل پر وحی الٰہی کی صاعقہ باری۔ مصوّرِ قدرت نے داستانِ زمان کی ہو بہو تصویریں پیش کر دیں۔

احادیث کے انبار سے اس سلسلے کی چند حدیثیں صحاح و مسانید و تاریخ کی چوٹی کی کتابوں سے درج کی جاتی ہیں جس کے بعد پیشگوئیوں کے ذریعہ سے کربلا کی تصویروں کے دونوں رخ سامنے آجاتے ہیں۔ روشن رخ بھی — سیاہ رخ بھی — امام حسین اور ان کے ساتھیوں کے چہرے بھی اور یزید اور اس کے ہوا خواہوں کے چہرے بھی۔ ان پیشین گوئیوں کے سہارے پر ہم اپنے مسلک کی صحت اور اپنے عقیدے کے انجام پر سو فیصدی مطمئن ہیں اور ہم فخر سے یہ شعر پڑھتے ہیں۔

جس کا جی چاہے ہو یزید کے ساتھ
ہم ہیں اور دامنِ امام حسین

حواریٔ رسول شہیدِ غربت حضرت ابوذر کی روایت

سرورِ انبیاء کی یہ حدیث مسلمانوں کے سب ہی مکاتب نقل کرتے ہیں۔ ابوذر سے زیادہ کسی سچے کو نہ زمین نے اٹھایا اور نہ آسمان نے اس پر سایہ کیا۔ حضرت ابوذر اپنی صاف گوئی اور حق پرستی کے جرم میں ربذہ میں جلا وطن ہوئے اور ۳۲ھ میں خلد آشیاں ہو گئے۔ آپ کی زندگی ہی میں ۲۲ھ یا ۲۷ھ میں یزید پیدا ہوا۔ آپ سے بنی اُمیہ کے اس ہیرو کے متعلق رسول خدا کی ایک پیشین گوئی ہم تک پہونچی ہے اگر آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اس پیشین گوئی کی روایت کی تو اس وقت یزید یا دس سال کا تھا یا پانچ سال کا — حدیث کی سند و متن یہ ہے۔

"ابوذر نے یزید بن معاویہ کے متعلق فرمایا کہ میں نے رسول اللہ کو فرمان دیتے ہوئے سنا ہے کہ پہلا وہ شخص جو

میرے دین کو بدل دے گا۔ وہ بنی امیہ کا ایک شخص ہوگا۔

ابو عبیدہ جراح کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا میری امت کا معاملہ برابر عدل پر قائم رہے گا یہاں تک کہ بنی امیہ میں ایک شخص پیدا ہوگا جس کا نام یزید ہے وہ اس میں رخنہ ڈالے گا۔

(۱۸۰) مقتل الحسین خوارزمی بیاد و بدایہ ابن کثیر ۲۳۱ تاریخ الخلفا سیوطی ۲۰۹ مطبوعہ کلکتہ)

ابو سعید خدری فرماتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ سے سنا سنہ ۶۰ھ کے بعد ایسے لوگ ہوں گے جو نماز کو ضائع کریں گے خواہشوں کی پیروی کریں گے وہ گمراہ ہوں گے۔

(بدایہ و نہایہ ابن کثیر ۸/۲۳۰)

ابو ہریرہ نے کہا میں نے پیغمبر صادق سے سنا کہ میری امت کی ہلاکت چند قریشی لڑکوں اور بے وقوفوں کے ہاتھ ہوگی۔

فتح الباری شرح صحیح بخاری ابن حجر میں ایک روایت میں غلمہ کی صفت سفہا ہے۔ علامہ ابن حجر نے صبیان اور غلیمہ کی تشریح میں لکھا ہے صبی و غلیم کا لفظ تصغیر لیا اور کبھی ضعیف العقل و ضعیف التدبیر و ضعیف الدین کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خواہ وہ جوان ہی کیوں نہ ہوں۔ یہاں یہی مراد ہے۔

حافظ ابن حجر نے حدیث ابو ہریرہ کی تشریح میں ایک اور روایت لکھی ہے۔ ابن بطال کہتے ہیں۔ ابو ہریرہ کی حدیث میں ہلاکت امت سے مراد خود ابو ہریرہ کی دوسری حدیث سے ظاہر ہو جاتی ہے جس کو ایک اور سند سے علی بن سعید اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

جناب رسول خدا نے فرمایا۔

میں خدا کی پناہ ڈھونڈتا ہوں "صبیان" کی حکومت سے۔ پوچھا گیا کہ صبیان کی حکومت سے کیا مراد ہے؟ فرمایا (۷/۱۴، فتح الباری ابن حجر) اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو تم ہلاک ہو جاؤ گے یعنے تمہارا دین تباہ ہو جائے گا اور اگر تم ان کی نافرمانی کروگے تو وہ تم کو مار ڈالیں گے یعنی قتل کر دیں گے یا مال چھین لیں گے یا زندگی اور مال دونوں تلف کر دیں گے۔

ابو شیبہ کی ایک روایت میں ہے۔ ابو ہریرہ بازار میں کہتے پھرتے تھے۔

"پروردگار میں سنہ ۶۰ھ میں نہ زندہ رہوں" نہ صبیان کی حکومت میں زندہ رہوں۔

علامہ ابن حجر کہتے ہیں۔

"اس میں یہ اشارہ ہے کہ سست مذہب سنہ ۶۰ھ میں تھا۔ اور یہ ایسا ہی ہے اسی سال یزید بن خلیط خلیفہ ہوا۔ سنہ ۶۴ھ تک باقی رہا اس سال مر گیا۔

(فتح الباری ۷/۱۴)

علامہ بدر الدین عینی حدیث امارۃ الصبیان کی تشریح میں لکھتے ہیں۔

ان میں پہلا شخص یزید ہے جس کا وہ مستحق ہے وہ اسے پہونچے۔ زیادہ تر وہ بزرگوں کو بڑے بڑے شہروں کی امارت سے ہٹاتا تھا اور اپنے کم عمر عزیزوں کو وہاں کا حاکم بناتا تھا۔ (۲۴/۳۳۴/۱۱ عمدۃ القاری عینی)

یزید کی کمینہ خواہشوں کے غلام شمر کے متعلق ایک پیشین گوئی درج کر کے ہم مطمئن ہو جاتے ہیں کہ اہل نظر کے لئے ہم نے تصویر کے دونوں رخ پیش کر دئے۔ محمد بن عمرو بن حسن کہتے ہیں کہ ہم لوگ حسین کے ساتھ نہر کربلا پر تھے۔ حسین نے شمر کو دیکھا اور فرمایا۔ اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا ہے:-

" رسول اللہ فرماتے ہیں میں ایک کتے کو دیکھ رہا ہوں جو میرے اہلبیت کا خون چاٹ رہا ہے۔ شمر ملعون کا برا کر مبروص تھا۔ (تاریخ ابن کثیر)

محمود عباسی صاحب اور ان کی تاریخ کو ریسرچ کہنے والے پیشین گوئیوں کے اس پتھر کو اپنے راستے سے

بتائیں۔ اور دیکھیں کہ انس بن حارث الیاروشن ضمیر پاک دل مومن صافی و صحابی وفاکیش صاحب مروت خدا کا عاشق رسول کا فدائی جاذہ حق کا رہرو واقعہ کربلا کی صداقت۔ اور امام حسین کی سچائی اور ان کی قربانی اور نصرت کی رسول برحق سے پیشین گوئی سنکر پیرانہ سالی میں اپنے کو تیغ بکف کربلا میں پہونچا دیتا ہے اور کئی مشہور و معروف ارباب معرفت صحابی رسول حضرت انس کی صف میں کھڑے امام حسین کی بارگاہ میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔ کئی باخبر اصحاب رسول امام حسین کی شہادت کی خبر رسول خدا سے روایت کرتے ہیں اور یزید کی مذمت و بے دینی کی پیشین گوئی سالہا سال سے سنتے ہیں اور دوسروں تک اس کو پہونچاتے ہیں۔ کیا ان حقائق کے بعد کسی کو یہ لکھنے کا حق ہے کہ صحابہ تابعین یزید کی حکومت کے اعضاء و جوارح تھے اور انہیں کے ہاتھوں میں صوبوں کی زمام حکومت تھی۔ رسول خدا اس حکومت کو امارۃ الصبیان فرماتے ہیں۔ علمائے حدیث لکھتے ہیں کہ زیادہ تر حکومت کے عہدوں پر یزید کے نوجوان عزیز مسلط تھے۔ لیکن محمود احمد عباسی صاحب ایسے یزید کے رضاکارانہ ایجنٹ دو چار آدمیوں کے نام دکھا کر ایک عام دعوے کر لیتے ہیں کہ صحابہ و تابعین ہی یزید کی حکومت چلا رہے تھے۔ کلیدی عہدے انھیں کے پاس تھے۔ اور میں جرأت سے کام لیکر کہتا ہوں کہ پورے ملک میں وہ دو چار آدمی جو یزید کے اشارے پر چل رہے تھے اور رسول کے احکام کو نظر انداز کر رہے تھے خود اپنے عمل سے صحابیت کے منصب سے معزول ہو چکے تھے اللہ اور رسول نے ان سے صحابیت کی سند چھین لی تھی۔ صحابیت کا خلعت انس بن حارث کے جسم میں درست اترتا ہے اور ان پر سجتا ہے جو کہ صحبت رسول کا حق ادا کرتے ہیں اور امام حسین کی نصرت میں اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

عباسی صاحب نے خلافت معاویہ و یزید میں لکھا ہے کہ تمام صحابہ کرام یزید کی ولیعہدی کے جواز پر متفق تھے۔ کیا رسول خدا کا یزید کے متعلق ان پیشین گوئیوں کے ہوتے ہوئے صحابہ کو یہ روا تھا کہ وہ اس کی ولیعہدی کو تسلیم کریں اور کیا یہ سچ ہے کہ تمام صحابہ متفق تھے اگر سب متفق بھی ہوتے تو صاحب وحی سردار انبیاء کی پیشین گوئی کے سامنے ان کے اتفاق کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔ عباسی صاحب کے امام مورخین تو یزید کے بارے میں لکھتے ہیں

"لما احدث فی یزید ما احدث من الفسق اختلف الصحابۃ فی شانہ" (مقدمہ ابن خلدون ص۱۷۱)

جب یزید میں فسق پیدا ہو گیا تو اس کے بارے میں صحابہ کے آپس میں اختلاف ہو گیا

یہی امام المورخین لکھتے ہیں۔

حسین کا معاملہ یہ ہے کہ جب یزید کا فسق اس عہد کے سب لوگوں کے نزدیک کھل گیا تو اہلبیت کے شیعوں نے کوفہ سے حسین کو تشریف آوری کا پیام بھیجا۔

ضمیر کی ناپاکی اور اقتدار کی رضاکارانہ غلامی کی یہ بدترین مثال ہے کہ تمام اسلامی حقائق امام حسین کے ساتھ ہیں لیکن ان کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور یزید کا جرم ہر طرح ثابت ہے لیکن اس کے جرم کے داغ کو دھونے کی طرح طرح سے کوشش کی جاتی ہے کبھی کہا جاتا ہے کہ جہاد قسطنطنیہ کی حدیث میں رسول اللہ نے یزید کی بخشش و مغفرت کی گارنٹی لی ہے اس طرح ایک جھوٹی حدیث کی آڑ لیکر ایک ناپاک و رسوائے عالم مجرم کو چھڑانے کے لئے تنکے کے سہارے لئے جاتے ہیں۔ اگر میری کتاب جائزہ خلافت معاویہ و یزید کبھی چھپی تو اس میں اس فرضی حدیث پر محدثانہ تنقید ملے گی جس سے معلوم ہو جائے گا کہ حمص قلعہ کو آہنی کہا جاتا تھا وہ بالو سے تعمیر کیا گیا تھا۔ کم سے کم اور نرم سے نرم تنقید جو اس نام نہاد حدیث کی کی جا سکتی ہے وہ علامہ قسطلانی شارح بخاری نے کی ہے جنہوں نے سب سے پہلے مدینۂ قیصر (قسطنطنیہ) میں جنگ کی وہ یزید نہ تھا اور اس کی ہمراہی میں سادات صحابہ کی ایک جماعت تھی جیسے ابن عمر و ابن عباس و ابن زبیر اور ابو ایوب انصاری

اس سے مہلب نے یزید کی خلافت، اور اس کے جنتی ہونے پر استدلال کیا ہے۔

مغفور لہم سے عموم ثابت ہوتا ہے داخل کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے
اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس جماعت میں بنی امیہ کی حمیت کار فرما ہے اس حدیث کے عموم میں یزید کے داخل ہونے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ دلیل خاص ثابت ہو تو اس کے عموم سے نہ نکل جائے اس لئے کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت صلعم کا فرمانا "مغفور لہم" اس شرط سے مشروط ہے کہ وہ اہل مغفرت سے ہو بھی تا کہ اگر کوئی اس جنگ کے بعد مرتد ہو جائے تو اتفاقاً اس عموم میں شامل نہ ہو سکے ابن منیر کا بھی یہی خیال ہے۔" (قسطلانی)

یزید کے فسق پر سب صحابہ کا اتفاق تھا ان کا بھی جو یزید سے خوفزدہ ہو کر اس کی بیعت کر چکے تھے ان کا بھی جو بیعت کو ٹھکرا چکے تھے۔ ائمہ مجتہدین کا بھی، ان کے بعد علماء و محدثین میں علامہ قسطلانی، علامہ بدر الدین عینی، علامہ ابن حجر ہیثمی۔ علامہ ابن جوزی علامہ سعد الدین تفتازانی محقق ابن ہمام۔ حافظ ابن کثیر۔ علامہ الکیا ہراس وغیرہ سب یک زبان اس کے فسق و فجور میں آلودگی کو ایک حقیقت ثابتہ کی طرح تسلیم کرتے ہیں۔

یزید کے دکیل کبھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ امام حسین کے قتل کی یزید پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے وہ ابن زیاد کی اس حرکت سے ناراض تھا۔ کیا اس ضمیر کش دکیلان زردستی وکالت سے یزید کو بچا لیا گیا۔ عدل و انصاف۔ سچائی اور غیر جانب دارانہ ضمیر نے قتل امام حسین کی ساری ذمہ داری یزید پر رکھی ہے اور سو فیصدی اس کو مجرم قرار دیا ہے۔

ابن کثیر (جن کی تحریروں میں ہیر پھیر بہت ہے اور جن کی تاریخ تضاد کا ایک شعبدہ ہے اور جن کی کتاب محمود عباسی صاحب کا اہم ترین ماخذ ہے) یزید کے متعلق لکھتے ہیں۔

گزر چکا کہ یزید نے حسین اور ان کے اصحاب کو عبید اللہ ابن زیاد کے ذریعہ سے قتل کیا۔ (بدایہ و نہایہ ابن کثیر ۲۳۲ ج ۸)

قسطلانی شارح بخاری علامہ سعد الدین تفتازانی کا ایک فیصلہ کن بیان اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں۔

"حق تو یہ ہے کہ امام حسین کے قتل پر یزید کی رضامندی اور خوشی اور اہلبیت رسول کی توہین معنی کے لحاظ سے متواتر ہے اگرچہ اس کے تفصیلات احاد ہیں۔"

ان حقائق کی روشنی میں جو شخص یزید اور اس کی جماعت کی طرف سے صفائی پیش کرتا ہے اور انھیں بے داغ چھڑانا چاہتا ہے اور معاذ اللہ امام حسین پر بغاوت و خروج کی تہمت لگاتا ہے۔ میں اپنے دل سے پوچھتا ہوں کہ اس کی کس بات پر شک کر دوں۔ کیا یہ کہوں کہ وہ حدیث و تاریخ سے بالکل بے بہرہ ہے یا یہ کہوں کہ وہ ایسا سخت متعصب ہے کہ حدیث و تاریخ کی تصریحات کی کوئی پروا نہیں کرتا۔

ایسے اشخاص کے حق میں ملا علی قاری شارح مشکوٰۃ کا فیصلہ یہ ہے۔

"بعض جاہلوں نے جو یہ کہا ہے کہ حسین (معاذ اللہ) باغی تھے ہم اہلسنت و جماعت کے نزدیک یہ خیال باطل ہے یہ ان خوارج کی بکواس ہے جو راہ مستقیم سے ہٹ گئے ہیں۔" (شرح فقہ اکبر ص ۸۲)

ابن مسکن وغیرہ پر ہم نے لمبی تنقید اس لئے گوارا کی تاکہ انس بن حارث کی حدیث کے ہر گوشہ پر عقل و نقل روایت و درایت کی پوری پوری روشنی پڑ جائے اور اس مقام سے یقین و اعتبار کا وہ شعلہ بلند ہو جس سے ہم وافراد غفلت و بہتان کے خس و خاشاک جلکر راکھ ہو جائیں۔

انس کربلا میں امام تک کیسے پہونچے؟

جزری نے لکھا ہے کہ یہ کربلا میں امام سے ملے بغیر، میں موقع پا کر کئی آدمیوں کے ساتھ دشمن کی فوج سے امام کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے۔ اس سے یہ رائے قائم ہوتی ہے کہ

جب امام تک رسائی کی کوئی صورت نہ نکلی تو وہ فوج دشمن میں شامل ہو کر کربلا میں پہونچ گئے اور وقت کے منتظر رہے۔ جب موقعہ ملا امام کی صف میں آ گئے۔

انس سے امام نے داعی کا کام لیا

اہلبیت کی جامعیت اور ہمہ گیر صفات کا مقابلہ دوسرے افراد نہیں کر سکتے تھے۔ اگر اہلبیت کے عہد میں ریاست پر جن کا قبضہ تھا ان کے احساس کمتری نے ان کے مقابلہ میں تقریباً ایک لاکھ آدمیوں کی ایک صف کھڑی کر دی۔ ذروں کو جواہر ثابت کیا گیا۔ حذف کو گوہر کا درجہ دیا گیا۔ مخلص و وفادار دوست ساری زندگی میں چند ہی ہوتے ہیں۔ پیغمبروں لیڈروں اور دنیا کے مشہور انسانوں میں شاید کوئی ایک بھی نظر نہیں آتا جس نے کہا ہو کہ اس کے لاکھوں دوست ہیں یا کسی نے ان کے متعلق دعویٰ کیا ہو کہ اس کے سچے دوست ہزاروں کے عدد میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مختصر سی زندگی میں اتنے دوستوں کو آزمانے کا موقعہ بھی کہاں مل سکتا ہے۔

صحابیت اپنے فطری حدود میں ایک مقدس چیز ہے اور قابل تعظیم و احترام ہے۔ دوست کے جو طبعی صفات ہیں وہی صحابیت کی کسوٹی ہیں۔ کسی کا دوست وہی ہے جس کی اس سے کافی معاشرت رہی ہو جو اس سے شدت سے متاثر ہوا جو اس کے تصور زندگی سے ہم آہنگ ہو۔ جو آزمائشی اوقات میں کھرا ثابت ہوا۔ جس نے دوستی کے عہد کو زندگی کے آخر تک نباہا ہو۔ کون مردہ ضمیر اور ناحق ناشناس ہوگا جو ایسی دوستی یا صحابیت کی قیمت نہ لگائیگا۔ صحابیت کو دوستی کے عام طبعی حدود سے باہر نکالکر اس سے سیاسی جوڑ توڑ کا تو کام لیا جا سکتا ہے لیکن اس جم غفیر سے نہ تو کردار متاثر ہو سکتے ہیں نہ انسانی زندگی کی کوئی تعمیر میں ان سے مدد مل سکتی ہے۔ صرف رسول کو دیکھ لینے سے یا ان کی بزم میں بیٹھ جانے سے تقدس و اعتدال کی تجلی کسی میں نہیں دوڑ سکتی۔ بنی امیہ صحابیت کا بہت ڈھنڈورا پیٹا کرتے تھے تاکہ اہلبیت کا اثر گھٹائیں۔ چند ضمیر فروشوں کو انھوں نے روپہلے چمکتے سکوں سے خرید لیا تھا۔ اپنی موافقت میں ان کی آواز کی اہمیت دکھانے کے لئے فطری حدود کو توڑ کر ان کو اپنی اونچی جگہ پر کھڑا کر دیا جس سے ان کی صحبت کا قد و قامت بہت بلند نظر آئے۔ حقیقتاً جو لوگ صحابیت کا پروپیگنڈا کر رہے تھے وہ اسے سیاسی حربے کے طور پر استعمال کرنا چاہتے تھے۔ ورنہ کربلا میں حسینی صف میں جو صحابی تھے ان کا کچھ پاس و لحاظ کیا جاتا۔ امام نے اموی فریب کا پردہ چاک کرنے کے لئے رسول خدا کے ایک معمر صحابی عابد و زاہد بزم صفہ کے صدر نشین بدر و حنین کے مجاہد کو داعی بنا کر فوج دشمن کے سامنے بھیجا۔ امام نے حضرت انس سے فرمایا۔ ان لوگوں کے پاس جائیے اور انھیں اللہ اور رسول کو یاد دلائیے۔ شاید یہ لوگ ہم سے جنگ کرنے سے باز آئیں۔ آپ یہ خوب سمجھ رکھیں کہ یہ اپنے ارادے سے باز نہ آئیں گے لیکن میں اس لئے کہہ رہا ہوں تاکہ قیامت میں ان پر میری حجت قائم ہو جائے۔ حضرت انس عمر سعد کے پاس تشریف لائے۔ عمر سعد کو انھوں نے سلام نہیں کیا۔ اس نے کہا کیا میں مومن و مسلم نہیں ہوں؟ کہا جب سے خدا اور رسول کو پہچانا ہے کبھی کفر اختیار نہیں کیا۔ عمر سعد کی یہ خود فریب گفتگو سنکر حضرت انس نے فرمایا۔ تم اللہ و رسول کو کیا پہچانتے ہو جبکہ تمہارا ارادہ یہ ہے کہ رسول کے اہلبیت کو اور ان کے مددگاروں کو قتل کر دو۔ عمر سعد نے یہ سنکر سر جھکا لیا اور کہا میں یہ جانتا ہوں کہ ان کا قاتل یقیناً جہنمی ہے لیکن عبید اللہ کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے۔

حضرت انس واپس چلے آئے اور امام کو ابن سعد کی باتوں کی اطلاع دی (مقتل ابو مخنف ص [illegible] مطبوعہ نجف سنہ ۱۳۸۰ھ)

ابن سعد اور اس کے ساتھیوں نے حضرت انس صحابی کی عمر و حال کی عزت سے کیا فائدہ اٹھایا اور ان کی صحابیت و موعظت سے ان کے دلوں اور ضمیروں پر کیا اثر حاصل ہوا۔

انس کا ولولۂ شہادت

اگر جہاد میں [illegible] شہادت کی تبلیغ از سرور انبیاء نے اپنے پیام رسالت کا ایک اہم مقصد قرار دیا ہو۔ امام حسین کے وفادار ساتھی [illegible] سے اگر محرم الحرام سے انہیں یاد تھا [illegible] اپنے عزیز و اقارب [illegible] وہ ایک ایسا فیصلہ کن معرکہ تھا جس میں شرکت کے لئے بیتاب تھے۔ اگر ممکن ہوتا تو صبر کے بجائے [illegible] انتظار کے لمحات، ان کے سینے میں آتش شوق [illegible] جذبات اس سانچے میں ڈھل گئے [illegible] انہیں ترتیب دے دیا زندگی انھیں ایک عظیم فرض انجام دینا ہے انھیں رسول کے ہم نشینوں کی لاج رکھنی ہے۔ انہیں جینے کی زندہ تفسیر کرنی ہے کبھی جان اور کبھی [illegible] جان ہے زندگی؟ انھیں زندگی کی زیادہ سے زیادہ قیمت لگانی ہے انھیں جان آفریں کے ساتھ متاع زندگی کا معاملہ کرنا ہے وہ زندگی جو انھیں عزیز تھی ایک ارمان کی طرح جس کی تعمیر میں خود انہوں نے کبھی محنت سے دریغ نہیں کیا۔ جب سے ان کے کان ہوا کی ہراس تنبیہ پر لگے ہوں گے جو مدینہ کی طرف سے ہو کر گزر رہی ہے یزید کا مدینہ کے گورنر کو امام سے بیعت لینے کے لئے فرمان بھیجنا امام کا بیعت سے انکار۔ امام کی مدینہ سے مکہ ہجرت، واقعات کی یہ رفتار انس کے جذبۂ لقاء الٰہی اور آرزوئے شہادت کی روحانی آگ کو بھڑکا رہی ہوگی امام حسین کے سفیر حضرت مسلم کوفہ پہنچ گئے انس کی نظر میں شہادت بالکل قریب تر ہونے لگی ہوگی انس کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ امام کربلا کے قریب پہنچ گئے۔ سنہ ۶۱ھ کا آغاز۔ چاند بھی جاگ کر بیابان مطلع فلک پر نمودار ہو گیا عروس شہادت کے دامن سے انس نے شہادت کا نغمہ سنا پیری کو رخصت کیا۔ عمر رفتہ کو آواز دی۔ تجلی گاہ کربلا کی طرف چلے گھر سے ہونے گرمی افکار اندیشہ بیباک درجرأت ایمان کی آنچ کو سینے میں دبائے لشکر یزید میں یوں چھپ کر جیسے آفتاب کو کثیف ابر چھپا لیتا ہے وہ کربلا کی سرزمین پر پہنچ گئے۔ موقع کی تلاش میں تھے کہ کب کاروان شہادت میں شامل ہو جائیں۔ [illegible] ان کے نشان قدم پر قدم رکھیں۔ [illegible] ابن سعد کی فوج نے محاصرہ کر دیا [illegible] کے درمیان خون آشام جنگ ہو گی شام کو یہ اعلان ہوا۔ رات آئی۔ حضرت انس دشمن کی فوج سے امام کی لشکر کی بارگاہ میں آگئے۔ رات مناجاتوں اور [illegible] میں گزر دی۔ صبح عاشور طالع ہوئی حضرت انس کو جوانی کا جوش و خروش واپس مل گیا۔ بڑھاپے کی افسردگی رخصت ہوئی۔ آتش شوق تیز سے تیز تر ہونے لگی۔

واقعۂ کربلا سرور عالم کی وفات کے پچاس سال بعد رونما ہوا۔ رسول کا جو صحابی اس جہاد میں شریک ہوا اس کی عمر پچاس ساٹھ سال سے کم نہیں ہو سکتی۔ انس اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ جو ہمراز رسول تھے، [illegible] وہ ہمدم و ہمراز و ہم نفس تھے اس وقت کا انتظار کر رہے تھے جب ان کے قائد کے لبوں کی جنبش انھیں سرفروشی کی اجازت دے گی۔

رسول اللہ کے ہم نشینوں میں حبیب ابن مظاہر، زاہر بن عمرو الکندی، شبیب بن عبداللہ، [illegible] عبدالرحمن بن عبد ربہ انصاری خزرجی۔ عمار بن ابی سلامہ دالانی۔ مسلم بن کثیر۔ جابر بن عروہ غفاری سب میں انس کی طرح شہادت کے آب حیات سے شوق دار پیاس بجھانے کے لئے بے چین تھے ان صحابیوں [illegible] عبدالرحمن بن عبد ربہ، حبیب بن مظاہر، مسلم بن عوسجہ اور انس زیادہ سے زیادہ معمر و کہن سال ہیں ---

جوش و ولولہ شہادت کا یہ عالم تھا کہ جابر بن عروہ غفاری صحابی کے متعلق ابو مخنف (۲) نے لکھا ہے یہ بہت زیادہ بوڑھے تھے رسول اللہ کے ساتھ بدر وغیرہ میں شریک تھے۔ بھوؤں کو کپڑے سے باندھ لی تھیں۔ امام حسین ان کے مردانہ جہاد کو دیکھ رہے تھے اور فرماتے جاتے تھے۔

بشکر اللہ یا مغبیچ ۔ (ماممقانی نے مرتبہ ۱۵) حضرت انس کے متعلق بھی لکھا ہے کہ بہت معمر و کہن سال تھے۔ انس کے چہرہ پر خوشی کا لہریں دوڑ گئیں ان کو امام سے اذن جہاد مل گیا۔ شمسی نے لکھا ہے کہ یہ بریر بن خضیر کی شہادت کے بعد میدان جہاد میں آئے (امالی صدوق ص ۹۷) کسی نے کہا ہے کہ قرہ بن ابی قرہ کے بعد انھیں اذن حاصل ہوا۔ (مقتل خوارزمی ص۲)

حضرت انس کا میدان جہاد میں شیرانہ رجز شیعۂ رحمان و شیعۂ شیطان کی فکر خیز تعبیر

حضرت انس گو کہ رسول خدا کے مخصوص صحبت نشینوں میں تھے وہ ایک عظیم الشان پیام کے امین تھے۔ فضول گوئی سے وہ آشنا نہ تھے۔ شاعری اور مبالغہ آرائی ان کا پیشہ نہ تھا۔ انھوں نے اپنے رجز میں جو کچھ کہا وہ ان کے ضمیر کی آواز تھی۔

انھوں نے جو دیکھا جو سنا جو محسوس کیا جو ان کا عقیدہ تھا اسے برجستہ رجز میں کہہ دیا۔ عرصہ کے دبے ہوئے جذبات دمشاہدات اور خاندان نبوت اور برسر اقتدار جماعت کے تاریخی کردار کو انھوں نے دو لفظوں میں بیان کر دیا۔ شیعہ رحمٰن، شیعہ شیطان۔ یہ رجز شدت احساس اور خود اعتمادی اور دوسروں کو فرض کے انجام دینے کی تلقین و وصیت کا شاہکار ہے۔

* قبائل کاہل و دودان و خندف وقیس عیلان سب جانتے ہیں کہ میری قوم بہادروں کو چور چور کر دینے والی ہے بہادروں کے لئے جان آفت ہے۔ جنگ کے وقت شہسواروں کی سردار ہے نیزے کے ساتھ موت سے ملاقات کرنے والی ہے۔ ہم نیزہ بازی کے وقت عاجزی نہیں پسند کرتے اے میری قوم شیروں کی طرح دشمن پہ حملہ آور ہو۔ آل علی اللہ کی دوست (شیعہ رحمان) اور آل حرب شیطان کی دوست (شیعہ شیطان) ہے۔

* کاہل ابن جزیمہ کے بیٹے کا نام ہے۔ بنی اسد کی ایک شاخ، اسی کی طرف منسوب ہے۔ کاہلہا کی ضمیر قبائل کی طرف راجع ہے یا عرب کی طرف۔ دودان قبیلہ بنی اسد کی ایک شاخ کا نام ہے خندف لیلی بنت حلوان بن عمران زوجہ الیاس بن مضر کا نام ہے عیلان قیس کے باپ کا نام ہے قبیلہ مضر کے کچھ لوگ ان کی طرف منسوب تھے۔ قشم اس گھوڑے کو کہتے ہیں جو اپنی ٹاپوں سے ہر سامنے پڑنے والی چیز کو کچل ڈالے۔

انس اس صف کے آدمی تھے جہاں گفتار و عمل میں بے گانگی نام کو نہ تھی وہ پہلے یا دل کے طائر کے پھیر پرس پڑے پہلے انھوں نے اپنا آتشیں رجز پڑھا جو عزم و فتوحات و آہنی ارادے کے جذبات سے چھلک رہا تھا پھر وہ دشمن کی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ یہ بڑھاپا اور یہ جوش ایمانی اللہ اکبر۔ تاریخ نے ان کے حملہ کی قوت اور اس کے انجام کو یادر کھا ہے۔ اٹھارہ بے دینوں کو اس شیر ژیاں اس غضنفر بیشہ شجاعت نے اپنی شمشیر آبدار سے موت کی نیند سلا دیا (امالی صدوق ص۹۷) حضرت انس نے اپنا فرض انجام دیدیا۔ رسول کی جس حدیث نصرت کے پیام کے وہ امین تھے جسے دوسروں کو سناتے تھے اس پر انھوں نے بڑے شوق و ذوق سے عمل کیا۔ شہادت کا آب حیات پیا اور زندہ جاوید ہو گئے۔ یقیناً روح پیغمبر ان کی منتظر ہوگی اور وہ خود بھی اپنے محبوب سے ملنے کے لئے ہمہ شوق ہوں گے۔ منصب صحابیت نے ان کو مرحبا کہا۔ وفا نے زندہ باد کے نعرے لگائے۔ اسلام شکر گزار ہوا۔ انسانیت نے فخر سے سر اونچا کیا۔ رخصت ہوتے ہوئے کربلا کی سرزمین سے حضرت انس رضوان اللہ علیہ قدس اللہ سرہ کی روح پاک نے اولاد آدم کو ایک زندہ پیام دیا ؎

مذہب زندہ دلاں خواب پریشانے نیست
از ہمیں خاک جہان دگرے ساختن است

حضرت امام حسین کا جو پیام حضرت انس کربلا تک اپنے ساتھ لائے تھے وہ پیام زندہ و پائندہ ہے آج بھی امام کی آواز استغاثہ فضا میں گونج رہی ہے اور آج

بھی ان کی نصرت کی ضرورت ہے۔ نصرت کی شکل بدلی ہوئی ہو لیکن نصرت کے تقاضے نہیں بدلے ہیں۔

حضرت انس کا مطالعہ اس عہد کے بعض دوسرے صحابہ کے ساتھ

کربلا میں امام کی زبان مبارک پر ایک حدیث کے سلسلے میں اس عہد کے بعض صحابہ کا نام آگیا جو زندہ تھے حضرت نے فوج دشمن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کیا تم کو میرے نانا کی یہ حدیث میرے اور میرے بھائی حسن کے متعلق نہیں پہونچی ہے "ہذان سیدا شباب اہل الجنۃ" یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں اور یہ کہ میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ کتاب خدا اور میری عترت و اہلبیت اگر تم میری بات کی تصدیق کرو تو خیر ورنہ جابر بن عبد اللہ انصاری ابو سعید خدری، سہل بن سعد ساعدی۔ زید بن ارقم، انس بن مالک سے پوچھو۔ ان لوگوں نے یہ حدیثیں میرے نانا رسول خدا سے سنی ہیں (مقتل ابو مخنف ۵۵)

خود امام علیہ السلام کی جماعت میں کئی صحابی موجود تھے امام ان کو گواہی میں پیش فرما سکتے تھے۔ لیکن امام کی مصلحت کا یہ تقاضا ہوا کہ ان صحابہ کا نام لیں جو یہاں موجود نہ تھے اور غالباً بعض مجبوریوں کی وجہ سے امام کے ساتھ شہادت کی سعادت نہ حاصل کر سکے۔ لیکن ان میں سے بعض کو قدرتی طور پر ایسے موقعے ملے جس میں امام سے ان کی عقیدت کا مظاہرہ ہوا۔

انس بن مالک تو رسول خدا کے خادم ہی تھے۔ ہجرت سے دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے آٹھ سال کی عمر میں مسلمان ہو گئے تھے۔ غزوات رسول میں بھی شریک رہے۔ رسول کی اہلبیت کے متعلق ان کو بہت سی حدیثیں پہونچی تھیں۔ وہ حدیث "انا حرب لمن حاربکم وسلم لمن سالمکم" کی روایت کرتے تھے۔ (تاریخ ابن عساکر) جس وقت ابن زیاد کے دربار میں فرزند رسول اور ان کے ساتھیوں کے کٹے ہوئے سر لائے گئے اور رسول زادیوں کو اسیر کرکے لایا گیا تو اس وقت انس بھی وہاں موجود تھے۔

خود انس کا بیان ہے کہ جب حسین کا سر[1] ابن زیاد کے سامنے طشت میں رکھا گیا تو وہ چھڑی سے ان کے چہرے سے چھیڑ کرتا تھا۔ اور کہتا کہ میں نے ایسا حسین چہرہ کبھی نہیں دیکھا۔ میں نے کہا لیکن یہ رسول سے مشابہ تھے (۲/۳۴ مقتل خوارزمی، بخاری ۱۸۰/۲) انس کا بیان ہے کہ جب ابن زیاد امام کے دندان مبارک سے چھڑی سے چھیڑ کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ یہ دانت کیسے خوبصورت ہیں تو میں نے کہا۔ تو میں تمہیں تکلیف پہونچاؤں گا۔ میں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا کہ ان کے دہن پر جہاں تمہاری چھڑی ہے بوسے لیتے تھے (۲/۴۵ مقتل خوارزمی)

ایک دوسرے صحابی نضلہ بن عبید ابو برزہ اسلمی بھی اس موقع پر موجود تھے یہ فتح مکہ سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ کے ساتھ سات جنگوں میں شریک رہے رسول خدا کی وفات کے بعد امیر المومنین سے بھی ان کو خصوصیت رہی۔ بصرہ کو انھوں نے وطن بنا لیا تھا ۶۵ھ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کو بھی امام کی شہادت کی روح فرسا خبر سے دکھ اٹھانا پڑا اور عرصہ محشر سے زیادہ ہولناک منظر اسیری اہلبیت کا دیکھنا پڑا۔ ابو العالیہ کا بیان ہے کہ ابن زیاد کے پاس جب حسین کا سر لایا گیا تو اس نے ابو برزہ کو بلوایا اور کہا کہ میرا اور حسین کا حال کیا ہے انھوں نے کہا۔ اللہ جانے۔ مجھے اس کا علم نہیں۔ ابن زیاد نے کہا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم اس بارے میں کیا جانتے ہو۔ ابو برزہ نے کہا جب تم میری رائے پوچھتے ہو تو میں یہ جانتا

---

[1] محمود عباسی صاحب اپنی کتاب معاویہ و یزید میں امام کا سر کاٹے جانے کا منکر ہیں تاریخ و حدیث و مقاتل سب کو جمع کر کے اگر سمندر میں غرق کر دیا جائے تو ان سب کے دعوے قابل توجہ ہو سکیں گے۔ ۱۲

ہوں کہ حسین کی شفاعت ان کے نانا کریں گے اور تمہاری شفاعت زیاد کرے گا۔ ابن زیاد نے کہا۔ یہاں سے نکل۔ اگر میں نے تجھ کو اماں نہ دے رکھی ہوتی تو بخدا ابھی گردن اڑا دیتا۔ جب وہ دروازے تک پہونچے تو ابن زیاد نے کہا اگر صبح و شام مجھ سے ملتے نہ رہے تو میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ (۲/۴۴ مقتل خوارزمی)

زید بن ارقم انصاری خزرجی صحابی بھی اس موقع پر موجود تھے۔ زید رسول خدا کے ساتھ سترہ جنگوں میں شریک رہے حضرت علی اور اہلبیت کے روایات فضیلت کتب حدیث میں ان سے مروی ہیں ۶۸ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

خود زید بن ارقم کا بیان ہے کہ میں ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا کہ حسین کا سر لایا گیا۔ اور اس کے سامنے رکھا گیا اس نے اپنی چھڑی سے ان لبوں کو چھیڑنا شروع کیا۔ میں نے کہا تمہاری چھڑی اس جگہ ہے جہاں رسول اللہ اکثر بوسے لیا کرتے تھے۔ ابن زیاد نے کہا اگر تو بڈھا اور کھوسٹ نہ ہوتا تو اور تیری عقل نہ چلی گئی ہوتی تو میں تیری گردن اڑا دیتا۔ زید دربار سے یہ کہتے ہوئے نکلے۔ غلام آزاد کا مالک ہو گیا ہے۔ اے عرب تم آج کے بعد سے غلام ہو گئے فرزند فاطمہ کو تم نے قتل کیا اور ابن مرجانہ کو حاکم بنا یا اب اس کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ وہ تمہارے اچھے آدمیوں کو قتل کر رہا ہے۔ بڑوں کو غلام بنا رہا ہے۔ تم ذلت پر راضی ہو گئے۔ برباد ہو وہ جو ذلت پر راضی ہو گیا (۲/۴۶ مقتل خوارزمی)

دربار یزید

یزید کے دربار میں جب امام کا سر لایا گیا تو وہ بھی خیزران کی چھڑی سے امام کے دانتوں سے بے ادبی کر رہا تھا ابو برزہ یا کسی دوسرے صحابی نے کہا تم فرزند فاطمہ کے دانتوں کو چھڑی سے چھیڑتے ہو۔ میں نے رسول اللہ کو دیکھا تھا کہ ان کے اور ان کے بھائی حسن کے دانتوں کو چومتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں۔ خدا ان دونوں کے قاتل پر لعنت کرے اور جہنم نصیب کرے اے یزید جب قیامت ہوگی تو ابن زیاد تیرا شفیع ہوگا اور محمد حسین کے شفیع ہوں گے۔ یزید نے غصہ میں ان کو مجلس سے نکلوا دیا۔ انھیں گھسیٹ کر باہر نکال دیا گیا (۲/۵۸ مقتل خوارزمی)

طبری (۶/۲۶۷) نے بھی یہی لکھا ہے کہ ابو برزہ نے یزید کو ٹوکا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہاں سمرہ بن جندب نے یزید سے خطاب کیا تھا اس موقع پر کہا تھا کہ اللہ تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے تو ان کے دانتوں پر چھڑی مار رہا ہے جن کے رسول اللہ بوسے لیتے تھے۔ اور ان لبوں کا پیار کرتے تھے۔ یزید نے کہا اگر تم رسول اللہ کے صحابی نہ ہوتے تو میں تمہاری گردن اڑا دیتا سمرہ نے کہا افسوس میری صحابیت کا تو یہ خیال ہے اور فرزند رسول کی، فرزندی کا کچھ پاس ولحاظ نہیں اس پر سارا مجمع رو پڑا۔ قریب تھا کہ فتنہ برپا ہو جائے (مقتل خوارزمی ۲/۵۸)

یہ صحابی کون تھے جن کی حرارت ایمانی نے صحابیت کی لاج رکھ لی۔ ابھی تک کوئی مقتل نویس یا مورخ صحیح سراغ نہیں لگا سکا کہ یہ کون بزرگ تھے۔

ابو برزہ تو اس لئے نہیں معلوم ہوتے کہ ابن زیاد کے دربار میں ان کے متعلق تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ خاموشی سے اہلبیت کی توہین نہ دیکھ سکیں گے سمرہ بن جندب بن ہلال فزاری بھی نہیں ہو سکتا یہ تو رسوائے صحابیت تھا یہ بندۂ دنیا تھا۔ چار لاکھ درہم پر اس نے حکومت شام کی خواہش پر امیر المومنین کی مذمت میں ایک آیت (من الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا) کی شان نزول تصنیف کی اور ابن ملجم قاتل امیر المومنین کو آیہ کا مصداق ٹھرایا (شرح ابو الحدید) زیاد

نے اسے بصرہ کا گورنر بنا دیا تھا آٹھ ہزار مومنین کو اس نے
تہ تیغ کر دیا۔ جب کربلا کا معرکہ درپیش تھا تو یہ ابن زیاد کی
پولیس میں شامل تھا۔ اور اہلبیت کے خلاف عوام کو تیار کرتا
تھا۔ ایسا مردہ ضمیر دوفادشمن اتنا سعادت مند کب ہوسکتا
تھا کہ وہ اپنے آقائے نامدار یزید سے ایسی بات گفتگو
کر سکے۔ میرا خیال ہے کہ شاید حضرت سہل بن سعد ساعدی
صحابی ہوں ان کو ابن عبد البر و ابن منصور و ابونعیم
وغیرہ نے صحابہ کے زمرے میں رکھا ہے۔ وفات
رسول خدا کے وقت ان کی عمر پندرہ سال کی تھی۔ ۹۶ یا
۱۰۰ سال کی عمر میں ۸۸ھ یا ۹۱ھ میں ان کا انتقال
ہوا۔ یہ اس زمانہ میں جبکہ واقعۂ کربلا رونما ہوا عراق
میں نہ تھے۔ بیت المقدس گئے ہوئے تھے راستے میں
دمشق پڑتا ہے وہاں انھوں نے شہر میں سجاوٹ دیکھی
اور اہل شہر کو خوشی مناتے ہوئے پایا۔ انھوں نے
باب ساعات پر امام کا سر نیزے پر دیکھا عورتوں
کو اونٹوں پر سوار دیکھا یہ بھی مجمع کے ساتھ یزید کے
پاس پہونچ گئے دیکھا امام کا سر یزید کے سامنے رکھا
ہے وہ کہہ رہا ہے۔ اے حسین کیسا دیکھا (مقتل خوارزمی)
غالباً انھیں سے یہ منظر نہیں دیکھا جا سکا اور انھوں
نے جان کی بازی لگا کر یزید پر ملامت کے تیر برسائے۔

ہم نے کربلا میں حضرت انس بن حارث اور ان
کے ساتھی رسول خدا کے دوسرے اصحاب کے کردار کا بھی
سرسری مطالعہ کیا اور ان لوگوں کو بھی نظر کے سامنے رکھا
جن کی امتحان گاہ ابن زیاد اور یزید ایسے ظالموں کا
دربار تھا ان لوگوں کے سامنے جب امام کے سر مبارک
کی توہین ہوئی تو یہ برداشت نہ کر سکے ان کی آنکھوں سے
آنسو ابل پڑے ان کے منہ سے چیخ نکل پڑی انھوں نے ابن
زیاد اور یزید پر تلخ تنقیدیں بھی کیں ان کو دیوانہ
کھوسٹ کہا گیا ان کو قتل کی دھمکی دی گئی یہ دربار سے
نکالے گئے

حضرت انس بن حارث اور ان کے دوسرے ساتھی
جو رسول خدا کے صحبت نشین تھے اور کربلا میں شہید ہوئے
زندہ جاوید ہیں۔ ابن زیاد اور یزید کے دربار میں ان
صحابہ نے اپنے آنسو امام کی بارگاہ میں نذر کئے اور انس اور
ان کے ساتھی صحابہ نے کربلا میں امام کی بارگاہ میں اپنا
خون نذر کیا اور اپنی عزیز زندگی کی قربانی پیش کی۔

دنیا کی آنکھ نے دیکھ لیا کہ اموی عہد میں صحابیت
کا جو ڈھونڈورا پیٹا جا رہا تھا اس کی حقیقت کیا تھی۔
ضرورت کے وقت جن کے لئے کہا جاتا تھا کہ رسول نے
فرمایا ہے میرے صحابہ ستارے ہیں آج یہ سر دربار
انھیں دیوانہ کھوسٹ کا خطاب دیا جا رہا ہے اور
انھیں دربار سے گھسیٹ کر باہر ڈالدیا جاتا ہے۔

میں عرصہ تک ان صحابہ کے متعلق جنکو اسیری اہلبیت
کے ہر موقع پر دربار ابن زیاد و یزید میں پایا گیا۔ ذہنی
تکلیف میں مبتلا تھا۔ میں کسی ناگوار بات کو عرصہ تک سینہ
میں چھپائے رکھنے سے بار محسوس کرتا ہوں آج میں
کسی قدر اپنے کو ہلکا پا رہا ہوں۔ اس لئے کہ میں اپنے
دل کی بات زبان قلم پر لا رہا ہوں۔ مجھے صدمہ تھا
کہ یہ صحابہ دربار ابن زیاد و یزید میں کیسے دکھائی دئے
ان کی جگہ تو محراب و منبر اور ہدایت کے آرزومند
مومنین کی بزم میں تھی خیال ہوا کہ شاید یہ درباری
زندگی سے مانوس ہو گئے تھے لیکن ابو برزہ صحابی
کے ذکر میں ابھی ہم نے پڑھا کہ وہ دربار میں خود
تشریف نہیں لائے تھے بلکہ بلائے گئے تھے ؎

یہ خود آئے نہیں لائے گئے تھے

کوئی تعجب نہیں ہے کہ یہ لوگ یزید و ابن زیاد کی قید میں
رہے ہوں۔ اس لئے شہادت کی سعادت سے محروم
رہے اور ان کی دل آزاری کے لئے ان کو دربار میں
بلایا گیا ہو اور ابن زیاد نے یہ سمجھا ہو کہ میری

قہاری و جباری و ستم رانی کو شہدا کے کٹے ہوئے سروں
کی صورت میں دیکھ کر یہ لوگ دہل جائیں گے اور میں
عوام کو یہ باور کرا سکوں گا کہ نمایاں صحابہ بھی میرے
طرز عمل کی صحت کے قائل تھے اس لئے ان لوگوں نے
خاموشی سے یہ منظر دیکھا۔ بلکہ کیا عجب ہے کہ ایسے بھی
ہوں گے جو کہہ رہے ہوں کہ یہ لوگ تو فتنہ ہو گئے ہیں اور یہ اتفاقات میں
گفتگو کر رہے تھے لیکن ابن زیاد نے اور تاریخ سے
دلچسپی رکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ ان لوگوں نے
ضمیر فروشی نہیں کی اور انتہائی خوفناک ہو کر اپنے
آنسوؤں سے گرم آنکھوں سے یہ سانحہ دیکھنے سے
اور اپنے الفاظ کے تیر و نشتر دل سے ابن زیاد و
یزید کو زخمی کیا اور اس کے رسوائے عالم فعل کی تنقید
کی ۔۔۔

معرکہ کربلا نے صحابہ کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔
وہ جو رسول خدا اور دین کے مخلص تھے اور قسمت نے
ان کی یاوری کی اور انھیں شہادت کی عزت حاصل
ہوئی ۔۔ اسی وقت سے آج تک ان پر درود و سلام
پڑھا جا رہا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا ۔
۲۔ وہ صحابہ جو مخلص تھے لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے
تاریخ جس کا ابھی تک پتہ نہیں لگا سکی ہے شہادت کی
سعادت نہ حاصل کر سکے۔ لیکن انھوں نے اپنی بقیہ زندگی
میں مختلف طریقوں پر امام کے مقام شہادت سے دوسروں
کو آگاہ کیا ۔

۳۔ تیسرے وہ صحابہ ہیں جو خاموش رہے انھوں نے
امام کے دشمنوں کی مدد بھی نہیں کی۔ انھوں نے اپنے دل
میں اتنی قوت بھی نہ پائی کہ وہ حکومت کی تنقید کر سکتے اس
کے غیظ و غضب کا نشانہ بنتے ۔

۴۔ ایسے افراد بھی اس عہد میں ملتے ہیں جنھوں نے
اس محترم منصب کو رسوا کیا۔ انھوں نے بجائے مظلوم
سے تعاون کرنے کے ظالم کا ہاتھ مضبوط کیا۔ انھوں نے
حق کا راستہ چھوڑا اور باطل کے مددگار بن گئے حقیقتاً
ان کے افعال نے ان کو ان کے منصب سے معزول
کر دیا تھا وہ بغیر استحقاق کے صحابیت کے خطاب کو
اپنے لئے استعمال کرتے رہے ان سے ہزار درجہ وہ
تابعی بہتر تھے جن کو ان سے کبھی ان کو کوئی مناسبت نہ تھی یا جن
کو رسول اللہ کی زیارت میں حاضری کا موقع نہیں ملا لیکن
انھوں نے حق کا ساتھ نہ چھوڑا اور اسی کی مدد کے لئے
دوڑ پڑے اور اپنی جان عزیز قربان کر کے انھوں
نے دین کی حفاظت کی۔

ایسے لوگ ہرگز عزت کی بنا پر کہ کبھی انھوں
نے رسول کو دیکھ لیا تھا یا ان کی بزم میں بیٹھ گئے
تھے اتنے مقدس نہیں ہو سکتے کہ ان کی غلطی کو غلطی
نہ کہا جائے اور انھیں اجتہاد کا سارٹیفکیٹ دے کر
ہر غلطی کی باز پرس سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے
افسوس ہے کہ اجتہاد کا لفظ ایک سیاسی اصطلاح کے
طور پر عرصے سے استعمال ہو رہا ہے ۔ اور ایسے مجرموں
کو اس میں پناہ دی جا رہی ہے جنھیں اخلاق و دین
و مروت ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے ۔ اس سلسلے میں
ابن خلدون نے جن کے ذہن کی اموی اقتدار کے
آب و ہوا میں تربیت ہوئی تھی ایک نہایت پر فریب
رائے دی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں۔

تم اس غلطی میں نہ پڑ جانا جو اصحاب حسین کی
رائے کے مخالف تھے اور ان کی مدد کے لئے کھڑے
نہیں ہوئے ان کو گنہگار رکھو۔ صحابہ کی اکثریت یزید
کے ساتھ تھی اور اس پر خروج جائز نہیں سمجھتی تھی ۔
(ص ۱۸۱ مقدمہ ابن خلدون)

مسجد ایک مقدس و محترم چیز ہے لیکن جب وہی
مسجد ضرار کی شکل اختیار کر لیتی ہے تو اس کا سارا احترام
و تقدس ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح صحابیت کے
قدم جب تک رسول اللہ کے نقش قدم پر رہیں وہ

وہ قابل احترام ہے اور حبیب رسول کے جادہ کو چھوڑ کر وہ فاسقوں اور فاجروں کی تابع ہو گئی تو اس نے اپنے عمل سے خدا و رسول سے اپنی نسبت پر خط نسخ کھینچ دیا۔

صحابیت تو ایک معزز منصب ہے جن لوگوں نے صحابیت کو خلعت میں کر دشمنان سنت کا ہاتھ مضبوط کیا وہ معمولی مسلمان کی صف میں بھی جگہ نہیں پاسکتے۔

مسلمانے کے داند رمز دین را
نساید پیش غیر اللہ جبین را
اگر گردوں بکام او نگردد
بکام خود بگیرد این زمین را
(اقبال)

انس بن حارث کا تاریخ میں مقام

انس کے بیٹے "عمیر" بھی راویان حدیث میں تھے لیکن ان کا نام ان کے کارنامے شہادت سے زندہ ہے۔ صحابہ کی دوہری فہرست جو شہادت کے خون پاک سے تیار ہوئی ہے اس میں ان کا اسم گرامی درج ہے۔ عہد رسالت کے غزوات میں جو صحابہ شرف شہادت سے باریاب ہوئے انس کا نام ان میں نہیں ہے لیکن جب اسلام مٹایا جا رہا تھا اور اس کی تجدید کا وقت آگیا تھا وہ ایک مریض کی طرح نفس شماری کر رہا تھا اس وقت اُسے خون تازہ کی ضرورت تھی۔

انس اور ان کے ساتھیوں نے اپنی شہادت سے اسلام کو خون تازہ دے کر مرنے سے بچا لیا جب تک اسلام زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا انس اور ان کے شہید ساتھیوں کی یاد تازہ رہے گی ہر آنے والی نسل ان کی شکر گذار ہوگی۔

حضرت انس نے جو تابندہ نقش چھوڑے ہیں وہ ہمیشہ دل و دماغ اور ضمیر کو روشنی پہنچاتے رہیں گے۔

کمیت بن زید اسدی مشہور شاعر متوفی سنہ ۱۲۶ھ پانچ ہزار دو سو پچاس شعر اپنی ادبی میراث میں چھوڑے ہیں۔ ان میں وہ شعر بھی ہے جس میں کمیت نے حضرت حبیب بن مظاہر اور حضرت انس بن حارث کا ذکر کیا ہے۔ شعر:

سوی عصبۃ فیھم حبیب مزمل
وقضی بنحبه والکاھلی معفر

شرف بالائے شرف اور اعزاز بالائے اعزاز اور رفعت و سعادت کی معراج یہ ہے کہ زیارت ناحیہ مقدسہ (سنہ ۲۵۵ھ) میں ان کو سلام کی عزت سے نوازا گیا ہے۔

السلام علی انس بن کاھل الاسدی
(بحار مجلس ۹۹/۲۷۴ تحفۃ الزائر مجلسی ص ۱۸۹ مطبوعہ طہران سنہ ۱۲۷۳ھ)

علامہ حاج شیخ عبداللہ بن شیخ محمد حسن مامقانی متوفی سنہ ۱۳۵۱ھ تنقیح المقال فی اسماء الرجال میں تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت انس وثوق و اعتبار کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے زیارت ناحیہ میں امام کے سلام نے ان کو شرف شہادت کے ساتھ ایک اور شرف کا خلعت پہنا دیا ہے۔

محرم کا تحفہ

"نقوشِ کربلا" حصۂ اوّل، مصنفہ سید محمد راحم بارہ بنکوی

سات مضامین کا وہ ایمانی اور روحانی گلدستہ جس کی ندرت کا اندازہ اُس کے مضامین کے مندرجہ ذیل عنوانات سے ہر اہلِ نظر کرلے گا
(۱) اسلام زندہ ہوگیا کربِ و بلا کے بعد (۲) نرالی مہمانی (۳) وفائی بھائی (۴) جہادِ اصغر بہ شانِ اکبر
(۵) شہنشاہ تقدیر بہ مقابلِ تدبیر (۶) حسینؑ کا پیغام امن تلاش دنیا کے نام (۷) عروسِ شہادت اور نوشاہ کربلا۔
کتاب کی اہمیت کے متعلق کچھ بھی کہنا تحصیلِ حاصل ہے۔ اس لئے کہ ملک کے مشہور اور مستند اہلِ قلم مثلاً پروفیسر جناب احتشام حسین صاحب بالی (مصنف "ساحل اور سمندر") عالیجناب خان بہادر ظفر حسین خان صاحب (مصنف ماں کی وصیت) فدائے ملت عالیجناب شیخ ممتاز حسین صاحب جونپوری (مصنف تعلیم خط و املا) عالیجناب عمدۃ العلماء مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ وغیرہم کی اہم تقاریظ نے کتاب کی مقبولیت پر مہر تصدیق ثبت کردی ہے۔

قدردانوں نے کتاب کے چھپتے ہی اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔ تھوڑی سی جلدیں باقی ہیں لیکن ممکن ہے جلد ہی یہ ایمانی تحفہ نایاب ہو جائے۔ لہٰذا خواہش مند حضرات مندرجہ ذیل پتوں سے جلد حاصل کرلیں۔
(۱) منیجر کتب خانہ متصل اکبری دروازہ چوک لکھنؤ (۲) دفتر امامیہ مشن لکھنؤ (۳) خادم رضا صاحب (یونین ٹریڈرس جگت نرائن روڈ لکھنؤ) (۴) سید محمد راحم پراکٹر مہاتما گاندھی ہائر سکنڈری اسکول ملیح آباد لکھنؤ۔
کتاب کا ٹائٹل پیج اور سائز بھی اسکی تمام چھپائی نہایت دیدہ زیب ہے کاغذ نہایت عمدہ قیمت فی جلد صرف ایک روپیہ (علاوہ محصول)

اقوامِ عالم اپنے نظریات کی تبلیغ پر پانی کی طرح دولت بہا رہی ہیں
ہمیں بھی اپنے فرائض کی طرف متوجہ ہونے کی ضرورت ہے

امامیہ مشن لکھنؤ گزشتہ انتیس سال سے اسلام حقیقی کی تبلیغ میں مشغول ہے۔
آپ اپنے اس واحد تبلیغی مشن کی دامے، درمے، سخنے اور قدمے امداد فرماکر عنداللہ و عندالرسول ماجور ہوں۔ فارم ممبری وغیرہ ایک کارڈ ارسال فرماکر طلب فرمالیجئے۔

الداعی الی الخیر:۔ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

حبیب ابن مظاہر اسدی

از

جناب سید مرتضیٰ حسین صاحب صدر الافاضل

کوفہ کی آبادی سرحدی تحفظ کے نقطۂ نظر سے بہت اہم حیثیت رکھتی ہے لیکن عام سپاہیوں کی آبادی یا فوجوں کا کہیں پڑاؤ ڈال لینا شہریت کی بنیاد اور تمدنی آغاز دار تقدر ی ابتدائی کوشش نہیں ہوا کرتی، فوج عموماً جنگجو افراد، مغلوب الغضب عوام، غضب پسند آدمیوں کا مجموعہ ہوتی ہے یہ لوگ جب تک دشمن سے برسرِ پیکار رہتے ہیں اس وقت تک دنیا جہان سے غافل، نیک و بد سے بے پروا، اچھے برے سے بے فکر رہتے ہیں لیکن خانہ نشینی کے دور میں سپاہیوں کی آبادی کا اندرونی خلفشار سے بچنا ناممکن ہوتا ہے۔

عرب کی غیر منضبط فوجی آبادی کا یہ مرکز مدتوں اندرونی کشمکش میں مبتلا رہا۔ اموی دور اقتدار میں یہاں کے باشندے بے وفائی، بغاوتوں اور ہنگاموں میں خوب بدنام ہوئے اس بدنامی کی ایک وجہ تو واقعی ان کی طبعی کمزوری تھی دوسری وجہ یہ تھی کہ یہاں دمشق اور مصر کے مقابلے میں شیعان علیؑ کی زیادتی تھی اور حکومت شیعوں کو برداشت کرنا تو بڑی بات ہے زندہ دیکھنے کی بھی روادار نہ تھی۔

بنی اسد کا قبیلہ بھی کوفہ کے آباد خاندانوں میں سے ایک بڑا خاندان تھا ان کے آدمی احباب شیعیان علیؑ اور دشمنان آل محمد دونوں قسم کے تھے ان میں کچھ لوگ صفین میں وفاداری و جاں نثاری کے جوہر دکھا چکے تھے بعض ایسے سمجھتے تھے جو دشمن کے منہ دہ احسان تھے انہی اسدیوں میں حضرت مسلم بن عوسجہ اور حبیب بن مظاہر کی عظیم الشان شخصیت جیسے ایسے آدمی بھی تھے۔

حضرت حبیبؑ کے والد

تاریخ میں حضرت حبیب کا نام مع ولدیت یہی مرقوم ہے لیکن بعض لوگوں نے مظاہر کے بجائے مظہر لکھا ہے علامہ مامقانی نے اس اختلاف کو رسم الخط پر محمول فرماتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ جس طرح اسحٰق و اسمٰعیل بدون الف لکھتے اور الف کا تلفظ کرتے ہیں اسی طرح مظہر لکھ کر مظاہر ہی پڑھتے ہیں لیکن رجز میں "انا حبیب و ابن مظہر" کی وجہ سے شبہ باقی رہتا ہے۔)

حضرت حبیبؑ کا علمی پس منظر

کوفہ چونکہ مختلف عرب قبائل کی آبادی پر مشتمل تھا اس لئے یہاں کی زبان سندی اور خالص عربی شمار کی جاتی تھی حبیب بھی قبائلی حفاظت زبان کے حامی ہو گئے علامہ مامقانی نے لکھا ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے حبیب کو علم منایا و بلایا کی تعلیم دی تھی اس کا مطلب یہ ہے کہ حبیب بن مظاہر رحمۃ اللہ کے عہد امیر المومنین میں جوان و صاحب علم و عمل تھے اسی بنا پر انھیں رشید ہجری میثم تمار جیسے حضرات کا ہمسر مانا گیا ہے مامقانی کے الفاظ ہیں :-

فحال الرجل اشهر من ان يحتاج الى بيان او اقامة بينة و برهان ۔

(ترجمہ) حبیب کی شخصیت بیان و تعارف سے بلند تر ہے اور اس کی ضرورت نہیں کہ اس دعوے پر کوئی دلیل دی جائے۔

وکیف و هو ممن عد ه ببرکة امیرالمومنین و تعلیمه علم المنایا والبلایا۔

(ترجمہ) اس شخص کا ذکر کیا کیا جائے جو برکت امیرالمومنین و تعلیم علی بن ابی طالب کی وجہ سے علم منایا و بلایا سے واقف تھا۔

و هو قرین میثم و رشید و نحو هما (ترجمہ) وہ میثم و رشید رحمہا اللہ کے ہمسر تھے۔

حبیب کا سراپا

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب رحمۃ اللہ خوشحال و صاحب دولت و اقبال تھے، ان کا رنگ سرخ و سفید، سر مبارک پر بال بہت کم اور دونوں کنپٹیوں پر زلفیں حسن میں چار چاند لگا رہی تھیں۔

حبیب و میثم کا مکالمہ

یہی دن تھے، کوفہ میں میثم و رشید نسبتاً آزادی کے دن گذار رہے تھے، ایک روز حبیب اپنے خاندان کی بیٹھک کے قریب گھوڑے پر سوار کھڑے تھے کہ میثم تمار بھی گھوڑے پر ادھر سے گذر رہے تھے حبیب کو دیکھ کر مڑے باتیں شروع ہو گئیں۔ اثنائے گفتگو میں آنے والے حوادثات کا ذکر چھڑ گیا۔ حبیب نے میثم کو مخاطب کر کے کہا۔

لکانی بشیخ اصلع، ضخم البطن یبیع البطیخ عند دار الرزق قد صلب فی حب اهلبیت نبیه علیه السلام بنقر بطنه علی الخشبة۔

ترجمہ

مجھے وہ صاف سر بزرگ شکم بزرگ نظر آ رہا ہے جو رزق کے مکان سے متصل خربوزے بیچتے ہیں۔ انھیں محبت اہلبیت میں سولی دی گئی ہے اور پھانسی کے تختہ پر شکم چاک کیا گیا ہے۔

میثم تمار، امیرالمومنینؑ کے خالص شیعہ اور کوفہ کے مشہور محب اہل بیت تھے۔ تمار کے لقب سے مشہور ہونے کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عام کاروبار تجارت اور کھجور بیچنا تھا لیکن دوسرے پھلوں کے موسم میں موسمی پھل بھی بیچتے تھے۔ دار رزق کے پہلو میں دوکان تھی حبیب کی اس بات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ لوگ آپس میں گہرے تعلقات رکھتے تھے حبیب ہی تو اس راز دارانہ بات کو سن کر انھوں نے بھی اسی لب و لہجہ میں ایسی ہی بات بیان فرمائی۔

وانی لاعرف رجلا احمر له ضفیرتان یخرج لنصرة ابن بنت نبیه فیقتل و یجال برأسه بالکوفة۔ ترجمہ

اور میں بھی اس شخص کو جانتا ہوں جس کا رنگ سرخ اور دو زلفیں ہیں یہ شخص اپنے نبی کے نواسے کی نصرت کے لئے وطن سے باہر جا کر شہید ہوگا پھر اس کا سر کوفہ میں پھرایا جائے گا۔

اہل مجلس نے پوری گفتگو سن کر کہا۔ ہم نے ان دونوں جیسے غلط گو (نعوذ باللہ) آدمی نہیں دیکھے۔

میثم اور حبیب باتیں کر کے ایک دوسرے سے رخصت ہوئے ہی تھے کہ رشید آ گئے۔ اہل مجلس نے دونوں کی تعجب انگیز باتیں دہرائیں۔ رشید فرمانے لگے، میثم ایک بات بھول گئے۔

ویزاد فی عطاء الذی یجیئ بالراس مأة درهم (ترجمہ)

سر حبیب لانے والے ظالم کو ایک سو درہم کا مزید انعام بھی دیا جائے گا۔

لوگوں نے کہا سبحان اللہ یہ تیسرے نکلے۔ بات آئی گئی ہوگئی۔ دن گذرتے دیر ہی کیا لگتی ہے۔ انھیں "بھونا" کہنے والوں نے دیکھا کہ عمرو بن حریث کے دروازے پر میثم کو پھانسی دی گئی ہے اور اس کے بعد حبیب کا سر کوفہ کے بازاروں میں گھمایا جا رہا تھا۔ (رجال کشی طبع بمبئی ص ۵۲ تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۵۲ و نمبر ۲۲۹۱)

کوفہ میں ابن زیاد کی گورنری شیعوں کے لئے آزمائشی دور تھا ہر طرف خوف و ہراس کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ پکڑ پکڑ کر سزایاب ہوئے۔ محلے کے چودھریوں کو فہمائش کی گئی کہ خبردار کوئی شیعہ باقی نہ رہے جبری تبدیلی مذہب شہر بدری، ضبط جاگیر، حبس بے جا کی گیر و دار نے غربا و معززین کو زیر و زبر کر دیا۔ رشید و میثم جیسے اکابر شہید کیے گئے۔ حبیب پہ نہ معلوم کیا گذری، ہانی و مسلم پہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے نہ معلوم اس وقت حبیب شہر میں تھے بھی یا نہیں، کوفہ شیعیان علی کے لئے زمین کفر سے زیادہ سخت گیر تھا۔ ممکن ہے کہ حبیب بن مظاہر نقل مکان یا شہر بدر کر دیئے گئے ہوں۔

فرزند رسول مکے سے نینوا[ف] نامی جگہ پہونچ گئے، پورے سفر کے حالات مورخین نے لکھنے میں بخل سے کام لیا، راویوں کی زبان بندی تھی۔ اس لئے خدا جانے حبیب فرزند رسول سے کب ملنے آئے کہا جاتا ہے کہ جس زمانہ میں امام حسینؑ بے وطن اور کوفہ والے جنگ کے لئے تیار ہو رہے تھے اس دوران میں ایک دن حبیب بن مظاہر کوفہ ہی میں تھے اور خضاب خریدتے وقت ان سے اور ان کے کسی دوست سے نصرت حسینؑ پر گفتگو ہوئی۔ حبیب نے خضاب پھینک دیا تھا اور کہا تھا اب یہ محاسن خون سے خضاب ہوں گی۔

یہ بھی مشہور ہے کہ جناب امام حسینؑ نے کربلا پہونچ کر ایک خط لکھ کر طلب فرمایا تھا اور خط میں "فقیہ کوفہ" سے خطاب کیا تھا لیکن ابن نما۔ ابن طاؤس، مفید اور ابن شہر آشوب و مجلسی اس سلسلہ میں خاموش ہیں ارشاد میں سب سے پہلے حضرت حبیب کا تذکرہ ۲ محرم کے بعد آیا ہے۔

عمر ابن سعد نے قرۃ بن قیس کو امام حسینؑ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ جا کر حضرت سے حالات حاضرہ پر بات چیت کرے۔ قرۃ خیمہ گاہ سرکار حسینی کے قریب پہونچا تو امام علیہ السلام نے اصحاب سے آنے والے کے بارے میں دریافت فرمایا۔

حبیب ابن مظاہر نے عرض کی۔

نعم، هذا رجل من حنظلة تميم وهو ابن اختنا وقد كنت اعرفه بحسن الرأی وما كنت اراه يشهد هذا المشهد (ترجمہ)

جی ہاں حضور! میں اسے جانتا ہوں تمیم کی ایک شاخ حنظلہ کا آدمی ہے ہماری اس سے قرابت بھی ہے اور رشتے کا بھانجا ہوتا ہے میں تو اسے خوش عقیدہ سمجھتا رہا ہوں اور میرے نزدیک یہ شخص اس معرکہ میں شریک نہ ہوگا۔

قرۃ ابن سعد کا پیغام پہونچانے اور امام علیہ السلام سے گفتگو کرنے کے بعد جانے لگا تو حبیب نے بڑھ کر روکا اور فرمایا:۔

ویحک یا قرۃ این ترجع؟ الی القوم الظالمین

(ترجمہ) قرہ، کیا پھر ان ظالموں کے پاس جا رہے ہو؟ آؤ اس انسان اعظم کی مدد کرو، خدا تمھیں توفیق دے۔"

لیکن قرہ واپس چلا گیا۔

نویں محرم کو شمر کربلا میں موجود تھا اس کی جلد بازی اور

ف قدیم ترین ماخذ میں تو فلسید المقعدار کا نینوا میں پہونچنے کا تذکرہ ہے۔ یقیناً یہ نینوی موصل والی سرزمین نہیں بلکہ کربلا یا اس کے قریب ہی کا کوئی علاقہ ہے جسے اس وقت نینوی کہا جاتا ہو ایک نام کی دو آبادیوں کا ہونا تاریخ و جغرافیہ میں کوئی نئی بات نہیں۔

خولہ آشامی نے حالات بدل دئے تھے۔ عصر کے بعد حضرت امام حسین علیہ السلام باہر تشریف فرما تھے کہ ذرا غنودگی آگئی رونے کی آواز سنکر اٹھے تو درِ خیمہ پر زینب علیہا السلام تھیں۔ جاکر تسلی دی۔ فرمایا بہن نانا تشریف لائے تھے اور موت کی خبر دے گئے ہیں۔ شہزادی نے فرمایا۔ بھائی، یہ فوجیں کیسی آرہی ہیں۔

امام حسین نے حضرت عباس کو بلایا۔ فرمایا ذرا جاکر ان سے آنے کا سبب پوچھو اور دیکھو یہ کیا چاہتے کیا ہیں۔ حضرت عباسؑ بیس جان نثاروں کو لیکر آگے بڑھے ان بیس سواروں میں زہیر بن قین کے ساتھ حبیب بن مظاہر بھی تھے۔ اس وفد نے جاکر کیا بات کی؟ اور کن کن افراد نے گفتگو میں حصہ لیا؟ — تاریخ لاجواب ہے۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے صرف یہی لکھا ہے:۔

حضرت عباسؑ گفتگو کا نتیجہ حضرت امام حسینؑ سے عرض کرنے واپس تشریف لائے اور یہ حضرات فوج اعدا کے سامنے معاملات میں غور و فکر کی دعوت اور تقوے پر تقریریں کرتے رہے انھیں سمجھایا کہ امام مظلوم سے جنگ نہ کرو — امام حسینؑ نے حضرت عباسؑ سے فرمایا

ارجع الیھم فان استطعت ان تؤخرھم الیٰ غدوۃ وتدفعھم عنا العشیۃ لعلنا نصلی لربنا اللیلۃ و ندعوہٗ ونستغفرہٗ ۔ ترجمہ

عباس جاؤ اور اگر ہوسکے تو صبح تک جنگ ملتوی کردی جائے اور ان لوگوں کو رات بھر کے لئے ٹالدو کہ رات کو پروردگار کی عبادت کرلیں، دعا و استغفار کرلیں۔

فھو یعلم انی قد کنت احب الصلوٰۃ لہ وتلاوۃ کتابہ وکثرۃ الدعاء والاستغفار۔ ترجمہ

وہ جانتے ہیں کہ میں نماز وتلاوت قرآن وکثرت دعا و استغفار کو پسند کرتا ہوں۔

(ارشاد ص ۲۵۵)

حضرت عباس علیہ السلام واپس تشریف لائے، دشمن نے ایک رات کا التواء منظور کر لیا اور آپ ساتھیوں کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔ عمر بن سعد نے اپنا قاصد بھیجکر باقاعدہ اجازت نامہ بھیجا۔

پوری رات حبیب بن مظاہر اپنے امام کے ساتھ عبادت وتلاوت کرتے رہے اس درمیان میں حفاظتی دورے فرمائے ہوں گے۔ مامقانی کے بقول شہزادی کبریٰ حضرت زینب کو تسلیاں دیں (تنقیح المقال ج ۱ ص ۲۵۲)

صبح کو حبیب ابن مظاہر میسرہ کے لشکر کے سردار نامزد فرمائے گئے، دشمن کے بائیں بازو کا سردار شمر بن ذی الجوشن تھا۔ عمر بن سعد فوج لیکر آگے بڑھا، انصار باوفا جوابی کارروائی کے لئے تیار تھے، شمر نے بے ادبی شروع کی تو مسلم بن عوسجہ بڑھے کہ اس کا جواب دیں اور جنگ شروع کردیں لیکن امام علیہ السلام نے روک دیا۔ فرمایا۔ مسلم پہل ہماری طرف سے نہیں ہوگی۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوکر فوج اعدا کے سامنے تشریف لائے۔ ایک مختصر سی تقریر فرمائی سب کو خوف خدا اور رسول دلا۔ اپنی عظمت، حق پرستی، صداقت وحقانیت سمجھائی لیکن شمر اپنی شرارتوں سے باز نہ آیا تو حبیب بے چین ہوگئے۔ پکار کر کہا:۔

واللہ انی لاراک تعبد اللہ علی سبعین حرفا وانا نشھد انک صادق ماتقول قد طبع اللہ علی قلبک ۔ (ترجمہ)

خدا کی قسم ہمارے نزدیک تو مشرک ہے اور ہم سب انصار مانتے ہیں کہ تو یہ سچ کہہ رہا ہے کیونکہ تیرے دل پر تو مہر لگ چکی ہے۔ تیری سمجھ میں حق بات آئے تو کیونکر آئے"

حبیب نے تصدیق امام وتکذیب شمر کے لئے جیسا جرأت ایمانی سے کام لیا اس کی مثال اسلام کی تاریخ میں کہاں ہے۔ حبیب نے ببانگ دہل شمر اور

اس کے ساتھیوں کو باطل کا حامی، دین کی حقیقت کا منکر بتایا۔ آپ نے آنے والی دنیا کو دکھا دیا کہ حسین علیہ السلام کی عرفان آموز تقریر کو نہ سننے والا خدا کی توفیقات سے محروم ہے حسین علیہ السلام کی عظمت کا منکر دل پر مہر لگوا چکا ہے میرے حریف رسوائے زمانہ ہیں میرے ساتھی اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ حریف کے سینوں میں دل نہیں پتھر ہیں۔ بھلا رات بھر کی عبادت، پُرسوز عبد اسے مناجات سنکر بھی دل نہ پسیجے تو اب ان سے کیا توقع کی جائے، داؤد نبی کے نغمے ساری مخلوق کو پرستار خدا اسی وقت بنا سکتے تھے جب وہ معجزہ کی طاقت سے ہر کہ ومہ کافر و منافق ایمان لانے پر مجبور کر دیتے۔ پیغمبر آخر الزماں کے اخلاق وکردار معجزہ میں مگر طاقت قلب ماہیت میں اثر آفرینی و معجزہ گری کا فائدہ کیا؟ بات تو جب ہے کہ سوچ سمجھ کر راہوں کو طے کیا جائے منزل پر اپنے پیر دل چلکر پہنچا اور سہے اور جبر کی بدولت کسی منزل کو مسکن بنانا اور ہے تعلیم رسولؐ و تبلیغ نبوت کی آخری حجت ہے۔

قد تبین الرشد من الغی

ہدایت و گمراہی کے راستے کھول دئیے گئے۔

فمن شاء فلیو من ؤ من شاء فلیکفرؕ

اب جس کا جی چاہے ایمان لائے جس کا جی چاہے کافر ہو جائے "

حبیب کے جواب کا نفسیاتی مطالعہ کیجئے آپ نے اپنے رجحانات کو اس قدر واضح فرمایا ہے، آزادی کا خیال، صداقت پر بھروسہ، یزیدیوں کا باطل پر اصرار غرض مختصر سے جواب میں جہاد حسینی کا مقصد اور حریفوں کا ذہنی پس منظر سامنے آگیا۔

کچھ دیر بعد عمر بن سعد نے درید کو پکار کر حکم دیا۔ درید فوجی نشان لیکر آگے بڑھا۔ پھر کمان میں تیر جوڑ کر پہلا تیر خیمۂ مبارک حسینی کی طرف سر کیا جسکے پیچھے ہزاروں تیر فوج سیدالشہداء کی طرف دوڑے زہیر بن قین اور حبیب بن مظاہر سینہ سپر ہو گئے، دشمنوں کا حملہ دونوں شیروں نے ناکام کر دیا لمحہ بھر کے بعد زیاد بن ابوسفیان کا غلام یسار بڑھا اور دعوت مقابلہ دی،" ادھر سے عبداللہ بن عمیر نکلے ــــ یسار نے زہیر یا حبیب کو بلایا۔ عبداللہ بن عمیر نے ڈانٹ دیا (ارشاد ص ۲۶۴)

میدان گرم ہو چکا تھا۔ جان نثار باری باری شہادت پا رہے تھے، حبیبؓ امام مظلوم کے ہمرکاب تھے۔ بلاؤں کی بارش تھی آزمائشوں پر آزمائشیں ایمان میں اور اضافہ کر رہی تھیں۔ اللہ کے مخلص بندے (سید القرّاء) نے دیکھا کہ حبیب کھڑے مسکرا رہے ہیں۔ بڑھ کر حبیب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

یا اخی، لیس هذا لساعة ضحك

"بھائی یہ ہنسنے کا وقت نہیں"

حبیبؓ نے فرمایا

ای موضع احق من هذا بالسرور ــــ

واللہ ما هو الا ان تمیل علینا هؤلاء الطغاة

فنعانق حور العین۔

(ترجمہ) اس موقعہ سے زیادہ مسرت کا موقعہ کیا ہوگا؟ خدا کی قسم اس مسرت کا سبب صرف یہ ہے کہ یہ ظالم ہم پر حملہ کریں اور ہم حور عین سے ہمکنار ہوں"

(کشی بحوالہ المفاخرۃ بین البصرۃ والکوفہ)

ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حبیب مطمئن مزاج باہمت، بلند نگاہ اور جری بہادر تھے۔ امام حسینؑ کو ان پر بھروسہ تھا اور انھیں اپنے موقف پر اطمینان تھا وہ امام حسین کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت نہ کر سکتے تھے۔

محبت حسینی و خدمت امام میں دشمنوں کا مقابلہ بھی کرتے تھے اور شہید دلوں کی لاشوں پر حاضری بھی دیتے تھے

عمرو بن حجاج نے حملہ کیا اور حضرت مسلم بن عوسجہ اسدی زخمی ہو کر گرے تو حبیب بھی امام حسین علیہ السلام کے ساتھ مسلم کے سرہانے تھے۔ امامؑ نے مسلم کو لبِ الیقین دیکھ کر دعا دی۔

رحمک اللّٰہ یا مسلم ۔ منھم من قضیٰ
نحبہ و منھم من ینتظر وما بدّلوا تبدیلاً

(ترجمہ) مسلم تم پر خدا کی رحمتیں ۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو اپنی عمریں پوری کر چکے اور کچھ لوگ منتظر ہیں۔ اور وہ لوگ مشیئت باری کو ذرا بھی بدل نہیں سکتے ۔"

جناب حبیب نے بڑھ کر کہا:۔

عزّ علیّ مصرعک یا مسلم ابشر بالجنۃ

(ترجمہ) مسلم! تمہاری رحلت میرے لئے بڑا سخت واقعہ ہے۔ اچھا جنت مبارک ہو۔"

مسلمؓ نے ہچکیاں لیتے ہوئے فرمایا۔

بشّرک اللّٰہ بالخیر حبیب! (ترجمہ) حبیب خدا تمہیں بھی نیکیوں کی بشارتیں دیں حبیبؓ نے کہا:۔

لولا انی اعلم انی فی اثرک من ساعتی
ھذا لاحببت ان توصینی بکلّ ما اھمّک

(ترجمہ) اگر مجھے یہ نہ معلوم ہوتا کہ میں ابھی اسی لمحہ تمہارے پیچھے آرہا ہوں تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا کہ تم سے ضروری وصیتیں سنتا۔

ابھی یہ لوگ دل بھر کے باتیں بھی نہ کر سکے تھے کہ شمر نے حملہ کر دیا اور مسلم جنت سدھارے۔ شمر چونکہ بائیں بازو کا سردار تھا اس لئے حبیبؒ رحمہ اللہ کے دستہ کو مقابلہ کرنا تھا۔ دشمن ناکام ہوا مگر آپ کی حصین نے تیراندازوں کو للکار کر لوہے کا پانی برسا دیا۔ قیامت کا رن تھا مگر دشمن چیخ اٹھے۔

(ارشاد ص ۲۶۳)

ظہر کا وقت تھا۔ ابو ثمامہ صیداوی نے نماز جماعت کی درخواست کی مگر سید الشہداء کو نماز پڑھنے کا بھی حق نہ رکھتے تھے۔ حضورؑ نے فرمایا۔ ان ظالموں سے کہو کہ اتنی دیر ٹھہر جائیں کہ جماعت ہو سکے۔ حصین نے اس کا جواب بے ادبی سے دیا۔ حبیبؒ تاب نہ لا سکے۔ للکار کر فرمایا۔

لا تقبل من آل رسول اللّٰہ والصلوٰۃ وتقبل منک؟ وانت شارب خمر۔ (ابن نما ص ۳۴)

(ترجمہ) تیرا خیال ہے کہ فرزندان رسول کی نماز قبول نہ ہوگی اور تیری نماز قبول ہو جائے گی۔ حالانکہ تو شراب پیتا ہے۔"

دنیا نے حبیب کا جواب سنا۔ اور زمانہ کو معلوم ہو گیا کہ شراب نوش سپاہی خلیفہ رسولؐ ہونے کا دعویٰ کرنے والے یزید کے ساتھی فرزند رسولؐ پر بے حیائی سے حملے کر رہے تھے۔ حصین بن تمیم نے بڑھ کر حملہ کیا۔ حبیبؒ سامنے آئے پہلے ہی وار میں حصین زمین پر آگیا۔ مگر حبیب اکیلے تھے اور حصین کے بچانے والے سیکڑوں تھے۔ حبیبؒ نے فرمایا:۔

اقسم لو کنا لکم اعدادا
او شطرکم ولّیتم اکتادا
یا شرّ قوم حسبا وادا

قسم کھا کے کہتا ہوں اگر ہم تمہاری تعداد میں تو کیا تمہارے آدھے بھی ہوتے تو پھر تمہیں منہ پھیرنا پڑتا تم حسب و نسب میں بھی تو ذلیل ہو۔ پھر حملہ کرتے ہوئے یہ رجز پڑھی۔

انی حبیب وابی مظاھر[1]
فارس ھیجاء وحرب تسعر
وانتم عند العدید اکثر
ونحن اعلیٰ حجۃ واظھر (مناقب ۹۵/۴)

[1] مظہر جیسے کہ قافیہ چاہتا ہے اور بعض مقامات پر یونہی لکھا گیا ہے (مرتضیٰ)

بعض مقامات پر یہ رجز یوں نقل ہے :-

انا حبیب و ابی مظاہر

فارس ھیجاء و حرب تسعر

انتم اعد عدۃ و اکثر

ونحن اوفی منکم و اصبر

ونحن اعلی حجۃ و اظہر

حقاً و اتقی منکم و اعذر

—"میرا نام حبیب، میرے والد مظاہر — میں اس میدان کا شہسوار ہوں۔ جہاں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہوں — مانا کہ تم تعداد و شمار میں ساز و سامان میں زیادہ ہو، مگر ہم تم سے بہتر اور زیادہ ثابت قدم ہیں۔ ہم حقانیت کے ثبوت، سچائی، تقوی اور اطمینان میں تم سے بیشتر ہیں۔

اس حملہ میں آپ نے باسٹھ آدمیوں کو قتل کیا۔ ایک تمیمی عبد اللہ بن خوزہ نے جان لیوا حملہ کیا۔ حصین نے اتر کر سر مبارک کاٹ کر گھوڑے کی گردن میں لٹکا لیا۔ اور اسی طرح سے سر حبیب کوفہ میں گشت کرایا گیا۔ جہاں ان کے یتیم بچوں نے اپنے والد کے سر بریدہ دیکھ کر زیارت کی۔

(بحار ۱۰/۱۹۸، طبری ۲۵۲/۶، ارشاد)

امام حسین علیہ السلام کے چہرے مبارک کا رنگ بدل گیا اور حبیب کی شہادت سے بہت زیادہ متاثر ہوئے میسرہ کا سردار، بچپنے کا چاہنے والا جان نثار کا یوں چھوڑ جانا کوئی معمولی سانحہ نہ تھا۔ اور حسین جیسے قدر شناس و محسن و کریم امام کے لئے عزت افزائی کا یہ پہلا موقعہ نہ تھا۔ ہاں اہم ترین مرحلہ ضرور تھا۔

بابی انت و امی، یا حبیب!

امام کا مکتوب

حبیب ابن مظاہر کے نام کوفہ جاتے وقت!

جب آپ کے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل اور اہل کوفہ کی بے وفائی کی خبر ملی تو آپ نے بارہ نشان تیار کئے اور چند افراد کو منتخب فرما کر حکم دیا کہ ہر شخص ایک ایک نشان اٹھائے، لوگوں نے نشان اٹھائے — ایک نشان باقی بچ گیا۔ بعض اصحاب نے عرض کی کہ اسے اٹھانے کا ہمیں شرف عنایت فرمائیے۔ آپ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی اور ارشاد کیا کہ اس کا اٹھانے والا آیا ہی چاہتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ نوشتہ لکھا:-

حسین ابن علی ابن ابی طالب کی طرف سے مرد فقیہ حبیب ابن مظاہر کے نام۔

اے حبیب! تم بخوبی واقف ہو کہ ہمیں حضرت رسول خدا سے کیا قرابت ہے اور دوسروں کی بہ نسبت ہماری معرفت بھی تمہیں زیادہ ہے نیز تم غیرت و مروت والے شخص ہو۔ لہذا اپنی جان ہم سے عزیز نہ رکھنا اس کی جزا تمہیں ہمارے نانا پیغمبر خدا قیامت کے دن دیں گے۔

"اسرار الشہادت"

دفتر شہادت کا پہلا ورق

(سرکار اسد العلماء مولانا سید علی حسن صاحب قبلہ مجتہد الٰہ آباد)

جناب مسلم بن عوسجہ بن سعد بن ثعلبہ بن دودان بن اسد بن خزیمہ اسدی سعدی ان کی کنیت ابوحجل تھی اشراف عرب میں امتیازی درجہ رکھتے تھے، اپنی قوم میں سرداری کے مرتبہ پر فائز تھے علمی بلندیوں کے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو بڑے عابد و زاہد، راتوں کا سناٹا جن کی عبادت کا گواہ، علامہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے کہ یہ صحابی تھے جیسا کہ علامہ شیخ محمد سماوی نے ابصار العین میں تحریر فرمایا ہے کہ یہ آنحضرت کی بارگاہ میں حضوری سے مشرف ہوئے تھے اور اکثر اسلامی فتوحات اور جنگوں میں ان کا ذکر موجود ہے چنانچہ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ سنہ ۲۲ھ میں اسلامی فوج نے جب ایران کے ترکستانی علاقہ آذربائیجان کی طرف رخ کیا تو اس وقت مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں شریک تھے اور شرکت بھی ایسی کہ ابھی مسلمانوں کی فوج پورے طور سے منظم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ انھوں نے میدان جنگ میں چھ مشرکین کو تہ تیغ کر دیا اور بائیجان فتح ہوا اور یہ کامرانی حذیفہ بن الیمان کی قیادت میں حاصل ہوئی۔

یہ واقعہ آپ کے نبرد آزما بہادر ہونے کا ثبوت ہے۔ علامہ مامقانی تحریر فرماتے ہیں کہ بہادر انسان تھے، غزوات اور فتوحات کے موقعوں پر آپ کا ذکر اکثر موجود ہے، ابن سعد نے طبقات میں اس کی صراحت کی ہے۔

حافظ شہاب الدین احمد بن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بیان کیا ہے کہ وہ صاحب شرف بزرگ تھے، بلند ہمت، دریا دل سردار تھے، عبادت گذار، قاری قرآن، حافظ قرآن، عابد شب زندہ دار تھے، حسینؑ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے۔

علامہ مامقانی تحریر فرماتے ہیں کہ ان کی جلالت قدر اور ملکہ عدالت ایمانی قوت، پرہیزگاری کے مراتب و درجات نہ کوئی قلم لکھ سکتا نہ کوئی زبان بیان کر سکتی، علامہ موصوف فرماتے ہیں کہ صرف زیارت ناحیہ مقدسہ کے الفاظ ان کی شخصیت کی ترجمانی کے واسطے کافی ہیں امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ فرماتے ہیں "سلام ہو مسلم بن عوسجہ اسدی پر جنھوں نے امام کی خدمت میں اسوقت فرمایا تھا جب امام نے انکو چھوڑ کر واپس چلے جانے کی اجازت دی تھی کہ یہ صرف میرے طلبگار ہیں تم لوگ شب میں نکل جاؤ اور تمام شب چل کر اپنے اپنے شہروں اور قبیلوں میں داخل ہو جاؤ میں بیعت کی ذمہ داری تمہاری گردنوں سے اٹھا کے لیتا ہوں اس وقت آپ نے کہا تھا کہ ہم آپ کو چھوڑ کر جان بچاتے جائیں اور پھر آپ کے حقوق کی ادائیگی کے متعلق جب ہم سے محاسبہ کیا جائے تو کیا جواب دیں اور کیا عذر پیش کریں۔ بخدا یہ کبھی نہ ہوگا جب تک کہ میں اپنا یہ نیزہ ان کے سینوں میں توڑ نہ دوں اور اپنی اس تلوار سے ان کو مارتا نہ رہوں جب تک میرے قابو میں اس کا قبضہ رہے میں آپ کو کبھی چھوڑ کر جا نہیں سکتا ان سے لڑنے کے واسطے اگر میرے ہاتھ میں کوئی اسلحہ نہ رہ جائیگا تو میں کر پتھر ماروں گا مگر آپ کی مدد ترک کر دوں گا۔ جب تک مر نہ جاؤں مسلم بن عوسجہ تم پہلے وہ شخص ہو جس نے اپنی خدا کے ہاتھ فروخت کر دی اور پہلے وہ شخص ہو جس نے خدا کی راہ میں جان کی بازی لگا دی اور شہادت کا درجہ حاصل کیا اور اپنا وعدہ پورا کر دیا، کعبہ کے پروردگار کی قسم تم کامیاب ہو کے رہے، خدا نے تمہاری پیشقدمیوں کو قبول فرمایا اور تمہارے امام نے اسوقت تمہارے پاس آ کر اپنی ہمدردی کا

اظہار فرمایا جبکہ تم زمین پر آ چکے تھے اور سرہانے آکر فرمایا کہ مسلم خدا کی رحمت ہو تم پر اور اس کے بعد ارشاد خداوندی کی تلاوت کی کہ کچھ تو اپنا وعدہ پورا کر گئے اور کچھ وقت کے منتظر ہیں اور ان لوگوں نے اپنی بات نہیں بدلی۔ خدا کی لعنت ہو تمھارے قتل میں شرکت کرنے والے عبداللہ ضبابی عبدالرحمن بن خشکارہ بجلی اور مسلم بن عبداللہ ضبابی پر۔

واقعہ کربلا کے موقع پر اگرچہ ضعیف العمر اور سن رسیدہ ہو چکے تھے لیکن حالات شام کے مرنے کے بعد ہی سے ان کے دینی خدمات سلنے آنے لگے انھوں نے امام حسین علیہ السلام کو کوفہ آنے کی دعوت دی اور جب جناب مسلم بن عقیل کوفہ تشریف لائے اور انھوں نے امام حسینؑ کی بیعت کوفہ والوں سے لینا شروع کی تو انھوں نے اس مقصد کی تکمیل کے لیے پوری مدد کی اور نہایت جانبازانہ اقدامات کئے، انھوں نے جناب مسلم کی نمائندگی پورے طور پر کی اور امام کی بیعت لینے کے لیے نہایت تندہی سے کام کیا جس کا ثبوت معقل ابن زیاد کے غلام کا واقعہ ہے جس کو ابن زیاد نے تین ہزار درہم دے کر جناب مسلم بن عقیل اور ان کے رفقاء کار کا پتہ لگانے کے لیے مقرر کیا تھا۔

یہ غلام کوفہ کی جامع مسجد میں آیا تو اس کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عوسجہ اسدی جناب مسلم کے خاص نمائندہ ہیں اور وہ دہی ہیں جو اُدھر گوشہ میں نماز پڑھ رہے ہیں اور جناب مسلم کی نیابت میں حسین بن علی کی بیعت لیتے ہیں یہ سب معلوم کر کے وہ آیا اور بیٹھ گیا جب وہ نماز سے فراغت پا چکے تو ان کے پاس گیا، سلام کیا اور کہا میں ایک شام کا باشندہ ہوں اور ذوالکلاع کا غلام ہوں، مجھ پر خدا کا یہ فضل و کرم ہے کہ خاندان رسالت کا دوست اور ان کے ہوا خواہوں کا ہوا خواہ ہوں، میں نے سنا ہے کہ آج کل کوئی بزرگ اس خاندان کے یہاں تشریف لائے ہیں جو امام حسین علیہ السلام کے نائب خاص ہیں اور ان کی طرف سے بیعت لیتے ہیں، حضرت میں ان سے ملنے کا بیحد مشتاق ہوں اور یہ تین ہزار درہم ان کی خدمت میں نذر کرنا چاہتا ہوں مگر اب تک مجھ کو کوئی ایسا نہ ملا جو میری دستگیری کرتا اور انکی خدمت میں پہنچا تا یا کم از کم ان کا پتہ ہی بتا تا ابھی ابھی میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے کچھ لوگوں کو کہتے سنا آپ کے متعلق کہ انھیں اس خاندان کے لوگوں کے بارے میں کافی واقفیت حاصل ہے لہٰذا میں آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ یہ روپیہ مجھ سے لے لیجئے اور مجھے ان بزرگ کی خدمت میں لے چلئے تاکہ میں ان کے ہاتھوں پر امام کی بیعت کروں اور اگر آپ چاہیں تو وہاں لے چلنے سے پہلے یہیں پر مجھ سے بیعت لے لیجئے۔"

صاف دل اور نیک نیت انسان ہر ایک کو پاک و صاف سمجھتا ہے، وہ لفظوں کو حقیقت کا ترجمان سمجھتا ہے چنانچہ جناب مسلم بن عوسجہ نے فرمایا مجھ کو تمھاری ملاقات سے بیحد مسرت ہوئی تمھاری آرزو پوری ہو گی اور تمھارے ذریعہ سے اہلبیت رسالت کو قوت ملے گی۔

لیکن روشن ضمیر انسان کی نگاہ ہونے والے واقعات تک بصورت حتم و جزم نہ سہی بصورت شک ہی سہی پہنچ جایا کرتی ہے صاف تصویر نہ سہی دھندلی تصویر مستقبل کی وہ دیکھتا ہے، چنانچہ اس کے بعد کے الفاظ آپ کے یہ جملے ہیں۔

بیشک مجھ کو اس بات کا اندیشہ ضرور ہے کہ کہیں اس کی اطلاع تمھاری طرح فریق مخالف کو بھی ہو جائے لہٰذا مجھ کو افسوس ہے کہ قبل از وقت اس کی شہرت حصول مقصد کے لیے سدِ راہ نہ بن جائے،

اس کے بعد اسی وقت مسلم بن عوسجہ اسدی نے اس بیعت لی اور کافی اطمینان، عہد و پیمان، راز داری کے وعدوں کے ساتھ اس سے اقرار کیا کہ میں چند روز میں تمھارے لیے حضرت مسلم سے اجازت حاصل کر لوں گا جس کے جواب میں اس نے بھی تمام وعدے اور قسمیں بلا کسی تردد و تامل کے ان کے منشاء کے مطابق کھائیں۔ جس کے بعد مسلم بن عوسجہ نے فرمایا کہ تم میرے پاس آیا جایا کرو تاکہ جب موقع ہو تو میں تم کو تمھارے مقصد میں کامیاب بناؤں بہرحال وہ اسی طرح اپنے طور و طریق سے جناب مسلم بن عوسجہ کو غلط فہمی کا شکار بنائے رہا اور اکثر و بیشتر آتا جاتا رہا یہاں تک کہ ان کی بعیت میں وہ حضرت مسلمؑ کے یہاں پہنچ گیا اور اس کے بعد ہی اسی کے ذریعہ سے ان کی قیامگاہ کا پتہ ابن زیاد کو چل گیا۔

اس کے بعد خدمت کا موقع اس وقت ملا جب ابن زیاد نے ہانی بن عروہ کو طلب کیا اور پھر ان کو شدید زدوکوب کرکے قید کر دیا تو جناب مسلم نے اپنے اعوان و انصار کو جمع کیا اور جنگ کی تیاری کی تو اس وقت مسلم بن عوسجہ حضرت مسلم کے ساتھ تھے اور جب فوج کو ترتیب دینے کا وقت آیا تو قبیلہ مذحج جو جناب ہانی کا خاص ہمدرد سمجھا گیا تھا اور قبیلہ بنی اسد کی سپہ سالاری مسلم بن عوسجہ ہی کے متعلق ہوئی اور انھیں کو پیادوں کی قیادت کا منصب عطا ہوا۔

اس کے بعد پھر جناب مسلم بن عوسجہ کے بارے میں کچھ پتہ نہیں چلتا یہاں تک کہ کربلا کی شب عاشور آجاتی ہے اور امام خطبہ فرماتے ہیں جس میں اپنے ساتھیوں کو بیعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر رہے ہیں اور اکیلا چھوڑ کر چلے جانے کو کہتے ہیں ان تمام باتوں کے جواب میں اقارب میں عباس اور دوستوں میں سب سے پہلے مسلم بن عوسجہ ہی نے کھڑے ہو کر انصار کے مجمع سے فرمایا تھا اور تمام انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے وہ فقرات کہے تھے جس کا تذکرہ زیارت ناحیہ میں آچکا ہے۔

تاریخ کامل میں ہے کہ بنی عقیل کے جواب کے بعد مسلم نے کھڑے ہو کر جواب دیا تھا۔

اس کے بعد صبح عاشور شمر کی گستاخی پر آپ مشتعل ہوئے ہیں جب جناب سیدالشہداء نے خندق میں آگ روشن کرائی ہے اور ادھر سے شمر کا گزر ہوا اور آگ مشتعل دیکھ کر اس نے بدتمیزی کی ہے کہ اے حسینؑ تم نے قیامت سے قبل دنیا ہی میں آگ اپنے لیے فراہم کر لی تو جناب مسلم کو جوش آگیا اور امام سے اجازت چاہی کہ اس کو اسوقت تیر کا نشانہ بنا دوں یہ موقع پر ہے مگر امام نے اجازت نہیں دی اور اپنے بے مثال کارنامہ کے لیے اس کو داغ سمجھا کہ جنگ کی ابتدا ادھر سے ہو۔

آخری خدمت کا موقع جیسا کہ عزالدین ابوالحسن علی بن محمد بن اثیر جزری نے تاریخ کامل میں لکھا ہے کہ پھر عمر حجاج نے فرات کی طرف سے امام پر حملہ کیا اور ایک ساعت تک برابر تلوار چلتی رہی اسی جنگ میں جناب مسلم بن عوسجہ گر گئے اور عمر بن حجاج واپس گیا جناب مسلم خاک و خون میں غلطاں پڑے تھے کہ امام تشریف لے آئے ان میں ایک رمق حیات باقی تھی حضرت نے فرمایا تم پر اے مسلم خدا کی رحمت ہو اور اس کے بعد یہ آیہ مبارکہ تلاوت کی جس کا مطلب یہ ہوا کہ کچھ تو درجہ شہادت حاصل کر چکے اور کچھ ہنوز منتظر ہیں پھر جناب حبیب بن مظاہر اسدی قریب تشریف لائے اور جنت کی بشارت دی جناب مسلم نے اس عالم میں اس بشارت کو قبول فرمایا حبیب نے عرض کی کہ اگر میں یہ نہ جانتا ہوتا کہ تمھارے بعد ہی مجھکو بھی تم سے آکر ملنا ہے تو کہتا کہ کچھ وصیت کرو مسلم نے فرمایا تم پر خدا کی رحمت ہو یہ کہہ کر اپنے دست مبارک سے امام کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ میں تم کو انکی وصیت کرتا ہوں ان کے واسطے جان دیدینا حبیب نے فرمایا یقین جانو ایسا ہی ہوگا۔ اس کے بعد روح پرواز کر گئی۔ یہ تھے وفا و محبت عزم و استقلال سکون و اطمینان کے مثالی کارنامے جنھوں نے کربلا کے کارنامہ کو لازوال زندگی بخشی۔

طبری نے تصریح کی ہے کہ یہ سب سے پہلے شہید ہیں اور زیارت ناحیہ مقدسہ امام عصر کے الفاظ اس کے مصداق ہیں معاضۃ الاحباب میں ہے کہ مسلم بن عوسجہ نے چھپن آدمی لشکر مخالف کے فی النار کیے۔

قاتلوں کے نام زیارت ناحیہ میں موجود ہیں طبری کی روایت میں عبداللہ ضبابی کا ذکر نہیں ہے اور زیارت ناحیہ میں عبداللہ ضبابی اور مسلم بن عبداللہ ضبابی دونوں کا نام لیا گیا ہے۔ عبدالرحمن بن ابی خشکارہ کا نام بھی دونوں جگہ ہے ہاں زیارت میں عبدالرحمن بن خشکارہ بجلی ہے اور طبری میں عبدالرحمن بن ابی خشکارہ بجلی ہے۔

آپ ان جاں نثاروں میں ہیں جو مع اہل و عیال کے کربلا تشریف لائے ہیں یہ رفاقت زیادہ قابل قدر ہے بہ نسبت انفرادی نصرت کے کیونکہ اس کے مطلب یہ ہوئے کہ پورا گھر نصرت و رفاقت میں شریک ہے اور جو کچھ بھی گزر جائے اس کے مقابلہ کو سب تیار ہیں۔

شہادت کے بعد آپ کی کنیز کا نالہ اس کا ثبوت ہے کیونکہ جب شہادت کی خبر خیمہ میں پہنچی تو ایک کنیز نے چیخ مار کر کہا "ہائے مسلم ہائے میرے مالک"

شبابِ پیری

(سید محمد راحم صاحب سرائے اسمعیل بارہ بنکی)

آج آسمان پر ہلال محرم منودار ہوکر دشت کربلا کے پُرہول منظر کو ہماری چشم تصور کے سامنے لارہا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف دار دمشق کے رسوائے زمانہ فرزند یزید پلید کی بے پناہ فوج حد نظر تک پرے جمائے سیلاب کی طرح امنڈ رہی ہو دوسری طرف ایک چھوٹا سا خیمہ ہو جس کے سامنے نواسۂ رسول کا مختصر لیکن عزم وہمت کا مجسم نقشہ پیش کرنے والے لشکر امام کو اسطرح اپنے حلقہ میں لیے ہوئے ہے کہ جیسے چاند کے گرد ہالہ بن گیا ہو امام گیارہ نشان اپنے مجاہدوں کے درمیان تقسیم کرچکے ہیں جنکے پھریرے ہوا میں فرّاٹے لے کر ناصروں کے ولولۂ جنگ کو ہوا دے رہے ہیں۔ ایک نشان اب بھی امام کے ہاتھ میں ہے۔ اصحاب میں سے کوئی عرض کرتا ہے۔ مولا! یہ نشان بھی ہم میں سے کسی کو مرحمت فرما دیجیے۔

خدا تمہیں جزائے خیر دے (امام جواب دیتے ہیں) ذرا ٹھہرو کہ اس کا اُٹھانے والا بھی عنقریب آنے والا ہی ہے۔ یہ کہہ کے یہ نامہ حبیب کے نام تحریر فرماتے ہیں۔

من الحسین بن علی بن ابی طالب الی الرجل الفقیہ حبیب بن مظاھر اما بعد یا حبیب فانت تعلم قرابتنا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وانت اعرف من غیرک وانت ذو شیمۃ وغیرۃ فلا تبخل علینا بنفسک یجازیک جدی رسول اللہ یوم القیامۃ

(یہ نامہ ہے حسین بن ابی طالب کی طرف سے مرد فقیہ حبیب ابن مظاہر کے نام بعد حمد وصلوٰۃ کے واضح ہو کہ اے حبیب تم خوب جانتے ہو کہ جو قرابت ہم کو پیغمبر خدا سے ہے اور تم اغیار سے زیادہ ہم کو پہچانتے ہو اور تم خوش خو غیرت دار انسان ہو جان دینے سے بخل نہ کرنا۔ اس کی جزا تم کو میرے نانا رسول خدا بروز قیامت دیں گے)

قاصد حسینؑ کا یہ خط لیکر حبیب پر اس وقت پہنچا ہے جب وہ اپنی زوجہ کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھ چکے ہیں حسینؑ کے قاصد کا نام سُن کر حبیب تکبیر کہتے ہوئے دسترخوان چھوڑ دیتے ہیں اور باہر آکر قاصد سے خط لیتے ہیں۔ پہلے اسے سر پہ رکھتے ہیں۔ آنکھوں سے لگاتے ہیں اور پھر بوسے دے کر چاک کرکے پڑھتے ہیں اور نصرت حق کے لیے بے چین ہو جاتے ہیں۔ لیکن چاہتے ہیں کہ ذرا زوجہ کی طاقت ایمان بھی آزما لیں۔ لہٰذا اندر داخل ہوتے ہیں

زوجہ۔ ہمارے آقا حسینؑ نے خط میں کیا لکھا ہے؟

حبیب ۔ مولا دشمنوں کے نرغہ میں گھر گئے ہیں اور مجھے نصرت کیلئے طلب کیا ہے۔

زوجہ ۔ پھر آپ کا کیا ارادہ ہے؟

حبیب ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا جواب دوں (بمصلحت)

زوجہ ۔ وائے آپ پر ہو کہ فرزند رسول نصرت دین کے لیے طلب کرے اور آپ پس وپیش کریں اگر ایسا ہی ہے تو لیجیے یہ میری چادر اور مقنعہ آپ پہن لیجیے اور تلوار مجھے دیدیجیے۔ رسولخدا

کا وہ حدیث بالکل فراموش نہ کیجئے جو انھوں نے اپنے نواسوں کی شان میں کہی تھی کہ میرے فرزند حسنؑ اور حسینؑ جوانانِ بہشت کے سردار ہیں۔

حبیب۔ (زوجہ کے اس جواب سے دل ہی دل میں بجید خوش ہیں لیکن پھر بھی مصلحتاً یوں جواب دیتے ہیں۔)

مجھے مرنے سے گریز نہیں ہے لیکن صرف تمھارا خیال ہے کہ بعد میرے کیونکر زندگی بسر کروگی؟

زوجہ۔ للہ مولا کی نصرت سے باز نہ آیئے۔ میرا خیال دل سے محو کر دیجئے میں خاک پھانک کر رہ لوں گی جائیے جلدی کیجئے البتہ جب خدمت امامؑ میں پہونچیے گا تو کنیز کا بھی سلام پہونچاتے ہوئے اس کی جانب سے مولا کے مبارک اور مقدس دست و پا پر بوسے دیجئے گا۔

حبیب۔ آفریں صد آفریں۔ بی بی خدا شاہد ہے کہ حبیب حسینؑ کے قدموں پر جان نثار کرنے کی پہلے ہی ٹھان چکا ہے لیکن یہ میں نے جو کچھ بھی کہا ہے یہ صرف تمھاری آزمائش تھی۔ واللہ کہ تم امتحان میں پوری اتریں اطمینان رکھو کہ حبیب اپنے آخری قطرۂ خون تک سے حسینؑ کی نصرت کر کے روحِ رسولؐ کو شاد کرے گا۔ اچھا خدا حافظ۔ اب تم سے ہماری ملاقات جنت الفردوس میں ہوگی۔

حبیب گھر سے نکلے تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا زمین و آسمان مبارکباد پیش کر رہے ہیں۔ جلدی جلدی گھوڑے کو زین سے آراستہ کر کے غلام کو حکم دیا کہ فلاں مقام مجوزہ پر خفیہ راستہ سے پہونچے تو سنا کہ غلام گھوڑے سے کہہ رہا ہے کہ میرے آقا آنے میں بڑی تاخیر کی عنقریب اگر وہ تشریف نہیں لاتے تو اے اسپ تیز گام میں تجھ پر بیٹھ کر فرزند رسولؐ کی مدد کو چل دوں گا۔ دیکھا کہ گھوڑا اس گفتگو سے زار و قطار رو رہا ہے۔ حبیب اس منظر کو دیکھ کر ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپ اٹھے۔ دل میں کہنے لگے اے مظلوم آقا! میرے ماں باپ فدا ہوں آپ پر کیسا بڑا وقت پڑ گیا ہے کہ غلام تک جان نثار کرنے کا متمنی ہے تو آزاد کیونکر نصرت میں تاخیر کرے گا۔ یہ کہکر غلام کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔ جا میں نے تیرے عقیدے کی پختگی کی جزا میں تجھے آزاد کیا۔ کیونکر ممکن ہے کہ آقا تو امامؑ کے قدموں پر نثار ہو اور غلام ایسی سعادت سے محروم رہے (غلام نے دست بستہ عرض کیا) تاریخ اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا کہ غلام بھی ہمراہ گیا یا حبیب نے اسے کسی طرح سمجھا بجھا کر واپس کر دیا غرض حبیب گھوڑے کو تیزی سے بڑھاتے ہوئے اس وقت سرزمین کربلا پر پہونچتے ہیں جب مولا حسینؑ سے اپنے حبیب کے منتظر تھے۔ جیسے ہی کوفہ کی طرف سے اٹھتی ہوئی گرد پر امامؑ کی نظر پڑتی ہے فوراً نشان لیکر یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں کہ لو اس نشان کا حقدار بھی آ پہونچا مولاؑ کو آتے دیکھ کر حبیب دور ہی سے پشتِ فرس سے علیحدہ ہو کر زمین پر کود پڑتے ہیں۔ اور امام دو جہاں کے پائے مبارک کو بچشم اشکبار بوسے دینا شروع کر دیتے ہیں اور امامؑ اور اصحاب امامؑ کو سلام عرض کرتے ہوئے سر عقیدت مولا کے سامنے خم کر دیتے ہیں۔ ساتھ ہی مولا کو اپنی زوجہ کا سلام پہونچاتے ہیں۔ امامؑ حبیب کو کلیجہ سے لگا لیتے ہیں۔ یہاں تک کہ حبیب کی آمد کی خبر خیمۂ حسینی میں پہونچتی ہے تو خوشی کی انتہا نہیں رہتی۔ جناب زینب سلام اللہ علیہا بنفس نفیس خود در خیمہ تک آجاتی ہیں اور حبیب کو سلام کہلاتی ہیں۔ خاتون جنت کی پارۂ جگر کی طرف سے ایسا بے پناہ عزت افزائی پر حبیب بے چین ہو کر اپنے منہ پر طمانچے مارنا شروع کر دیتے ہیں اور سر پر خاک ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ اکبر غلام کا یہ مرتبہ کہ دختر امیر المومنینؑ اسے سلام کہے۔

اے غیرت دار وفاشعار اور جاں نثار حبیب! خدا کی قسم علیؑ اور اولاد علیؑ کے مرتبہ کو بعد خدا اور رسولؐ اگر کسی نے واقعی سمجھا ہے تو بلا شبہ وہ تھوڑے سے منتخب سرفروشان کربلا ہیں۔ جنھوں نے روز عاشور اپنے خون شہادت سے نینوا کے صفحۂ ارض پر وہ عدیم المثال داستان وفا لکھ دی ہے جسے اگر تاریخیں آب زر سے لکھ کر پیش کریں تو بھی کم ہے۔

اے فخر دنیائے محبت! آپ نے خاتون جنت کی پارۂ جگر جناب زینب سلام اللہ علیہا کے سلام کا جواب نہ صرف اپنے منہ پر طمانچے مار کر اور سر پر خاک ڈال کر ہی دیا بلکہ تاریخیں شاہد ہیں کہ میدان جہاد میں آپ نے اپنا آخری قطرۂ خون بہا کر دیا۔

سنتا ہوں کہ آپ نے دشمن کی ٹڈی دل فوج پر ایسے شیرانہ حملے کیے کہ میمنہ میسرہ سے اور میسرہ میمنہ سے بدل گیا اور ستّر سے زیادہ ناریوں کو واصل جہنم کیا۔ عالم ضعیفی میں یہ جواں مردی ایسی تھی کہ کائنات کا ذرہ ذرہ زبان حال سے بول اٹھا ۔

دیکھئے تو حبیب کے تیور

یہ بڑھاپا ہے یا جوانی ہے

یہاں تک کہ بدحواس ہوکر ابن سعد کو یہ کہنا پڑا کہ حبیب پر پوری اجتماعی طاقت سے حملہ کردو۔ اس لیے کہ شاید انفرادی طور پر اب کسی پہلوان کو سامنے آنے کی جرأت نہ تھی۔

حسینؑ کے بوڑھے مجاہد نے اپنے شیرانہ حملوں سے میدان جہاد کو زیر و زبر کر کے جس طرح جنگ کا نقشہ بدل دیا۔ اسے دیکھ کر حبیب کی پیری کا تصور مشکل ہو جاتا ہے لیکن نہیں حبیب عالم مادی میں جسمانی اعتبار سے ضرور بوڑھے تھے لیکن ان کے قلب مطہر میں حسینی رفاقت کا جذبہ اس طرح جوان تھا کہ حبیب بوڑھے ہونے کے بعد بھی عالم روحانی میں جوان اور بھرپور جوان تھے۔

اے حبیب حسینؑ! فرزند رسول کے ساتھ آپ کی بے پناہ محبت اور رفیقانہ زندگی کا ذکر تاریخوں میں پڑھا ہے لیکن واللہ آج دنیا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے کہ آپ نے مرنے کے بعد بھی آقا (حسینؑ) کا ساتھ نہیں چھوڑا اور ضریح حضرت سید الشہداء کے سامنے اس طرح آرام کر رہے ہیں جیسے کوئی دربان یا نگہبان اپنے آقا کی پاسبانی کا فرض انجام دے رہا ہو۔

اے آقا حسینؑ کی غلامی میں سربلند ہوکر مرنے والے حبیب! ہم سوگواران حسینؑ کا سلام عقیدت اس سلام عقیدت کے صدقے میں قبول فرما لیجئے جو ہماری مخدومہ کونین جناب زینب سلام اللہ علیہا نے آپ کو کہلوایا تھا۔

عراق جاتے ہوئے آپ نے اہل کوفہ کو یہ خط لکھا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ ابن علیؑ کی طرف سے برادران مومنین و مسلمین کی طرف۔ تم پر میرا سلام ہو۔ میں حمد و ستائش کرتا ہوں اس معبود برحق کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ مجھے مسلم ابن عقیل کا خط ملا جس میں انھوں نے تمھاری رائے کی عمدگی اور ہماری مدد اور ہمارے حق کی طلب پر تمھاری جماعتوں کے متفق ہونے کی خبر دی ہے میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس بات پر تمھیں گرانقدر اجر بخشے۔ میں مکہ سے منگل کے دن ۸ ذی الحجہ بروز ترویہ تمھاری طرف روانہ ہو رہا ہوں، لہذا جب میرا قاصد تمھارے پاس پہنچے تو اپنے کام میں تیزی سے مصروف ہو جاؤ اور سرگرمی لینے کی کوشش کرو۔ میں انھیں دنوں تمھارے پاس پہنچا چاہتا ہوں۔ تم پر سلام اور خدا کی رحمت و برکت ہو۔

بوڑھا مجاہد

مسلم ابن عوسجہ

جناب فرقان رضوی متعلم شیعہ کالج لکھنؤ

الذین یقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰھم
ینفقون ۝ اولٰئک ھم المؤمنون حقاً ؕ
لھم درجات عند ربھم ومغفرۃ و
رزق کریم ۝

ارشاد قدرت ہے کہ وہی لوگ مومن کامل الایمان ہیں انھیں کے واسطے ہمارے یہاں درجات بلند ہیں اور انھیں کے لئے مغفرت اور رزق کریم یعنی جنت کی نعمتیں ہیں جو لوگ نمازیں پڑھتے ہیں اور ہمارے رزق اور روزی کو جو ہم نے عطا کیا ہے سب کچھ ہماری راہ میں تقسیم کر دیتے ہیں۔

اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو پتہ چلے گا کہ اس آیت شریفہ کے مصداق تو البتہ وہی بزرگوار ہو سکتے ہیں جنھوں نے محرم ۶۱ھ کے کربلا کی پر ہول کارزار میں حسین ابن علیؑ کے ساتھ راہ خدا میں اپنی جانیں نثار کیں۔ کامل الایمان انھیں کو کہنا چاہیے۔ دین دار انھیں کو سمجھنا چاہیے جنھوں نے جنگ کربلا میں کسی وقت بھی مصیبت اور عالم غربت میں اسلام اور محافظ اسلام اپنے آقا جناب سید الشہدا کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اور ہر حال میں شریک رہے اور جذبۂ وفاداری میں وطن چھوڑا گھر بار اہل و عیال سب کو خیر باد کہا۔ مسافرت اختیار کی اور بالآخر تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اسلام اور محافظ اسلام حسینؑ پہ نثار ہو گئے اور راہ خدا میں سب کچھ لٹا بیٹھے۔ کیا کہنا! حسینؑ اور اصحاب حسینؑ کا۔ اگر صرف جنگ کربلا میں اولاد علیؑ اور بنی ہاشم صرف اپنے بزرگ خاندان کی ہمراہی میں اسلام پر جانیں دی ہوتیں تو چنداں تعجب کی بات نہ ہوتی۔ کیونکہ دنیا کہہ دیتی کہ وہ تو اپنے جد امجد کے چلائے ہوئے دین پر نثار ہو گئے لیکن حیرت تو ہے ان اصحاب وفا پر جنھوں نے حسینؑ کے ساتھ راہ خدا میں تلواروں پر اپنے گلے رکھ دئے۔ اور غیر معمولی شوق و ذوق کے ساتھ شہادت کا خونیں پیراہن پہن لیا

اگر تاریخ عالم کی ورق گردانی کیجئے تو آپ کو دیگر انبیاء اور صلحاء کے بھی اصحاب و انصار ملیں گے اور ان میں سے بھی بیشتر میں آپ کو جاں نثاری کا وصف اور جذبہ ایثار جھلکتا نظر آئے گا۔ لیکن جنگ کربلا میں جو وصفِ جاں نثاری اور جذبۂ ایثار و فداکاری آپ حسین کے اصحاب و انصار میں پائیں گے وہ بہت کم دوسروں کے اصحاب و انصار میں ملے گا۔ اول تو کسی نبی کے اصحاب و انصار کی فداکاری و جاں نثاری اور وفا کی کبھی اتنی سخت آزمائش ہی نہیں ہوئی جتنی کہ میدان کربلا میں حسینؑ کے اصحابؓ اور انصارؓ کی ہوئی۔ تاریخ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ بعض اولو العزم انبیاء کے حواریین کی تو ذرا سی آزمائش میں یہ کیفیت ہو جاتی تھی کہ وہ بعض مشکل اوقات اور مصیبت کے لمحوں میں اپنے آقا اور نبی سے بیزاری کا اظہار بھی کر دیا کرتے تھے اور ساتھ چھوڑ کر چلے جایا کرتے تھے۔ بطور مثال اہل جمل صفین اور نہروان والوں سے معرکہ آرائی میں حضرت علی ابن ابی طالبؑ

کے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں نے تو ان کی نصرت پر متفق ہو کر اور ان کا ساتھ دیتے ہوئے جنگ کی اور کچھ لوگوں نے مخالفت کی۔ جب ہی تو حسین ابن علیؑ نے جو کہ ان سب باتوں کا علم رکھتے تھے اپنے اصحاب باوفا کی اس غیر معمولی جذبۂ فداکاری کی خصوصیت کو شب عاشورہ کے معرکہ آرا خطبہ میں یہ خراج ادا فرمایا "میں نے اپنے اصحاب سے زیادہ وفادار اور نیک اصحاب نہیں دیکھے"۔

اصحاب حسینؑ میں تو متعدد بزرگوار سامنے آتے ہیں اور ہر بزرگ اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی مجاہدانہ خدمات و عملی خصوصیات کی بناء پر ایک مثالی نمونہ نظر آتا ہے اور اپنی منزلت و رتبہ کے اعتبار سے ایک دوسرے پر سبقت رکھتا ہے لیکن انصار و اصحاب حسینؑ میں سے ایک سن رسیدہ و ضعیف العمر بزرگ مسلم بن عوسجہ اسدی کو خصوصیت حاصل ہے جن کی عمر شریف جنگ کربلا میں قریب نوّے برس کی تھی۔ ابصار العین وغیرہ دیگر کتب تاریخ و مقاتل سے پتا چلتا ہے کہ آپ علماء اہل اسلام میں سے تھے۔ اور عرب میں بہت ہی ممتاز و معزز پایہ کے مالک تھے اور اپنے عہد میں بڑے عابد و تہجد گذار مانے جاتے تھے جنگ کربلا سے قبل آپ پیغمبر اسلام کی ہمراہی میں بھی متعدد معرکہ آرائیوں میں شامل رہے تھے۔ بعد حضرت رسالتمآب آپ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب کی خدمت باسعادت سے بھی برابر مستفیض ہوا کئے اور اصحاب امیر المومنین میں تو آپ کا اعزاز و وقار یہ تھا کہ حضرت آپ کو بھائیوں کی طرح بلفظ "اخی" خطاب کیا کرتے تھے۔ اور پھر بعد رسول اسلام و علی مرتضیٰ کے آپ کی عقیدت و محبت کا مرکز نصرت امام حسن اور ان کے بعد حضرت حسین ابن علی بنے رہے۔ یہاں تک کہ بالآخر اپنی اسی عقیدت و محبت کے تحت جنگ کربلا میں حسینؑ کے قدموں پر اس ضعیف العمری میں نثار ہوئے اور اپنے جسم مبارک کو تلواروں اور نیزوں کے سامنے تار تار ہونے کے لئے پیش کر دیا۔

شب عاشورہ جب امام حسینؑ نے یہ تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا "کہ تم سب مجھے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاؤ اور مجھکو تنہا ان سے مقابلہ کرنے دو" تو اس کے جواب میں بعد اعزاء و اصحاب میں سے سب سے پہلے یہی بزرگ مسلم بن عوسجہ اسدی کھڑے ہوئے تھے اور جوش و خلوص سے بھرے الفاظ میں کہا تھا: "مولا! یہ کیسے ممکن ہے اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو خدا اور پیغمبر اسلام کو کیا جواب دیں گے۔ ہرگز یہ نہیں ہو سکتا۔ بخدا میں اتنا لڑوں گا کہ ان کے سینوں میں اپنے نیزے توڑ دوں گا۔ اور اس وقت تک تلوار چلاؤں گا جب تک اس کا قبضہ میرے ہاتھ میں سنبھل سکے۔ مگر ہم آپ سے کبھی جدا نہ ہوں گے اور آپ کی نصرت سے منہ نہ موڑیں گے"۔

یہ صرف آج کل کی مادی دنیا کے ساتھیوں کی طرح کا زبانی دعویٰ نہ تھا بلکہ مسلم بن عوسجہ اسدی نے اپنے اس دعویٰ کو عملی جامہ بھی پہنا کر اہل عالم کو یہ بتا دیا کہ "دکھیو ساتھ یوں دیا جاتا ہے"۔ جب روز عاشورہ معرکہ کارزار گرم ہوا تو یہ بزرگ سب سے پہلے اصحاب حسین میں سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جب عمرو بن الحجاج نے پوری یورش کے ساتھ اپنی میمنہ فوج کو لیکر فرات کی طرف سے جماعت حسینی پر حملہ کیا تو حسینی میسرہ نے ایسی پامردی سے مقابلہ کیا کہ افواج دشمن کے چھکے چھوٹ گئے اور پیچھے ہٹ کر مقابلہ سے بھاگنا پڑا۔ مگر آہ جب غبار جنگ کا دامن چاک ہوا اور انصار حسینی نے افواج دشمن کو کافی پیچھے ہٹا کر اطمینان کر لیا تو ان کو مسلم بن عوسجہ اسدی کی آواز سلام سنائی دی جو وہ اپنے وقت آخر میں اپنے آقا و مولا کی خدمت میں پیش کر رہے تھے اور پھر ان کو خاک و خون میں بھی غلطاں پایا۔ ابھی تھوڑی دیر قبل ہی لوگ ان کو دیکھ چکے تھے کہ انھوں نے ایک تھوڑے سے وقفہ ہی میں اعداء کی ایک بڑی تعداد کو زیر تیغ کر لیا تھا لیکن

افسوس! فاقہ کشی اور ضعیف العمری کی وجہ سے دشمن کی انبوہ کثیر فوج سے زیادہ دیر نہ لڑ سکے اور بالآخر زخموں سے چور چور ہو کر گھوڑے سے زمین پر گر گئے وہ اپنی زندگی ان آخری گھڑیوں میں اپنے آقا حسین ابن علی کی خدمت میں اپنا آخری سلام پیش کر رہے تھے کہ السلام علیک یا ابا عبد اللہ ادرکنی۔ ادھر امامؑ بھی اپنے بوڑھے حبیب ضعیف العمر دوست اور وفادار ناصر کی یہ آواز سلام کان میں پڑتے ہی بیتابانہ فوراً حبیب ابن مظاہر کو ساتھ لئے بالین سر پہونچ گئے اور دعائے خیر کرتے ہوئے فرمانے لگے "اے مسلم خدا تم پر رحم کرے کہ تم نے اس سن و سال میں ذریت رسول کی نصرت و مددگاری کی — بہشت میں تم آگے چلو ہم سب بھی آگے پیچھے چلے آتے ہیں۔"

ادھر جب عمرو بن حجاج کے ساتھیوں کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ مختصر سی جماعت حسینی کے مقابلہ کی تاب نہ لا کر کاسۂ سر پر سپر رکھے بری طرح بھاگ رہے تھے تو ذرا ٹھہر گئے اور اچھی طرح یہ معلوم کر کے کہ ہم نے مسلم بن عوسجہ کو قتل کیا ہے آپس میں خوشیاں منانے لگے۔ تاریخ طبری کی جلد نمبر ۶ صفحہ نمبر ۴۴۹ کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ جب لشکر یزید مسلم ابن عوسجہ کے قتل کی آپس میں خوشیاں منا رہے تھے تو شیث بن ربعی کو غصہ آگیا اور وہ کہنے لگا کہ "وائے ہو تم لوگوں پر کہ مسلم بن عوسجہ کا سا شخص قتل ہو جائے اور تم لوگ خوشیاں مناؤ۔ بخدا! میں نے خدمت اسلام میں آج تک برابر ان بزرگ کے کارنامے دیکھے ہیں۔"

یہ تھے وہ اصحاب حسین جن کی عقیدت و محبت اسلام کا زبانِ دشمن بھی اعتراف کر رہی تھی۔ یہی تو وجہ ہے کہ آج دنیا میں گو کہ یہ ہستیاں جسمانی و مادی حیثیت سے موجود نہیں ہیں۔ لیکن عظمت و حقانیت اور درس اخلاق کے ابھرے ہوئے نقوش صفحۂ عالم پر ان کی یادگار ہیں۔

بخدا فارسِ میدانِ تہور تھا حُر — ایک دو لاکھ سواروں میں بہادر تھا حُر
نار دوزخ سے ابوذر کی طرح حُر تھا حُر — گوہرِ تاجِ سرِ عرش ہو وہ در تھا حُر
ڈھونڈ لی راہِ خدا کام بھی کیا نیک ہوا
پاک طینت تھی تو انجام بھی کیا نیک ہوا

نار سے نور کی جانب اُسے لائی تقدیر — ابھی ذرہ تھا ابھی ہو گیا خورشید منیر
شافعِ حشر نے خوش ہو کے بحل کی تقصیر — تکیۂ زانوئے شبیر ملا وقت اخیر
اوج و اقبال و حشم فوج خدا میں پایا
جب ہوا خاک تو گھر خاکِ شفا میں پایا

حضرت دبیر مرحوم نے پورا مرثیہ حبیب ابن مظاہر کے حال میں کہا ہے یہاں پر صرف چند بند ہدیۂ ناظرین کئے جاتے ہیں (خبیر)

پیری میں جواں بخت حبیب ابن مظاہر
غازی اسدی نیک نصیب ابن مظاہر
حیدر کے حبیبوں کے حبیب ابن مظاہر
بیچارہ و مظلوم و غریب ابن مظاہر
سر دیکھے یہ پیری میں سفید و تن ہوئے ہیں
بالوں کی سفیدی سے کفن پوش ہوئے ہیں

جس پیر کا اقبال ضعیفی میں جواں ہے
حقّا وہ حبیب شہ فردوس مکاں ہے
ثابت قدم ایسا کوئی پیروں میں کہاں ہے
ثابت قدمی پاؤں سے رعشہ میں عیاں ہے
سر ہلتا ہے پر ہر کف پا رن میں جمی ہے
جنبش میں ہے لو شمع کو ثابت قدمی ہے

(حبیب کا سر مکہ میں دفن ہے اور جسم کربلا میں)

ہے بے سر و ساماں کوئی ایسا شہدا میں؟
سر دفن ہے کعبہ میں بدن خاک شفا میں
میت تو ہے دربار شہ ارض و سما میں
سر ابن مظاہر کا ہے سرکار خدا میں
کیونکر نہ وہ سر قابل درگاہ خدا ہو
جو خالق کونین کے فدیہ پہ فدا ہو

(تلوار لگانے میں حبیب کے خمیدہ قد کی تصویر)

تھا ضرب کے عالم میں عجب حسن کا عالم
اک سمت خم تیغ کا وہ بل وہ خم و چم
اور ایک طرف آپکا وہ قامت پر خم
ہر موئے بدن جوہر شمشیر کا ہمدم
جس صف پہ جھکے ساتھ چلی تیغ دلی کی
غل تھا کہ یہ شمشیر دو پیکر ہے علیؑ کی

تیار کس آہن سے یہ شمشیر ہوئی تھی!
اعجاز نما الفت شبیر ہوئی تھی!
کیا جنگ میں سیدھی کر پیر ہوئی تھی
اللہ کی قدرت سے کماں تیر ہوئی تھی!
اس طنطنے سے پیروں کو تنتے نہیں دیکھا
نیزہ کسی تلوار کو بنتے نہیں دیکھا

بحضرت طیب و طاہر حبیبؑ ابن مظاہرؑ

(از علامہ مانیؔ جائسی مدظلہ العالی)

اے وہ کہ ہے جس کی عظمت ظاہر و باہر — اے فدیۂ شبیرؑ حبیب ابن مظاہرؑ
وہ جان جو شبیرؑ نے بچپن میں عطا کی — تو نے اسی فیاض کے قدموں پہ فدا کی
تحصیل سعادت کے لئے تھا ترا جینا — تفسیر شہادت ترے مرنے کا قرینا
کیا آرزوئے موت ہے کیا شوقِ شہادت — مرنے کے لئے شاہ سے ہے طالبِ رخصت

مطلوب جو مرضیِ امامِ عربی ہے — سرِ نامۂ شاہ اجازت طلبی ہے
وہ تیری ضعیفی کہ خجل جس سے جوانی — وہ گرم نظر جس سے ہو فولاد بھی پانی
وہ جنگ کے تیور وہ تری تیغ کے جوہر — میدان وغا بن گیا ہنگامۂ محشر
وہ ضربِ شجاعانہ وہ لشکر کی تباہی — بھگدڑ تھی کہ گرتا تھا سپاہی پہ سپاہی

یوں تو تری ہستی ہی شہ دیں کی سپر ہے — مسلم کی وصیت بھی مگر پیشِ نظر ہے
مرجانے کی پروا نہ غم تشنہ دہانی — ایماں کی حقیقت ہے تری مرتبہ دانی
یہ نزع کا عالم ہے کہ اک منظرِ جنت — سر زانوئے شبیرؑ پہ اللہ ری قسمت
اے راہ بر راہ وفا ابن مظاہرؑ — تو ناصرِ حق، نام خدا حق ترا ناصر

تکریم وفا، مرضیِ ذاتِ صمدی ہے — تسلیم کو خم فرقِ حیاتِ ابدی ہے

ہے مرجع امید تری محفلِ عالی
مانیؔ کی جگہ بھی رہے پائیں میں خالی

جناب مہذب لکھنوی کے مرثیے کے چند بند

جو سنہ ۱۹۱۳ء میں نظم کیا گیا تھا

رضائے جنگ جو شہ سے حبیب نے پائی
تن ضعیف میں آنے لگی توانائی
مٹا جو چوم کے ہاتھوں کو حق کا شیدائی
کہا یہ سبط پیمبر نے چھٹتا ہے بھائی
بجا حواس نہیں دم قلق سے گھٹتا ہے
حبیب جاتے ہیں برسوں کا ساتھ چھٹتا ہے

حبیب کستے ہیں جب باگ آزمانے کو
چبانے لگتا ہے تھم کے فرس ہارنے کو
تڑپ رہا ہے سوئے فوجِ شام جانے کو
وفا پہ اس کی تعجب نہ ہو زمانے کو
سوار مثل کمان ہے جو پیر کی صورت
تو راہوار بھی جاتا ہے تیر کی صورت

صدا یہ دیتے ہیں بڑھ بڑھ کے پیک ہشیار
چلے گی آج قیامت کی دشت میں تلوار
کہ دم میں ہوں گے تنوں سے جدا سرِ کفار
بلند سامنے ہوتا ہے ہر گھڑی وہ غبار
وغا کے جوش میں تیغ دو دم لگائے ہوئے
حبیب آتے ہیں رہوار کو اٹھائے ہوئے

رواں تھے دشت کی جانب حبیب نیک سیر
یکایک آیا نظر دور سے جو نہی لشکر
وغا کے جوش میں فوراً بدل گئے تیور
فرس اڑاتے ہی آئے قریب فوج شر
پلک جھپکتے ہی یہ خوش نصیب جا پہنچے
ظفر نے بڑھ کے صدا دی حبیب آپہنچے

حبیب روک کے رہوار یوں ہوئے گویا
کہ میں ضعیف ہوں ہے تیر ہاتھ میں رعشا
ہوں پیر بیٹھ کے مجھ سے اٹھا نہیں جاتا
یہ رن میں کھینچ کے لایا ہے مجھ کو شوق وغا
خیال جنگ برابر لہو بڑھاتا ہے
ابھی گیا ہوا پھر کے شباب آتا ہے

بڑھے یہ سنتے ہی آگے سپاہ کے سردار
مقابل آ گئے گھوڑے اڑا کے سب اسوار
لیا دلیر نے بس نام حیدر کرار
دغا کے جوش میں غازی نے کھینچ لی تلوار
اٹھا یہ شور جو شمشیر آبدار کھنچی
خدا بچائے کہ دمساز ذوالفقار کھنچی

بھلا حبیب سا دنیا میں کون ہے جرار
ہزاروں شامیوں کو دم میں کر دیا فی النار
لہو سے سرخ ہوئی ہے اپنی ہوئی تلوار
بڑھا رہا ہے روانی کو دست رعشہ دار
جو سربلند ہے دنیا میں کب وہ جھکتا ہے
نہ تیغ رکتی ہے رن میں نہ ہاتھ رکتا ہے

حبیب اکیلے ہیں لاکھوں ہیں رن میں بانیٔ شر
پڑے ہیں تیر کئی آ کے سینہ و دل پر
لگائے فرق مبارک پہ ظالموں نے تبر
نہیں ہے ضعف سے طاقت کلام کی بھی مگر
حبیب مہر و محبت سے کام لیتے ہیں
جو گرنے لگتے ہیں سرور کا نام لیتے ہیں

یہ غل ہے سر سے قدم تک کرو انھیں زخمی
جھکا ہے سر ہے لہو جسم پاک سے جاری
چلے گئے پہ کہاں جلد دھار خنجر کی
حسینؑ لاش پہ روئیں یزید کو ہو خوشی
شکست کھا کے بھی دل جنگ سے نہیں ہارا
کہیں کے سبط پیمبر کے دوست کو مارا

سوا خدا کے نہ تھا کوئی مونس و یاور
عدو ہزاروں سے کرتے تھے جس طرف کو نظر
ادھر کو ضعف سے جھکتے تھے اور گاہ ادھر
لگا کے تیغیں ہٹے تھے ابھی نہ بانیٔ شر
ہوا یہ عرشیوں میں غل کہ خوش نصیب گرے
فرس کی یال چھٹی ہاتھ سے حبیب گرے

زمیں پہ گر کے یہ دینے لگے حبیب صدا
مدد کا وقت ہے جلد آئیے شہ والا
ادھر شریر ہزاروں ہیں میں تن تنہا
پڑا ہوں خاک پہ بیدم اٹھا نہیں جاتا
ہے خلد سامنے حوریں مجھے بلاتی ہیں
قریب مرگ ہوں اب ہچکیاں بھی آتی ہیں

سنی جو شاہ ہدا نے حبیب کی آواز
نہ تاب ضبط رہی روئے بادشاہ حجاز
پکارے پیٹ کے سر کو شہ غریب نواز
گرے ہو دشت میں کس جا بتاؤ اے جانباز
نہ ہو حبیب تو کب دل کو چین آتا ہے
ابھی جناں کو نہ جانا حسینؑ آتا ہے

روانہ دشتِ بلا کو ابھی ہوئے تھے امام
جفا پہ ہوگئے آمادہ سارے بد انجام

بہا تھا خون جَسَد سے ہوا تھا کام تمام
بدل نہ سکتے تھے کروٹ حبیب عرش مقام

یہ دل سے خویشِ پیمبر کو چاہتے تھے حبیب
علیؑ کا نام تھا لب پر کراہتے تھے حبیب

جَسَد سے روح نکلتی تھی تھا ذرا نہ قرار
نظر کے سامنے تھا خیمۂ شہِ ابرار

ابھی پہنچنے نہ پائے تھے شاہ عرش وقار
تنِ حبیب پہ دوڑائے فوج نے رہوار

محبتِ شہِ دیں میں لہو سے لال ہوئے
جب آیا نزع کا ہنگام پائمال ہوئے

بہا جو خون جسد سے تو غیر حال ہوا
تھی دل میں حسرتِ دیدار وقتِ مرگ آیا

پہنچنے پائے نہ شبیرؑ تن سے دَم نکلا
یہ آئی سبطِ پیمبر کو فاطمہؑ کی صدا

یہ ماں نثار قدم جلد کیوں اٹھاتے ہو
حبیب مر گئے اب کس کے پاس جاتے ہو

یہ سُن کے روئے بہت بادشاہِ جن و بشر
حسین مضطرب الحال پہنچے لاشے پر

نظر جو آنکھوں پہ کی کچھ عجیب تھا منظر
بتا رہی تھیں پھری پُتلیاں یہ رہ رہ کر

دلِ حبیب پئے دید بے قرار رہا
اخیر وقت بہت شہ کا انتظار رہا

کریم لطف و کرم سے ترے نہیں کچھ دور
جو ہو کلامِ مہذب جہان میں مشہور

بہت کیا ہے مرض نے مرے مجھے مجبور
اِسی سبب سے ہے مدحِ امامِ دیں میں قصور

شفا عطا ہو ثنا خواں کے دل کو راحت دے
تو مجھ کو اور مری والدہ کو صحت دے

شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

(جناب رزم ردولوی)

تیوراسدی شبیر کا دل آنکھ عقابی   قرآن کی صورت رخ پرنور کتابی
پیری کی جلالت سے وہ رخسار گلابی   میخانۂ اسلام کا اک کہنہ شرابی
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

قسمت کا نوشتہ ہوئی معصومؑ کی تحریر   تقدیر نے چاہا جسے اللہ ری تقدیر
آنکھوں سے لگائے تھی قدم خلد کی جاگیر   دل ہاتھوں پہ رکھے ہوئے آیا سوئے شبیرؑ
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

لشکر میں مدینہ کے وہ کوفہ کا مسافر   سرکار شہادت میں وہ سر دینے کو حاضر
رویا جسے شہزادۂ کونین وہ ناصر   ایمان کا محبوب حبیبؓ ابن مظاہرؑ
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

عہد نبویؐ کی وہ درخشندہ نشانی   دورِ علوی کی سبق آموز کہانی
چہرہ کی بشکن موجۂ کوثر کی روانی   توفیق تو لاؤ اسے بڑھاپے میں جوانی
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

ایمان کے دربار کا اک غاشیہ بردار   وہ میسرۂ لشکر اسلام کا سردار
اسرار وفادارئ شجاعت سے خبردار   بوڑھوں میں جواں مرد جوانوں میں جگردار
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

وہ بھوک میں اور پیاس میں آسودہ نگاہی   آنکھوں میں لئے جلوۂ انوارِ الٰہی
کرار کے فرزند کا جرار سپاہی   رہبر سے بھی جو دو قدم آگے تھا وہ راہی
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

احباب میں ممتاز تو انصار میں چیدہ　　مقدادؓ و ابوذرؓ کی طرح دردرسیدہ
با رعبِ اسلام سے وہ پشت خمیدہ　　مرنے پہ کمربستہ وہ شمشیر کشیدہ
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

آنکھوں سے ٹپکتا ہوا اخلاص کا بادہ　　دل میں وہ مچلتا ہوا مرنے کا ارادہ
قدموں سے وہ لپٹا ہوا تسلیم کا جادہ　　سرگرم حمایت میں جوانوں سے زیادہ
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

بچپن سے ہے دردِ محبت کا میسر　　دکھلائے ہیں کیا معرکۂ عشق میں جوہر
مدت سے کب آرام سے سوتا ہے دلاور　　اب تک درِ قبلہ پہ لگائے ہوئے بستر
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

انصار کو کیا کیا نہ مراتب ہوئے تقسیم　　سب مصدرِ اعزاز ہیں سب مرکزِ تکریم
بیٹی نے علیؑ کی ہے کہلائی ہو تسلیم　　ایسا نہ ہوا بزم میں کوئی قابلِ تعظیم
شبیرؑ کا جانباز محمدؐ کا صحابی

اصحاب کی وفاداری اور جذبۂ فداکاری کی تعریف خود امام حسینؑ کی زبانی

میں خدا کی مدح کرتا ہوں، بہترین مدح اور خوش حالی و بدحالی دونوں حالتوں میں اس کا حمد و شکر بجا لاتا ہوں، پالنے والے تیرا حمد و شکر کرتا ہوں کہ تو نے ہمیں نبوت کے ذریعہ عزت بخشی، ہمیں قرآن کی تعلیم دی، دین کی سمجھ عنایت فرمائی۔ ہمیں گوش شنوا، چشم بینا اور دل حق آگاہ عنایت فرمایا۔ ہمیں اپنے شکر گزاروں میں سے بھی قرار دے۔ میں کسی کے اصحاب کو نہیں جانتا جو میرے اصحاب سے زیادہ بہتر و وفادار ہوں اور نہ کسی کے اہل بیتؑ ایسے نظر سے گزرے جیسے میرے اہل بیت نیکوکار اور صلۂ رحم کرنے والے ہیں۔ تم لوگوں کو خداوند عالم میری طرف سے بہترین جزا عنایت فرمائے۔ دیکھو مجھے یقین ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے سخت مقابلہ درپیش ہوگا۔ دیکھو میں تمہیں اجازت دے رہا ہوں، تم سب چلے جاؤ۔ تمہارے لئے چلا جانا جائز و مباح ہے۔ میری طرف سے تم پر کوئی ذمہ داری نہیں۔ یہ رات تم کو اپنے پردے میں ڈھانکے ہے۔ اس رات کو مرکب بنا لو اور تم میں سے ہر شخص میرے اہل بیت میں سے ایک ایک کا ہاتھ پکڑ لے اور تم اسی رات کی تاریکی میں منتشر ہو جاؤ اور مجھے ان لوگوں کے ساتھ تنہا چھوڑ دو کہ یہ بس میرے طلبگار ہیں۔

مدح حضرت حبیبؑ ابن مظاہر — (جنابِ قمرؔ ہلوری)

گل پژمردۂ گلشن پہ زد رستی جو اس | مجھ سے کہنے لگا اک روز خود افسانۂ یاس
زندگی جب ہوئی توہینِ بہاراں اس کی | پی لیا اپنا لہو اس نے بغیر وسواس
سرخ پھولوں کی طرح اس میں حرارت دوڑا | یعنی گم کردہ جوانی کی ہوئی پھر آسے آس
بات کی بات میں تھا اس کا بڑھاپا کافور | جیسے اک روز زلیخا سے تھا رخصت یاس
زرد چہرے پہ نئے سرے سے جو سرخی آئی | منتشر صحنِ چمن میں ہوئی اس پھول کی باس
عہدِ پیری میں جواں گل کے مقابل آیا | دم کیا ابنِ مظاہر نے جو پڑھ کر والناس
وہ حبیبؑ ابنِ مظاہر جو تھا شبیرؑ کی آس | جس پہ تھا سایۂ دامانِ شہ چرخ اساس
جس کی پیری پہ جوانی کو بھی رشک آتا تھا | دور جس شیر سے تا عمر رہے خوف و ہراس
خوف باطل کو رہا کاری تحریص کو بھی | عمر بھر جس نے پھٹکنے نہ دیا اپنے پاس
زہد میں عیسیٰ دوراں سے ملی داد جسے | دوستی عصر نے ہیبت کا دیا جس کو لباس
تھا جو مجموعۂ اوصافِ حمیدہ سرِ دہر | جس کے مداح رہے سارے اجنہ اور ناس
صورت سایہ جو بچپن میں تھا شبیرؑ کے ساتھ | سیرتِ حضرت شبیرؑ کا جو تھا عکاس
عہدِ طفلی میں حبیبِ شہِ والا جو تھا | جس کی الفت پہ تھے نازاں شہ افلاک اساس
مسندِ فیض و کرم صاحبِ ایثار و ہمم | سامنے آ نہ سکے جس کے خبیث و خناس
جانِ ایثار و صداقت دمِ اقرار و یقیں | اپنے وعدے کا جسے رہتا تھا ہر وقت بپاس
روزِ عاشور جوانی سے بصد ذوقِ عمل | جس نے تبدیل کیا اپنے بڑھاپے کا لباس
اے خوشا بخت حبیبؑ ابنِ مظاہر کہ جسے | حق پرستی کا چلن آیا زمانے میں راس
تو ہے تعریف کا مصداق حقیقت ہے یہی | تیری توصیف سے خوش ہوتا ہے خود رب الناس
مرحبا محسنِ اسلام حبیبؑ شبیرؑ | حبذا جذبۂ ایثار دلِ بے وسواس
کربلا میں تری شمشیر کے جوہر جو کھلے | بھاگ گئے منہ پھیر کے میداں سے بزدل خناس
تیرے گھوڑے کی وفا کا ہے جہاں میں مذکور | دوستی کا تھا جسے شاہِ ہدا کی بڑا پاس
رو دیا نصرتِ شبیرؑ کی خاطر جو سمند | تیرا ماحول محبت جسے آیا تھا راس
اس پہ قربان وفاداری اربابِ عمل | اس پہ صدقے نگہ عشق کا سارا احساس
تیغِ احساس تمہارے واسطے اک حرفِ حیا | پھول کی پتی سے کٹ جاتا ہے قلب الماس
حق ادا ہو نہیں سکتا تمہاری مداحی کا | بے بضاعت ہوں میں اس کا بھی مجھے ہے احساس
یک نگاہ کرم و لطف ادھر بہرِ حسینؑ | ہے قمرؔ شاعرِ دربارِ شہِ نیک اساس

جنابِ مسلمؑ بن عوسجہ کی قربانی

جناب میر ولایت حسین صاحب ولاؔ مرحوم و مغفور

اے عزیزو! ناصرِ شہ مسلمؑ بن ابنِ عوسجہ
لڑتے لڑتے ہو کے زخمی جب وہ گھوڑے سے گرا

لاش پہ پہنچے حبیبؑ ابنِ مظاہر ہو کے لئے
فرطِ الفت سے سر اُس کا شہ نے زانو پر رکھا

دی دعائے خیر اُس کو سیدِ مظلومؑ نے
اور رو رو کر حبیبؑ ابنِ مظاہر نے کہا

بھائی مسلمؑ! اگر نہیں ہو تو ہو وصیت کا محل
تم چلو' آتے ہیں ہم بھی کر کے سر اپنا فدا

حمج ہی گیا ہو کہو جو کچھ تمہارے جی میں ہے
رہ نہ جائے دل میں حسرت آگے مالک ہے خدا

آنکھ کھولی سُن کے یہ دیکھا جری نے سوئے دوست
شاہ کی جانب اشارہ کر کے انگلی سے کہا

ہاں وصیت ہو اگر کوئی تو یہ ہے اے حبیبؑ
جیتے جی دامن نہ ابنِ فاطمہؑ کا چھوڑنا

کہہ کے یہ حسرت بھری نظروں سے دیکھا رُخِ شاہ
سر کو اپنے پائے آقا پر رکھا اور مر گیا

ہو گیا شبیرؑ کو جب موت کا اُس کی یقیں
لے چلے میت اُٹھا کر بادلِ نخواستہ

دکھ دیا لا کر اُسی جا آخر اس کی لاش کو
سُو رہے تھے اور بھی جس جا شہیدانِ وفا

جا پڑی خیمہ کی جانب دفعتاً شہ کی نظر
دیکھا اک بچہ سلاحِ جنگ سے آراستہ

چاند سا منہ' ننھی سی تلوار اک زیبِ کمر
رُخ سے یہ ظاہر کہ ہے آمادۂ دشتِ وغا

تیور اُس کے حبِّ ایمانی کا ہیں بیّن ثبوت
سُرخ آنکھیں آئینہ ہیں انتقامی جوش کا

بولے گھبرا کر حبیبؑ ابنِ مظاہر سے حسینؑ
کس کا بچہ ہے' کہاں جاتا ہے یہ دیکھو ذرا

سُن کے یہ اُس طفل کی جانب چلے روتے حبیبؑ
ناگہاں خیمہ کی ڈیوڑھی سے کسی نے دی صدا

اپنا صدقہ دیجئے شاہا اِسے اذنِ جہاد
کیجئے ہدیہ نہ واپس اس کنیزِ خاص کا

بیوۂ مسلمؑ ہوں میں اور ہے یہ مسلمؑ کا پسر
میں نے بھیجا ہے نے دی ہے اِس کو مرنے کی رضا

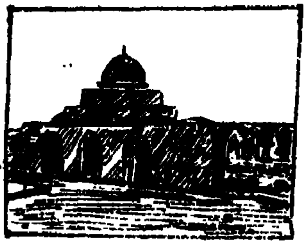
یہ سلاحِ جنگ میں نے خود سجے ہیں جسم پر
دودھ بخشا میں نے اِس کو یا امامِ دوسرا

کاش سو بیٹوں کی ماں ہوتی یہ لونڈی آپ کی
آج کے دن اُن سبھوں کو آپ پر کرتی فدا

ہو گیا یہ سنتے ہی غم سے کلیجہ پاش پاش
آفریں صد آفریں بیوہ کی ہمت پر کہا

غالباً اُس وقت شادیٔ مرگ ہو جاتے حسینؑ
دل جو پہلو میں امامت کا نہ ہوتا یا خدا

(عطا کردہ سید نجم الحسن صاحب نقوی نثارؔ لکھنوی)



گلدستہ

وہ
اصحابِ امیرالمومنینؑ
جو
کربلا میں شہید ہوئے

حصۂ نظم

فخر لکھنوی

شارب لکھنوی

حصۂ نثر

مولانا محسن نواب صاحب

مرزا فدا علی خنجر لکھنوی

قمر رضا بارہ بنکوی

فہرست

حصۂ نثر

حصۂ نظم

اصحاب امیرالمومنین

جو ہمراہ رکاب حسینی شرفیاب شہادت ہوئے

سرکار شریعتمآب محسن ملت مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ مدظلہ

امام حسینؑ کے انصار و اعوان منتخب روزگار اور یگانۂ دہر افراد تھے جن میں صاحبان زہد و تقویٰ، عابدان شب زندہ دار، قاریان و حافظان قرآن، صاحبان فضل و کرم، اصحاب رسالتمآب، اصحاب امیرالمومنینؑ سب ہی تھے۔ یوں سمجھئے کہ گلشن نسل آدم کے گلہائے خوش رنگ و بو کا ایک دیدہ زیب گلدستہ حسینی انصار کی صورت میں سرزمین کربلا پر مہک رہا تھا۔ ہم نے اپنے کئی مقالات میں خصوصیت سے شہدائے کربلا میں اصحاب جناب رسالتمآب اصحاب امیرالمومنین کا تذکرہ کیا ہے۔ اس مقالہ میں ان اصحاب امیرالمومنین کا ذکر مقصود ہے جو واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔ حضرت کے اصحاب میں پانچ بزرگوار تو ایسے تھے جن کو شرف صحبت رسول بھی حاصل تھا۔ اس وقت صرف ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو صرف امیرالمومنین کے صحابی کہے جا سکتے ہیں۔

(۱) جناب سعد بن حرث غلام جناب امیر کچھ دن حضرت کے ساتھ رہے آپ کے بعد امام حسن کی خدمت میں اور پھر امام حسین کی خدمت میں رہے۔ جب حضرت نے مدینہ سے مکہ کا سفر اختیار فرمایا تو یہ ساتھ ساتھ رہے اور پھر مکہ سے کربلا پہنچے۔ حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۲۔ جناب نصر بن ابونیزر غلام امیرالمومنینؑ آپ کے والد شاہان عجم میں سے کسی کی اولاد یا نجاشی کی اولاد میں سے تھے۔ مبرد نے کامل میں لکھا ہے کہ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ آپ نجاشی کی اولاد میں سے تھے صغر سنی ہی میں اسلام کی جانب مائل ہوئے۔ رسول اللہ کی خدمت میں لائے گئے اسلام لائے رسول خدا نے ان کی تربیت کی جب حضرت کا انتقال ہوا تو جناب فاطمہ اور اولاد فاطمہ کے ساتھ ہو گئے بعض نے لکھا ہے کہ ملوک عجم کی اولاد تھے۔ رسول خدا کو ہدیتاً بھیجے گئے پھر امیرالمومنین کے ساتھ رہے جب آپ کے نخلستان میں کام کیا کرتے تھے انھیں کے فرزند جناب نصر تھے جو امیرالمومنین اور امام حسن کے بعد امام حسین کے ساتھ رہتے تھے حضرت ہی کے ساتھ کربلا گئے۔ حملہ اولیٰ میں شہادت واقع ہوئی۔ پہلے آپ کا گھوڑا پے کیا گیا پھر آپ کو شہید کیا گیا۔

۳۔ حرث بن نبہان۔ نبہان جناب حمزہ کے غلام تھے بڑے دلیر اور شہسوار تھے ان کے فرزند جناب حرث کو امیرالمومنین جناب امام حسن اور امام حسین کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت کے ہمراہ کربلا پہنچے اور پہلے حملہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۴۔ ابو ثمامہ عمرو بن عبد اللہ بن کعب صائدی سربرآوردہ تابعی تھے۔ عرب کے شہسواروں میں شمار تھا شیعوں میں نمایاں شخصیت کے مالک تھے امیرالمومنین علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے آپ ہمراہ رکاب لڑائیوں میں جہاد کئے ہوئے تھے۔ پھر امام حسین کا ساتھ رہا یہ کوفہ ہی میں

مقیم تھے۔ جب معاویہ دنیا سے اٹھا تو آپ نے بھی امام کو خط لکھا تھا۔ جب جناب مسلم کوفہ آئے تو یہ ان کے ہمراہ ہو گئے جب جناب مسلم نے قیام کیا تو بیع تمیم و ہمدان پر انھیں کو امیر بنایا تھا آپ نے ابن زیاد کے قصر کا محاصرہ بھی کر لیا تھا لیکن جب لوگوں نے دغا کی اور حضرت مسلم کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تو آپ مخفی ہو گئے ابن زیاد نے آپ کی تلاش بڑی سختی سے جاری رکھی آپ جناب نافع بن ہلال کے ساتھ خدمت امام میں روانہ ہوئے راستہ میں ملاقات ہوئی اور پھر آپ ہی کے ہمراہ رہے یہاں تک کہ شہید ہوئے ...... کربلا میں چند مواقع پر آپ کا مخصوص تذکرہ ہے

طبری ناقل ہے کہ جب امام وارد کربلا ہوئے اور پسر سعد بھی آ گیا تو اس نے حضرت کی خدمت میں کثیر بن عبداللہ شعبی کو گفتگو کے لئے بھیجا۔ یہ بڑا شقی تھا۔ ابن سعد نے کہا جا کر دریافت کرو کیوں آئے ہیں؟ یہ بولا کہئے تو صرف دریافت کروں اور کہئے تو ان پر حملہ کر کے قتل ہی کر ڈالوں۔ ابن سعد نے کہا نہیں ابھی یہ مقصد نہیں ہے صرف ان سے دریافت کر کے چلے آؤ۔ کثیر امام کے لشکر کی طرف آیا جب ابو ثمامہ صائدی نے اسے دیکھا تو حضرت سے عرض کرنے لگے۔ حضور شریر ترین شخص آ رہا ہے خون بہانے اور اچانک حملہ کرنے میں بڑا جری ہے جب وہ نزدیک پہونچا تو جناب صائدی نے بڑھ کر فرمایا اپنی تلوار رکھ دے اس نے کہا ہرگز نہیں۔ میں تو ایلچی ہوں اگر میری بات سنو گے تو پیغام پہونچا دوں گا ورنہ واپس چلا جاؤنگا ابو ثمامہ نے کہا جب تو امام کی خدمت میں حاضر ہو گا تو میں تیری تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھے رہوں گا تو بات کر لینا، اس نے کہا ہرگز نہیں۔ تم میری تلوار کو چھونا بھی نہیں۔ انھوں نے کہا جو پیغام ہو مجھ سے کہہ دے میں حضرت سے جا کر عرض کر دوں گا تجھے ان سے نزدیک کبھی نہ ہونے دوں گا۔ کیونکہ تو بڑا فاجر ہے۔ بڑی

دیر تک دونوں میں گفت کلامی رہی۔ آخر کو کثیر عمر سعد کے پاس واپس گیا اس نے قرہ بن قیس کو بھیجا جس نے آ کر پسر سعد کا پیغام حضرت کو پہونچایا۔

دوسرا تذکرہ آپ کا نماز کے مشہور واقعہ میں ملتا ہے عاشور کے روز جب جنگ ہو رہی تھی اور زوال کا وقت آیا تو آپ ہی نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ یا اباعبداللہ میری جان آپ پر قربان میں دیکھ رہا ہوں کہ دشمن آپ سے نزدیک ہوتے جا رہے ہیں۔ خدا کی قسم انشاءاللہ جب تک میں آپ پر نثار نہ ہو لوں گا۔ آپ کا بال بیکا نہیں ہو سکتا میں چاہتا ہوں کہ اپنے پروردگار سے یوں ملاقات کروں کہ نماز پڑھ لی ہو جس کا وقت اب آ گیا ہے یہ سن کر امام نے آسمان کو دیکھا اور فرمایا تم نے نماز کو یاد کیا خدا تم کو نماز گزاروں اور ذکر خدا کرنے والوں میں محسوب کرے۔ ہاں یہ اول وقت ہے۔ یہی وہ موقع ہے جب اشقیا سے نماز کی مہلت مانگی گئی۔ انھوں نے نماز کے لئے لڑائی نہیں روکی امام نے مطابق حکم شریعت نماز خوف ادا فرمائی۔

ابو ثمامہ نے نماز سے فراغت کے بعد امام سے عرض کیا میں چاہتا ہوں اپنے (شہید) اصحاب سے ملحق ہو جاؤں۔ مجھے یہ گوارہ نہیں ہے کہ میں آپ کو یکہ و تنہا دیکھوں آپ کو شہید دیکھوں۔ امام نے فرمایا اچھا جاؤ، ہم بھی گھڑی بھر میں تم سے آ ملیں گے۔ ابو ثمامہ بڑھے جہاد کیا زخموں سے چور ہو گئے انھیں اُن کے چچازاد بھائی قیس بن عبداللہ صائدی نے شہید کیا، آپ کی شہادت جناب حر بن یزید کی شہادت کے بعد واقع ہوئی۔

(۱۵) جناب بریر بن خضیر ہمدانی، اپنی قوم کے سردار اور بڑے عبادت گزار، قاری قرآن بلکہ شیخ القرا تھے امیرالمومنین کے صحابی تھے۔ کوفہ میں ہمدان کے اشراف میں سے تھے جب آپ کو امام حسینؑ کے حالات کی اطلاع ہوئی ہے تو آپ کوفہ سے مکہ روانہ ہو گئے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور شہادت پائی۔

جب جناب حر کے رسالہ کا راستہ میں سامنا ہوا ہے اور امام علیہ السلام نے اس وقت ایک تقریر فرمائی ہے تو جناب مسلم و جناب نافع نے امام سے خطاب کیا تھا وہاں جناب بریر نے بھی

اُٹھ کر ایک مختصر تقریر کے ذریعہ سے اپنے جذبات کا اعلان کیا تھا انھوں نے حضرت سے خطاب کرکے عرض کیا۔

"خدا کی قسم اے فرزند رسول، خدا نے آپ کے ذریعہ سے ہم پر یہ احسان فرمایا ہے کہ ہم آپ کے سامنے جہاد کریں آپ کی محبت میں ہمارے اعضاء کے ٹکڑے ٹکڑے کئے جائیں اور قیامت کے دن آپ کے نانا ہمارے شفیع قرار پائیں وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جو اپنے نبی کے نور کو ضائع کر دے۔ ان کے لئے ذلیل ہوا کیا منہ لے کر یہ اللہ کا سامنا کریں گے؟ اُن کے لئے اُف ہو اُس دن جب یہ آتش جہنم میں واویلاہ واثبوراہ کہہ کر چیخ رہے ہوں گے۔"

آپ کی قوت یقین اس درجہ تھی کہ شب محرم کو عبد الرحمٰن کے ساتھ آپ نے کچھ کلمات مزاح استعمال فرمائے۔ جواب میں جناب عبد الرحمٰن نے کہا تھا کہ ان باتوں کو چھوڑو یہ مزاح کا وقت نہیں ہے ان کے جواب میں جناب بریر نے فرمایا خدا کی قسم میری قوم آگاہ ہے کہ میں نے کبھی جوانی یا بڑھاپے میں مزاح کو دوست نہیں رکھا۔ لیکن بات یہ ہے کہ اس وقت میں خوش ہوں، انجام کو سوچ کر خدا کی قسم ہمارے درمیان اور جنت کی حوروں کے درمیان صرف اتنا فاصلہ رہ گیا ہے کہ ہم ان دشمنوں پر حملہ آور ہیں۔ وہ ہم پر اپنی تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں۔ میں تو چاہتا ہوں بس اب جلدی سے یہ مرحلہ آجائے

روز عاشورہ جناب بریر کے اشقیا سے بہت سے مکالمے ہوئے ہیں اُن سب میں اہم آپ کا مباہلہ ہے واقعہ یوں ہوا کہ لشکر مخالف سے یزید بن معقل نکلا اس نے کہا بریر دیکھا خدا نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ آپ نے جواب دیا خدا کی قسم میرے ساتھ تو خدا نے جو کچھ کیا وہ خیر ہی خیر ہے، ہاں تیرے ساتھ جو ہوا وہ بُرا ہے، وہ بولا جھوٹ کہتے ہو اور آج سے پہلے بھی تم جھوٹ بولا کرتے تھے، کیا تمہیں وہ موقع یاد ہے جب میں تمہارے ساتھ کوفہ میں کوچہ بنی دودان سے گزر رہا تھا اور تم کہہ رہے تھے کہ عثمان ایسے تھے، اور معاویہ گمراہ اور گمراہ کن تھے اور علی ابن ابی طالب امام حق و ہدایت ہیں۔ بریر نے یہ سن کر فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ ہاں یہی میری رائے اور میرا قول ہے۔ یزید بن معقل بولا تو میں گواہی دیتا ہوں کہ تم گمراہوں میں سے ہو! یہ سن کر جناب بریر کو جوش آگیا۔ ایک حق پرست اپنی طرف گمراہی کی نسبت کیسے گوارہ کر سکتا ہے جب کہ وہ فرزند رسول کی حمایت پر کمر بستہ ہے آپ نے یزید سے فرمایا کہ کیا تو مجھ سے مباہلہ کے لئے تیار ہے اور یہ کہ ہم دونوں مل کر دُعا کریں کہ خدا جھوٹے پر لعنت کرے اور جو حق پرست ہے وہ باطل والے کو قتل کر دے اور یہ دُعا کرنے کے بعد تو میرے مقابلے کے لئے نکل وہ تیار ہو گیا دونوں نے اپنے ہاتھ مباہلہ کے لئے بلند کئے اور جھوٹے کے لئے بددعا کی اور یہ کہ حق والا باطل والے کو قتل کر دے پھر دونوں نے تلوار لے کر مقابلہ شروع کیا دو دو چوٹیں چلیں۔ یزید نے جناب بریر پر ایک ضرب لگائی جو بالکل اوچھی پڑی اور جناب بریر کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکی پھر جناب بریر نے یزید پر وار کیا خود کٹا ضرب دماغ تک پہنچ گئی وہ اس طرح گرا جیسے اونچے پہاڑ پر سے کوئی گرتا ہے۔ بریر کی تلوار اس کے سر میں ڈوب گئی جسے ہلا ہلا کر اس کے سر سے نکالا اس وقت آپ یہ شعر پڑھتے جاتے تھے۔

اَنَا بُرَیرٌ وَ اَبِی خُضَیر وَ کُلُّ خَیْرٍ فَلَہُ بُرَیر۔ میں بریر ہوں۔

اور میرے باپ خضیر ہیں۔ اور ہر خیر کے لئے بریر ہے۔

آپ مباہلہ میں دُشمن پر غالب آئے اور ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر دیا کہ کون باطل اور کون حق پر تھا۔ مباہلہ میں مقابل پر فتح حاصل کرنے کے بعد جناب بریر لشکر اعدا پر ٹوٹ پڑے۔ بڑی دیر تک جہاد کیا آخر میں جام شہادت نوش فرمایا۔

۶۔ جناب عمار ابن الدالانی بن سلامہ۔ اصحاب امیر المومنین میں تھے حضرت کی تینوں لڑائیوں میں ہمراہ رکاب رہ کر جہاد کیا۔ کربلا میں امام حسین کی خدمت میں پہنچے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

۷۔ جناب جنادہ بن حرث۔ مشاہیر شیعہ اور اصحاب امیر المومنین میں تھے پہلے کوفہ میں جناب مسلم کا ساتھ دیا۔ جب دیکھا کہ ساتھ چھوڑ کر لوگ الگ ہو گئے تو عمرو بن خالد صیداوی وغیرہ کے ساتھ امام حسین کی خدمت میں شرف یاب ہونے کے لئے روانہ ہوئے۔ راستہ میں حر کے رسالے نے روکا۔ امام نے ان لوگوں سے کہکر اپنے ساتھ لے لیا۔ کربلا میں بڑی معرکہ کی لڑائی لڑ کر شہید ہوئے

۸۔ مجمع بن عبد اللہ عائذی۔ آپ کے والد صحابی رسول تھے

اور خود آپ اصحاب امیرالمومنین میں تھے جناب جابر کے ہمراہ لڑائی میں شہید ہوئے۔

۹۔ جناب نافع بن ہلال۔ قوم کے سردار، مشہور قاری قرآن اور حاملان حدیث میں تھے۔

امیرالمومنین کے ہمراہ آپ کی تینوں لڑائیوں میں شرکت کا فخر حاصل کر چکے تھے۔ شہادت جناب مسلم کے بعد امام کی خدمت میں باریاب ہونے کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ راستہ ہی میں حضرت سے ملحق ہو گئے۔ اصحاب حر کے سامنے امام نے جو خطبہ ارشاد فرمایا تھا اس کے بعد جب زہیر نے تقریر کی، پھر جناب نافع اٹھے اور امام سے مخاطب ہو کر عرض کیا۔ "اے فرزند رسول! حضور کو علم ہے کہ حضور کے نانا لوگوں کو اپنی محبت قبول کرانے پر قادر نہ ہو سکے اور نہ ہو سکا کہ آپ سب کی باتیں مان لیں۔ آپ کے اصحاب میں منافق بھی تھے جو نصرت کا وعدہ تو کرتے تھے مگر دل میں برائی چھپائے رہتے تھے سامنے تو شہد سے زیادہ شیریں مگر پیٹھ پیچھے حنظل سے زیادہ تلخ۔ یہاں تک کہ خدا نے اپنے رسول کو اپنے پاس بلا لیا۔ آپ کے بابا علی کو بھی یہی مواقع درپیش ہوئے ایک جماعت نے تو آپ کی نصرت پر کمر باندھی اور آپ کے ساتھ ہو کر ناکثین، قاسطین اور مارقین سے جہاد کیا اور ایک جماعت مخالف ہو گئی یہاں تک کہ آپ بھی رحمت و رضوان الٰہی کی طرف رد ہائے آج آپ کی بھی یہی حالت ہے جو اپنا عہد توڑ ڈالے اور اپنی نیت بدل دے وہ اپنے ہی کو ضرر پہنچائے گا اور خدا آپ کو اس سے مستغنی فرما دے گا۔ آپ ہمارے ساتھ بخیر و عافیت جہاں چاہیں تشریف لے چلئے چاہے مشرق چاہے مغرب، خدا کی قسم ہم قضائے الٰہی سے ڈرتے نہیں ہیں اور نہ اپنے پروردگار کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ ہم اپنی سچی نیت اور عقیدت پر باقی ہیں۔ ہم آپ کے دوست کے دوست دشمن کے دشمن ہیں۔

روز عاشور آپ نے کئی لڑائیاں لڑیں۔ آپ کے رجز کا یہ شعر خاص معنویت رکھتا ہے جس میں آپ نے اپنے اور اپنے قبیلے کے اختلاف عقائد کی جانب اشارہ فرمایا۔ ان تنکرونی فانا ابن الجملی دینی علی دین حسین بن علی ۔۔ اگر تم مجھے نہیں پہچانتے ہو تو سنو میں جملی کا بیٹا ہوں میرا دین وہی ہے جو حسین بن علی کا دین ہے۔

انھوں نے اپنے تیروں کے سرے پر اپنا نام لکھ لیا تھا، تیر زہر آلود آپ انھیں دشمنوں پر مارتے تھے۔ صرف تیروں ہی سے بارہ دشمنوں کو قتل کیا، جب تیر ختم ہو گئے تو تلوار سونت کر صفوں پر ٹوٹ پڑے اور فرماتے جاتے تھے۔

انا الهزبر الجملی 	دینی علی دین علی

میں ہوں جملی شیر 	میرا دین وہی ہے جو علی کا دین تھا

لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور تلواروں، تیروں، پتھروں کی بارش شروع کر دی یہاں تک کہ آپ کے دونوں بازو شل ہو گئے آپ کو اسیر کر کے لے گئے ابن سعد سے آپ نے بڑی دلیری باتیں کیں، اپنی حقانیت کا اعلان کیا آخر میں شمر کے ہاتھوں شہید ہوئے

۱۰۔ جناب حجاج بن سروق۔ امیرالمومنین کے ہمراہ کوفہ میں رہے جب امام حسین مکہ گئے تو یہ بھی کوفہ سے مکہ جا کر حضرت سے ملحق ہو گئے اوقات نماز میں آپ ہی اذان دیا کرتے تھے عاشورہ محرم کو جب جنگ کا بازار گرم ہوا تو آپ اجازت لیکر گئے۔ پلٹ کر لوٹ آئے کہ ریش مبارک خون سے تر تھی۔ امام سے عرض کیا۔ فداك نفسی هاديا مهديا اليوم نلقى جدك النبيا ثم اباك ذالندى عليا ذاك الذى نعرفه الوصيا۔ آپ پر میری جان نثار۔ آپ ہادی و مہدی ہیں۔ آج آپ کے نانا رسول خدا سے ملاقات کروں گا پھر آپ کے صاحب جود و سخا باپ علی سے ملوں گا۔ وہی علی جن کی ہمیں یہ معرفت ہے کہ وہ وصی رسول تھے

امام نے یہ سنکر فرمایا ہاں۔ ہاں اور میں بھی تمہارے بعد ان بزرگوں سے ملاقات کروں گا۔

۱۱۔ یزید بن مغفل بڑے شجاع اور خوش گو شاعر تھے۔ امیرالمومنین کے ہمراہ رکاب صفین کے معرکہ میں جہاد کیا روز عاشور امام سے اذن جہاد لیکر رجز پڑھتے ہوئے نکلے، دلیرانہ جنگ کر کے شہید ہوئے۔

جناب عبدالرحمن بن عبد رب انصاری اور حضرت جون کا حال کسی دوسری جگہ دیا گیا ہے

۱۲۔ جناب مسلم بن عوسجہ امیرالمومنین کی بعض لڑائیوں میں آپ کا بڑا کارنامہ رہا تھا۔ کربلا میں شرف شہادت حاصل کیا۔

۱۳۔ جناب نعمان و جناب حلاس پسران عمرو راسبی پہلے عمر سعد کے ساتھ آئے جب بس لے امام کی شرائط رد ہونا سنا کیا تو رات کو امام سے ملحق ہوئے اور آپ کی نصرت میں

"ابو ثمامہ"

(از جناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی مرحوم)

اس رات کی ہولناکیوں کا اندازہ کیا ہو سکتا ہے جو پیغمبر آخر الزماں کے فرزند جوانان جنت کے سردار ابو عبداللہ حسین بن علی کی شب شہادت بن کر کربلا کے ریگستان میں نمودار ہوئی تھی۔ جنگل سائیں سائیں کر رہا تھا اور فرات کا پانی اپنی ترنم ریزیوں کو جگر گداز فریادوں میں تبدیل کرتے ہوئے سمت الراس کو رہا ہی تھا۔ کھجور کے بلند و بالا درخت ثمرات کے خوشوں سے لدے پھندے ماتم داروں کی شکل صف بصف سیدھے کھڑے تھے۔ رات کی سرد ہوائیں صبح قتل کے بھیانک تخیل میں دم بخود ہو کے رہ گئی تھیں۔ شب زندہ دار جانور، چرند ہوں یا پرند اس قہار لشکر کی ہیبت سے اپنے اپنے مامن اور آشیانے چھوڑ چھوڑ کر دور نکل گئے تھے جو بنی زادے کے قتل پر کمربستہ ہو کر کربلا کے بیہڑ بن میں مجتمع ہو گیا تھا ان کا پڑاؤ فرات کے کنارے دور دور پھیلا ہوا تھا۔ اونٹ کے بالوں والے کمبلوں اور مختلف شامی کپڑوں کی چھوٹی بڑی چھولداریاں فوجی سرداروں کے شاندار خیمے پہاڑی بیت دبلند چوٹیوں کی طرح رات کی کھلی ہوئی ملگجی چاندنی میں مرعوب کن نظارہ پیش کر رہے تھے جابجا کھجور اور خرما کی خشک لکڑیاں زہریلے سانپ کی طرح لال لال شعلے بھڑکا رہی تھیں اور ان کا غلیظ و کثیف دھواں عشق پیچاں کے مانند پیچ در پیچ فلک پیمائی کے واسطے بلند ہو رہا تھا

عقل و انسانیت کے بار خاطر بدوی دس دس پانچ پانچ کی ٹولیاں بنائے الاؤ کے گرد بیٹھے گزرے ہوئے جنگی معرکوں کے واقعات نیز ذاتی معاملات پر مبالغوں کا رنگ چڑھاتے ہوئے فخر و مباہات کے قصیدے سنا رہے تھے۔ ان داستانوں کا سلسلہ گذشتہ زمانوں کے ماحول سے گزرتا ہوا حال کی سرحد میں داخل ہوتے ہی قلب ماہیت اختیار کر لیتا تھا۔ انعام و غنیمت کے حریص بادی النظر میں ایسے دور آہ پر پہونچ جاتے تھے جو حق و باطل کی منزلوں کو علیحدہ علیحدہ کر دیتا ہے

سرداروں کے خیموں سے کافوری شمعوں کی ہلکی روشنیاں چھن چھن کر ریگستانی سطح کو دھوپ چھاؤں کا مماثل بنا رہی تھیں، اور غلاموں کی چل پھر، چیخ و پکار سے فضا پر شور ہو رہی تھی۔

پڑاؤ کی پشت پر طویلہ تھا۔ باربرداری کے اونٹ خچر اور سواروں کے کوتل گھوڑے چوبی میخوں کے ساتھ بندھے تھے۔ ان کی نگہبانی و حفاظت کے واسطے بدوؤں کی ایک جماعت متعین تھی جو حق و باطل کے امتیاز سے بے نیاز ہو کر صحرا کی سوکھی لکڑیوں کا الاؤ روشن کیے اس کے سامنے حرف و حکایات میں مشغول تھی۔

اس کے بالمقابل حسینی خیمہ گاہ تھی جو دشمنوں کے نرغہ میں گھری ہوئی دل کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس مقدس پڑاؤ والے محصور ہونے کے باوجود جس اطمینان قلب کا مظاہرہ کر رہے تھے وہ تاریخ عالم میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ ہر چند مخالفین نے ان پر زندگی کی راہیں مسدود کر رکھی تھیں لیکن وہ عبودیت سے منزلوں دور اظہار حق پر کمر کسے ہوئے معبود حقیقی کی الوہیت و ربوبیت کا اعلان کرنے میں ہمہ تن مصروف تھے، ان کی زبانوں پر

قرآن کریم کی پاک آیتیں تھیں اور قلوب میں عبادت کا ذوق و شوق بھرا تھا۔ جیسی جیسی سختیاں بڑھتی جاتی تھیں ان کا جذبۂ مواسات و قربانی پختہ ہوتا جاتا تھا۔ اس مختصر فوج کے ہر سپاہی نے علائق سے دامن گردانتے ہوئے وفا و اطاعت کی قربان گاہ پر سر کٹا دینے کا عزم بالجزم کر لیا تھا۔ وہ اپنے افضل ترین عالم سردار کی حفاظت میں جانیں لڑائے تھے۔ جوانوں کا ذکر نہیں وہ تو عرب نژاد ہونے کے باعث تلوار کے دھنی اور جنگ آزما ہوتے ہی ہیں۔ حیرت ناک جذبہ ان نادان بچوں کا تھا جنھوں نے ماں کی گود سے اتر کر صرف چلنا ہی سیکھا تھا۔ نہ ان کے نازک دست و بازو نے اسلحہ جنگ کے وزن و سختی کا کوئی تجربہ حاصل کیا تھا یا ان شیوخ سالخوردہ کا جوش و خروش قابل دید تھا جو سیلاب عظیم کی طرح منتظر کہ ان کی روحوں کو ایسے ماحول کی طرف بہائے لیے جاتا تھا جہاں جور و استبداد کی خونریز شمشیریں انسانیت کے گلے کاٹنے میں مصروف تھیں جہاں حق کو مغلوب کرنے اور باطل کو فروغ دینے کی سر توڑ کوششیں جاری تھیں۔

آہستہ آہستہ رات کا دامن کشادہ ہو رہا تھا۔ حسینی خیمہ گاہ کے سرفروش منصبی فرائض انجام دینے کے ساتھ عبادت یا اسلحہ کی صیقل و صفائی میں مصروف تھے۔ انھیں لوگوں میں ابو ثمامہ صائدی تھے جو کبر سنی کے باوجود جنگی جوش و ولولے میں جوانوں پر چشمک زن تھے۔ انھوں نے اوائل عمر میں بڑے بڑے معرکے سر کیے تھے۔ شجیع عالم و مجاہد اعظم حضرت علی ابن طالب کے ساتھ جملہ لڑائیوں میں شریک رہ کر داد شجاعت دی تھی۔ صرف یہی نہیں کہ شباب کے کس بل پر مردانگی کے جوہر دکھائے تھے بلکہ کہولت و انحطاط کے ایام میں بھی انھوں نے مسلم بن عقیل کی حمایت و طرفداری میں قبائل ہمیم و ہمدان کی سرداری کے فرائض ادا کیے تھے۔ لیکن زمانے کی ناسازگاری اور اہل کوفہ کی بے وفائی نے لڑ کا پانسہ ان کے خلاف ڈالا تو وہ مجبور ہو کر فرزند رسول کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ناچیز جان کا ہدیہ پیش کر دیا۔ اس گھڑی سے اس وقت تک ان کا دامن مضبوطی سے تھامے ہوئے تھے۔

وہ جس مقام پر بیٹھے تلوار صیقل کر رہے تھے وہاں سے مخالفین کا پڑاؤ صاف نظر آتا تھا۔ سالار سپاہ عمرو ابن سعد کا خیمہ سامنے تھا۔ فضا خاموش تھی اور ہوا ساکن البتہ کبھی کبھی بدوی عربوں کے باتیں کرنے کی آوازیں سامنے فراش ہو جاتی تھیں یا بار برداری کے اونٹوں کے بلبلانے اور خچروں کے ہونے کی کرخت صدائیں کانوں کے پردے سے ٹکرا جاتی تھیں۔

پہر رات یا اس سے کچھ زیادہ گزر چکی تھی۔ یکایک صحرا کی خاموش فضا میں ٹاپوں کی صدائیں گونجنے لگی۔ ابو ثمامہ نے سر اٹھا کر سامنے کی طرف دیکھا جن لوگوں سے مقابلہ درپیش تھا وہ کسی اصول و قاعدے کے پابند نہ تھے نہ ان کی نگاہوں میں اخلاق کوئی معنی رکھتا تھا۔ ہر چند صلح کی گفتگو جاری تھی پھر بھی یہ اعتبار کر لینا دشوار تھا کہ وہ اس گفتگو کے احترام میں کوئی جارحانہ اقدام کرنے سے گریز و احتیاط کر سکتے ہیں۔ یہ شب خون کے خطرے نے انھیں ایک لمحہ کے واسطے متفکر کر دیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ اپنی قلت اور ان کی کثرت سے مرعوب ہو گئے تھے بلکہ اس لیے کہ ان کی جمعیت کے افراد اچانک حملوں سے مطمئن تھے۔ اپنی دفاع کے لیے تیار ہوتے ہوئے بھی انھیں کافی نقصان پہنچ جانے کا امکان موجود تھا۔ چاند کی سیمیں کرنوں میں ایک آہن پوش و اسلحہ بند سوار شامی گھوڑے کو سرپٹ اڑائے حسینی خیام کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا، دور سے شناخت کر لینا تو ابو ثمامہ کے لیے دشوار تھا تاہم یہ امر یقینی تھا کہ وہ دشمن کی جمعیت کی ایک فرد ضرور تھا۔ دفعتاً ان کے قلب کو مختلف اوہام نے گھیر لیا۔ انھوں نے سنگ فساں کو سامنے سے سرکا دیا اور تلوار اٹھا کر خیمہ گاہ کے سرے پر جا کھڑے ہوئے کہ آنے والے کو وہیں روک کر اس کے ارادے سے مطلع ہو سکیں۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ سوار نزدیک پہنچ گیا لیکن ابو ثمامہ کو راہ میں حائل پا کر بولا "مجھے حسینؑ ابن علیؑ سے اپنے سردار عمرو ابن سعد کا پیغام کہنا ہے۔"

ابو ثمامہ نے پہچان لیا کہ آنے والا کثیر بن عبداللہ شعبی ہے۔ یہ نہایت سنگدل، جاہل اور سفاک تھا، اس کی بے رحمیوں کے

انسانے زبان زد ہو چکے تھے۔ ابو ثمامہ نے سوچا کہ اس گستاخ و بے ادب کندۂ ناتراش کا اس طرح امام کی خدمت میں پیش ہونا مصلحت نہیں۔ نہ معلوم اس کی جہالت کیا عنوان اختیار کرے؟ انھیں خیالات کے ماتحت انھوں نے کہا "البتہ تم سبط رسول اللہ کی خدمت میں پیش ہو سکتے ہو لیکن اس عزت کو حاصل کرنے کے واسطے اپنے اسلحہ کو معطل کرنا ہوگا۔"

"یہ ممکن نہیں" کثیر نے تیور بدل کر درشت لہجہ میں جواب دیا۔ "میں تو پیام لیکر آیا ہوں اگر تم لوگ سننا پسند کروگے تو تا مدی کا حق ادا کروں گا ورنہ اپنے سردار کی طرف مراجعت کر جاؤنگا۔"

"اچھا تو پھر مجھے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ لینے دو" ابو ثمامہ نے تصفیہ کن طریقہ اختیار کرتے ہوئے کہا "پھر تم کو جو کچھ عرض کرنا ہے وہ امام کی حضور میں حاضر ہو کر گزارش کر سکتے ہو۔"

"یہ بھی نہیں ہو سکتا" کثیر نے تلخی و درشتی کے ساتھ جواب دیا "میں قبضہ اپنا تلوار چھونے تک کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"عجیب آدمی ہو تم" کثیر نے جھڑکتے ہوئے کہا "یہی پسندیدہ ہوتا تو میں اس قدر مسافت کی زحمت ہی کیوں برداشت کرتا؟ تمھاری جمعیت سے کسی کو بلا کر یہ خدمت سونپ دی جاتی۔"

"اس طرح تو میں تمھیں امام کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت نہیں دے سکتا۔" ابو ثمامہ نے مستقل لہجہ میں کہا "اگر تم کو مجھ سے پیام کہنے میں تامل ہے تو جدا کرے۔"

"افسوس" امیر نے میری گزارش پر توجہ نہیں کی۔" کثیر نے شقاوت قلبی ظاہر کرتے ہوئے کہا "ورنہ تم دیکھتے کہ میری تلوار کس برق رفتاری سے تمھارا اور تمھارے امیر کا قضیہ ختم کر کے نیام میں آسودہ ہو جاتی! بہرکیف میں بغیر پیام رسانی کیئے ہوئے واپس جاتا ہوں۔"

دوسرے لمحہ گھوڑے کی باگ، خطابہ جس طرف سے آیا تھا واپس ہوگیا اور ابو ثمامہ اس کی کوردلی پر پیچ و تاب کھاتے ہوئے امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کر کے عرض کی "یا ابن رسول اللہ! آپ کی خدمت میں ایسا شخص حاضر ہونا چاہتا تھا جو اپنی سنگدلی، جہالت اور سفاکی کے لیئے مشہور ہے۔"

صلح کے امکانات ختم ہونے پر جنگ ناگزیر ہوگئی۔ دسویں رات مختلف اقسام کی پُرخلوص عبادتوں میں بسر ہوئی۔ جوان۔ بوڑھے۔ عورت، مرد، خادم مخدوم سبھی اس یادگار رات میں خدا کی ایسی ہی عبادت کرتے رہے جیسی عبادت اس کے لیئے ہونا چاہیئے۔

ادھر شرقی افق پر صبح کی سپیدی نمودار ہوئی ادھر خیام حسینی سے ہمشکل نبی شہزادہ علی اکبرؑ کی صدائے اذان نے نمازیوں کو فریضۂ صبح بجالانے کی طرف توجہ دلائی۔ اس نماز کا کیا کہنا جو پُرہول وقت میں بھی نسبتہً پُرامن کہی جاسکتی ہے کیونکہ ہنوز تیر ترکش میں خوابیدہ تھے اور تلوار یں نیام میں محو استراحت! نیزوں کی زبانوں نے لپلپانا شروع کیا تھا نہ جنگی باجوں کے لبوں سے مُہر سکوت ٹوٹی تھی۔ خدائے واحد کے سچے پرستار صبح صادق کی مقدس فضا میں معبود برحق کے حضور سر عجز و نیاز خم کرنے میں مصروف تھے۔

نماز تمام اور مناجات ختم ہوئی تو مجاہدوں نے جلد جلد زرہیں پہن کر اپنے جسم پر اسلحہ آراستہ کر لیئے۔ نبی زادے نے عہدے تقسیم کیئے مختلف قبیلوں کے علم ان کے سرداروں کے حوالے کیئے اور اپنے قوت بازو ابوالفضل العباسؑ کو ساری فوج کا سالار مقرر کر کے وہ علم عنایت فرمایا جسے عہد رسولؐ میں باری باری سے حمزہ جعفر طیار، اور علی ابن ابی طالبؑ اٹھا چکے تھے میمنہ و میسرہ درست ہوا، قلب و جناح قائم کیا گیا اور پھر آخری حجت بھی تمام کردی گئی۔

نتیجہ کیا ہوا؟ کچھ نہیں! جن قلوب پر خدا کی جانب سے مہریں کردی گئی تھیں انھوں نے حق کی طرف سے ایک کان گونگا دوسرا کان بہرا کر لیا۔ امام کی حدیث، ایمان والوں کی نصیحت سننے، سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کے بدلے استہزاء و تمسخر کرنے لگے۔ سالار فوج نے تو یہاں تک جرأت کرلی کہ دوش سے کمان اتار کر چلے میں تیر جوڑا اور یہ بانگ دہل افواج کو وہ شام کو شاہد بناتے ہوئے وہ تیر امامؑ کی طرف رہا کر دیا!

گویا یہ علامت تھی جنگ کے اعلان کی، اس کے بعد ہی ہزاروں کمانیں ایک ساتھ کڑکیں اور ہزاروں تیر چلوں سے چھوٹ چھوٹ کر تشنہ جگر مجاہدوں کے طیب و طاہر لہو کو کربلا کی گرم و خشک ریت پر

پانی کے مانند بہانے لگے۔ معرکۂ کارزار انتہائی زور و شور سے جاری ہو چکا تھا اور چند مجاہد شہید ہو ہو کر خاک و خون میں لوٹتے نظر آتے تو امام نے بھی جہاد کرنے کی اجازت عطا فرما دی۔

اولاً تو یزیدی سپاہ کے بعض من چلے اجل گرفتہ دستورِ عرب کے مطابق انفرادی جنگ کے واسطے میدان میں آ کر مبارز طلب ہوئے لیکن شاہ کی سپاہ کے فدائیوں نے انھیں پلک جھپکاتے جہنم میں داخل کر دیا اور شجاعت کا زیب تھے۔ یہ ہوتے مدعیوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انھیں بخوبی محسوس ہو گیا کہ اگر لڑائی کا یہی طریقہ رکھا گیا تو کوفہ و شام جنگ آزما بہادروں سے خالی ہو جانے کے علاوہ برسہا برس سرد ہو سکے گی اور آخر میں آ نزدیک فتح مندی شکست فاش سے تبدیل ہو کر موجبِ زوال ہو جائے گی۔

انھوں نے باہمی مشورے کے بعد متفقہ طور پر چھ سات ہزار کی جمعیت سے حملہ کر دیا۔ ہر چند یہ حملہ نہایت شدید اور زہرہ گداز تھا لیکن حمایتِ اسلامی کا سچا جوش رکھنے والے جو کچھ پایہ بہادروں نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔ یہ بڑھتا ہوا فوجی سیلاب حسینی جمعیت سے ٹکرا کر واپس ہو گیا۔ ہزار دنیا سپاہی بھی مجاہدین کے باطل شکن نیزوں کا شکار ہو کر رہ گئے لیکن نتیجہ میں پچاس مجاہدوں کو جامِ شہادت نوش کرنے کے بعد رن میں کھیت رہ جانا پڑا۔

یہ نقصان کچھ کم نہ تھا۔ حسینی لشکر نصف سے کچھ کم رہ گیا۔ ہنوز دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ دوبارہ پھر دشمن نے تقریباً اتنی ہی تعداد سے دوسرے بازو پر ہلہ بول دیا۔ اس طرف صرف بائیس مجاہدین مقابلے پر تھے لیکن انھوں نے اپنے بہادر سردار کی تقلید و پیروی میں نیزوں کی انیوں سے پیٹھ لگا کر اس قیامت کی تیر افگنی کی کہ حملہ آوروں کا رُخ پھر گیا۔ وہ پسپائی کی ذلت گوارا کرتے ہوئے کمال بدنظمی سے واپس ہو گئے اور اپنے ناپاک کشتوں کو خاک و خون میں لوٹ پوٹ کر دم توڑتے چھوڑ گئے۔

سورج چڑھ رہا تھا اور لڑائی کے شعلے تیز سے تیز تر ہوتے جاتے تھے۔ دشمنوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح جلد سے جلد مہم سر کر لی جائے اور مجاہدوں کو کد تھی کہ وہ اپنی حیات میں کسی ایک بنی ہاشم کا رد بار بھی میلا نہ ہونے دیں گے۔ وہ نیت اپنی اپنی خواہش پوری کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے اور نتیجہ خدا کی مشیت میں تھا۔ حق تو یہ ہے کہ مجاہدین نے اس قیامت کی جد و جہد کی کہ لاکھوں دشمنوں کی متفقہ کوششیں بار آور نہ ہو سکیں اور یہ چند انے گنے نفوس جنھیں پیہم حملوں سے محض فطری شجاعت اور زورِ دست و بازو کی قوت سے خدا نے ابدالآباد تک کے لیے نیک نام بنا دیا اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے۔ ان کی شہادت سے پہلے رسول کی آل میں کسی کو اس دار و گیر میں خراش تک نہ آ سکی۔

اب نمازِ ظہر کا وقت شروع ہو رہا تھا۔ لڑائی کی بھٹی کچھ اور بھی گرم ہو گئی تھی۔ رسول زادے کی فوج کٹ چکی تھی۔ صرف تھوڑے سے مجاہد باقی رہ گئے تھے جو حفاظت کا حق اور وفاداری کا فریضہ پورا کرنے میں بدل کوشاں تھے کہ ابو ثمامہ نے جبین کا پسینہ پاک کرتے ہوئے امام کی خدمت میں حاضر ہو کر گزارش کی۔

"فرزندِ رسول! میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ اب دشمن آپ کے بہت نزدیک آ گئے ہیں۔ یہ بھی امرِ واقعہ ہے کہ ہم غلاموں کی موجودگی میں کوئی آنچ آپ کے دامن تک نہ آنے پائے گی اور میں آپ کے سامنے قتل ہو جاؤں گا۔ اس لیے دل چاہتا ہے کہ یہ نماز جس کا وقت آ ہی چکا ہے آپ کی اقتدا میں ادا کر لوں پھر خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤں" امام نے سر بلند کر کے آسمان کو ملاحظہ فرمایا پھر ارشاد کیا "بے شک یہ نماز کا اول وقت ہے تم نے ایسے سخت وقت میں نماز کو یاد کیا۔ خدا تم کو یاد رکھنے والوں اور نمازگزاروں میں محسوب کرے (اصحاب سے) ذرا ان لوگوں سے نماز کی مہلت تو طلب کرو۔"

اصحاب امام تعمیلِ امر کی خاطر آگے بڑھے لیکن ان اسلام کے مدعیوں نے نماز کی اجازت نہ دی اور کچھ ایسے نازیبا کلمات استعمال کیے جنھیں سن کر حق شناس مجاہدین بے چین ہو گئے اور امام سے جہاد کی اجازت لے کر آتشِ حرب و ضرب میں کود پڑے اور غضب کی شمشیر زنی کی کہ حریف کو میدان چھوڑ کر پیچھے ہٹنا پڑا

لیکن یہ کامیابی بے صد قیمتی تھی کیونکہ حسینیوں کو حبیب ابن مظاہر اور حر بن یزید ریاحی کو اس کدوکاش میں ضائع کر دینا پڑا۔

حسینی عزم اور جذبۂ عبادت اٹل تھا وہ اسی نماز کو قائم رکھنے کے واسطے جنگ کر رہے تھے۔ جب دشمنوں نے جنگ روکنے سے قطعی انکار کر دیا۔ تو انھوں نے نماز خوف ادا کرنے کے لیئے بقیۃ السیف مجاہدوں کو دو گروہوں میں تقسیم کرتے ہوئے ایک گروہ کو حریف کی دفاعی خدمت تفویض کی زہیر بن قین اور سعید بن عبد اللہ کو سامنے کھڑے ہو کر تیروں کو روکنے کا فرمان ہوا اور دوسرے گروہ کے ساتھ میدان حرب میں جہاں تیروں کا مینہ برس رہا تھا اور تلواروں کی بجلیاں چمک رہی تھیں نیز سر و تن میں کمال سرعت سے جدائی ہو رہی تھی نماز ظہر کا فریضہ ادا کیا۔

نماز ختم ہوتے ہی ابو ثمامہ بڑھ کر سامنے آئے، ہاتھوں کو ادب و احترام سے بوسہ دیا اور موٴدبانہ التماس کی "فرزند رسولؐ! اب مجھے اپنے ساتھیوں سے ملحق ہونے کی تمنا بے چین کر رہی ہے، خوف ہے کہ کہیں شومیٔ قسمت سے ایسا نہ ہو کہ میں باقی رہ جاؤں اور آپ کے دشمن میرے سامنے شہید ہو جائیں۔"

"اچھا آگے بڑھو" امامؑ نے فرمایا "ہم بھی تمھارے بعد آتے ہیں۔"

جہاد کا حکم پاتے ہی ابو ثمامہ کا زور جوانی واپس آگیا۔ جھریاں پڑے ہوئے جسم کے اندر خون کی سرخیاں مسکرانے لگیں اور وہ افراط شجاعت سے جھومتے ہوئے دشمن کی صفوں پر حملہ آور ہوئے۔ بازوؤں نے وہی کس بل ظاہر کرنا شروع کر دیا جو اب سے بہت قبل علی ابن ابی طالبؑ کی قیادت میں ظاہر ہوا کرتا تھا۔ وہ جس طرف شمشیر کو جنبش دیتے ہوئے جا پڑتے تھے بڑے بڑے سورما راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے حالانکہ ان کی یہ لڑائی در اصل زندگی کے لیئے نہ تھی۔ وہ شہادت کے شوق میں ایک صف سے دوسری صف اور دوسری صف سے تیسری صف میں بے خوف و اندیشہ گھس جاتے تھے۔ لیکن زندگی کو عزیز رکھنے والے ان کی تلوار کے آئینے میں موت کا بھیانک چہرہ دیکھ کر سامنے سے جان سلامت لے جانے ہی میں عافیت جانتے تھے۔

دیر تک جنگ ہوتی رہی ایک تو یوں ہی جگر کباب کیئے دیتی تھی اس پر آفتاب کی آتش باریوں میں تادیر برسرپیکار رہنے نے زخموں سے چور چور کر دیا۔ پیاس کی شدت بھی زیادہ سے زیادہ ہو گئی چونکہ حریف بھی بھاگ بھاگ کر دور ہٹ گئے تھے اس لیئے وہ ایک مقام پر تھم کر دم لینے اور سستانے لگے۔ کاش وہ جانتے ہوتے کہ ان کا چچا زاد بھائی قیس بن عبد اللہ صائدی جوان کی جانب سے دل میں کینہ لیئے ہوئے تھا موقع کی تاک میں سائے کی طرح ساتھ لگا ہے۔ ابھی انھیں دم لیتے چند ہی لمحے گزرے ہوں گے کہ قیس کی تلوار چمک کے گری اور وہ عروس شہادت سے ہم بغل ہو گئے۔

۰۰۰۰۰ منزل زبالہ پر رفقاء سے خطاب ۰۰۰۰۰

اے لوگو! میں نے تمھیں اپنے ساتھ رہنے دیا تھا ان ظاہری قرائن کی بنا پر کہ عراق میرے تابع حکم ہوگا لیکن اب مجھے اپنے بھائی مسلمؑ کے متعلق بہت ہولناک خبر ملی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ ہمیں بلانے والوں نے ہم سے بے وفائی کی۔ لہٰذا اب تم میں سے جو تلوار کی آنچ اور نیزے کا زخم سہ سکے وہ ہمارے ساتھ چلے ورنہ ہمیں سے جدا ہو جائے۔

"کربلا کا مجاہدِ اوّل عبد اللہ بن عمیر کلبی"

(جناب سید قمر رضا صاحب بارہ بنکوی)

اصحاب حسینؑ کی مختصر سی فہرست تاریخِ انسانی میں سنہری حروف سے جریدۂ عالم پر قیامت تک ثبت رہے گی۔ حسین علیہ السلام سے بیدار مغز اور بے مثال قائد نے ان میں اپنی روح پھونک دی تھی کہ ان کی بے مثالی میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ اس میں سے ہر ایک صداقت و سخاوت میں اپنی مثال آپ تھا۔ ہر ایک میں قربت و مساوات کی بے پناہ تڑپ تھی۔ ایک ایک صحابی عزیمت، جوش عمل اور عزت نفس کا مثیل تھا۔ ایثار و قربانی تو ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ شجاعت کے پتلے اور صبر و رضا کے مجسمے تھے۔ خدا شناسی، پاکبازی اور پاکدامنی ان کا طواف کرتی تھی۔ قول و عمل میں ان کے یگانگت اور فداکاری کا بے پناہ جذبہ ان میں موجزن تھا۔ ان سب کے پس منظر میں حسین ابن علی علیہ السلام کی لاثانی قیادت تھی۔ انھیں ایسا بے مثال سردار ملا تھا۔ اپنے اس بیان کی تائید سرکار سید العلماء علامہ سید علی نقی صاحب قبلہ کے گرانقدر الفاظ سے ہوتی ہے۔

"کربلا میں حسینی فوج نے سچی اور جوشیلی وفاداری، غیر متزلزل ارادت مندی کی وہ تصویر پیش کی جس کی مثال ملنا غیر ممکن ہو۔ ایسی ارادت مندی اور وفاداری اگر صرف اعزا کرتے تو بھی لائق تحسین ہوتے لیکن چند نفوس کے علاوہ جن کو حسینؑ سے خونی تعلق تھا اور تمام لوگوں نے جو اتنی خوفناک تکلیفیں اٹھائیں وہ زیادہ تر اس وجہ سے تھیں کہ یہ لوگ حسینؑ کے اس مقصد سے جس کے لیے حسینؑ ایسی عدیم المثال قربانی پیش کر رہے تھے خود بے حد عقیدت رکھتے تھے۔ وہ یزید کی علانیہ لامذہبیت اور بد اطواری سے بے حد بیزار تھے اور صرف حسینؑ کی ذات کو اس شجاعت کے طوفان کے خلاف ایک پشتہ اور حصار سمجھے تھے۔ اسی وجہ سے حسینؑ کے اصحاب و انصار آخر وقت تک فداکاری و جان نثاری میں ثابت قدم رہے اور یہی وجہ تھی کہ جب ان میں کوئی شہید ہوتا تھا تو لوگ آ کے مبارکباد دیتے تھے کہ وہ امتحان میں کامیاب ہوا، یعنی اس کی قربانی کی تکمیل گویا حق کی طاقت کی ایک فتح ہوتی تھی۔

حسینؑ کے جانبازوں کی راست کرداری اور جانبازی نے درندگی کے خلاف انسانی کارنامے کی تاریخ میں ایک نہیں بہت سے شاندار مضمون کا اضافہ کر دیا۔ ان جانبازوں کی قبر پر حسینؑ کے دہن سے نکلے ہوئے فقرے جو کہ انھوں نے مسلم بن عوسجہ کے مرتے وقت کہے تھے موزوں ترین کتبہ ہو سکتے ہیں اور وہ یہ ہیں "سفر آخرت اختیار کرنے والوں میں سے بہت سے رخصت ہو چکے ہیں اور بہت سے جانے کے منتظر ہیں لیکن ایک نے بھی معینہ راستہ سے قدم نہیں ہٹائے۔"

حسینی سپاہ کے مجاہد اول جناب عبد اللہ بن عمیر کلبی ہیں۔ آغاز جنگ کے بعد سب سے پہلے میدان کارزار میں اس بہادر نے قدم جمائے حالانکہ آپ کے حالات بہت ہی شرح و بسط سے تاریخوں میں نہیں ملتے ہیں لیکن جو کچھ واقعات اور بہادری کے بے مثال مظاہرے میدان کربلا میں وقوع پذیر ہوئے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حسین علیہ السلام نے اپنی مختصر سپاہ میں کیسے کیسے یگانۂ روزگار کو منتخب کر لیا تھا۔

اس سے قبل کہ آپ کے حالات کچھ پیش کیے جائیں یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ کربلا میں جنگ کی صورت کیا تھی، وہاں تشدد کا مقابلہ نرمی سے "ظلم کا مقابلہ مظلومیت سے اور طاقت کا مقابلہ کردار سے ہو رہا تھا۔ حسین علیہ السلام نے

ہر فرد کے ذہن نشین کرا دیا تھا کہ میرے ساتھ تو کربلا کی اِس ہولناک جنگ میں سب ہی شہید کر دیئے جائیں گے' اس لئے زندگی کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ لہٰذا ہر فرد کے لئے آسان تھا کہ جس قدر جلد وہ موت کے آغوش سے ہمکنار ہو جائے اُسے وقتی تکلیف سے چھوٹ مل جائے کیونکہ کربلا میں تو جتنا وقت گزرتا تھا امتحان سخت ہوتا جاتا تھا بقول علامہ مدظلہ کے تین دن کی بھوک اور پیاس اور یہ ظاہر ہے کہ دن چڑھنے کے ساتھ تمازتِ آفتاب میں ترقی ہوتی جاتی ہے' میدانِ جنگ میں عرب کے ریگستان اور کھلے ہوئے صحرا کی سخت دھوپ میں پیاس کا طوفان ایک ایک دم ترقی کرتا جاتا ہے پھر اس حالت میں دشمنوں کے بار بار حملے' ساتھیوں کی جدائی اعزاء کے دم توڑنے کے ہولناک مناظر ان کے سہنے کے لیے بڑے دل و جگر کی ضرورت ہے ایسی حالت میں جتنا کسی مشغول کے جہاد کا موقع دیر میں آئے اُس کے امتحان کی شدت میں اتنا ہی اضافہ ہے۔

امام حسین علیہ السلام نے ترتیب اس لحاظ سے قائم کی تھی کہ جو اس منزل صبر و تحمل میں ابتدائی درجہ رکھتے ہیں ان کے لیے یہ مرحلہ جلد آسان ہو جائے اور جن کی قوت برداشت زیادہ سخت امتحان کی متقاضی ہے وہ آخر کے لیے رکھے جائیں اور اس لحاظ سے بنی ہاشم کے ایک ایک بچے کو جو سخت اور دشوار گزار منزل طے کرنا پڑی وہ اصحاب میں کسی بڑے سے بڑے مجاہد کو بھی طے کرنا کا موقع نہیں ملا اور امام کی منزل امتحان سب سے زیادہ سخت تھی۔"

اس ترتیب کو ذہن میں رکھ کر اس مجاہد اول عبداللہ بن عمیر کلبی کی بہادری کا اندازہ لگایئے اور ان کے حالات اور پھر ان کی گرانمایہ قربانی کے بعد دیگر اصحاب و انصار اس کے بعد ہاشمی نوجوان اور سب سے آخر میں عون و محمد' قاسمؑ و اکبرؑ اور عباسؑ حسین علیہ السلام کی شجاعت کو تصور میں لائیے تب سمجھ میں آئے گا کہ ان مٹھی بھر افراد نے کیونکر دائمی فتح لاکھوں کے مقابل میں حاصل کر لی۔

عبداللہ بن عمیر کلبی کوفہ کے باشندہ تھے اور قبیلۂ ہمدان کے "برجعد" نام کنوئیں کے پاس اپنے ذاتی مکان میں رہتے تھے۔ اس کا جائے وقوع ذرا شہر سے باہر اُن باغات خرمہ کے قریب تھا جو "نخیلہ" کے حدود میں تھے' یہیں ابن زیاد اپنی فوجیں کے ساتھ مقیم ہو کر فوجوں کی کمک پر کمک قتل حسینؑ کے لئے بھیجتا تھا۔

عبداللہ کی رفیقہ حیات قبیلہ نمر بن قاسط سے تھیں اور اُم وہب بنت عبد کے نام سے یاد کی جاتی تھیں' بہادر دل اور اطاعت شعار بیوی تھیں۔ جس وقت عبداللہ کو صورت حال معلوم ہوئی کہ یہ تمام فراہمی لشکر فرزند رسولؐ کی مخالفت میں کربلا کی طرف ہے' انھوں نے اپنی مونس و غمگسار بیوی سے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ اپنے آقا و مولا کی نصرت میں ان مشرکین سے جنگ کروں۔ اُس بہادر عورت نے جواب دیا کہ کیا میں اس سعادت میں تم سے پیچھے رہ جاؤں گی' مجھے بھی اپنے ہمراہ لے چلو چنانچہ یہ دونوں کربلا میں آ کر حسین علیہ السلام سے ملحق ہو گئے۔

جناب عبداللہ کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپ حضرت علی علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ آپ کا رنگ گندمی تھا قد لانبا مضبوط کلائیاں اور بازو۔ چوڑے پشت اور سینہ کے ساتھ بہادر دل بھی رکھتے تھے۔ کربلا میں دشمنوں نے جب آغاز جنگ کر دیا اور زیاد و ابن زیاد کے غلام یسار اور سالم مبارز طلبی کر رہے تھے اُس وقت بہادر عبداللہ کے جوش شجاعت پر اور تازیانہ لگا۔ انھوں نے آقائے نامدار سے اجازت مانگ کر جوابی حملہ کیا۔ پہلے ہی وار میں یسار کا کام تمام کر دیا لیکن اُنگلیاں آپ کی تلوار کی رد و بدل میں کٹ چکی تھیں اور سالم سر پر تلوار مار چکا تھا مگر جس وقت عبداللہ پلٹے تو اس کا بھی کام تمام ایک ہی ضرب میں کر چکے تھے۔

بہادر شیر کی انگلیاں الگ قطع ہو چکی تھیں اور سر پر تلوار کے چھپلے وار نے زخم خوردہ کر دیا تھا۔ دشمن باوجود شکست اور کم ہمتی کے آوازے کس رہے تھے کہ کسی بہادر کو ہمارے سامنے جنگ کے لیے بھیجو' عبداللہ گرج گرج کر اُن کے جواب میں رجز خواں تھے۔

"اگر مجھے نہ پہچانتے ہو تو پہچان لو کہ میں قبیلۂ کلب کا سپوت ہوں میرے حسب و نسب کے لیے اتنا کافی ہے کہ خاندان علیم میں میرا گھرانا ہے میں ایک سخت مزاج درشت خو انسان ہوں اور مصیبت کے وقت پست ہمت نہیں ہوتا۔" اس کے بعد عبداللہ نے اپنی زوجہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اے ام وہب میں تجھ سے پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ میں ان دشمنوں کے اوپر بڑھ بڑھ کر نیزے لگاؤں گا اور تلواریں ماروں گا۔ ایسی لاجواب شمشیر زنی کروں گا جو خدا پر ایمان رکھنے والے جواں ہمت انسان کے شایانِ شان ہو"

بہادر عبداللہ کا یہ تخاطب شیرانہ دل رکھنے والی باہمت خاتون ام وہب کے گوش زد ہوا اور ایسا معلوم ہوا کہ اس میں ایک بجلی سی دوڑ گئی اور ایک نئی روح ایک نیا ولولہ جوش شجاعت میں موجزن ہو گیا۔

کربلا کا یہ مجاہد اول اسی حملہ میں اپنی سرفروشیاں دکھا کر جام شہادت نوش کر چکا ہوتا لیکن دوران رجز میں اس نے اپنی باہمت رفیقۂ حیات کو جو تخاطب کیا تھا اس نے نوعیت کسی حد تک بدل دی اور بہادر ام وہب ایک گرز ہاتھ میں لے کر بیتابانہ میدان جنگ میں کود پڑی اور پکار کر اپنے شوہر نامدار کو مخاطب کیا کہ میرے ماں باپ دونوں تم پر نثار اولاد رسولؐ کی نصرت میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔"

دلیرو غیور اور معرفت امام میں ڈوبے ہوئے باہمت عبداللہ کے لئے یہ منظر انتہائی صبر شکن تھا اور انھوں نے چاہا کہ میرے جیتے جی تو میری زوجہ کے قدم خیمہ میں واپس چلے جائیں لیکن پُرجوش خاتون نے اپنا دامن عبداللہ کے ہاتھ سے چھڑا لیا اور کہنے لگی کہ اس وقت تک میں تمھیں نہ چھوڑوں گی جب تک تمہارے ساتھ میں بھی شہید نہ کر ڈالی جاؤں۔

چونکہ شریعت اسلامی کے حدود کے آگے زوجہ کے قدم خواہ غیر اختیاری طور سے سہی جا چکے تھے اس لئے امام حسین علیہ السلام نے آواز دی کہ خدا تم دونوں کو جزائے خیر دے اے مومنہ عورتوں کے پاس واپس جا اور ان کے ساتھ بیٹھی رہ کیونکہ عورتوں پر سے جہاد ساقط ہے۔ بقول سرکار سید العلماء مدظلہ ایمان اور اطاعت امام کا حصہ تھا جو بے پناہ جذبۂ الفت اور جوش قربانی پر غالب آیا اور وہ خواتین کے پاس خیمہ میں واپس چلی گئی اور اس کے بعد عبداللہ بن عمیر بھی صف مجاہدین میں واپس آ گئے۔

علامہ معروف نے اسی کے آگے طبری ج ۶ ص ۲۴۹ کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ عبداللہ بن عمیر کی شہادت مسلم بن عوسجہ کے بعد ہوئی ہے جب فوج مخالف کے میسرہ نے شمر بن ذی الجوشن کی قیادت میں حملہ کیا ہے اور اصحاب امام حسینؑ نے اس کا پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اس موقع پر عبداللہ بن عمیر نے کافی جانفشانی کی اور دو سپاہی دشمن کے پھر قتل کئے مگر اس کے بعد وہ ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکیر بن حی تیمی کے ہاتھ سے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہ اصحاب حسینؑ میں دوسرے مقتول تھے۔"

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں شیدائے شوہر خاتون اُم وہب کے دلیرانہ اقدام پر علامۃ العصر موصوف ہی کا دلکش تبصرہ پیش کروں تاکہ بہادر عبداللہ کے جذبۂ قربانی کے ساتھ ساتھ اس بہادر عورت کے عزم و ولولہ، ہمت و شجاعت پر ایک طرف روشنی پڑ جائے دوسری طرف اُس کے قدم شرع سے آگے نکل جانے کی رد ہو سکے اور تیسری طرف یزیدی افواج کے چہرے سے وہ بزدلانہ نقاب بھی ہٹ جائے کہ انھوں نے ایک صنف نازک پر بھی ہاتھ اٹھانے میں پس و پیش نہیں کیا۔

"شیدائے شوہر خاتون جس نے اپنی زندگی کی تمام دنیا اپنے عزیز جذبۂ ایمانی کی خاطر قربان کر دی تھی اب یہ معلوم کر کے کہ اس کا شوہر ہمیشہ کے لیے اُسے چھوڑ گیا اور کربلا کی گرم زمین پر اپنے بہتے ہوئے خون کی سرخ چادر اوڑھے موت کی نیند سو رہا ہے پھر بے چین ہو گئی اور اس ارادہ سے نہیں کہ وہ جنگ کرے گی یا اپنے شوہر کے خون کا بدلہ لے گی کیونکہ یہ سب باتیں اس کے ایمان کے نزدیک امام کی ممانعت کے بعد حکم خدا کے خلاف تھیں جن کے لئے وہ کسی طرح تیار نہ تھی لیکن صرف اس لئے کہ وہ اپنے شوہر کی لاش سے ایک وداعی ملاقات کرے میدان میں آئی اور شوہر

کے سرہانے بیٹھ گئی اس کے چہرہ سے گرد و غبار صاف کرتی جاتی اور کہتی جاتی تھی کہ "تمھیں جنت مبارک ہو" بہشت کی سیر کرنا تیار کرو ہو" مگر دشمن کے ظلم و تشدد کی حد تھی کہ شمر نے اپنے غلام کو جس کا نام رستم تھا آواز دی کہ اس کا کام تمام کر دے وہ بڑھا اور اس نے ستم رسیدہ و درد دل خستہ خاتون کے سر پر گرز مارا کہ وہ اسی جگہ ختم ہو گئی" (طبری ج ۶ صـ ۲۵۷)

اور اس طرح کربلا کے رنگین مرقع میں ایک قابل احترام خاتون کا رنگ سرخ خون بھی شامل ہو گیا۔

جناب عبد اللہ بن عمیر کلبی کے مختصر حالات اور ان کی سرفروشی کی ایسی بے مثال داستان آپ نے سن لی اور جیسا کہ میں نے اپنی ابتدائی سطور میں لکھا ہے کہ حسینی قیادت یادگار زمانہ رہے گی۔ انھوں نے اپنے مختصر لشکر کی جو ترتیب دی تھی وہ بالکل مختلف تھی جس لشکر کے مجاہد اول کا ابتدا آغاز ہو اور اس کی جانبازی ایسی ہو جس نے دشمنوں سے ان کی بہادری کا کلمہ پڑھوا دیا اس کے بعد آنے والوں کے ایک ایک فرد کے متعلق "تاریخوں کے اوراق پلٹیے اس وقت سمجھ میں آئے گا کہ حسینؑ کی مختصر سپاہ میں کیسے کیسے نبرد آزما جوان ہمت' دلیر اور بلند حوصلہ افراد اکٹھا کئے تھے بلکہ سید امتیاز حسین صاحب ترمذی کے الفاظ میں یہ سب کے سب پیدائشی بہادر تھے' انھوں نے بہادروں کی زندگی گزاری تھی اور بہادروں کی موت پر مرنا چاہتے تھے وہ سب کے سب بھوکے پیاسے متردد اور متفکر تھے لیکن ہر ایک اپنی جگہ کوہ ثبات تھا ان کے چہروں پر کسی پریشانی کا نشان نہ تھا۔ لبوں میں مایوسی نہ تھی اور زبان پر حرف شکایت نہ تھا ان کے شکم کے گئے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دکھائی دیتی' عزم ان کی پیشانی سے نمایاں تھا اور سپاہیانہ کی جلتوں سے عیاں تھی ان کی ہمت کہہ رہی تھی کہ دشمن کی فوج کا کیا ذکر اگر ضرورت ہو تو وہ تاریخ عالم کو درہم برہم کر دیں"

تاریخ انسانی جواب دے کہ چشم عالم نے اتنے اہم اور نازک موقع پر اپنے وفادار و دلدار اور بے نفس سپاہیوں کی فوج دیکھی ہے جن کا مجاہد اول عبد اللہ بن عمیر کلبی تھا!!

ضیائے مہر

محترمہ مہر جہاں بیگم صاحبہ آل مرزا دبیر اعلی اللہ مقامہ

مسلم ابن عوسجہ اور اے حبیبؑ نامور
با ادب پہنچے سلام مہر مضطر آپ پر
تھے تو یوں بیتاب سبھی ابن علیؑ کے جاں نثار
لاج رکھ لی آپ نے لیکن وفا کی سر بسر
ہم وطن چھوڑے خیال اطفال کی پروا نہ کی
تشنہ لب مظلومؑ کی نصرت پہ جب باندھی کمر
وہ ضعیفی' ناتوانی' نیم جانی' اُف غضب
تھی جوانوں سے بھی آگے آپ کی ہمت مگر
ایسی پیری پر جوانی ہو فدا سو جان سے
عزم جن کی فتح اور جن کا ارادہ ہو ظفر
اپنے کردار و عمل سے دے گئے تم یہ سبق
خیر ہو آلِ نبیؐ اور آلِ بو سفیاں ہو شر
مرحبا وہ کانپتے ہاتھوں سے نصرت دین کی
تا قیامت ہو سبق آموز ہر جن و بشر
شانِ مومن ہے یہی اور وصفِ مسلم ہو یہی
وقفِ ایماں زندگی ہو جان نذرِ اسلام پر
ہو عقیدہ یہ مرزا انصار حضرتؑ کے لئے
حشر تک ماتم کریں گے مہر و اختر اور قمر

★ جناب ابوثمامہ صیداویؓ کا ذوقِ عبادت ★

اور

★ حبیب ابن مظاہرؓ کی شہادت ★

(شاعر دربار حسینی فخر رضوی مصنف شاہنامۂ کربلا و ایڈیٹر ہومیو پنجاب آواز جون پور)

(۵)

سرِ میداں تھی کشت و خوں کی جب گرم بازاری — زمیں پر ہو رہی تھی آسماں سے جب شرر باری
جنابِ بوثمامہؓ نے کہا شبیرؑ سے آکر — کہ اے شاہِ زمن پروردۂ آغوشِ پیغمبر
تمنا ہے نمازِ آخری فی الفور ہو جاتی — سعادت اسکی حاصل قبلۂ دیں اور ہو جاتی
اُٹھا کر سر جو حضرت نے سُوئے عرشِ بریں دیکھا — نمازِ ظہر کا اس وقت "وقت اولیں" دیکھا
کہا شہؑ نے کیا ذکرِ عبادتؓ دینداروں میں — تمھیں محبوب ذاتِ حق کرے طاعت گذاروں میں
کہو اعدا سے کچھ دم کو جدل کا التوا کر دیں — نمازِ ظہر ہم سب مل کے اتنے میں ادا کر دیں
دیا پیغام اعدا کو یہ جب ابن مظاہر نے — جواباً یہ کہا چلا کے اک گمراہ کافر نے
اطاعت یہ تمھاری کیا بھلا مقبول داور ہو — اجازت اسکی دینا اور نہ دینا سب برابر ہو
یہ سن کر ہو گئے ابن مظاہر آپے سے باہر — کہا بس بس زباں کو روک لے اے کفر کے پیکر

کہا دیکھیے اجازت جنگ کی مجھ کو شہِ صفدرؑ
نہ اب جا کے میں سوا پڑھوں گا حوضِ کوثر پر

۱؎ جناب ابوثمامہ صیداوی کے عرض کرنے پر امام عالی مقام نے خوش ہو کر دعا دی اور فرمایا ذکرت الصلوٰۃ جعلک اللہ من المصلین
نعم ھذا اول وقتھا ۱۲

بسانِ برق ٹوٹے جاکے ان فاسق پرستوں پر
جو تھے سر جادۂ حق چھوڑ کر باطل کے رستوں پر
حبیب ابن مظاہرؓ نے کی وہ جنگ دلیرانہ
رجز پڑھ کر سرِ میداں باندازِ فقیہانہ
وغا اس شان سے کی اپنے رعشہ دار ہاتھوں سے
بوقتِ مرگ بھی چھوٹی نہیں تلوار ہاتھوں سے
جوانوں کی طرح پیری میں لڑتے تھے دمِ ہیجا
کمیں سے آکے اک ظالم نے مارا پشت پر نیزا
سنبھلنا ہوگیا گھوڑے پہ جب اس ضرب سے مشکل
صدا دی المدد لیجیے خبر یا سیّدِ عادل
پہونچتے ہی شہ والا کے یہ پہونچے سوئے جنت
جگر کو تھام کے ہاتھوں سے اپنا رہ گئے حضرت

شہیدِ راہِ حق جب ہوچکے ابن مظاہرؓ بھی
حبیب شاہ والا سید بیکس کے ناصر بھی
صفیں آراستہ ہونے لگیں طاعت گذاروں کی
خدا کے پاک بندوں کی خصوصی جاں نثاروں کی
لیے خوشنودیٔ داور، بحکم سبطِ پیغمبرؐ
جنابِ ابن عبداللہؓ، زہیر قین خوش اختر
یہ تھے شبیرؑ کے آگے سراجِ دیں کے پروانے
بصد اخلاص اپنے سینۂ پُر نور کو تانے
صفوں پر عابدوں کے تیر برساتے رہے کافر
شقاوت کا ہر اک انداز دکھلاتے رہے کافر
یزیدی فوج والے تیر برساتے رہے جب تک
یہ دونوں شیر دل بڑھ بڑھ کے لیتے تھے ہر ناوک
نہ آنے پائے اُن کے پائے استقلال میں جنبش
نماز خوف ہوتی ہی رہی تیروں کی بارش میں
یہ کارِ نیک کا قسمت سے نیک انجام ہوتے ہی
ہوئے بے جاں سعیدؓ اللہ کا یہ کام ہوتے ہی

محسوساتِ شارب

جناب حکیم شارب لکھنوی ایف ایم بی ایس

اللہ اللہ منزلِ کردارِ انصارِ حسینؑ
سر سے پا تک بن گئے تھے آئینہ دارِ حسینؑ

سارا عالم جگمگا دے اے عزادارِ حسینؑ
آنسوؤں میں جذب کر کے حسنِ کردارِ حسینؑ

حشر میں اس شان سے آئیں گے زوّارِ حسینؑ
لب پہ نامِ مصطفےٰؐ آنکھوں میں انوارِ حسینؑ

کربلا میں جو نہ سمجھے منزلِ آلِ رسولؐ
ایسے انسانوں سے تو اچھا تھا رہوارِ حسینؑ

جو کلی مرجھائی وہ خود اک گلستاں بن گئی
لوگ سمجھے ہو گیا ویران گلزارِ حسینؑ

اب بھی گر دنیا بھٹک جائے تو اک اندھیرے
راہ تو دکھلا رہی ہے شمعِ کردارِ حسینؑ

اور کیا اس سے زیادہ ہوگا کوئی انقلاب
کربلا کی خاک اور گیسوئے خمدارِ حسینؑ

ختم کب کا ہو گیا اقرارِ بیعت کا سوال
سلسلہ در سلسلہ قائم ہے انکارِ حسینؑ

ظلم کے ماتھے پر اے شارب پسینہ آگیا
سر جھکا کے حُر چلا جب سوئے دربارِ حسینؑ



گلدستہ

وہ غلام جو معرکۂ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

حصۂ نظم

باقر رضوی امانت خانی

حصۂ نثر

مرزا سجاد حسین

مرزا فدا علی خنجر

فہرست

حصّۂ نثر

حصّۂ نظم

سادات الاحرار

یعنی

وہ غلام جو معرکۂ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے

(مرزا سجاد حسین صاحب سجاؔد لکھنوی متعلم بی۔کام لکھنؤ یونیورسٹی)

اسلام مساوات کا علمبردار ہے۔ اس میں چھوٹے بڑے امیر و غریب مفلوک الحال و سرمایہ دار، آقا و غلام میں کوئی فرق نہیں۔ یہاں تو وہ زیادہ معزز و مکرم ہے جو اطاعتِ خدا و رسولؐ و ائمہؑ حقیقی زیادہ کرتا ہے چاہے وہ نسلی، نسبی، خاندانی، صوری حیثیت سے کتنا ہی پست کیوں نہ ہو نیز خاندانوں اور قبیلوں کی تفریق محض تعارف کے لئے ہے۔ لہٰذا معرکۂ کربلا میں درجۂ شہادت پر فائز ہونے والے غلاموں کو اس اعتبار سے کہ وہ غلام تھے کم مرتبہ نہیں سمجھا جا سکتا کیونکہ عظمت و بزرگیِ خاندان ہرگز وجہ نازش و فخر نہیں بلکہ یہ ایک اضافی شرف ہے اس کے برخلاف افعال و اعمالِ انسانی ہی باعثِ افتخار و امتیاز ہوتے ہیں کربلا کے میدان میں شہید ہونے والے یہ غلام علمی حیثیت سے اور معرفت کے اعتبار سے انتہائی بلند درجہ پر فائز تھے اس لئے وہ ہمارے لئے قابلِ تقلید، لائقِ پیروی اور واجب الاحترام ہیں۔

ان کو تو ہم صرف غلاموں ہی کا سردار نہ کہیں گے بلکہ سادات الاحرار (آزادوں کا سردار) بھی کہنے پر مجبور ہیں اس لئے کہ سرزمین کربلا پر اگر یہ حضرات اپنی فقید المثال قربانیاں نہ پیش فرماتے تو آج حریت و آزادی کا کہیں نام نہ ہوتا اور انسان حیوانیت، لامذہبیت اور مکر و فریب کے شکنجوں میں کسا ہوتا نیز بد افعالیوں و بد اعمالیوں کے دلدل میں پھنسا ہوتا۔

اب ہم ان غلاموں کا ذکر مختصر الفاظ میں کریں گے جو کربلا میں نصرتِ سید الشہداء کرتے ہوئے درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

(۱) جناب شبیب بن عبد اللہ

آپ کو رسول اسلام کی صحابیت کا شرف حاصل تھا نیز اس کے ساتھ آپ صفِ اول کے شیعیانِ علیؑ میں سے تھے اور آپ نے امیر المومنین کی رفاقت و نصرت میں جنگہائے نہروان، صفین، و جمل میں حصہ لیا تھا۔

اوراقِ تاریخ اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ آپ کوفہ کے رہنے والے تھے۔

آپ حارث بن سریع ہمدانی کی غلامی میں تھے اور اپنے آقا زادوں سیف بن حارث اور مالک بن حارث کے ساتھ سید الشہداء کی خدمت اقدس میں تشریف لائے تھے حملۂ اولیٰ میں شہید ہو کر حیاتِ ابدی حاصل فرمائی اور دنیائے اسلام کو اپنا ممنون احسان بنا گئے۔

(۲) جناب سلیم

آپ حضرت امام حسن علیہ السلام کی غلامی کے شرف سے سرفراز تھے۔ ایسی جلیل القدر ہستی کا غلام بھی بڑی بڑی اور قہار سلطنتوں کے بادشاہوں اور کشورکشاؤں سے بھی زیادہ بلند ہے اور آج بھی عظیم سے عظیم اور وسیع سے وسیع حکومتوں کے سلاطین ان کے غلاموں تک کے غلام کہلانے میں عزت و فخر محسوس کریں گے اور ان کی حیاتِ طیبہ و سیرت مبارکہ کو اپنے لئے قابلِ تقلید سمجھیں بشرطیکہ وہ ان کے مرتبہ سے واقف ہوں

آپ نے امام حسین علیہ السلام کی رفاقت میں سرزمین کربلا پر اپنی جان کی عظیم قربانی پیش کی۔

(۳) جناب سعد مولیٰ عمرو بن خالد

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ آپ بہت بلند کردار کے ایک انتہائی شریف انسان تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمت و جرأت میں بھی کافی شہرت رکھتے تھے۔ آپ اپنے آقا عمرو بن خالد کے ساتھ آخری عمر تک رہے۔

جناب سعد اس گروہ کے ساتھ اگر امام سے ملحق ہوئے تھے جو عذیب الہجانات میں سیدالشہداء کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے بھی انھیں حضرات کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔

(۴) جناب نصر بن ابی نیزر

جناب نصر کے والد ماجد حضرت ابونیزر رضی اللہ عنہ ملک عجم کے کسی صاحب حکومت فرد کی نسل میں تھے۔ زمانۂ طفولیت میں ہی مشرف بہ اسلام ہونے کا شرف حاصل ہوا اور آپ کی تعلیم و تربیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی سرور کائنات صلعم کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت علیؑ کے ساتھ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

خود جناب نصر نے اپنی زندگی کے ابتدائی دور حضرت امیرالمومنینؑ اور حضرت امام حسنؑ کے ساتھ گزار دیے۔ پھر اس کے بعد دوسرے سردار جوانانِ جنت حضرت امام حسینؑ کی شرف غلامی سے سرفراز ہوئے۔ جب مظلوم کربلا روانۂ سفر ہوئے تو آپ بھی امام کے شریک کاروان تھے اور زمین نینوا پر تشریف لائے۔

حملۂ اولیٰ میں پہلے آپ کا گھوڑا شہید ہوا پھر آپ خود درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔

(۵) جناب منجح بن سہم

آپ بھی خانوادہ رسالت کے غلام تھے۔

ربیع الابرار میں تحریر ہے کہ امام حسینؑ کی ایک کنیز حسینیہ تھیں جن کا عقد "سہم" کے ساتھ ہوا تھا اور آپ ہی سے جناب منجح متولد ہوئے۔

کنیز حسینیہ امام سیدالساجدین علیہ السلام کے گھر کا امر انجام دیتی تھیں جس وقت امام مظلوم کربلا کے سفر کو چلے۔ اس وقت منجح بھی امام کے ساتھ ہوئے اور کربلا تشریف لائے

کتب میں آپ کی شہادت کا ذکر حملۂ اولیٰ سے قبل کی جنگ میں ملتا ہے۔

زیارت کے نسخوں میں بھی آپ کا یہی نام لے کر سلام کیا گیا ہے۔

(۶) جناب جابر بن حجاج

آپ کوفہ کے رہنے والے تھے جو اپنی شجاعت و بہادری اور فنِ شہسواری میں مہارت کے لیے بہت مشہور و معروف تھے۔

آپ حضرت مسلم ابن عقیل کی نصرت و رفاقت کے لئے تیار تھے مگر نامساعد حالات و ماحول نے ایسا نہ کرنے دیا اور آپ کو روپوشی اختیار کرنا پڑی۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ امام عالی مقام کربلا پہنچ گئے ہیں تو آپ عمر سعد کی فوج میں بھرتی ہو کر کربلا آئے اور کسی طرح چھپ چھپا کر امام کے فدائیوں اور جاں نثاروں میں مل گئے۔

جنگ کا آغاز ہو جانے کے بعد حملۂ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ اور انعامات آخرت سے سرفراز ہونے کے لئے بارگاہِ احدیت میں پہنچے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ آپ عامر بن نہشل تیمی کے آزاد کردہ غلام تھے۔

(۷) جناب سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدی

جناب سالم اپنے آقا عامر بن مسلم العبدی کے ساتھ کربلا آئے تھے۔ ابصار العین میں مذکور ہے کہ آپ اس

کارواں کے ساتھ سرزمین کربلا پر وارد ہوئے تھے جو یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ بصرہ سے کربلا آیا تھا۔

روزِ عاشور حملۂ اولیٰ میں نصرتِ سید الشہداؑ کرتے ہوئے اپنی جان کی بازی لگادی مگر جیتے جی امامؑ پر آنچ نہ آنے دی۔ زیارتِ شہداء میں بھی آپ کا نام ملتا ہے۔

(۸) حضرت سلیمان شہید بصرہ

آپ کی والدۂ گرامی کا نام کبشہ تھا جو امام حسینؑ کی کنیز تھیں۔

حضرت سلیمان کو بعض تاریخیں امام علیہ السلام کا غلام لکھتی ہیں مگر متواتر یہی ہے کہ آپ سید الشہداء کی شرف غلامی سے بہرہ اندوز تھے۔

شیخ طوسی نے آپ کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ آپ امام حسینؑ کے ساتھ درجۂ شہادت پر فائز ہوئے لیکن اکثر و بیشتر تاریخیں آپ کو شہید بصرہ لکھتی ہیں لیکن علامہ شیخ مامقانی نے جو فیصلہ فرمایا ہے وہ بہت حد تک صحیح ہے کہ اگرچہ آپ شہید تو بصرہ ہی میں ہوئے لیکن شہدائے کربلا کی فہرست میں شامل ہیں۔ آپ پر علامہ کامونپوری کا مفصل مضمون دوسری جگہ دیا گیا ہے آپ کو قاصد تحریکِ کربلا بھی مانا جاتا ہے۔

(۹) جناب جون غلام حضرت ابوذر غفاری

جناب جون حبشی النسل تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے:
جون بن [illegible] بن قتادہ بن اعور بن ساعدۃ بن عوف بن کعب بن جوی۔ آپ پہلے فضل ابن عباس عم جناب رسالت مآب کی غلامی میں آئے۔ امیر المومنین حضرت علیؑ نے ڈیڑھ سو اشرفی قیمت دے کر انہیں خرید لیا اور جناب ابوذر غفاری کو ہبہ فرمادیا تاکہ وہ ان کی خدمت انجام دیتے رہیں۔

جناب جون برابر حضرت ابوذر غفاری کی خدمت میں حاضر رہے یہاں تک کہ آپ کو خلیفۂ ثالث حضرت عثمان نے جلاوطن کرکے ایک کور دہ مقام ربذہ میں نظر بند کردیا۔ اس جلاوطنی کے عالم میں بھی جون اپنے آقا کی رفاقت میں رہے اور جب حضرت ابوذر غفاری بے بسی و بے کسی اور غریب الوطنی کے عالم میں داعیِ اجل کو لبیک کہہ گئے تو وفادار جون ۳۲ھ میں پھر امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آکر رہنے لگے۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کی صحبت سے فیض اٹھایا اور پھر امام حسینؑ کے پاس رہے۔ گویا جناب جون نے جناب ابوذر غفاری جیسے مومن کامل کی صحبت کے علاوہ تین اماموں کی صحبت کا شرف بھی حاصل کیا

میدان کربلا میں جب بازار کارزار گرم ہوا تو جون نے حضرت امام حسینؑ سے اذن جہاد حاصل کرنے کی کوشش کی۔ حضرت نے اجازت دینے میں تامل فرمایا اور ارشاد کیا کہ میں تم سے خصوصیت کے ساتھ زور دے کر یہ کہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ چھوڑ کر چلے جاؤ اور اپنی جان بچا لو تم تو ہمارے ساتھ آرام اٹھانے آئے تھے نہ کہ رنج و مصیبت برداشت کرنے کیلئے ہماری وجہ سے اپنے آپ کو کیوں مصیبت و ہلاکت کا شکار بناتے ہو۔

یہ سن کر وفادار جون امام کے قدموں پر گر پڑے اور پشتِ پا کے بوسے لے کر عرض کی "فرزند رسول! یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ راحت و آرام کے دنوں میں تو آپ کے ساتھ رہا اور آپ کے گھر کے پیالے چاٹے اور اب مصیبت کے وقت آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔

امام نے اب بھی جون کو لڑنے کی اجازت دینے میں پس و پیش فرمایا۔ اس پر جون نے انسان کے اس خود ساختہ اصول پر طنز کرتے ہوئے جس کی بنا پر انسانوں کے درمیان اونچ نیچ، کالے، گورے اور بلند و پست کی دیواریں کھڑی کر رکھی ہیں عرض کی "مولا! کیا اس لئے مجھے اجازت نہیں دی جارہی ہے کہ میرا حسب و نسب پست ہے، میرا رنگ سیاہ ہے، میرے جسم سے بدبو آتی ہے۔ آپ اپنے صدقہ میں مجھے جنت کا مستحق بنادیجئے کہ میری بدبو خوشبو سے بدل جائے، میرا حسب شریف ہو جائے اور میرا رنگ سفید ہو جائے بخدا میں آپ سے جدا نہ ہوں گا جب تک کہ یہ سیاہ خون

آپ حضرات کے طاہر و مطہر خون میں نہ مل جائے۔
اس انوکھی اپیل نے حسینؑ کو مجبور کر دیا کہ آپ جون کو رن کی اجازت دیں۔ جون یہ رجز پڑھتے ہوئے میدان جدال و قتال میں وارد ہوئے کہ ذرا گنہگار لوگ دیکھیں تو ایک سیاہ غلام شمشیر و نیزہ سے کس طرح جنگ کرتا ہے آل رسول کی امداد و حمایت میں" جون نے یادگار جنگ لڑی اور بالآخر شہادت کی سعادت حاصل فرمائی۔

امام بہ نفس نفیس مصلا حرار حضرت جون کی لاش پر تشریف لائے اور ان کی شہادت پر متاثر ہو کر جون کے حق میں دعا فرمائی کہ خداوندا! جون کے چہرہ کو روشن کر دے۔ اس کے جسم کی بد بو کو خوشبو سے مبدل کر دے اور اسے نیکوکاروں کے ساتھ محشور کر اور اسے محمد و آل محمد کی معرفت رکھنے والوں میں محسوب فرما۔

کہا جاتا ہے کہ لاش ہائے شہدائے کربلا میں جون کی لاش اس خوشبو سے پہچانی گئی جو امام کی دعا کی برکت سے ان کے جسم میں پیدا ہو گئی تھی۔

(۱۰) جناب قارب حضرت امام حسینؑ کے غلام

حضرت قارب بن عبداللہ بن اریقط لیثی دُئلی کی والدہ کا اسم گرامی فکیہہ تھا جو امام حسین کی حرم سرا میں جناب رباب کی کنیز تھیں۔ ان کی شادی عبداللہ بن اریقط کے ساتھ ہوئی تھی جن سے قارب کی ولادت ہوئی۔ قارب اپنی والدہ کے ساتھ امام حسین کے ہمراہ مدینہ سے مکہ اور پھر وہاں سے کربلا آئے۔ اب حملہ اول میں شہید ہو گئے۔

(۱۱) غلام ترکی

حضرت امام حسینؑ کے غلام اور حافظ قرآن تھے جنھیں آپ نے اپنے فرزند جناب سید سجاد کو ہبہ فرما دیا تھا۔ یوم عاشورہ امام سے اجازت جہاد چاہی تو آپ نے فرمایا کہ خیمہ میں جا کر زین العابدین سے مانگو۔ غلام اجازت لیکر اور اہل حرم کو سلام کر کے میدان جنگ میں آیا اور یہ رجز پڑھا۔

سمندر میرے نیزہ و شمشیر کی حدت سے گرم ہو جائے اور فضا میرے تیروں کی پرواز سے مملو ہو جائے
جب میری تلوار میرے ہاتھ میں چمکتی ہے منزور حاسد کا دل شگافتہ ہو جاتا ہے"

اس مجاہد نے یادگار جنگ کی اور بہت سے دشمنوں کو قتل کیا جب زخمی ہو کر گرا تو امام کو پکارا۔ امام اس کے سرہانے پہنچے اس کے گلے میں باہیں ڈالدیں اور اس کے منھ پر اپنے رخسار ملنے لگے۔ غلام نے آنکھیں کھولیں اور اپنی اس عزت افزائی پر مسکرا کر ہمیشہ کے لیے آنکھیں بند کر لیں۔

(۱۲) جناب سعد بن حارث

آپ حضرت امیر المومنین کے غلام تھے اس کے بعد حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسین کی خدمت میں رہے کربلا امام کے ہمراہ آئے اور عاشور کو امام پر جان نثار کی۔

(۱۳) جناب شوزب ابن عبد اللہ

آپ اپنے آقا کے ساتھ کربلا کے میدان میں شہید ہوئے آپ کے آقا عابس نے روز عاشور شوزب سے پوچھا کہ تمھارا کیا ارادہ ہے۔ شوزب نے جواب دیا کہ نصرت مولا میں شہید ہونا۔ جناب عابس نے کہا کہ اچھا سدھاؤ اور نصرت مولا میں جان دو اور تمھارا مرنا میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں۔
آپ تشریف لے گئے، جہاد کیا آخرکار اشقیاء کے ہاتھوں مارے گئے۔

(۱۴) رافع بن عبد اللہ۔

آپ مسلم بن کثیر اعرج کے غلام تھے اور حملہ اول میں شہید ہوئے اور غلام رافع نے بعد ظہر شہادت پائی۔

منہج بن سمعم

از عالیجناب مرزا فدا علی صاحب خنجر لکھنوی مرحوم

کربلا کا وہ یادگار دن جس نے کائنات عالم میں انقلاب پیدا کر دیا افق پر نمودار ہو چکا ہے آفتاب کی وہ شعاعیں جو عموماً صبح کے وقت نرم و ٹھنڈی رہا کرتی ہیں معمول کے خلاف اپنے زریں دامنوں میں غیر معمولی حرارت کا ذخیرہ لئے دشت نینوا کے ذروں پر بکھر رہی ہیں۔ نسیم صبح جا ہے ہمیشہ قلوب کے لئے فرحت کا سامان مہیا کرتی ہو لیکن آج سبط رسول اللہ کے ضبط و تحمل کی نمائش کے لئے شعلہ بار ہو گئی ہے۔ ادھر زمین اپنے سینہ کی چنگاریاں اگلنے میں مشغول ہے۔ ادھر آسمان سے آگ برسنا شروع ہو گئی ہے عالم یہ ہے کہ زمین پر کوئی دانہ بھی گرتا ہے تو جل بھن کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ فضا میں پرواز کرنے والے طیور یوں تو تمام دن منڈلاتے رہنے کے خوگر ہیں ان کے نازک پر و بازو موسمی تغیرات سے شاذ و نادر ہی متاثر ہو جاتے ہیں۔ مگر آج ہلاکت آفریں گرمی نے انھیں بھی اثر پذیر بنا کر اپنے گھونسلوں میں آسودہ ہو جانے پر مجبور کر دیا ہے۔ انتہا یہ ہے کہ فرات کی مچھلیاں بھی پانی کی سطح پر ابھرنے کی جسارت نہیں کر سکتیں بلکہ سلطان قادر کی آتش بار نگاہوں سے پناہ حاصل کرنے کے واسطے تہ نشین ہو گئی ہیں۔

جبکہ موسمی سختیوں نے انتہائی صورت اختیار کر لی تھی انسانیت کے بدترین دشمن نبی زادے کے قتل و غارت پر اتفاق کرتے ہوئے اس ہولناک جنگل میں صف آرا ہو گئے تھے ان کی کثیر التعداد فوجیں وسیع ریگستان میں دور دور تک پھیلی تھیں۔ البتہ نیزوں کی نمائش ظاہر کرتی تھی کہ یزید کا مقصد پورا کرنے کو عراق و شام کے بد اندیش سب کے سب متفق و متحد ہو گئے ہیں۔ کہیں سواروں کے آہن پوش پرے صفیں جمائے تھے۔ کہیں پیادوں کے دستے قدم گاڑے تھے۔ نیزہ باز ایک سمت تو کماندار دوسری جانب تھے۔

صرف یہی نہیں کہ جنگجو اعراب ہی قتل و خراب کرنے کی نیت سے آ گئے تھے بلکہ ایک گروہ ایسے بدبختوں کا بھی موجود تھا جو گمراہ امیر کی عارضی خوشنودی حاصل کرنے کو محض اس لئے جمع ہو گیا تھا کہ جب معرکہ کارزار گرم ہو جائے اور کوئی تشنہ و گرسنہ مجاہد ہمارے لشکر یا وہ دین کے خاطر جہاد کرنے میدان میں آ نکلے تو اس پر دور سے تیر برسا کر اپنی جھولیاں خالی کر دے۔ اور غلبہ پانے کے بعد اپنے نبی کا اثاث البیت لوٹ کر خالی کیسے بھر لے!

اس کثرت کے مقابلہ میں مظلوم و بیکس امام کی چھوٹی سی فوج تھی جو خدا اور رسول کی رضامندی حاصل کرنے کو [illegible] صرف مرنے کے واسطے تپتی ہوئی زمین پر پہرے لگائے تھی۔ مجاہدوں کی نورانی صورتیں مرجھائے ہوئے پھولوں کی سی کیفیت نمایاں کر رہی تھیں۔ خدا کا ذکر کرنے والی زبانیں دہنوں کے اندر سوکھ سوکھ کر کانٹا بن گئی تھیں۔ خشک ہونٹوں پر کہیں تری کا نام و نشان نہ تھا۔ متواتر سات وقت کے فاقوں نے پیٹ اور پیٹھ کو ایک کر دیا تھا لیکن پھر جگری کا یہ عالم تھا کہ خوف و ہراس پاس نہ پھٹک سکتا تھا۔ ان کا نفس مطمئن اور دل قوی تھا۔ اگرچہ تشنہ لبی اور گرسنگی نے جسمانی طاقتوں کو سست و کمزور کر دیا تھا مگر روحانی کس بل اور ایمانی قوتیں فزوں سے فزوں تر ہو رہی تھیں آج وہ جنگ و جدل کیلئے نہیں صرف اپنے خالق سے جانوں کا سودا کرنے کو میدان میں صف آرا ہو گئے تھے۔

وہ فرزند رسول کے ساتھ مواسات برتنے کا حلف اٹھا چکے تھے

اس لئے تیس ہزار یزیدیوں کی جمعیت ان کی نگاہوں میں گرد ملخ سے زیادہ حیثیت کی مالک نہ تھی۔ وہ صراط مستقیم پر رہتے ہوئے تلواروں کی تیز دھاروں پر گذرنے والے دل کے کانوں سے سُن رہے تھے۔ کہ ان کا رسول پکار پکار کر ارشاد کر رہا ہے "اے لوگو! میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک قرآن دوسری عترت۔ یہ دونوں آپس میں کبھی جدا نہ ہوں گے تا آنکہ میرے پاس حوض کوثر پر پہنچ جائیں۔ پس جس نے انکا دامن مضبوط تھام لیا وہ پار ہو گیا اور کبھی گمراہ نہ ہوگا"

کیا حسینؑ کے سوا کوئی اور بھی ہو سکتا ہے جو رسولؐ کی عترت ہونے کا مدعی بن سکے؟ یہ سوال تھا جس کا جواب مجاہدوں کے قلوب نے آج دلیرانہ مظاہرہ کر کے عملی طور پر دیدیا۔ وہ اپنے پاک و پاکیزہ خون کے قطروں سے حق و صداقت کا ثبوت دینے کو تیار تھے۔ ہنوز جنگ کی ابتدا نہیں ہوئی تھی۔ سورج اونچا ہو رہا تھا اور موسمی تپش بڑھتی جاتی تھی یکایک بریر بن خضیر ہمدانی امام سے اجازت لیکر صفوف دشمن کی طرف پند و نصیحت کی غرض سے روانہ ہو گئے انھوں نے اولاً عمر سعد سے کلام کا سلسلہ چھیڑا۔ خدا کے قہر و غضب سے ڈراتے ہوئے فرزند رسولؐ کے قتل سے باز رکھنے کی سعی میں لسانی طاقت صرف کی مگر حکومت رے کی طمع میں بری طرح گرفتار ہو جانے والے سردار لشکر پر ان کی بہترین نصیحتوں نے مطلق اثر نہ کیا۔ اس کی دنیوی تمنائیں امام کے قتل پر منحصر تھیں۔ جس خواب کو کوفہ سے دیکھتا ہوا کربلا تک پہنچا تھا بظاہر اس کی خاطر خواہ تعبیر حاصل ہونے میں بہت ہی تھوڑا وقفہ رہ گیا تھا۔ اس نے بریر کی تقریر خاموشی کے ساتھ سنی مگر کوئی جواب نہیں دیا۔ البتہ اس کی فوج کے بعض کمینہ فطرت رکیک الحرکات عسکریوں نے تمسخر کرتے ہوئے غیر مہذب فقرے کسے جو ان کے باطنی خبث و شیطنت پر دلالت کرتے تھے۔

ناچار بریر اپنے مقصد میں ناکام واپس آئے اور خود امام بہ نفس نفیس ایک ناقہ پر سوار ہو کر دونوں لشکروں کے درمیان بالو کے ٹیلے پر حجت تمام کرنے کو جا کھڑے ہوئے فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرما کر جادۂ حق و راستی سے بھٹک جانے والوں کو صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی دعوت دی جو بے اثر ہوئی بلکہ عمر سعد نے گمراہ کاذبوں کو گواہ کرتے ہوئے رسول زادے کی طرف اپنی کمان سے تیر رہا کرتے ہوئے لڑائی کا اعلان کر دیا۔

امام کا قلب فوج میں مراجعت فرمانا تھا کہ بے شمار تیروں کی آمد نے شہادت کے مشتاقوں کو مجاہدہ شروع ہونے کی نوید پہنچائی۔ وہ مکار لشکریوں کے بزدلانہ حملے سے خائف ہونے والے نہ تھے۔ انھوں نے کشادہ سینے تان کر دشمن کے پھینکے ہوئے زہر آلود تیروں کا استقبال کیا شہادت کے بڑھے ہوئے اشتیاق نے قلب و جگر پیش کرنے پر آمادہ کر دیا۔ جوانمرد جوہر دار شمشیروں کے قبضے چوم چوم کر اپنے سے ہزاروں گنی زیادہ اور لشکر سپر تعداد سے نبرد آزمائی کو بے چین ہو کر آقائے نامدار کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔

تیروں کی بارش پوری طرح تھمنے نہ پائی تھی کہ زیاد اور اس کے بیٹے کے دو غلام یسار و سالم تلواریں چمکاتے ہوئے تیزے ہلاتے قتل گاہ ہو تیغ کے مبارز طلب ہوئے۔

خدا کی فوج سے بریر بن حضیر اور حبیب بن مظاہر نے مقابلے پر نکلنے میں سبقت کرنا چاہی مگر مصلحت شناس آقا نے انھیں روکتے ہوئے عبداللہ بن عمیر الکلبی کو جہاد کا اذن مرحمت فرمایا۔ وہ گھوڑے چمکاتے گئے۔ پہلے مکالمہ پھر مجادلہ شروع ہوا۔ دشمن کا دہرا حملہ رد کرتے ہوئے ایک حریف کو شمشیر کی ضرب سے دو نیم کر کے گھوڑے سے گرا دیا، ہنوز تلوار اس کے ناپاک جسد سے برآمد بھی نہ ہوئی تھی کہ دوسرے حریف نے دوبارہ سر پر تیغ کا وار کر دیا جری نے گھبرائے بغیر وار روکنا چاہا جس سے بائیں ہاتھ کی انگلیاں قطع ہو کر زمین پر جا گریں۔ شیر زخمی ہو کے

بے پناہ ہو جاتا ہے۔ عبداللہ نے بھی جھنجھلاہٹ میں بھر کر اس شدت سے حملہ کیا کہ وہ بھی کٹ کر زمین پر آ رہا۔ دونوں دشمنوں کے قتل سے فارغ ہو کر دلیر رجز پڑھتا ہوا مخالف صفوں کی طرف بڑھا لیکن اس کی باوفا زوجہ ام وہب رجز سے متاثر ہو کر خیمے کی چوب ہاتھ میں لئے رزمگاہ میں آ گئی اور غیور شوہر کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

اس کے معاً بعد ہی عمرو بن الحجاج میمنہ فوج کے ساتھ ذات سے حسینی میسرے کی جانب یلغار کرتا ہوا بڑھا معلوم ہوتا تھا کہ اسلحہ کا فولادی سمندر امڈا چلا آتا ہے۔ زرہ بکتر کی گھٹاؤں میں ہزاروں بجلیاں کوندتی دکھائی دیتی تھیں۔ یہ اتنا پر نہیب و زہرہ گداز نظارہ تھا کہ بڑے بڑے شجاعوں کا پتا پانی کر دیتا ہے، لیکن ان پچاس پیکر مجاہدوں کو مطلق اضطرار نہ ہوا۔ انھوں نے کمال دلیری سے زمین پر گھٹنے ٹیک دیئے نیزے سیدھے کر دیئے اور کچھ ایسی پامردی کا ثبوت دیا کہ عمرو بن الحجاج کو مکڑ دل گشتے چھوڑ کر ناکام واپس ہونا پڑا۔

جنگ کے آتش ریز شعلے پورے زور و شور کے ساتھ بھڑک رہے تھے۔ رزمگاہ متضاد کیفیتوں کا آئینہ بن گئی تھی۔ چھوٹی سی جماعت میں وفا محبت، استقلال و پامردی، سکون نفس، و اطمینان قلب نیز حیرت انگیز شجاعت و شہامت کی محیر العقول مثالوں کی فراوانی تھی۔ اس کے برخلاف لاکھوں کے اژدہام میں اضطرار و ناشکیبائی، جبن و بے حمیتی، خوف جان و طمع زندگی کی بہتات تھی۔ وہ بھیڑ بکریوں کے مانند شیروں کے سامنے سے بھاگتے تھے۔ ایک ایک جوانمرد پر ہزاروں کا زغہ تھا۔ وہ بھی ناکامیوں سے لبریز، فرار سے آلودہ اور ثبات قدم سے بے نیاز!

یہی باعث تھا کہ مخالف سپاہ کے افسران پریشان ہو گئے ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ مٹھی بھر لوگ جنھیں اپنے زعم کے مطابق دور سے ایک تیر بھی مارا جاتا تو دب کر ہلاک ہو جاتے۔ اس بے باکی اور سلیقے سے کیونکر مقابلہ کر رہے ہیں ان کے دماغوں میں کثرت کا غرور پیدا ہو گیا تھا وہ ہمہ تن اس گتھی کے سلجھانے میں مشغول تھے کہ لڑائی کا کونسا طریقہ اختیار کیا جائے جو بجو کے پیلے [?] مجاہدوں پر غلبہ حاصل ہو سکے؟

وہ فتح حاصل کرنے کی فکروں میں غرق تھے اور امام کے پرحوصلہ انصار صفوں میں گھس گھس کے کفر کش تلواروں سے منافقوں کو ہلاک کرتے پھرتے تھے۔ ایک ایک بہادر ضیغم کے مانند جدھر جا پڑتا تھا پرے کے پرے صاف کر دیتا تھا نہج [?] بن سہم جو دیار کربلا کی غلامی اور خانوادے کے شرف سے بہرہ ور تھے عمرو بن خالد اور ان کے پانچ شیر دل ساتھیوں کے شانہ بشانہ مقابلہ کرنے میں مصروف تھے انھوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج آل رسولؐ کے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں یادگار جد و جہد کریں گے حتیٰ کہ اسی سعی و کوشش کے سلسلے میں شہادت سے مشرف ہو کر رسول اللہ کی خدمت میں پہنچ جائیں۔

کربلا کے ہولناک بیابان میں جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی خوں ریزیوں کا سیلاب امنڈتا دکھائی دیتا تھا۔ اسلامی بہادر جان ہتھیلی پر رکھ کر روباہ دل شامیوں کے دل میں ضیغمانہ شکار کھیلتے پھرتے تھے اور دنیوی زندگی پر مرنے والوں کو ان کی بے پناہ تلواروں کی ہلاکت آفرین تیغ سے کسی ایسے کف دشت میدان میں کوئی بھی حسب دلخواہ امن نظر نہ پڑتا تھا۔

یہ حالات تھے جن سے متاثر ہو کر عمرو بن الحجاج نے ان احمقوں کو جو دلاوری کے فریب میں مبتلا ہو کر حسینی سرفروشوں کے منہ چڑھتے اور دل کا حوصلہ نکالنے سے پہلے ہی جہنم کے سب سے بدترین طبقہ کی طرف کوچ کرتے تھے۔ متنبہ کرتے ہوئے کہا: اے بے وقوفو! جانتے ہو کس سے نبرد آزمائی کر رہے ہو؟ یہ ملک کے مشہور شہسوار لوگ ہیں یہ جانوں پر ٹھانے ہوئے لوگ ہیں تم میں سے کوئی شخص ان سے

انفرادی طور پر جنگ کے لئے نہ نکلے مگر ان کی تعداد کم ہے یہ بہت تھوڑی دیر زندہ رہ سکتے ہیں۔ اگر تم سب لوگ مل کر ان کے اوپر پتھر ہی برساؤ تو بھی انھیں قتل کر سکتے ہو۔" عمر سعد نے سنا تو اسے لڑائی کا یہ طریقہ بہت پسند آیا۔ فی الفور لشکریوں میں اعلان کر دیا گیا "اب ادھر سے کوئی پہلوان مبارز طلبی کو نہ نکلے۔"

اس درمیان میں عمرو بن الحجاج نے منتشر اور بے ترتیب ہو جانے والے سپاہیوں کو حربی نظم پر جمع کر کے جنگ پر ابھارنے اور جوش و ولولہ پیدا کرنے کو خطبہ شروع کر دیا۔ "اے اہل کوفہ! اطاعت و فرمانبرداری کے پابند رہو۔ اور اپنی جماعت سے جدا نہ ہو نیز ان لوگوں کے بارے میں ذرا بھی شک و شبہ کو دل میں جگہ نہ دو یہ لوگ دین سے نکل گئے ہیں۔ اور امام وقت (یزید) کے مخالف ہیں۔"

قلب فوج سے سید الشہداؑ نے بھی یہ پرُ از کفر تقریر سنی اور لوگوں کو غلط فہمی سے بچانے کے لئے بلند آواز سے فرمایا "اے عمرو بن الحجاج! تو لوگوں کو میرے خلاف آمادہ کرتا ہے۔ کیا ہم دین سے نکل گئے ہیں اور تو دین پر قائم ہے؟ خدا کی قسم عنقریب معلوم ہوگا، اس وقت جب تمھاری جانیں جسموں سے جدا ہوں گی اور تم اپنے اعمال کے ساتھ دنیا سے جاؤ گے کہ کون دین پر تھا اور کون دین سے پھر گیا تھا اور کون جہنم کی آگ میں جلنے کا مستحق تھا۔"

ان تقریروں نے فریقین کو ایک سخت اور فیصلہ کن حملے کیلئے تیار کر دیا۔ یزیدی میمنہ پھر خونریز جوش و خروش کے ساتھ عمرو بن الحجاج کی قیادت میں بڑھا۔ سرفروش مجاہدوں نے سابق کی طرح پھر زمین پر گھٹنے ٹیک کر نیزے کر دئیے اگرچہ انھوں نے حریف کو پسپا کرنے میں کامیابی حاصل کر لی لیکن ایسا بے بہا ذخر ضائع کر دیا جسکی تلافی دنیا کرنے سے معذور ہے۔ یعنی امام کا عظیم القدر فدائی مسلم بن عوسجہ نے شربت شہادت نوش فرما کر آشنائے کربلا ...

ریتی پر دم توڑ دیا۔

حریف کے حواس باختہ سپاہیوں کو مطلق احساس نہ تھا کہ ان کے ریلے نے عراق کے سب سے بڑے بہادر کو پیس ڈالا۔ مگر شیروں کی زد سے باہر آنے کے بعد حواس درست ہوئے تو مسلم کی کثیر کا نوحہ سن کے حوصلہ بڑھ گیا اور ہمت کر کے پھر مقابلہ کی تیاری کرنے لگے۔ شمر نے بھی میسرہ فوج کو لے کر حسینی میمنہ پر دھاوا بول دیا اور ہزاروں سے تیس سواروں کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ جنگ گاہ گھوڑوں کے بے تحاشا دوڑنے سے لرزنے لگی۔ ہتھیاروں کی جھنکار اور مجروحوں کی چیخ و پکار سے قیامت صغریٰ برپا ہو گئی۔ حسینی ضیغم دشمنوں کی فوج میں ڈوب کر حملے کر رہے تھے۔ جس جانب متوجہ ہو جاتے تھے کوفہ و شام کا مواج سمندر یوں پیچھے ہٹ جاتا تھا جیسے چڑھی ہوئی آندھی اتر جاتی ہے۔ منجھ کبھی چھ بہادروں کی صفوں کو چیرتے پھاڑتے، کشتوں کو روندتے پھاندتے اور تلواروں کی ضربوں سے حریف کو کاٹتے چھانٹتے آخری صف تک جا پہونچے۔

دست بدست لڑائی نے ان پاک جسموں کو چور چور کر دیا تھا۔ جنگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کی لپٹ سے تشنگی بڑھتے بڑھتے اس آخری حد تک پہونچ گئی جہاں انسانی برداشت کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں تاہم وہ کامل یقین رکھتے تھے کہ عنقریب ساقی کوثر کے ہاتھ سے سیراب ہونے والے ہیں۔ پیاس جس قدر زیادہ ہوگی اتنا ہی کوثر کا پانی لذت آفریں ہوگا۔ دشمنوں کے پرے بدحواسی سے بھاگ رہے تھے۔ بھیڑ چھٹ چکی تھی۔ انھوں نے ان کی آن اک نگاہ کی پھر اپنے لشکر کی طرف واپس ہونا چاہا۔ دفعتاً کئی ہزار کی جمعیت نے بہادروں کو چاروں طرف سے اپنے گھیرے میں لیکر وار شروع کر دیئے۔ ہنوز امام کا لشکر تھوڑی دور تھا کہ بھاگتے ہوئے سپاہیوں نے مجتمع ہو کر عقب سے حملہ کر دیا۔ زخمی سورماؤں نے بیگوروکفن

منہ چڑھتے دیکھا تو ان کا جوش و ولولہ بے قابو ہو گیا شہادت کے تمنائی ذرا بھی مضطرب نہ ہوئے لیکن عین اس وقت جبکہ شہادت کا چھلکتا ہوا ساغر ان کے سامنے تھا۔ حسینی علمبردار امام کے حکم سے ان کی کمک کو پہونچ گیا۔ علی کی جنگی مہارت اور یداللہی کس بل پر جوانوں کو بکریوں کی طرح سامنے سے مار بھگایا۔ پھر زخم خوردہ دلیروں کو لشکر کی طرف واپسی کا حکم دے کر اپنی حفاظت میں لے چلا۔ وہ خون آلودہ تلواریں سونتے ہوئے پھر اسی بادل میں ڈوب گئے۔ مگر ان کے دست و بازو بیکار ہو چکے تھے اور ہر سو پچاس قدم کے بعد کوئی نہ کوئی سرفروش شہید ہو کے گر جاتا تھا۔ رفتہ رفتہ سب شہید ہو گئے۔ منہج کو بھی جنت کا اشتیاق بے چین کر رہا تھا انھوں نے دانتوں کو دانتوں میں دبا کر شیرانہ حملہ بول دیا۔ جہاں تک کہ ہاتھوں میں طاقت رہی شمشیر زنی کرتے رہے مگر کب تک۔ آخر ایک محل ایسا بھی آگیا کہ حسان بن حنظلی کی مومن کش تلوار نے انکی آرزوئے شہادت پوری کر دکھا۔

انصار کو کثرت سے شہید ہوتے دیکھکر امام کا ارشاد!

خداوند عالم یہودیوں پر بے حد غضب ناک ہوا کیونکہ انھوں نے اس کے بیٹے لڑکا قرار دیا تھا۔ عیسائیوں پر بے حد غضب ناک ہوا کیونکہ انھوں نے خدا کو تین میں کا تیسرا قرار دیا۔ مجوسس پر بے حد غضب ناک ہوا کیونکہ انھوں نے خداوند عالم کو چھوڑ کر آفتاب و ماہتاب کی پرستش کی۔ اب اس قوم پر شدید غضبناک ہوگا جنھوں نے اپنے پیغمبر کے نواسے کے قتل پر اتحاد کیا ہے۔ خدا کی قسم وہ جو مجھ سے چاہتے ہیں اس میں ایک بات بھی میں منظور نہ کروں گا — یہاں تک کہ میں اپنے خون میں رنگا ہوا خدا سے ملاقات کر دوں۔ اس کے بعد آپ نے باواز بلند فرمایا:

کیا کوئی فریاد کو پہونچنے والا نہیں جو میری فریاد کو پہونچے — کیا کوئی دشمنوں کو دفع کرنے والا نہیں جو حرم رسول سے دشمنوں کو دفع کرے

امام کی اس فریاد پر اہل حرم کی صدائے گریہ و نالہ بلند ہوئی!

حضرتِ جونؑ

(از جناب باقر رضوی امانت خانی)

اے شہیدِ راہِ حق اے جونؑ اے عالی مقام
تجھ پہ بھیجا ہے ائمہؑ نے زیارت میں سلام

مٹ نہیں سکتا ترا تاریخِ عالم سے بیاں
خون سے لکھی ہوئی ہے کربلا کی داستاں

تیری رگ رگ میں بھری تھی الفتِ شاہِ امم
رنگ تک مخمورِ نشہ تھا سنگِ اسود کی قسم

جان دینا حق پہ تھی تیرے لیے آسان بات
تولتا تھا خون کے قطروں سے تو وزنِ حیات

امتیازِ رنگ میٹا فاطمہ کے ماہ نے
تجھکو بھی پانی دیا سب کے برابر شاہ نے

جب محمدؐ کا پسر دریا پہ پیاسا رہ گیا
کربلا کے بن میں سارا خون تیرا بہہ گیا

خواہشوں سے نفس کی آزاد تھا تولا کلام
حُرّیت قربان تجھ پر اے غلامِ نیک نام

تھی تری تقدیر ہی میں نصرتِ شاہِ زمن
کربلا میں خاک تیری اور حبش تیرا وطن

تھے جبیں پر نزع میں قطرے پسینے کے عیاں
یا تھے گردونِ شہادت پر ستارے ضوفشاں

رشک کے قابل بوقتِ نزع تیرا بخت تھا
پائنتی عابدؑ تھے بالیں پر امامؑ وقت تھا

کیا مقام خاص ہے تیرا جہانِ ناز میں
تو شہیدوں میں فقط تنہا ہے اس اعزاز میں

زلف تھی رخ پر پریشاں لے رہا تھا ہچکیاں
یا شبِ عاشور کا دامن ہوا تھا دھجیاں

لاش بھی تیری اٹھائی سرورِ دلگیر نے
کی ہے ثابت یوں مساواتِ عمل شبیرؑ نے

تجھ کو جائے امنِ زہراؑ کے گلستاں میں ملی
بعد مرنے کے جگہ گنجِ شہیداں میں ملی

راہِ خود داری پہ چل کر ہو گیا ہے تو شہید
شاہ تو ہے نفس کی عزت کا اے عبدِ سعید

سر کٹا کر کربلا میں جانبِ منزل گیا
خون میں شبیرؑ کے تیرا لہو بھی رل گیا

اشک کے گوہر کیا ہیں تیرے لیے بھی پیش کش
ہم غلاموں کو ہے تجھ پر فخر اے فخرِ حبش

ناصرِ ابنِ شہ کا باقرؔ کیوں نہ ہو عالی مقام
بابی انتم و امی کہتے ہیں جب خود امام



گلدستہ

وہ

انصارِ حسینؑ

جو

فوجِ یزیدی کو چھوڑ کر خدمتِ امام میں آئے

حصّۂ نظم

آرزو لکھنوی

بانو سیّدپوری

حصّۂ نثر

مصطفےٰ حسن رضوی

ارشاد حسین صاحب وکیل

باقر رضا ملناپوری

نجم الحسن نثار

فہرست

حصۂ نثر

حصۂ نظم

وہ انصار جو فوج یزیدی کو چھوڑ کر خدمت امام میں چلے آئے

مصطفےٰ احسن رضوی مدیر سرفراز

عام طور پر مشہور تو یہی ہے کہ جناب حُرؑ فوج یزیدی سے علاحدہ ہو کر خدمت امام میں تشریف لائے اور اپنی جان عزیز حضور کے قدموں پہ نچھاور کی۔ لیکن تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک حضرت حُرؑ ہی نہیں تھے بلکہ ایسے متعدد افراد تھے جو امامؑ مظلوم کے خطبوں سے اور اہل بیت اطہار کی بے بسی مجبوری اور مظلومی سے متاثر ہوئے اور موقع ملتے ہی خدمت امام میں چلے آئے اور نصرت امام کرتے جام شہادت نوش فرمایا۔

فوج دشمن سے پلٹ کر خدمت امام میں حاضر ہونے والوں میں کچھ ایسے برگزیدہ افراد بھی تھے جو دل سے شیعہ علی تھے اور امام وقت کے سچے وفادار مگر نامساعد حالات کی بنا پر وہ نصرت امام کے کھلم کھلا اعلان اور ارادہ سے کربلا نہیں جا سکتے تھے اس لئے کہ راستے مسدود اور ہر راہ پر پہرے بیٹھے ہوئے تھے کسی مسافر کو بغیر پوری جانچ پڑتال کے بصرہ و کوفہ سے کربلا کی طرف جانے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ اور جس مسافر کے متعلق یہ شبہ بھی ہو جاتا کہ وہ امام حسینؑ کی مدد کے لئے جا رہا ہے اس کی جان محفوظ رہنے کا کوئی امکان نہ تھا ان مخلصین کے لئے جو نصرت کی سچی خواہش کے باوجود بھی کوفہ میں حضرت مسلمؑ کی مدد کے لئے نہیں پہونچ سکے تھے اور ابن زیاد کی ہوش ربا سختیوں سے بچنے کے لئے مخفی (Under ground) ہو گئے تھے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا کہ وہ فوج یزید میں شامل ہو کر اپنے آپ کو کسی طرح کربلا پہونچا دیں تاکہ اس طرح حضرت امام حسینؑ کے جوار میں پہونچ کر جب موقع ملے اور حالات اجازت دیں وہ لمحوں کے اندر فوج یزید سے کٹ کر چند قدم کی مسافت طے کر کے حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہونچ جائیں۔ جنہوں نے تک پہونچنے کے لئے انھوں نے مجبوراً دو رُخ کا یہ وقتی راستہ اختیار کیا تھا۔ ذیل میں ہم ان انصار حضرت امام حسینؑ کے حالات درج کر رہے ہیں۔

(۱) جوین بن مالک بن قیس بن ثعلبہ تیمی

آپ قبیلہ تیم سے تو نہ تھے مگر رہتے اسی قبیلہ کے ساتھ تھے اسی لئے ان کی نسبت اسی قبیلہ کی طرف ہونے لگی اور آپ تیمی کہلائے جانے لگے۔

جب ابن زیاد نے حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ کے لئے اپنی فوج میں قبائل کی بھرتی کرنا شروع کی تو قبیلہ بنی تیم کے ساتھ یہ بھرتی ہو گئے اور عمر سعد کے لشکر کے ساتھ کربلا پہونچے۔ جوین حالات کا برابر مطالعہ کرتے رہے اور جب آپ نے یہ دیکھا کہ امام کی پیش کی ہوئی کوئی شرط بھی منظور نہیں کی گئی تو آپ کو یقین ہو گیا کہ فوج اعداء بغیر جنگ کئے ہوئے نہ رہے گی تو آپ کے جوش ایمانی نے آپ کو دوزخ کا راستہ ترک کر کے جنت کا راستہ اختیار کر لینے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ تنہا نہیں بلکہ اپنے قبیلہ کے بعض دوسرے افراد کے ساتھ رات کے وقت فوج دشمن سے الگ ہو کر امام کی طرف آ گئے اور جنگ مغلوبہ میں شہادت پائی۔

(۲) حارث بن امرالقیس بن عابس کندی

آپ بھی جناب جوین کی طرح عمر سعد کی فوج میں شامل تھے مگر جب آپ نے دیکھا کہ حضرت امام حسینؑ کی پیش کردہ شرطوں میں سے ہر شرط کو مسترد کر دیا گیا ہے تو آپ فوج اعداء سے جدا ہو کر خدمت امام میں حاضر ہو گئے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

حارث بن امرالقیس بڑے آزمودہ کار نبرد آزما تھے اور مختلف جنگوں میں بڑے بڑے کارنامے کر چکے تھے۔ ان کے مذہبی ثبات و احساس کے ثبوت میں اس واقعہ کا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ قلعہ مجبر کا جبکامو

کیا گیا ہے تو محاصر فوج میں آپ بھی شامل تھے۔ غلبہ حاصل کر لینے کے بعد جب مرتد محصورین کو قلعہ سے باہر نکال کر قتل کیا جانے لگا ہے تو حارث اپنے حقیقی چچا پر حملہ آور ہوئے۔ چچا نے تعجب سے کہا کہ تم بھتیجے ہو کر مجھ پر حملہ کر رہے ہو۔ حارث نے جواب دیا کہ تم تو میرے چچا ہی ہو مگر خدا تو میرا پیدا کرنے والا اور پالنے والا ہے اس کے حکم کے سامنے اس قرابت کا پاس نہیں کیا جا سکتا۔ یہ کہہ کر ان کی تلوار نے مرتد چچا کا کام تمام کر دیا۔

(۳) جابر بن حجاج تیمی

آپ حضرت مسلم بن عقیل کے حامیوں میں سے تھے مگر جب کوفہ کے ناساز گار حالات نے حضرت مسلم کی نصرت سے مجبور کر دیا تو آپ اپنے قبیلہ "تیم اللہ بن ثعلبہ" میں آ کر روپوش ہو گئے۔ جب آپ کو یہ خبر پہونچی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کربلا پہونچ چکے ہیں تو آپ عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہونچے اور چھپ چھپا کر کسی طرح اپنے آپ کو خدمت امام میں پہونچا دیا اور روز عاشور جنگ مغلوبہ میں آپ شہید ہوئے۔

جناب جابر بن حجاج پہلے غلام تھے مگر ان کے آقا عامر بن نہشل تیمی نے انہیں آزاد کر دیا تھا۔ وہ بڑے نبرد آزما سپاہی اور کوفہ کے باشندے تھے۔

(۴) جلاس بن عمرو ازدی راسبی

(۵) نعمان بن عمرو ازدی راسبی

یہ دونوں بھائی کوفہ کے باشندے اور امیر المومنین حضرت علیؑ کے اصحاب میں سے تھے۔ جناب جلاس امیر المومنین کے عہد خلافت میں کوفہ میں پولیس کے افسر تھے اور جناب نعمان جنگ صفین میں بھی شریک تھے آپ کا نام بعض کتابوں میں جلاس، خلاس اور حلاسی بھی لکھا ہے جو طباعت کی غلطی معلوم ہوتی ہے۔ شیخ طوسی نے آپ کا نام اصحاب امام حسینؑ کی فہرست میں بھی شامل کیا ہے۔

یہ دونوں بھائی عمر سعد کی فوج میں بھرتی ہو کر کربلا پہونچے اور جب امام کے شرائط صلح مسترد کر دیے گئے تو آپ دونوں کسی نہ کسی طرح چھپ چھپا کر خدمت امام میں پہونچ گئے۔ دونوں حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

(۶) زہیر بن سلیم بن عمرو ازدی

آپ بھی عمر سعد کی فوج ہی میں بھرتی ہو کر کربلا پہونچے تھے جب ۹ محرم کا دن گزر کر رات آئی اور حالات نے اس کا یقین دلا دیا کہ اب صلح کی کوئی صورت نہیں ہے اور حضرت امام حسینؑ کے تمام پیش کردہ شرائط کو ٹھکرا دیا گیا ہے اور صبح کو جنگ یقینی ہے تو اب آپ کا فوج اعدا میں رہنا ناممکن ہو گیا اور آپ نے امام کی خدمت میں پہونچنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ آپ صحیح مرکز پر آ کر نصرت امام کرتے ہوئے حملہ اولیٰ میں امام پر اپنی جان تصدق کر دی۔

زیارت شہدا میں بھی نام لیکر آپ پر سلام کیا گیا ہے۔

(۷) ضرغامہ بن مالک تغلبی

آپ نے بھی کوفہ میں جناب مسلم کی بیعت کی تھی مگر ان کی شہادت کے بعد جب حالات بالکل ہی بدل گئے تو آپ بھی مخفی (Under Ground) ہو گئے اور کسی مناسب وقت کا انتظار کرنے لگے۔ جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ کے لئے کربلا فوجیں بھیجی جا رہی ہیں تو آپ نے بھی فوج میں بھرتی ہو کر کربلا پہونچنے کی سبیل نکال اور پھر امام حسینؑ سے جا کر ملحق ہو گئے۔ آپ کی شہادت بھی حملہ اولیٰ میں ہوئی ہے۔

(۸) مسعود بن حجاج تیمی

(۹) عبدالرحمٰن بن مسعود

جناب مسعود بن حجاج تیمی اور ان کے صاحبزادہ عبدالرحمٰن

دونوں فوج عمر سعد میں شامل ہو کر کربلا پہونچے تھے۔ ساتویں محرم کو دونوں باپ بیٹے امام کی خدمت میں سلام کرنے حاضر ہوئے تو جذبۂ ایمانی نے پھر واپس جانے کی اجازت ہی نہ دی اور یہ دونوں بزرگوار حملۂ اولی میں درجۂ شہادت پر فائز ہوئے۔ زیارت شہداء میں دونوں پہ ایک ساتھ سلام کیا گیا ہے۔

مسعود بن حجاج کوفہ کے معتبر و معروف شیعوں میں سے تھے اور بہت سی جنگوں میں شریک ہو چکے تھے اس اعتبار سے تجربہ کار شہسوار تھے۔ آپ کا شمار اصحاب امام حسینؑ میں بھی کیا گیا ہے۔

(۱۰) عبد اللہ بن بشر خثعمی

آپ نے بھی فوج عمر سعد میں شامل ہو کر اپنے آپ کو کربلا پہونچانے کی تدبیر پر عمل کیا اور اس میں کامیاب ہوئے۔ موقع ملتے ہی آپ خدمت امام میں پہونچ گئے اور حملۂ اولیٰ میں شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

آپ کے والد بشر بن ربیعہ اپنے عہد کے مشہور و معروف شخص تھے جنھیں بڑا آزمودہ کار سپاہی ہونے کا فخر حاصل تھا۔ جنگ قادسیہ میں بھی ان کا نام تاریخ کے اوراق پہ نظر آتا ہے۔ کوفہ کا مشہور احاطہ "جبانہ بن بشرؓ" کے نام سے پکارا جاتا تھا آپ ہی کے نام سے منسوب تھا۔ قدرت کی طرف سے آپ کے فرزند جناب عبد اللہؓ کو بھی وہی اوصاف شجاعت و شہرت ورثہ میں ملے تھے اور یہی وہ صفات تھے جن کے باعث انھیں میدان کربلا میں نصرت امام کرتے ہوئے شہادت کی سعادت نصیب ہوئی۔

(۱۱) عمر بن ضبیعۃ بن قیس بن ثعلبہ ضبعی تمیمی

آپ عمر سعد کی فوج میں شامل ہو کر کربلا آئے اور پھر نصرت امام کے جذبہ نے امام کی خدمت میں پہونچا دیا جنگ مغلوبہ میں شہید ہوئے۔ آپ بڑے شجاع اور آزمودہ کار سپاہی تھے اور معارکوں میں بڑے بڑے کارنامے کئے تھے۔ شیخ طوسی

علیہ الرحمہ نے انھیں حضرت امام حسینؑ کے اصحاب میں بھی شمار کیا۔

(۱۲) قاسم بن حبیب

پورا نام و نسب یہ تھا قاسم بن حبیب بن ابی بشر ازدی کوفہ کے دلیر اور نامور شیعوں میں شمار ہوتے تھے نیز انھیں اصحاب امام حسینؑ میں بھی منسوب کیا گیا ہے۔ عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہونچے اور پھر خدمت امام میں باریابی حاصل کر کے شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے۔ زیارت شہداء میں ان پر بھی سلام مذکور ہے۔

(۱۳) بکر بن حی تیمی

آپ بھی عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا آئے تھے مگر خوش نصیبی نے ساتھ دیا اور آپ نے جہنم کا راستہ ترک کر کے جنت کا سیدھا راستہ بالکل بر وقت اختیار کیا اور روز عاشور جنگ چھڑنے کے بعد آپ امام حسین علیہ السلام کی طرف آ گئے اور حملۂ اولیٰ کے بعد درجۂ شہادت حاصل کیا۔

(۱۴) حُر بن یزید ریاحی

حُر بن یزید ریاحی ابن زیاد کی فوج میں ایک بڑے عہدہ پر فائز تھے اور اس لشکر کے افسر اعلیٰ تھے جو حضرت امام حسینؑ کو کوفہ تک پہونچنے سے روکنے کے لئے ابن زیاد نے تعینات کیا تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ کئی جنگوں میں شرکت کر چکے تھے۔ جناب حُر قادسیہ کی اس فوج میں بھی شامل تھے جو ناکہ بندی کے لئے معین کی گئی تھی۔

حُر کے جسم خاکی میں ایک سعید روح پنہاں تھی۔ ان کا خمیر نیکی و سعادت سے بنا تھا اور جس کی طینت و فطرت میں نیکی شامل ہوتی ہے وہ بُرے سے بُرے ماحول میں رہ کر بھی بالآخر اپنے اصل مرکز کی طرف ضرور عود کرتا ہے۔ یہی حالت جناب حُر کی بھی تھی۔ انسان نما شیطانوں کے جھرمٹ میں گھرے ہونے کے باوجود ان میں نیکی و انسانیت بدرجۂ اتم

موجود تھی۔ دل ان کا حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ تھا مگر مجبوریاں انہیں دشمن کے کیمپ میں رکھے ہوئے تھیں اور وہ اس وقت تک اس کیمپ میں موجود رہے جب تک کہ انہیں اس کا یقین نہ ہو گیا کہ یہ نام نہاد مسلمان امام کو بغیر شہید کئے باز نہ آئیں گے۔ اب یہ وقت وہ تھا جب مخالف کیمپ میں موجود رہنا منافی عدل و مذہب تھا اس لئے جناب حُر نے عیش و آرام، اختیار و اقتدار، جاہ و منصب، دنیاوی کامیابی کا مراق چھوڑ کر اس انسان کامل سے ملحق ہو جانا ضروری سمجھا جس کے پاس مادی راحت و آرام کے اسباب کا فقدان تھا۔ ناکامی اور تباہی و بربادی کا یقین تھا، بھوک تھی، پیاس تھی، مصائب و آلام تھے، ہلاکت و موت تھی اور اپنے بعد اپنے اہل عیال اور خاندان والوں کو مصیبت میں مبتلا کر دینا تھا مگر حُر کے جذبہ ایمانی نے سب مصیبتوں اور پریشانیوں کو گوارا کر لیا لیکن عمر سعد ابن زیاد۔ اور یزید کے احکام و ہدایات پر عمل کرتا اور ان کی خوشنودی کو ملحوظ رکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ آپ میں وقتیکہ جب کہ کوئی طور میں معرکہ کربلا عمل شکل اختیار کرنے والا تھا فوج عمر سعد سے نکل کر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں جا پہنچے اور عذر تقصیر کرا کے چند ہی ساعت میں وہ تمام مراحل طے کر لئے جو ایک شہید کو اس مادی دنیا سے دائمی زندگی والے عالم میں پہنچنے میں طے کرنا پڑتے ہیں۔

بہر حال حقانیت کی یہ بھی ایک کشش ہے کہ ایک جناب حُر ہی نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی متعدد حضرات فوج عمر سعد کے آرام و آسائش زندگی بھر کے سکون و چین اور اقتدار و منصب پر لات مار کر حضرت امام حسینؑ کی طرف آگئے جن کے پاس تشنگی و گرسنگی، مصائب و آلام اور تباہی و ہلاکت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس کے برخلاف کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی یہ نہیں بتاتی کہ حسینی گروہ میں سے کوئی متنفس ٹوٹ کر فوج یزید کی طرف گیا ہو۔

اصحابِ امامؑ کی گفتگو

اے لوگو! خدائے عز و اسمہ سے ڈرو، اس نے بندوں کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ لوگ اسے پہچانیں۔ جب بندے اسے پہچان لیں گے تو اس کی عبادت بھی کریں گے اور جب اس کی عبادت کریں گے تو اس کی عبادت کر کے غیر کی عبادت سے بے نیاز ہو جائیں گے۔ ایک شخص نے کہا کہ اے فرزند رسولؐ معرفت خدا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ہر زمانہ کے لوگوں کے لیے معرفت کا ذریعہ وہ امام ہے جس کی اطاعت ان پر واجب ہے۔

حُرّ بن یزید الریاحی تمیمی

اَنۡتَ حُرٌّ فِی الدُّنۡیَا وَالۡاٰخِرَۃِ (قول امام حسینؑ)

ترجمہ:- تو دنیا میں بھی حر ہے اور آخرت میں بھی۔

(جناب سید ارشاد حسین صاحب آزہرؔ وکیل رائے بریلی)

۱۔ وجاہت خاندانی } اجداد جناب حر اشراف کوفہ میں سے تھے اور نور اسلام کے جلوہ گر ہونے سے بہت پہلے سے ذی وجاہت افراد تھے۔ قبیلۂ بنی تمیم کا شمار اشراف عرب میں تھا۔ آپ کے دادا عتاب کو عہدہ ردافت حاصل تھا۔ قبائل کی تنظیم اور ان کی سرداری اور دیگر تمدنی مراتب کو سمجھنے کے لئے عرب کے قدیم تمدن پر نظر ڈالنی ہوگی۔ ردافت جسے آج شعرا محض اشعار کی نسبت سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں قدیم عرب میں وزارت کے عہدہ کے برابر تھا۔ ردیف بادشاہ کے داہنے جانب مثل دست راست نشست پاتا تھا دربار میں جس کی یہ جگہ مخصوص تھی دسترخوان پر اس کا یہ رتبہ تھا کہ بادشاہ کے بعد سب سے پہلے طعام کرے۔ سفر میں یہ منزلت تھی کہ بادشاہ کی سواری کے برابر سوار ہو کر ہم رکاب و ہم لجام ہو۔ بادشاہ کی عدم موجودگی میں اس کا قائم مقام ہو کر احکام جاری کرے۔ اس اجمالی تعریف سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جناب حر کے جد اعلیٰ ردیف ہونے کی حیثیت سے کس اعلیٰ پایہ کی شخصیت رکھتے تھے۔ نعمان ابن منذر نے عتاب کو عہدۂ ردافت دے کر ان کی منزلت کو واضح کر دیا تھا۔

۲۔ ذاتی وجاہت } حر رئیس و شریف کوفہ تھے زمانۂ قدیم کا دستور بڑے شہروں کے متعلق یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر کی وسعت پر نظر رکھتے ہوئے اسے مناسب تعداد کے حصص میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ کوفہ کی اہمیت خلافت دوم میں زیادہ ہو گئی تھی۔ مشرقی فتوحات کے لئے نزدیک محاذ افواج کا رکھنا نہایت ضروری تھا چنانچہ کوفہ کی شکل چھاؤنی کی طرح کی ہو گئی اور افواج قاہرہ کا مرکز کوفہ ہو گیا۔ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت ظاہری کے زمانہ میں اسے دوہری عظمت حاصل ہو گئی کوفہ دار الخلافت بھی ہو گیا تھا امامت حقیقی نے اسے ابھار کر اور منور کر دیا۔ کوفہ ایک وسیع و عریض شہر ہونے کی حیثیت سے چار قطعات میں تقسیم سمجھا جانے لگا چنانچہ کوفہ کو ارباع کوفہ کہنے لگے۔ جناب حر ارباع کوفہ کے ایک ربع کے سردار و سرخیل تھے۔ یہ ربع جس کی ریاست حضرت حر کے زیر اقتدار تھی وہ تھا جس میں بیشتر یمنی قبائل سکونت رکھتے تھے وہ سب حرب و ضرب کے فن میں یکتائے روزگار تھے شان و شوکت میں منفرد تھے۔ ایسے شجاع و سرآمد روزگار افراد کا قائد وہی ہو سکتا ہے جو ان منفرد افراد میں افضل و اکمل ہو چنانچہ کتب تواریخ حر کو اشجع عراق تحریر کرتی ہیں یہی وجہ تھی کہ ابن زیاد نے ایسے رئیس کو توڑ کر اپنی ملازمت خاص میں بطور تنخواہ دار رکھ لیا اس طرح جسم حر خرید لیا گیا تاکہ امام وقت کے خلاف اس کی شجاعت سے فائدہ اٹھایا جائے۔ پروانۂ تقرری دے کر حر کو ابن زیاد نے قادسیہ کے ناکے پر ناکہ بندی کے لئے حصین بن نمیر کے ساتھ متعین کر دیا یہ تو ناممکن ہے کہ حر اپنے فرائض منصبی سے ناواقف ہوں۔ حر ضرور واقف تھے کہ سبط رسول کے لئے جال بچھایا جا رہا ہے۔ امام زمانہ کوفہ آ رہے ہیں اور اہل کوفہ کے بلانے سے آ رہے ہیں لیکن میں راستہ روکنے پر مامور ہوں۔ یقیناً دل ملامت کرنے لگا ہوگا آپ جب دار الامارہ سے نکلنے لگے تو آواز غیب سنی "ابشر یا حر بالجنۃ" (اے حر جنت مبارک ہو) خدا جانے یہ ضمیر کی آواز تھی یا ہاتف نے انجام سے باخبر کیا۔ بہرحال اس وقت تو حر کو استعجاب ہوا اور ادھیڑ بن میں خیالات ہچکولے کھانے لگے۔

۴۔ حُر کے فرضِ منصبی و فرائضِ دینی میں تصادم

امام حسینؑ مدینہ سے غریب الوطن ہو کر نکلے۔ شفیق ماں کی لحد چھوٹی۔ نانا کا روضہ چھوٹا۔ بھائی حسنؑ کی قبر چھوٹی۔ مکہ پہونچے تو کوفہ سے خطوط کی آمد شروع ہوئی "لیس علینا امام" ہم کو امام کے سایہ کی ضرورت ہے آیئے ورنہ ہم روزِ قیامت رسولِ خداؐ سے شکوہ کریں گے کہ آپ کے فرزند نے ہماری رہنمائی نہ کی۔ ہر چند کہ مکہ دارالامن تھا لیکن امامِ زماں کے لئے وہاں بھی حجاج کے لباس میں قاتل تلواریں تیز کئے موجود تھے۔ امام حسینؑ نے امامت کے فرائض ادا کرنے کے لئے کوفہ جانا ضروری سمجھا۔ انجام سے باخبر تھے اپنی منزلِ آخر کے راستہ پر چل نکلے۔ یہاں تک کہ منزلِ شراف آگئی۔ کوفہ نزدیک آگیا۔ یہ منزل امام حسینؑ کے سفر میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہیں سے امام حصار میں لے لئے گئے۔ یہیں سے کربلا کا سفر شروع ہو گیا۔ یہیں حسینؑ کو یہ عزم کر لینا پڑا کہ ذلت کی زندگی پر عزت کی موت کو ترجیح دے کر راہِ خدا میں سر دینا عالمِ انسانیت کو بیدار کرنے کے لئے ضروری ہے۔ واقعات نے مسافروں کو کربلا کے ریگستان کی طرف موڑ کر فنا میں اسبابِ بقا پیدا کر دیئے۔ حالات بگڑے تو کربلا سنور گئی۔ زمانہ مخالف ہوا تو مشیت نے موافقت کی۔ جس سرزمین کی مٹی سونگھ کر امام نے پہچانا وہاں اپنا اور اپنے رفقاء و اعزا کا خون بہا کر اسے عالم میں روشناس کرا دیا۔ کربلا کو کربلائے معلیٰ بنا دیا۔ امامت کے اہتمام ملاحظہ ہوں۔

منزلِ شراف میں سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ ارشادِ عالی ہوا کہ پکھالیں پانی سے بھر لی جائیں۔ سب سمجھے کہ ہاں گرمی کا موسم ہے ریگستان کا سفر درپیش ہے۔ پانی اکثر نایاب ہو جاتا ہے۔ عورتوں اور بچوں کی پیاس کا خیال بھی ضروری ہے لیکن کسے کون سمجھا کہ دشمنوں کی پیاس بجھانے کے فریضہ کو ادا کرنے کی رسم ڈالی جانے والی ہے۔ عدو کی مہمان نوازی ہوگی۔ محصور کرنے والوں پر کرم کیا جائے گا۔ پانی کا انتظام ہو چکا قافلہ روانہ ہو گیا یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ فکبر رجل منھم اللہ میں سے کسی نے باوازِ بلند اللہ اکبر کہا۔ فقال الحسین اللہ اکبر لِمَ کبرت۔ امام عالی مقام نے فرمایا اللہ اکبر۔ لیکن تکبیر کہنے کا کیا سبب؟ تکبیر کہنے والے نے کہا کہ مجھے نخلستان نظر آ رہا ہے۔ سامنے کھجور کے درخت سربلند نظر آتے ہیں۔ لوگوں نے کہا یہاں تو ہمارے علم میں کوئی نخلستان نہیں ہے۔ اب وہ حرکت کرنے والا نخلستان نزدیک آ گیا۔ معلوم ہوا کہ جسے اس شخص نے درخت سمجھ رکھا تھا وہ متحرک ہزار نفوس کی فوج کے سواروں کے نیزے تھے۔ فوراً امام حسینؑ کا خیال اہل و عیال اور عورتوں بچوں کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوا۔ سبطِ رسولؐ کے ساتھ آلِ رسولؐ تھے۔ عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے۔ کربلا تک ان سب کو پہنچانا تھا اور ان سے کام لینا تھا۔

بائیں جانب ذوحسم کی پہاڑیاں تھیں آپ نے اس پہاڑی کو اپنے عقب میں لے کر پردگیانِ عفت و عصمت کے لئے خیام نصب کرائے اور جوانانِ بنی ہاشم تلواریں تولے ہوئے خیام اور امام کے درمیان آ کھڑے ہوئے۔ امام نے دیکھا کہ دشمن پر پیاس کا غلبہ ہے۔ چہرے مرجھائے ہیں ہونٹ خشک ہیں۔ گھوڑوں کی زبانیں شدتِ عطش سے باہر نکلی ہوئی ہیں۔ کریم ابنِ کریم نے دشمنوں کے نیزوں اور نیزوں کی انیوں کو نہ دیکھا تلواروں کی چمک اور سنانوں کی جھلک پر نگاہ نہ کی اس محسنِ انسانیت نے انسانوں کے افسردہ چہروں کو دیکھا۔ اسد بیشۂ شجاعت جنابِ عباسؑ کے تیور پر نظر کی انسان نوازی کی فکر میں عورتوں بچوں کی پیاس کو فراموش کر دیا۔ دشمنوں کی آمد نے ایک سناٹا پیدا کر دیا تھا۔ دفعتاً امام عالی مقام علی اکبرؑ کی طرف متوجہ ہوئے۔ بیٹا یہ سب پیاسے ہیں انہیں پانی پلاؤ۔ حکمِ امام میں جائے دم زدن نہ تھی لیکن محبت نے جرأت دلائی۔ پشت سے نکل کر ستارۂ سکینہؑ سامنے آیا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا آقا بچوں کا ساتھ ہے اور سفر طویل ہے۔ ارشاد ہوا۔ بچوں کا خدا حافظ و مالک۔ لیکن یہ سب پیاس سے جاں بلب ہیں۔ وقت اسی کا متقاضی ہے کہ ان کی پیاس بجھائی جائے۔

جنابِ عباسؑ غصہ پی گئے اور سب کو پانی پلانے میں مصروف ہو گئے۔ پکھالیں خالی ہو گئیں تو ہو گئیں۔ بچے پیاسے رہ گئے تو رہ جائیں یہ تو آلِ رسولؐ کی شان ہی ہے۔ لیکن دشمن سیراب کر دیئے جائیں۔ اس واقعہ کی جان یہ ہے جیسے خود علی بن طعان ذکر کرتا ہے کہ میں قافلہ سے پیچھے رہ گیا تھا بعد میں پہونچا تو میری حالت یہ تھی کہ زبان میں کانٹے پڑے تھے حواس بجا نہ تھے۔ بات کرنا بلکہ سمجھنا ناممکن ہو رہا تھا۔ امام خود میرے پاس آئے اور مجھ سے فرمایا کہ اے شخص اونٹ بٹھا دے۔ میں سمجھ نہ سکا یہاں تک کہ

آپ نے اپنے ہاتھوں سے مجھ کو سیر و سیراب کیا۔ حسینؑ نے دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک کرنا تو اب وجد سے ورثہ میں پایا تھا۔ یہ اخلاق تو اہلبیتؑ سے مخصوص تھا۔ سیراب کر چکے تو دریافت کیا کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو۔ سردار کو سامنے بلایا۔ حر سامنے آئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا میں تو کسی کی بادشاہت میں خلل ڈالنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔ تمھیں لوگوں نے مجھے ہدایت کے لئے بلایا تو مکہ سے آیا ہوں اور بچوں عورتوں سمیت سفر کی صعوبتیں جھیلی ہیں۔ اصحاب کو حکم دیا کہ وہ تمام خطوط کی خورجیاں لے آئیں اور حر کے سامنے پیش کر دیں۔ حر کے دل و دماغ پر عجیب کیفیت پیدا ہوئی آل رسول کی عزت اور حسینؑ کی عظمت اور شان کرم کو دیکھ کر اس طرف متوجہ کرنے لگی اور منصب عہدہ کے فرائض سے باطنی جنگ شروع ہو گئی۔

۴۔ حر کی رتبہ دانی و حق شناسی اور مجبوری و معذوری

ظہر کا وقت آگیا۔ امام حسینؑ نے حجاج ابن مسروق کو حکم دیا کہ اذان دیں اور سب کو وحدہٗ لاشریک کے حضور ایستادہ ہونے کی دعوت دیں۔ مؤذن نے اذان دی۔ حر نے فیصلہ کیا کہ ابن رسول کے عقب میں نماز پڑھنا سعادت عظیم ہے اسے حاصل کرنا چاہیے۔ امام آگے بڑھے۔ اعزا نے دشمنوں کے ساتھ صف باندھی۔ دوستوں اور دشمنوں کی باہم ایک ہی امام کے پیچھے نماز ادا ہوئی۔ اس لحاظ سے وادی ذوحسم کو تفوق حاصل ہوا۔ یہاں یہ کہنے والا کوئی نہ نکلا کہ اے حسینؑ تمہاری نماز مقبول نہیں۔ یہ تو کربلا میں روز دہم آواز پہلی بار سنی گئی کہ جن کے دم سے نماز قائم ہوئی ان کی نماز درست نہیں۔ اسی طرح عصر کی نماز بھی ہوئی۔ امام حسینؑ نے اس منزل پر دشمنوں کے سامنے خطبے ارشاد فرمائے۔ طبری اور شیخ مفیدؒ قمطراز ہیں۔

فحمد اللہ واثنی علیہ	اور حمد و ثنائے الٰہی کے بعد
ثم قال ایہا الناس انی لم	فرمایا ایہا الناس میں تمہاری جانب
آتکم حتی اتتنی کتبکم و	اس وقت تک نہیں آیا جب تک
قدمت علی رسلکم ان اقدم	تمہارے خطوط نہیں گئے اور قاصد
علینا فانہ لیس علینا امام	نہیں پہنچے کہ آیئے ہمارا کوئی امام
لعل اللہ ان یجمعنا بک علی	نہیں ہے ممکن ہے آپ کے ذریعے سے
الہدیٰ والحق فان کنتم علیٰ	خدا ہمیں حق و ہدایت پر مجتمع
ذالک فقد جئتکم فاعطونی	کرے اب اگر تم لوگ اس بات پر
ما اطمئن الیہ من عہودکم	قائم ہو تو میں آگیا ہوں اب تم
ومواثیقکم وان لم تفعلوا	مجھ سے اطمینان طریقہ سے پھر
او کنتم لمقدمی کارہین	عہد کرو اور اگر تم نہیں چاہتے
انصرفت عنکم الی المکان	اور میرا آنا پسند نہیں کرتے تو
الذی جئت منہ الیکم	میں جہاں سے آیا ہوں واپس
فسکتوا عنہ ولم یتکلم	چلا جاؤں۔ یہ سن کر سب خاموش رہے اور
احد منہم بکلمۃ فقال للمؤذن	کسی نے ایک لفظ جواب میں نہ کہا حضرت نے
اقم۔	مؤذن کو حکم دیا کہ اقامت کہی جائے۔

خطبہ بالا اس خطبہ عالی کا جزو ہے جو بعد اذان اور قبل اقامت امام عالی مقام نے لشکر حر کے روبرو ارشاد فرمایا۔ طبری نے ایک دوسرے خطبہ کا ذکر عقبہ بن ابی العیزار کی زبانی نقل کیا ہے۔

وقال عقبۃ بن ابی العیزار قام حسین علیہ السلام بذی حسم فحمد اللہ واثنیٰ علیہ ثم قال انہ قد نزل من الامر ما قد ترون وان الدنیا قد تغیرت وتنکرت وادبر معروفہا واستمرت جدا فلم یبق منہا الا صبابۃ کصبابۃ الاناء وخسیس عیش کالمرعی الوبیل الا ترون ان الحق لا یعمل بہ وان الباطل لا یتناہی عنہ لیرغب المومن فی لقاء اللہ محقا فانی لا اری الموت الا سعادۃ ولا الحیوۃ مع الظالمین الا برما۔

ترجمہ: عقبہ بن ابی العیزار کا بیان ہے کہ امام حسین علیہ السلام مقام ذی حسم میں کھڑے ہوئے اور حمد و ثنائے الٰہی ادا فرما کر ارشاد فرمایا۔ جو صورت حال ہے وہ تم دیکھ رہے ہو دنیا بدل چکی ہے اور اجنبی ہو گئی ہے اس کی نیکیاں رخصت ہو گئی ہیں اور وہ انتہائی تلخ و ناگوار ہو گئی ہیں اب اس میں سے نہیں رہ گیا ہے مگر بہت کم جیسے پانی بہائے جانے کے بعد اس کے اندر بچ رہنے والے پانی کے قطرے کے اندر ایک حقیر زندگی جو زہریلی چراگاہ کے مثل ہے۔ کیا تمہاری نظروں میں یہ نہیں ہے کہ حق پر عمل نہیں کیا جاتا اور باطل سے باز نہیں رہا جاتا۔ اس وقت جو سچا مومن ہے وہ مرنے کا تہ دل سے طلبگار ہوگا اس لئے کہ اس صورت حال سے

مقابلہ میں مرنا میرے نزدیک سوا شہادت کے اور کچھ نہیں ہے اور ظالموں کے ساتھ زندگی گزارنا دل تنگی کے سوا اور کچھ نہیں۔

خطبات مذکورہ بالا سے امام کے دل میں امامت کے فرائض کے احساسات و قلبی حسیات و جذبات کا جو سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا وہ سیلاب کی طرح امنڈ رہا ہے اور سے کی نمایاں ہو چکے ہیں۔ حر اور اس کے ساتھیوں سے اپیل ہے کہ مومن حالات حاضرہ میں وہی ہے جو موت قبول کرے اور شہادت حاصل کرے۔ حر کے دل پر چوٹ لگائے جا رہے ہیں۔ احساس مردہ کو حیات دی جا رہی ہے لیکن ابھی حر بیدار نہیں ہوا تھا۔ امام جب منزل ذو حسم سے روانہ ہوئے تو امام حسینؑ کے فرس کی لگام پر ہاتھ ڈال کر سد راہ ہو گیا۔ زنگ خوردہ دل پر منصب اور عہدہ کے فرائض کا غلاف چڑھا تھا۔

امام حسینؑ نے وہ کلام ارشاد فرمایا جو بیک وقت تہدید بھی ہے اور دعا بھی ہے اپنے رتبہ کو پہچنوانا بھی ہے حر کے رتبہ کو شہادت پر فائز کرانا بھی ہے۔ فرمایا ثکلتک امک ما ترید۔ تیری ماں تیرے ماتم میں بیٹھے آخر کیا ارادہ ہے۔ حر نے کہا میری کیا مجال کہ میں جواب میں آپ کی مادر گرامی کے بارے میں کچھ عرض کروں لیکن میں مامور ہوں کہ اس راہ سے آپ کو نہ جانے دوں۔ مجبور ہوں آپ کوئی دوسری راہ اختیار فرمائیے۔ اے حر۔ تجھے کیا خبر۔ تیری ماں کا سوگ میں بیٹھنا تو تیرے مدارج کو بلند کرنے والا تھا۔ پھر بھی تو باوجود سردار اعدا ہونے کے ادب شناس و حق شناس تھا۔ عنان فرس پر ہاتھ ڈال کر بے ادبی ضرور کی مگر اپنی مجبوری ظاہر کر کے گویا معذرت بھی کر لی۔ لیکن یہ سب نہ ہوتا تو کربلا میں تیرا رتبہ کیونکر بلند ہوتا۔ اسی خیال نے تو تیرے قلب کے زنگ کو اپنے تیزاب سے دھو دیا۔ تیری ماں کی تعریف بھی کربلا میں ہوگی کہ تیری ماں نے کیا اچھا تیرا نام رکھا تو دنیا میں بھی حر ہے اور آخرت میں بھی سعید ہے۔

اس کے بعد حر معہ اپنی سپاہ کے امام حسینؑ کے قافلہ کے ساتھ دور دور چلتا رہا یہاں تک کہ ۳۸ میل کا فاصلہ طے ہو گیا اور منزل عذیب آ گئی۔ اس منزل پر طرماح بن عدی کی رہبری و سرکردگی میں چند ناصران حسینؑ جانثاری کے لئے خفیہ راستوں سے چھپتے چھپاتے آ ملے۔ حر نے امام حسینؑ سے کہا کہ میں ان کو قید کر لوں گا۔ یہ لوگ پیشتر سے آپ کے ساتھ نہ تھے لیکن امام حسینؑ نے فرمایا یہ میرے ساتھی اور احباب کے مانند ہیں میں ان کو گرفتار نہ ہونے دوں گا۔ حر البتہ اپنے کار منصبی کو انجام دینا چاہتا تھا اور حضرتؑ کو فوراً اپنی حراست میں لے جانا چاہتا تھا لیکن امام کا رخ اپنی موجودہ منزل کی طرف رہا۔ یہاں تک کہ نینوا کی زمین نمودار ہوئی۔ ابن زیاد کا حکمنامہ پہنچا کہ حسینؑ کو بے آب و گیاہ سرزمین پر اترنے پر مجبور کرو۔ یہ وقت بھی حر پر سخت گزرا۔ امامؑ سے بے ادبی بھی شاق تھی اور عہدہ کے فرائض بھی گراں تھے۔ حر کے سر پر اس کے ہر عمل کا نگران ابن زیاد کی طرف سے موجود تھا۔

امام حسینؑ نے اپنے گرد و پیش دیکھا۔ فضائے کربلا نے کچھ یاد دلا دیا۔ ہمراہیوں سے دریافت کیا کہ اس سرزمین کا کیا نام ہے کسی نے غاضریہ بتایا۔ کسی نے نینوا بتایا۔ امامؑ کربلا کا نام سننا چاہتے ہیں اور احباب اس زمین کرب و بلا کو محبت کی وجہ سے بتانا نہیں چاہتے آخر احباب کو بتانا ہی پڑا۔ کربلا کا نام سنتے ہی گھوڑے سے اتر پڑے۔ ابن بوتراب نے مٹی سونگھی ام المومنین ام سلمہ کی دی ہوئی شیشی نکالی اور مٹی کو ملایا۔ فرمایا یہی وہ جگہ ہے جس کی خبر جبرئیل امین نے دی تھی۔ دوستو۔ اترو۔ خیمے برپا کرو۔ علمدار کربلا نے عرض کی۔ آقا حکم ہو تو لب فرات خیمے نصب کئے جائیں۔ اجازت مل گئی اور خیام حسینی ساحل فرات پر برپا ہو گئے۔ یہ دوسری محرم ۶۱ھ تھی۔

۵۔ حر سبکدوش ہو گیا } بہت جلد عمر سعد افواج قاہرہ لے کر آ گیا اور حر کا کار منصبی ختم ہو گیا۔

اس وقت سے حر کس عالم میں رہا اس کے دل و دماغ میں کیسی جنگ تھی۔ وہ کیا سوچتا رہا۔ ان تمام امور کا حال تو روز حشر ہی معلوم ہو سکتا۔ البتہ حر نے یہ ضرور دیکھا کہ مظالم کی ابتدا شروع ہو گئی۔ نصب کئے ہوئے خیام حسینی لب فرات سے دور نصب کرائے گئے اور حر کو سیراب کرنے والے خود پانی سے دور رہنے پر مجبور کر دیے گئے۔ حر نے یہ بھی دیکھا کہ چند نفوس پر کثیر افواج کا غلبہ ہو رہا ہے۔ یہ بھی دیکھا کہ امام ہر ممکن صلح کی سعی فرما رہے ہیں اور ترک وطن پر بھی تیار ہیں لیکن امان نہیں ملتی۔ یہ بھی آنکھوں سے دیکھا کہ ساتویں محرم سے

پانی پر پہرے بٹھائے گئے۔ آٹھویں محرم سے خیام حسینی سے بچوں نے العطش العطش کی فریادیں بلند کیں۔ بچوں کی بیتابیاں۔ عورتوں کی سراسیمگی۔ جاں نثاران حسینؑ کا عزم شہادت۔ دوستوں کی وفا شعاریاں۔ امام کی رفعت منزلت یہ سب امور دماغ حُر میں طوفان برپا کئے تھے۔ شب دہم جب کہ خیام حسینی میں عبادت کے مناظر تھے رفاقت کے جذبات رونما ہو رہے تھے۔ عزم و استقلال کا کوہ پیکر امام انسانیت کی لقا کے لئے جان نثار کرنے کے لئے تیار۔ رفقاء سے بیعت اٹھا کر انھیں آزاد کر دیا تاکہ ان شہادتوں میں عہد و پیمان کا ہلکا سا جبر بھی شامل ہونے کا شائبہ نہ نظر آئے۔ چراغ گل کرکے سب کو رخصت کرنا ان کے خلوص کا اعتراف۔ اپنی بے پناہ محبت کا اظہار کیا تھا شب دہم خیمہ گاہ حسینی میں نہ تھا لیکن کسقدر اطمینان قلب ہر ایک کو حاصل تھا لیکن......

حُر کے دل میں اضطراب و اضطرار تھا۔ اسے یہ خیال مارے ڈال رہا تھا کہ وہ مجرم ہے اسی نے حسینؑ کو کربلا کے بن میں پہونچایا ہے اسی نے ابن رسول اللہ کو ابتلائے عظیم میں مبتلا کیا۔ اس کے ایک ہزار کے جاں لب لشکر کی پیاس بجھانے والے اس کی وجہ سے ایک قطرۂ آب کو ترس رہے ہیں۔ گلزار فاطمہ تہ تیغ بیدریغ کٹا جانے کو ہے اور اس کی ساری ذمہ داری اس پر ہے۔ اسی نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ گھوڑوں کی نعلبندیاں عمر سعد کے حکم سے ہو رہی ہیں پامالی لاشہائے شہدا کا انتظام ہو رہا ہے اس ظلم و معصیت و مصیبت کا ذمہ دار وہ ہی ہے ادھر امام نے اطمینان کے ساتھ رات کاٹ کر صبح کی ادھر حُر نے بیتابی کے عالم میں رات گزاری۔ سپیدہ سحر نمودار ہوا۔ خیام حسینی سے شہزادہ علی اکبر کی آواز اللہ اکبر فضا میں بلند ہو کر چھا گئی۔ عمر سعد نے طبل جنگ پر چوٹ دی۔ دین و دنیا کا اللہ رے فرق۔

۶۔ حُر خود اسیر بن کر حُر ہوا

عمر سعد نے ترتیب لشکر کا حکم دیا۔ سب نے تعمیل کی۔ الا الحر فانہ عدل الیہ وقتل معہ " بجز حر کے جو سوئے امام چلا اور حضرت امام حسینؑ کے ساتھ شہید ہوا۔ حُر نے پسر سعد سے دریافت کیا اصلحک واللہ امقاتل انت ھذا الرجل۔ خدا تجھ کو صلاح کی توفیق دے کیا واقعی تو نے جنگ ہی کی ٹھان لی ہے۔ عمر سعد نے کہا۔ ہاں بخدا ایسا ہی ہوگا۔ قتال بھی کیسا! سر کٹ کٹ کر گر پڑیں گے ہاتھ قطع ہوں گے۔ حُر کا چہرہ زرد ہو گیا۔ قرہ بن قیس ریاحی نے چہرہ حُر پر نظر کی۔ کہا اے حُر تو نہایت شجاع و جری مشہور ہے آج یہ کیا حال ہے۔ حُر نے جواب دیا۔ میں جنت و دوزخ کے درمیان کھڑا ہوا سوچ رہا ہوں کدھر جاؤں حُر کو فیصلہ کرنے میں دیر نہ لگی اور نہ دیر کرنے کا موقع ہی تھا۔ فکر یہ دامنگیر تھی کہ حسینؑ کو گھیر کر ادھر لانے والا مجرم مظلوم امام کے سامنے کیسے جائے۔ غلام کو بلایا۔ لڑکوں کو طلب کیا۔ بھائی کو نزدیک بلایا۔ سب سے کہا دیکھتے ہو یہ نام کے مسلمان نبی زادوں کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں۔ کیا ارادہ ہے سب نے کہا کہ مظلوم کی حمایت اور سبط رسول پر جان نثاری ہی میں فلاح ہے۔ نور محبت جلوہ گر ہوا۔ قلب کی تیرگی دور ہوئی۔ فوج عمر سعد دیکھتی رہ گئی ان لوگوں نے گھوڑے کو مہمیز کیا اور نصرت حسینؑ کے لئے روانہ ہو گئے ؎

بگڑی بن جاتی ہے جب فضل خدا ہوتا ہے

حُر درمیان راہ گھوڑے سے اتر پڑے۔ پا پیادہ جانا طے کیا۔ ہاتھوں کو رومال سے زنجیر کیا۔ چہرہ عرق ندامت سے تر۔ رخسار بیم و رجا کے عالم میں زرد۔ قدموں میں لغزش ندامت کے جسم میں لرزش۔ امام عالی مقام کی بارگاہ میں جا رہا ہے دل میں سوچتا ہے کہ کیا ابن رسول میرے ایسے خطا کار کی بھی خطا معاف کر سکتے ہیں۔ ایمان نے سہارا دیا۔ ہاں کیوں نہیں کریم ابن کریم ہیں پدر عالیقدر نے ابن ملجم کو جام شربت سے سیراب کیا تھا دل نے پھر ملامت کی۔ لیکن تو نے تو ابن ملجم سے زیادہ قیامت ڈھائی ہے۔ عالم غربت میں ستم کیا۔ عورتوں کو کربلا کے بن میں بے اسرا کر کے اسیر بنانے کا ظلم کیا۔ تیری ہی بدولت آل رسول بے مقنع و چادر اسیر ہو کر تشہیر کئے جائیں گے بچے پیاس سے بلک بلک کر استغاثہ بلند کریں گے اور کوئی مدد دینے والا نہ ہوگا۔ لاشہائے شہدا کی پامالی تیری وجہ سے ہوگی۔ تیرے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ ایقان نے حوصلہ افزائی کی۔ چل کے تو دیکھ۔ مقدر کیا دکھاتا ہے۔ ادھر حر یہ سوچتا ہوا رواں ہے ادھر حسینؑ!

امام حسینؑ نے حر کو اُلٹی ہوئی ڈھال لئے آتے دیکھا تو علی اکبرؑ کو آواز دی۔ بیٹا۔ جاؤ۔ مہمان آرہا ہے استقبال کرو۔ واللہ رسے حُر کی منزلت بہشتل بنی۔ جگر بند ابن علی۔ شہزادہ علی اکبر مجرم حر۔ خطاکار حر۔ عاصی حر کا خیر مقدم کرنے جا رہے ہیں۔ علمدار انصار حسین نے غالباً سوچا کہ اس میں بھی کوئی مکر وفریب نہ ہو۔ وہ تنہا بھی نہیں ہے۔ علی اکبرؑ کو تنہا نہ جانے دوں گا۔ ساتھ ہو لئے۔ حر کے پاس پہونچے۔ پوچھا کیا ارادہ ہے حر نے جواب دیا۔ طلب عفو میں حاضر ہوا ہوں۔ آقا سفارش کر دیجئے حضرت عباس نے فرمایا یہ ارادہ ہے تو اسلحے الگ رکھ دے تو چل۔ حر نے اسلحے بدن سے الگ کر دیے اور امام کے سامنے مثل قیدی کے حاضر ہوا۔ لیکن دیکھتا کیا ہے کہ خود امام در خیمہ پر منتظر ہیں۔

حُر نے کہا " میں آپ پر قربان۔ میں وہی ہوں جس نے آپ کی راہ روکی۔ آپ کو گھیرا اور مراجعت سے مانع ہوا آپ کو کسی جائے پناہ تک پہونچنے نہ دیا۔ سختی کے ساتھ اس مقام پر اُترنے پر مجبور کیا اور یہاں بھی گھیر رکھا۔ یا ابن رسول اللہ۔ قسم بخدا اس کا تو مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا کہ یہ مردود آپ کی ہر بات اور ہر شرط کو مسترد کر دیں گے...

" اب میں راہ راست پر آگیا ہوں تائب ہو کر آپ پر جان نثار کرنا چاہتا ہوں۔ کیا میری توبہ قبول ہونے کی کوئی سبیل ہے۔ حسینؑ مظلوم نے فرمایا۔ نعم۔ یتوب اللہ علیک و یغفر لک فانزل۔ ہاں ہاں۔ خدا بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ تیری ماں نے کیا خوب تیرا نام رکھا ہے "انت حرٌ فی الدنیا والاخرۃ" حُر نے کہا۔ تو اب مجھ کو جان قربان کرنے کی اجازت دیجئے۔ غریب الدیار مہمان نواز امام نے فرمایا ہر چند کہ خیام میں پانی بھی پیش کرنے کو نہیں ہے تیری کیا مہمانداری کی جائے تاہم آرام تو کر لے۔ کل ساری رات تو نے جاگ کر گزارا ہے۔ حر نے کہا۔ مولا اب آرام کرنے کی خواہش کا خیال کیسے ہو سکتا ہے اب تو جاں نثاری ہی میں سعادت ہے۔ اجازت مل گئی۔

۶۔ حُر کا حملہ اور جہاد

حر نے اپنے غلام و برادر و فرزند کو اپنے سامنے امام پر نثار کر دیا۔ اور جوش شجاعت میں فوج اشقیا پر یہ فرماتے ہوئے حملہ کر دیا۔ تم لوگوں نے چشم و چراغ رسول اور نازپروردہ بتول کو ساتھیوں سمیت قتل کرنے کی ٹھان لی ہے اور پیاسا مارنے کا ارادہ کر لیا ہے۔ تمہاری حمیت اور انسانیت اور عرب کی غیرت کا کیا یہی تقاضا ہے۔ گھوڑا فوج اعدا میں جولانی دکھانے لگا حر نے صفوان ملعون کو نیزے کی انی سے چھیدا۔ اس کے بھائیوں کو تہ تیغ کیا۔ یزید ابن ابی سفیان تمیمی لیگا نہ روزگار پہلوان کو ایک ہی وار میں تمام کر دیا۔ صاعقہ بار تلوار جدھر چمکی سر برسنے لگے۔ اسی عالم میں حر کے فرس کے ماتھے پر تیر آکر لگا۔ فرس لڑکھڑایا۔ بہادر و شجاع گھوڑے کے گرنے سے پہلے زین فرس سے کود پڑا۔ اور رجز پڑھنے لگا اگر مجھے گھوڑے پر سوار نہ رہنے دیا تو کیا ہوا۔ گھوڑے سے گرنا حسب و نسب سے گرنا نہیں ہے۔ ہماری مردانگی مرکب کے زیر ران ہونے پر محدود نہیں ہے بلکہ اسلاف کے اس خون سے ہے جو ایمان کے ساتھ میری رگوں میں دوڑ رہا ہے۔

رجز
الیت لا اقتل حتی اقتلا ولن اصاب الیوم الا مقبلا
افریھم بالسیف ضربا مفصلا لا ناکلا عنھم ولا مھللا

بغیر کشتوں کے پشتے لگائے ہرگز مقتول نہ ہوں گا۔ بجز سامنے کے اور کہیں اپنے کو مضروب نہ ہونے دوں گا۔ تلوار سے بند بند جدا کر دوں گا۔ اور قتل کرنے میں جھجک اور ہراس نہ کروں گا۔

انی انا الحر وما وی الضیف اضرب فی اعراضکم بالسیف

میں حر ہوں حر۔ مہمانوں کا دوست۔ رسم مہمانی سے واقف۔ جو بری ضرب شمشیر سے اعراض کرے اسے شمشیر پر رکھ لوں گا۔

غرضکہ حر اسی طرح عرصہ تک جدال و قتال کرتے رہے۔ یہاں تک لوگوں کے ہاتھوں سے تلواریں گر گر پڑیں۔ ڈھالیں چھٹ چھٹ گئیں۔ اب حر کو غلط کاروں نے تیروں پر رکھ لیا۔ آخر حر زخموں سے چور ہو کر گر پڑے اور مولا کو آواز دی۔

۷۔ سعادت شہادت

اور کسے پکارتے۔ تھرتھراتی ہوئی آواز سمع امامت تک پہونچی یا آقاہ ادرکنی۔ اے میرے مولا اور آقا آیئے غلام نے اپنی جان آپ پر نثار کی۔ آخری زیارت کی تمنا رکھتا ہوں۔ قتل گاہ کربلا میں امام پر یہ بھی فرض تھا کہ وہ ہر جان نثار کے نزع کے وقت سرہانے پہونچیں اپنی لاش اٹھانے والا کوئی نہ ہو گا لیکن جب تک خود حسینؑ زندہ ہیں ہر فدائی کی میت پر پہونچنا اور میت کا اٹھانا تو لازم ہی تھا۔ حسینؑ علی اکبرؑ و

عباسؑ کے ساتھ حرؑ کے سرہانے پہونچے۔ حرؑ نے آنکھیں کھولیں اور کمال مسرت سے نزع کے عالم میں مسکرا دیئے۔ آقائے دو جہاں بنفس نفیس موجود ہیں تو موت کی مشکلیں آسان ہو گئیں۔ دل نے کہا۔ اللہ رے شفقت امام۔ کسی اپنے غلام کو بھیج دیتے تو بھی میرے لئے کمال محبت ہوتی۔ مگر اے حرؑ۔ یہ تو سوچ کہ مولا علیؑ بھی تیرے سرہانے ہیں۔ تو تو ایمان کی دولت قلب میں لئے ہے۔ امام حسینؑ نے مزید کرم فرمایا۔ رومال نکالا حرؑ کے چہرہ سے خون صاف کیا۔ جب خون بند نہ ہوا تو اپنے زانو پر حرؑ کے سر کو رکھ کر بیٹھ گئے اور اسی رومال کو ماتھے پر باندھ دیا۔ اور حیات جاوید عطا کر دی۔ رومال سند طہارت و وجہ سعادت ہو گیا۔ سے

یہ نصیب! اللہ اکبر۔ لوٹنے کی جائے ہے

۸۔ حمایت امام بعد شہادت

{ اے کیا کہوں کہ جب امام حسینؑ نے وقت عصر آخری استغاثے

کی آواز بلند فرمائی دوسرے شہداء کے لاشوں کے ساتھ حرؑ کی لاش بھی تڑپ اٹھی اور لبیک لبیک یا ابن رسول اللہ کی آواز میں حرؑ کی پُرجگر آواز بھی شامل تھی۔ مزید یہ لکھنا مقصود ہے کہ شہادت حسینؑ کے بعد کیا مظالم ہوئے۔ گھوڑوں نے کیا کیا۔ سواروں نے کیا کیا۔ فطرت نے کس طرح خون برسا کر اظہار رنج و الم کیا۔ جنات نے کس طرح نوحہ خوانی کی۔ فرشتوں نے کس طرح بکا کی۔ فرات کے پانی نے کس طرح لب تشنۂ حسینؑ تک پہونچنے کی سعی کی۔ گہنائے آفتاب نے کس طرح غم زدہ شکل بنائی۔ شفق آسمان نے کیونکر خونیں منظر سے اثر لیا۔ دفن و کفن کا کیا اہتمام ہوا اور کب لاشہائے شہدا کی حفاظت کس نے کی اور کس طرح اہلبیتؑ پر کربلا میں بعد شہادت حسینؑ کیا بیتی اور کربلا سے رخصت ہوتے ہوئے کیا گزری۔ کربلا سے رخصت ہو کر کوفہ و شام میں کیا کیا جھیلنا پڑا لیکن وہ تاریخی واقعہ جس کا تعلق واقعہ ہائلہ کربلا کے بہت بعد کے زمانہ سے ہے پھر حرؑ کی امداد کو اپنے دامن میں رکھتا ہے اور قابل ذکر ہے لاش حسینؑ سے بے ادبی کرنے والے یزید و ابن زیاد و عمر سعد اپنے کیفر کردار کو پہونچ گئے تو ایک وہ بھی خلیفہ ہوا جسے قرآن کی آیات میں شک تھا وہ امتحان لیا چاہتا تھا کہ شہدائے راہ خدا زندہ بھی ہیں یا محض قرآن کا دعویٰ ہے۔ حسینؑ اور ان کے ساتھی شہدائے راہ خدا ہیں بھی یا محض شیعیان امامؑ کا ایمان ہے۔ حکم ہوا کہ قبر حسینؑ کھود کر دیکھا جائے۔ وزیر بیتاب ہو گیا۔ دست بستہ عرض کی کہ اے خلیفۂ وقت اگر تو امتحان ہی کرنا چاہتا ہے تو حسینؑ کی قبر سے درگزر کر۔ یہ حرؑ کی قبر ہے جو امام حسینؑ کو گھیر کر لایا تھا اور نادم ہو کر امامؑ کے ساتھ رفاقت کی اس کے حال سے اندازہ لگا لے یہ اعجاز امامؑ سے کم نہیں ہے کہ بادشاہ کے دل سے ضد کا جذبہ کافور ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا دیکھا جائے۔ حرؑ کی قبر کھودی۔ اور تہ خاک حرؑ شہید کے چہرہ پر خون حیات کی سرخی جھلک رہی روئے انور تاباں و درخشاں نظر آیا۔ خلیفہ نے پوچھا یہ رومال کیسا ہے۔ وزیر نے بتایا کہ حسینؑ کے ہاتھوں نے اسے حرؑ کے زخم سے بہتے ہوئے خون کو روکنے کے لئے باندھ دیا تھا۔ بادشاہ نے حکم دیا اچھا اسے بھی کھولا جائے۔ رومال کھولا گیا۔ زخم سے خون تازہ فوارہ کی طرح ابل پڑا۔ اب اس سے زیادہ حیات شہدا کا ثبوت کیا ضروری تھا۔ جب خون کی روانی نہ رکی تو بادشاہ نے پھر اسی رومال کو زخم پر بندھا دیا۔ خون رک گیا۔ لاش حرؑ بند کر دی گئی۔ حرؑ نے اپنی حیات جاوید کا ثبوت دے کر حسینؑ مظلوم پر مزید ظلم ہونے سے خلیفہ کو باز رکھا۔ یہ حسینؑ کا زندہ اعجاز ہے۔

انصار کو صبح عاشورا جنگ پر آمادہ فرمانا

امامؑ نے پہلے حمد و ثنائے الٰہی ادا فرمائی اس کے بعد ارشاد کیا کہ خداوند عالم نے آج کے دن تمہارے اور میرے قتل ہونے کا فیصلہ کر دیا ہے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ ثابت قدمی کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کرو۔

جناب حُرؔ ابن یزید ریاحی علیہ الرحمہ

جناب سید باقر رضا صاحب طناوری

حضرت حر بھی فدائیان امام مظلوم میں ایک اہم منزلت کے حامل تھے میرا خیال ہے اور یقیناً صحیح خیال ہے کہ حضرت حر کے کارنامے حد و تعریف و توصیف میں نہیں لائے جا سکتے اور عنان قلم کی جنبش ان کی حقیقی منزلت کو پیش نہیں کر سکتی۔ مجھے بعض مواقع پر اتفاق ہوا اور بعض ذاکرین جو قابل ترین علماء و واعظین کی فرد ہیں منبر ذاکری پر یہ فرماتے ہوئے ملے کہ جناب حر کی قسمت نے یاوری کی اور کہ وہ ایمان کے جادہ پر آ گئے اور اپنی عظیم ترین قربانی پیش کر کے اپنی فرد گناہ کو صاف کر گئے۔ میں نے اس قول پر بہت غور کیا۔ مگر میں اس رائے سے متفق نہ ہو سکا۔ میں نے واقعات اور حالات سے یہی اخذ کیا کہ جناب حر ابتدائے زندگی سے آخر حیات تک جادہ ایمان سے کبھی الگ نہ ہوئے اور ہمیشہ صراط مستقیم پر فائز رہے اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہی خیال صحیح بھی ہے۔

بادی النظر میں میرا یہ خیال شاید بعض افراد کی نظر میں قابل قبول نہ ہو مگر مجھے یقین ہے کہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے گا تو بلاشبہ میرے قول کی تائید کرنی پڑے گی۔

جناب حر کی ولادت ہی کا واقعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ جناب حر جادۂ ایمان پر پیدا ہوئے۔ صاحب مقتل شاد شہیداں تحریر فرماتے ہیں کہ ایک روز فرزندان رسول الثقلین حضرت امام حسن اور امام حسین نے اپنے پدر بزرگوار کی خدمت میں عرض کیا کہ ہمیں خانہ خدا کی زیارت کا کمال شوق ہے امسال حج کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیے شاہزادے ابھی کمسن تھے اور گرمیوں کا زمانہ حضرت نے تامل فرمایا مگر بچوں کے اصرار پر اجازت دی اور سامان سفر مہیا فرمادیا دونوں شاہزادے باپ سے رخصت ہو کر عازم سفر حجاز ہوئے۔ چند منزلیں طے کرنے کے بعد تکلیف سفر و تبدیلی آب و ہوا کے باعث جناب امام حسین کی طبیعت کچھ ناساز ہو گئی اور نشست و برخاست دشوار ہو گئی۔ امام حسنؑ کو تردد لاحق ہوا کہ کہاں توقف کر کے انتظار صحت فرمائیں۔ اسی تردد میں امام حسن ایک سمت کو روانہ ہوئے ناگاہ ایک کہنہ سا مکان نظر آیا۔ نزدیک جا کر حضرت نے ملاحظہ فرمایا کہ ایک مرد ضعیف مع اپنی زوجہ کے اس مکان کہنہ میں بیٹھا ہوا ہے امام نے سلام کیا اس نے جواب سلام دے کر استفسار حال کیا۔ حضرت نے فرمایا ہم دونوں بھائی حج کے ارادے سے گھر سے چلے تھے ہمارا چھوٹا بھائی علیل ہو گیا ہے اس لئے ہم دو تین یوم انتظار صحت میں ٹھہرنا چاہتے ہیں تاکہ بقدر امکان معالجہ کیا جا سکے۔ اس پیر مرد نے بسر و چشم اجازت قیام دی۔ شاہزادے تین شبانہ روز قیام کرنے کے بعد صحت ہو جانے پر رخصت ہوئے اور وقت رخصت یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا آنا مدینۂ رسول میں ہو تو اہل شہر سے ہمارے شکل و شمائل بتا کر ہمارے مکان کا پتہ لگا کر

ضرور ہمارے گھر مہمان ہوتا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد دونوں زن وشوہر چند مسائل دریافت کرنے کی ضرورت سے مدینہ آئے اور وہ مسائل ایسے تھے جنھیں بجز امام دین کوئی بتا نہیں سکتا تھا پس دونوں مدینہ میں آئے اور ٹھہر کر لوگوں سے حسب ارشاد شاہزادگان مکان کا پتہ پوچھا تو لوگوں نے شکل وشمائل سے اندازہ کرکے بتایا کہ تم لوگ محلہ بنی ہاشم میں جاؤ اور وہاں وہ شاہزادگان ملیں گے۔ وہ محلہ بنی ہاشم میں پوچھتے پھرتے تھے ناگاہ جناب امیر سے ملاقات ہوئی دونوں زن وشو جناب امیر کو پہچانتے تھے۔ دیکھتے ہی قدموں کو بوسے دینے لگے۔ اور قبل دریافت کرنے مسائل شاہزادوں کے متعلق پوچھا۔ جناب امیر متبسم ہوئے اور فرمایا کہ وہ دونوں میرے ہی فرزند ہیں۔ یہ فرماکر دونوں زن ومرد کو اپنے ہمراہ در دولت پر لائے اور شاہزادوں کو خبر دی کہ تمہارے مہمان آئے ہیں شاہزادے بیت الشرف سے آئے اور فرط اخلاق سے ان سے لپٹ گئے اور عزت وتکریم کے ساتھ ایک مکان میں مقیم کیا اور ہر وقت خاطر مدارات میں مصروف رہے چند یوم کے بعد پیر مرد نے رخصت ہونا چاہا۔ امام حسین نے فرمایا۔ اے شیخ ہم تیری مہمانی سے سیر نہیں ہوئے اپنا گھر سمجھ کر تھوڑے دن اور قیام کر وہ دوبارہ چند دن مقیم رہا اور پھر اجازت مانگی۔ حضرت پھر مانع ہوئے اور فرمایا کہ اتنے دن ہوئے تم نے کوئی حاجت نہ بیان کی تاکہ ہم اسے پورا کرنے کی کوشش کرتے۔ حضرت نے فرمایا کوئی حاجت بیان کرو۔ پیر مرد نے کہا یابن رسول اللہ ایک آرزو ہماری تھی مگر ہم اس امید میں بوڑھے ہوگئے لیکن مصلحت ایزدی میں ہماری خواہش کا پورا ہونا نہ تھا۔ امام نے پوچھا کہ کیا آرزو تھی۔ پیر مرد نے عرض کیا۔ ہمارے گھر میں کوئی فرزند نہیں پیدا ہوا۔ اسی آرزو میں ہم دونوں سن یاس کو پہونچ گئے آپ اگر دعا فرمائیں تو عجب نہیں کہ خداوند عالم ہمیں دولت اولاد عطا فرمائے امام حسینؑ نے دو رکعت نماز پڑھی اور بارگاہ ایزدی میں دعا کی۔ وہ پیر مرد ناقل ہے کہ اسی شب زوجہ حاملہ ہوئی اور باوجود اصرار اجازت وطن جانے کی نہ ملی۔ اور زمانہ حمل مدینہ ہی میں گزرا حق تعالیٰ نے بپاس دعائے امام فرزند نرینہ عطا کیا اس پیر مرد نے امام کو خبر دی امام حسن خود تشریف لائے اور مولود کے کان میں اذان واقامت کہی اور اس مولود کا نام حر رکھا اس کے بعد امام نے شدت سے گریہ فرمایا۔ اس پیر مرد نے سبب گریہ معلوم کیا اور عرض کیا یا حضرت اگر یہ فرزند آپ کے دشمنوں میں ہو تو ابھی سے ہلاک کر ڈالوں حضرت نے فرمایا اے شیخ میں اس کی دشمنی یاد کرکے نہ رویا بلکہ اس کی دوستی ومحبت نے مجھے رلایا اے بھائی اس مولود خوش نصیب کا سانحہ عجیب ہے ایک دن یہ بچہ میرے انصار میں ہوگا اور مجھ پر جان نثار کرے گا ہم نے تیری مہمانی تو آسانی سے کی مگر اس بچہ کی مہمانی کے وقت پانی بھی میسر نہ ہوگا۔ پس وہ مرد وزن رخصت ہوئے اور وہ طفل پرورش پاکر جوان ہوا۔

امام حسین نے جب سفر کربلا فرمایا اور راہ کوفہ میں امام کی فوج سے حر سے ملاقات ہوئی حر اس وقت ابن زیاد کی طرف سے مامور کئے گئے تھے اور حکم ابن زیاد تھا کہ امام کو گھیر کر ادھر لائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ مدینہ چلے جائیں یا کہیں اور طرف پھر جائیں۔ حر نے حضرت کے گھوڑے کی باگ پر دست درازی کی اور جانے سے روکا اس وقت حضرت نے بعد گفتگو بسیار حر سے فرمایا۔ کہ اے جوان کبھی تیرے باپ نے تجھے تیرے ماجرائے ولادت سے مطلع کیا تھا اور تجھے معلوم ہے کہ تو کہاں پیدا ہوا تھا اور تیرے والدین کا اس وقت کیا سن تھا۔ یہ سنتے ہی حر نے اپنا سر جھکا لیا اور یاد آیا کہ میں تو اپنے والدین کی ضعیفی کے سن میں برکت دعائے امام سے پیدا ہوا ہوں۔ فوراً باگ ہاتھ سے چھوڑ دی۔ اور نادم ہوئے۔

واقعۂ متذکرۂ بالا سے ظاہر ہے کہ وہ بچہ جو دعائے امام

کی برکت سے پیدا ہوا ہو غیر مومن نہیں ہو سکتا اس امر کے متعلق اتنا اور عرض کر دوں تو شاید غلط نہ ہو کہ مذکورہ واقعہ سے یہ تو مسلم ہے کہ والدین جناب حر مومن اور فدایان جناب امیر سے تھے۔ پس بر بنائے حدیث رسول "کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام وابواہ ابواہ یہودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ" ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے والدین اس کو یہودی یا نصرانی مجوسی بنا لیتے ہیں۔ پس اس حدیث کی روشنی میں جناب حر یقیناً فطرت ایمانی پر پیدا ہوئے زمانہ ولادت کے بعد سے تا شیوع واقعہ کربلا جناب حر کی زندگی کا کوئی واقعہ تاریخ میں نہیں ملتا اس لئے یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ معاذ اللہ جادہ ایمان سے منحرف ہو گئے بچپن ہی میں امام کی پیشین گوئی جناب حر کے محب و دوست ہونے کی اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ جناب حر جادہ ایمان پر فائز رہیں گے۔

امام حسین نے مدینہ منورہ سے سفر فرمایا اور منزل بہ منزل سفر طے کر رہے تھے۔ صاحب بحار جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ بحار جلد عاشر ص ۱۱۵ باب ۱۴۱۔ شیخ صدوق محمد ابن بابویہ قمی کی کتاب امالی سے حافظ محمد ابن عمر بغدادی کی روایت نقل کی ہے یہ روایت ابتداء واقعہ کربلا سے تمام مختصر واقعات کی حامل ہے صفحہ ۱۱۸ سطر ۱۰ (بحار الانوار جلد ۱۰) پر حسب ذیل الفاظ ملتے ہیں۔ جب ابن زیاد کو یہ خبر پہونچی کہ حضرت منزل اہیمہ میں پہونچے حر ابن یزید ریاحی کو ہزار سوار کے ساتھ حضرت کی طرف روانہ کیا۔ حر کہتے ہیں جب میں اپنے گھر سے نکل کر امام حسین کے لشکر کی طرف روانہ ہوا۔ اس وقت ایک ہاتف کی آواز میرے کان میں آئی۔ تین مرتبہ اس نے مجھے ندا کی۔ اے حر بشارت ہو تجھ کو بہشت کی میں نے جانب راست و چپ اپنی نگاہ کی۔ کوئی شخص نظر نہ آیا میں نے اپنے دل میں کہا کہ ماں حر کی اس کے ماتم میں بیٹھے کہ فرزند رسول خدا سے لڑنے جاتا ہے اور بشارت بہشت کی سنتا ہے پس وقت ظہر حضرت کے پاس پہونچا۔ حضرت نے اذان کے واسطے علی اکبر سے فرمایا اور امام زادے نے اذان و اقامت کہی۔ حضرت آگے کھڑے ہوئے دونوں لشکر والوں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی جب نماز سے فارغ ہوئے تو حر نے پاس آکر کہا السلام علیک یا ابن رسول اللہ ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضرت نے فرمایا وعلیک السلام۔ پوچھا کہ اے بندہ خدا تو کون ہے۔ حر نے عرض کیا یا ابن رسول اللہ میں حر ابن یزید ریاحی ہوں۔ فرمایا اے حر تو مجھ سے لڑنے کو آیا ہے یا ہماری نصرت و یاری کو حر نے عرض کیا اے فرزند رسول قسم ہے خدا کی مجھے ابن زیاد نے آپ سے لڑنے کو بھیجا ہے مگر میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ اپنی قبر سے محشور ہوں در حالیکہ موئے پیشانی میرے پاؤں سے بندھے ہوں اور میرے پس گردن سے جکڑے ہوں اور اس حالت میں مجھے سرنگوں جہنم میں ڈالیں یا ابن رسول اللہ آپ کہاں جاتے ہیں مدینہ رسول کو پھر چلئے ورنہ آپ شہید ہوں گے حضرت نے چند شعر پڑھے جن کا مطلب یہ تھا۔ عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے و شیخ مفید علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا ہے کہ جب عبد اللہ ابن یقطر کی شہادت کی خبر امام کو ملی۔ امام نے اصحاب کو جمع فرما کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور بیعت اٹھالی جو لوگ حرص طمع دنیا میں آئے تھے متفرق ہو گئے۔ جب حضرت امام حسین نے منزل شراف میں پہونچے قیام کیا۔ وقت صبح اصحاب اور ملازموں کو حکم دیا کہ چھاگل اور مشکیزے پانی سے بھر لو دوپہر تک راہ طے کرنے کے بعد یکایک ایک شخص نے تکبیر کہی۔ حضرت نے وجہ پوچھی اس نے کہا نوکیں درخت خرما کی دکھائی دیتی ہیں۔ دوسری جماعت نے کہا اس جگہ درخت خرما نہیں ہیں۔ حضرت نے پوچھا تمہیں کیا معلوم ہوتا ہے انھوں نے کہا خدا کی قسم نوکہائے نیزہ اور کان گھوڑوں کے دکھائی دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا بخدا میں بھی یہی دیکھتا ہوں۔ بعد اس کے فرمایا۔ آیا ہے کوئی جگہ جائے پناہ

تاکہ ایک جانب سے مقابلہ کریں۔ اصحاب نے عرض کیا۔ یا حضرت بائیں طرف ایک بلند پہاڑ ہے آپ اس طرف چلئے اگر اس قوم سے پہلے وہاں پہنچ گئے تو مقصد حاصل ہے۔ حضرت نے بائیں طرف میل فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد گردنیں گھوڑوں کی نمایاں ہوئیں۔ جب انھوں نے ہمیں بائیں طرف جاتے دیکھا وہ بھی پہاڑ کی طرف متوجہ ہوئے اور سنان نیزہ ان کے اس کثرت سے تھے جیسے زنبور عسل اپنے آشیانہ میں کثرت سے ہوتی ہیں یا در علم اس کثرت سے قریب قریب تھے جیسے پرجانوروں کے بازوؤں میں متصل ہوتے ہیں۔ پس ہم نے ان پر سبقت کی اور کوہ تک پہنچ گئے۔ خیمہ نصب ہوئے حر ابن یزید تمیمی ہزار سوار سے مقابل لشکر حضرت آیا۔ اور وقت ظہر شدت گرما میں آ کھڑا ہوا۔ حضرت امام حسین نے آثار تشنگی ملاحظہ فرمائے اور اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ ان کو اور ان کے گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔ ہر گھوڑا جب تین یا چار یا پانچ مرتبہ سانس لیکر پی لیتا تھا تب اصحاب پانی ہٹاتے تھے حضرت نے خود علی ابن طعان کو سیراب فرمایا پھر امام نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا پھر اقامت کا حکم دیا بعد اقامت حضرت نے حر سے فرمایا اگر تجھے منظور ہو تو اپنے لشکر کے ساتھ نماز پڑھ حر نے عرض کیا میں بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھوں گا۔ دونوں صفوں نے حضرت کے پیچھے نماز پڑھی اور اپنی اپنی جگہ پھر گئے۔ وقت نماز عصر آیا۔ دونوں لشکروں نے عقب امام نماز پڑھی بعد نماز امام نے پھر خطبہ ارشاد کیا اور اہل کوفہ کے خطوط کا ذکر کیا۔ حر نے لاعلمی ظاہر کی۔ حضرت نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ خطوط دکھائیں۔ نامے حر کے آگے ڈال دئے گئے حر نے عرض کیا میں ان لوگوں سے نہیں ہوں جنھوں نے آپ کو یہ نامے لکھے ہیں۔ مجھے ان خطوط کی مطلق خبر نہیں۔ مجھے ابن زیاد نے حکم دیا ہے کہ جہاں ملاقات ہو آپ سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ آپ کو ابن زیاد کے پاس کوفہ لے چلوں۔

حضرت نے فرمایا کہ موت قریب تر اور آسان تر ہے اس ذلت سے جب تک میں زندہ ہوں اس ذلت پر راضی نہ ہوں گا حضرت نے اصحاب کو روانہ ہونے کا حکم دیا اصحاب سوار ہوئے حضرت خود بنفسہ منتظر رہے یہاں تک مخدرات عصمت سوار ہو چکیں۔ اصحاب سے ارشاد فرمایا مدینہ پھر چلو۔ جب قصد مراجعت فرمایا لشکر مخالف سد راہ ہوا اور حر نے عنان اسپ پر ہاتھ ڈال دیا۔ حضرت نے فرمایا اے حر ماں تیری تیرے ماتم میں بیٹھے۔ کیا ارادہ ہے مجھ سے کیا چاہتا ہے۔ حر نے کہا اگر اور کوئی عرب سے میرے ماں کا نام لیتا تو میں بھی اس کی ماں کا نام لیتا۔ قسم بخدا آپ کی مادر گرامی کا ذکر نہیں کر سکتا۔ مگر بہ تعظیم و تکریم حضرت نے فرمایا۔ مطلب تیرا کیا ہے اس نے کہا میں چاہتا ہوں آپ کو ابن زیاد کے پاس لے چلوں۔ حضرت نے کہا کہ میں اس امر میں تیری متابعت نہ کروں گا۔ حر نے کہا قسم بخدا میں بھی آپ سے جدا نہ ہوں گا تین بار اسی طرح رد و بدل ہوئی جب گفتگو طویل ہوئی حر نے کہا میں مامور نہیں مگر اس امر پر کہ آپ سے جدا نہ ہوں جب تک کوفہ میں ابن زیاد کے پاس نہ لے چلوں اگر کوفہ چلنے پر راضی نہیں ہیں تو آپ ایسی راہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ کی راہ ہو نہ مدینے کی۔ یہ امر میرے لئے اور آپ کے درمیان میں بطریق مصالحہ ہو۔ اور میں حقیقت حال ابن زیاد کو لکھوں۔ شاید کوئی صورت ایسی نکلے کہ میں حضرت کے خون میں شریک نہ ہوں حضرت اس وقت بہ ضرورت راہ قادسیہ و عذیب سے بائیں طرف میل فرما کر روانہ ہوئے۔ اور لشکر مخالف بھی ہمراہ تھا۔ حر اثنائے راہ میں حضرت سے کہتا تھا کہ یا حسین میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ آپ اس قوم سے جہاد نہ کیجئے کہ یہ در پے قتل ہیں۔ فرمایا اے حر کیا مجھے موت سے ڈراتا ہے بجز قتل تم سے کیا ہو سکے گا پھر حضرت نے ابن اوس کا پڑھا ہوا شعر پڑھا۔ بروایت شیخ مفید علیہ الرحمہ حر نے کلام حضرت کا سنا اور مع اپنے

لشکر حضرت سے علیحدہ ایک جانب روانہ ہوا۔ اور حضرت مع اصحاب دوسری طرف روانہ ہوئے۔ مقام عذیب تک پہونچے۔ قصر بنی مقاتل سے چلنے کے بعد حسب قول عقبہ بن سمعان بعد نماز صبح نجی ادا فرما کر عجلت کے ساتھ بائیں جانب روانہ ہوا چاہتے تھے کہ اپنے اصحاب کو متفرق کر دیں حر آکر حضرت اور صحابہ کو دیکھ جاتے تھے۔ جب چاہتا تھا کہ لشکر حضرت کا کوفہ کی طرف پھیر لے چلے تو یہ لوگ روکتے تھے اور باہم چلے جا رہے تھے تا آنکہ نینوی میں پہونچے اور ٹھہرے ناگاہ ایک ناقہ سوار آیا اور حر اور اس کے ساتھیوں کو سلام کیا ابن زیاد کا خط دیا جس میں لکھا تھا کہ جس جگہ میرا قاصد ملے حسین کو مہلت نہ دے اور ایسے جنگل میں اتار دو جہاں مطلق پانی اور آبادی نہ ہو اور قاصد کو میں نے حکم دیا ہے کہ وہ تیرے ساتھ رہے اور دیکھے کہ تو نے متابعت کی یا نہیں۔ حضرت کو حر نے اس خط کی آمد سے مطلع کیا۔

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حر کے دل میں اہلبیت رسول کی عظمت تھی ورنہ جس وقت امام نے تلک تک امک فرمایا تھا جناب حر یہ فرماتے تھے کہ اگر سوائے حضور کے کوئی اور میری ماں کا نام لیتا تو میں بھی اسی طرح اس کی ماں کا نام لیتا مگر حضرت کی مادر گرامی کا اسم سامی بجز درود وتعظیم اور صلاۃ والتسلیم نہیں لے سکتا۔ نیز اگر وہ امام کے مسلک سے الگ ہوتا ہرگز امام کے عقب میں نماز نہ پڑھتا۔

القصہ حر نے امام سے کہا۔ آپ کو مقام بے آب وگیاہ میں اترنا ہوگا۔ حضرت نے فرمایا وائے ہو تجھ پر اے حرؑ! جانے دے کہ ہم نینوی یا غاضریہ یا سقیہ میں کہ وہاں آب و آبادی ہے۔ حر نے کہا۔ ابن زیاد نے قاصد بھیجا ہے میں اس کے خلاف نہیں کر سکتا ابن زیاد نے بطور جاسوس مجھ پر معین کیا ہے۔ اس روایت سے پتہ چلا کہ حضرت حر اگر چاہتے بھی تو کوئی رعایت امام مظلوم کے ساتھ نہیں کر سکتے تھے اس لئے کہ ابن زیاد کے جاسوس ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے اور ہر قدم پر حالات کی اطلاع ابن زیاد کو ہو سکتی تھی پس جناب حر کا طرز عمل تقیہ پر مبنی تھا جو حفاظت جان کے لئے اس وقت ضروری تھا۔ بروایت سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ جب لشکر حر نے حضرت کو نینوی میں اتارا اس وقت حضرت نے اصحاب کے مجمع میں ایک خطبہ پڑھا جس کے بعد تمام انصار نے یک زبان ہو کر قسم کھائی کہ وہ جدا نہیں ہو سکتے۔ حضرت اترے اور لشکر حر مقابل لشکر امام فروکش ہوا۔ حر نے ایک نامہ ابن زیاد کو لکھا اور حقیقت حال سے مطلع کیا۔ ابن زیاد نے ایک نامہ امام کو لکھا اور بیعت یزید طلب کی۔ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے کہ جب حر ابن یزید ریاحی نے دیکھا کہ نوبت جنگ و جدل پہونچی اس وقت عمر ابن سعد کے پاس آکر کہا تو حسین سے لڑے گا اس نے کہا اس طرح سے لڑوں گا کہ سب کے بدن سے سر جدا ہوں۔ اور ہاتھ کاٹے جائیں۔ حر نے کہا آیا تم حسین سے دستبردار نہ ہوگے عمر نے کہا اگر میرا اختیار ہوتا تو میں راضی ہوتا مگر کیا کروں کہ امیر تیرا راضی نہیں ہوتا۔ اس وقت حر علیحدہ جا کر کھڑا ہو گیا اور ایک شخص قوم کا جسے قرہ ابن قیس اس کے پاس کھڑا تھا حر نے کہا اے قرہ آج تو نے اپنے گھوڑے کو پانی پلایا ہے یا نہیں حر نے کہا کیوں نہیں پلایا۔ قرہ کہتا ہے قسم بخدا میں نے گمان کیا حر چاہتا ہے لشکر سے جدا ہو اور معرکہ قتال میں شریک نہ ہو۔ اور نہیں چاہتا کہ سامنے میرے معرکہ سے علیحدہ ہو جب یہ گمان مجھے ہوا میں نے کہا ابھی گھوڑے کو پانی نہیں دیا اسی وقت اس کو جا کر پانی دوں گا۔ حر اپنی جگہ سے ہٹ کر اور جگہ جا کھڑا ہوا۔ قرہ کہتا ہے میں نے گمان کیا حر گھوڑے کو پانی پلانے جاتا ہے میں بھی اس کی رفاقت میں چلا جاتا۔ ناگاہ دیکھا میں نے کہ حر لشکر حسین کی طرف جاتا ہے اور آہستہ آہستہ قریب لشکر حضرت پہونچا اس وقت مہاجر ابن اوس

قریب حر گیا تھا کہا تیرا کیا ارادہ ہے کیا حسین سے لڑنے جاتا ہے حر نے کوئی جواب نہ دیا اور بدن اس کا کانپنے لگا مہاجر نے کہا۔ اے حر یہ حالت جو تجھے اس وقت عارض ہے مجھے شک میں ڈالتی ہے بخدا میں نے ایسی حالت تیری نہیں دیکھی اور میں تجھے اہل کوفہ میں سب سے زیادہ شجاع جانتا تھا پس یہ کیا بات ہے جو مشاہدہ کرتا ہوں حر نے کہا جیسا تو نے گمان کیا ایسا نہیں ہے لیکن قسم خدا کی میں اپنے نفس کو بہشت و جہنم میں متردد پاتا ہوں پس بخدا میں بہشت پر کسی چیز کو اختیار نہیں کر سکتا اگرچہ میرے ٹکڑے ٹکڑے کر کے جلا دیں اس وقت حر نے مردانہ وار گھوڑے کو بڑھایا اور خدمت امام میں آ کر عرض کیا یا ابن رسول اللہ فدا ہوں آپ پر میں نے مراجعت سے آپ کو منع کیا اور اس مقام پر آپ کو لے آیا۔ بخدا میں نہیں جانتا تھا کہ یہ روسیاہ آپ سے اس طرح پیش آئیں گے ورنہ ہرگز اس امر کا مرتکب نہ ہوتا اب میں توبہ کرتا ہوں اپنے افعال سے توبہ میری مقبول ہو۔ حضرت نے فرمایا اگر تو توبہ کرے حق تعالیٰ قبول کرے گا بعد اس کے فرمایا۔ اے حر گھوڑے سے اتر۔ حر نے عرض کیا آپ کی نصرت میں جبکہ گھوڑے پر سوار ہوں پیدل ہونے سے بہتر ہے سب سے پہلے سوار ہو کے ان کافروں سے لڑتا ہوں جب اشقیا گھوڑے کو پے کریں گے اس وقت پیادہ ان سے لڑوں گا جب تک کہ لڑ سکوں۔ حضرت نے فرمایا اے حر خدا تجھ پر رحمت کرے جو تیرا جی چاہے کو جب حر نے اجازت پائی سامنے لشکر مخالف کے آ کر پکارا۔ اے اہل کوفہ مائیں تمہاری تمہارے ماتم میں بیٹھیں تم نے اس پیشوا کو جھوٹے وعدے دیکر بلایا اور اقرار نصرت و اعانت کا کیا جس وقت حضرت تشریف لائے ان پر تلوار کھینچی اور ان کا ساتھ چھوڑ دیا ہر طرف سے ان کو گھیر لیا اور راہیں جانے کی بند کر دیں۔ یہ بھی منظور نہیں کرتے کہ اپنے وطن مراجعت فرمائیں مانند قیدیوں کے ان کو گرفتار کر لیا ہے کہ اپنے نفس سے دفع ضرر نہیں کر سکتے یہ آب فرات جو تمہارے سامنے لہریں مارتا ہے اور یہود و مجوس و نصاریٰ اس سے آسودہ ہیں اور سگ و خوک تک اس سے سیراب ہو رہے ہیں ان پر اور اطفال اہلبیت پر بند کر دیا ہے اور شدت تشنگی سے یہ نوبت بہ ہلاکت پہنچی ہے کیا برا سلوک کیا تم نے اولاد سے اپنے رسول کی۔ خدا انہیں تشنگی روز قیامت سے نجات نہ دے جب ان کافروں نے حر پر حملہ کیا اور اپنے تیروں کا نشانہ کیا حر پھر حضرت کی خدمت میں آئے فوج عمر سعد سے تیر آئے اور انصار امام دفاع پر تیار ہوئے۔

محمد ابن ابی طالب موسوی اور صاحب مناقب اور ابن کثیر نے تاریخ کامل میں شہادت حضرت حر ابن یزید ریاحی کو تقریباً ایک ہی الفاظ میں لکھا ہے جب لشکر امام سے اکثر صحابہ حملۂ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے حر نے امام کی خدمت میں عرض کی چونکہ پہلے میں آپ کو روکنے آیا تھا مجھے اجازت دیجئے کہ میں میدان جہاد میں پہلے آپ کے سامنے مارا جاؤں اور پہلا شخص ان میں سے میں ہوں جو بروز قیامت آپ کے جد بزرگوار سے مصافحہ کروں جب حر نے اجازت پائی معرکۂ قتال میں آ کر کئی شعر رجز میں انشا کئے۔ مضمون ان کا یہ ہے " اے اہل کوفہ و شام آگاہ ہو کہ میں حر ابن یزید ریاحی ہوں مہمانوں کا حامی و مددگار ہوں اپنی تلوار سے تمہارے سر کو جدا کروں گا اور حمایت کروں گا فرزند رسول کی۔ منقول ہے کہ جب حر خدمت امام میں آیا اس وقت یزید بن ابوسفیان تمیمی نے تکبر کے ساتھ کہا اگر حر سے ملاقات ہو تو نیزہ اپنا اس کے سینہ سے پار کروں جس وقت حر میدان کارزار میں آ کر سرگرم قتال ہوئے گھوڑا ان کا زخمی ہو گیا اس وقت حصین ابن نمیر نے کہا اے یزید امید تیری بر آئی اب حر میدان جنگ

نہیں آیا ہے یہ سنکر وہ سامنے آکر حر سے لڑنے لگا تھوڑی ہی دیر میں حر نے اپنی تلوار کا اسے شکار بنا لیا اور ہم سوار اور پیادہ دو کو پکڑ کر دار تک پہونچایا۔ جناب مشغول جہاد تھے کہ اشقیا نے گھوڑے کو پے کیا جناب حر پا پیادہ جنگ میں مصروف ہوئے اور یہ رجز پڑھا جنگ کرنے لگے حر لعین آزاد فرزند آزاد ہوں اور نام ... ثابت قدم ہوں معرکۂ جہاد میں۔ بس ... مصروف کارزار رہے یہاں تک کہ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ حضرت ان کی لاش پر تشریف لائے اس وقت رمق جان باقی تھی حضرت نے دست مبارک تیرے سر پر پھیرا گرد و غبار چہرے سے صاف و پاک کیا اور فرمایا جس طرح تیری ماں نے تیرا نام حر رکھا ہے ایسا ہی دنیا و عقبیٰ میں تو آزاد ہے بعض اصحاب نے مرثیہ حر میں چند شعر لکھے بعض روایات میں وارد ہے کہ امام زین العابدین نے ان شعروں کو مرثیہ حر میں انشاء فرمایا اور مضمون یہ ہے کہ نیک ہے حر فرزند ریاحی کا اور بہت صابر و شکر گزار ہے بوقت نیزہ بازی اور جنگ نیک ہے۔ حر جس وقت کہ پکارا۔ امام حسین کو اور اپنی جان حضرت پر فدا کی پس اے پروردگار میرے حر کی جنت میں مہمان کر اور حوران خوش رو سے اسے تزویج کر۔

منقول ہے جب حر یہ اشعار پڑھتا تھا جن کا حاصل مضمون یہ ہے کہ اے قوم جفا کار اور اے گروہ اشرار میں نے قسم کھائی ہے جب تک تم کو قتل نہ کر دوں گا قتل نہ ہوں گا۔ اور ماروں گا تم کو اپنی شمشیر سے بضرب شدید اور تمہارے مقابلہ سے ہرگز ہرگز عاجز و انکار کرنے والا نہیں ہوں۔ حمایت کرتا ہوں اپنے سردار و آقا کی کہ جائے امید ہر مومن ہیں۔

بروایت شیخ مفید علیہ الرحمہ ایوب ابن مسرح نے اور ایک ملعون نے سواران اہل کوفہ سے حر کو شہید کیا اور بروایت ابن شہر آشوب چالیس کافروں سے زائد کو قتل کیا۔ ابن نما رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاد سے روایت کی ہے کہ حر نے خدمت امام میں آکر عرض کیا یا مولا جب ابن زیاد نے مجھے آپ کی طرف بھیجا اور میں قصر سے باہر نکلا اس وقت صدائے ہاتف میں نے سنی تھی وہ کہتا تھا اے حر بشارت ہو تجھے بہ نیکی۔ جب میں نے پلٹ کر دیکھا کوئی شخص نظر نہ آیا۔ میں نے متعجب ہو کر کہا یہ کیسی خوشخبری میں سنتا ہوں۔ حالانکہ فرزند رسول سے لڑنے جاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا اے حر تحقیق کہ پایا تو نے اجر و نیکی کو۔

منقول انوار نعمانیہ میں منقول ہے اول ابن سعد نے امام کی طرف تیر پھینکا اور وہی سبب تحریک حر ہوا۔ یہ دیکھنے کے بعد حر ابن یزید ریاحی جو فوج عرب میں مشہور تھے خوف خدا سے کانپے۔ حر خوش رو، نو بستہ ابرو، گندم گوں، قامت موزوں، فراخ سینہ، خوش قرینہ، چہرہ نورانی، کشادہ پیشانی، باوفا پرحیا اہل کرم ثابت قدم، نامی ممالک عرب و عجم، گرامی بمیدان تعب تن و تنہا ہزار سواروں سے لڑتے تھے۔ ہر پہلوان ان کے فنون جنگ کو دیکھ کر نام حر کا دم بھرتا تھا۔

منقول ہے کہ جب حر ابن اوس نے یہ اضطراب حر کا دیکھا۔ یہ حر کا ہم قوم و ہم برادری تھا تو کہا اے دلاور یہ کیا تیرا حال ہے تو تو ہزار جوانوں سے مقابل ہو جاتا ہے اور امام حسین کے ساتھ تو کل بہتر ہی تن ہیں امان سے اس قدر پر خطر ہے مقام جنگ اور وقت تنگ ہے حر نے کہا اے اوس آج گویا یوم الحساب ہے اور میدان قیامت برپا ہے۔ میں اپنے نفس کو تولتا ہوں کہ آیا پلہ ولائے امام میری طرف گرانی کرتا ہے یا طرفداری یزید اور حب دنیائے پلید مجھ پر غالب ہوتی ہے۔ میں خوب سمجھتا ہوں اور جانتا ہوں کہ آج جس کا قدم اس صراط مستقیم سے ڈگمگایا اور وفاداری امام سے لغزش ہوئی مقام اس کا جہنم ہے اور جو ثابت قدم رہا وہ

وہ اس صراط کو طے کرکے رسول کی خدمت میں پہونچے گا اس وجہ سے میرا تن بدن کانپتا ہے اور کچھ تیری غلط ہے یہ کہا اور اپنے برادر مصعب اور اپنے بیٹے بکیر اور عروہ غلام کو علیحدہ لے لیا اور مشورہ کیا اور ان سے کہا میں اب تک یہ سمجھا تھا کہ امام حسین اور ابن سعد کے درمیان کوئی معاملہ ہو جائے گا اور صلح ہو جائے گی اور نوبت قتال نہ آئے گی مگر ابن سعد کی حقیقت سے یقین ہوا کہ خونریزی یقینی ہے پس یہ مان لو کہ فرزند رسول سے جنگ فی الاصل رسول سے جنگ کرنا ہے۔ میں امام کی خدمت میں جاتا ہوں اپنا قصور معاف کراؤں گا اور حضرت کی نصرت کروں گا۔ یہ کہا اور لشکر امام کی طرف روانہ ہوا۔ کہتے ہیں حر نے ہاتھ اپنے رومال سے باندھ لئے تھے اور عرق ندامت میں غرق تھا۔ راوی کہتا ہے حر کا برادر، بیٹا اور غلام بھی عقب میں روانہ ہوئے اور چاروں جوان خدمت امام میں حاضر ہوئے اور بعد حصول اجازت میدان حرب میں آکر داد شجاعت دی۔ بروایت جلاء العیون۔ حر دلاور نے تن وتنہا ۵۴ کفار کو قتل کیا۔ اور سیکڑوں کو زخمی کیا جناب عباس اور حضرت امام حسین نے حر کی ضرب بازو پر تحسین و مرحبا فرماتے تھے آخر میں حر نے جام شہادت نوش کیا اور ایک نیزہ کی ضرب سے گھوڑے سے نیچے گرے اور جناب امام حسین کو آواز دی۔ آقا میری خبر لو کہ وقت امداد ہے۔ امام بے قرار ہو کر پہونچے اور سر حر زانوئے اطہر پر رکھ لیا۔ حر نے آغوش امام میں دم توڑا۔ حضرت لاش خیمے میں اٹھا لائے۔

بعض روایات میں ہے کہ جب امام اپنے لشکر کی ترتیب سے فارغ ہو چکے اور لڑائی شروع ہوئی اس وقت حر جو لشکر مخالف میں ایک ہزار سواروں کا سردار تھا جوش ایمانی میں دریائے فرات پر آئے اور غسل توبہ بجا لائے۔ لباس فاخرہ زیب تن کیا اور اپنے بھائی سے منشاء دل بیان کیا برادر حر نے بھی تائید کی۔ اور بھائی کے ہمراہ ہو گیا۔ حر نے اپنے فرزند کی رائے لی اور اس نے بھی تائید کی پس حر لشکر امام کی طرف روانہ ہوئے۔ جناب علی اکبر نے آتے دیکھ کر ٹوکا کدھر آتے ہو اور کیا ارادہ ہے۔ حر نے کمال ادب سلام کیا اور کہا کہ میں قصور معاف کرانے آیا ہوں۔ جناب علی اکبر نے بارگاہ امام میں خبر کی۔ امام نے فرمایا لاؤ۔ ایسے وہ تو ہمارے دوستوں میں سے ہے۔ اور نام اس کا فرد شہدائے کربلا میں مندرج ہے۔ پس حر مع اپنے برادر، پسر و غلام خدمت امام میں حاضر ہوا۔ قدموں کے بوسے لئے امام نے سینہ سے لگا لیا اور قصور معاف فرمایا۔ اور فرمایا کیوں غمگین ہوتا ہے تیرے بشرے سے "فی احسن تقویم" پیدا ہے اور تیرے ہر رگ و ریشے و گوشت و پوست سے ہوائے ایمانی ہویدا ہے۔ اور بشارت جنت دی۔ حر نے رخصت جہاد مانگی۔ امام نے تامل کیا مگر حر کے اصرار پر حضرت نے اجازت دے دی۔ حر میدان میں آئے اور رجز فصیح و نظم ملیح اپنا نام ونسب لشکر مخالف کے سامنے پیش کیا۔ عمر ابن سعد یہ حال دیکھ کر مضطرب ہوا۔ اور تمام لشکریان کو مبارز طلب دیکھ کر حیران ہوا۔ اور صفوان بن حنظلہ کو حر کے پاس بھیجا کہ وہ حر کو فہمائش کرکے واپس لائے اس نے حر کو آکر سمجھایا حر نے اسے ڈانٹا اور اسے قتل کر دیا اس کے تین بھائی مقابل ہوئے حر نے تینوں کو قتل کر ڈالا۔ اور امام سے پوچھا۔ آپ راضی ہیں؟ امام نے فرمایا میں بھی راضی ہوں اور تیرا رب بھی راضی ہے ابن سعد نے خود حر کو سمجھایا حر نے امام کے مراتب ابن سعد سے بیان کئے۔ ابن سعد خاموش ہوا۔ حر نے بہتوں کو زخمی کیا۔ حر عرب کے مشہور شجاع تھے جب حر نے آواز دی۔ امام مع جناب عباس و حبیب ابن مظاہر آئے

ہو، بے اختیار ہو کر رو دئیے اور بشارت دی کہ تیرا ذکر بھی ہمارے ذکر کے ساتھ ہو گا۔ منقول ہے مسعود بن کنانہ کے ہاتھ سے پیشانی حر پر ایک زخم کاری لگا تھا۔ خون بند نہ ہوتا تھا۔ امام نے اپنی مادر گرامی کے ہاتھ کا بنایا ہوا رومال زخم پر باندھ دیا اس کی برکت سے خون بند ہو گیا۔ حر نے یہ مصیبت دلیرانہ عزم سے جھیلی اور حق رفاقت ادا کیا۔ مقتل شاہ شہیدان کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت امام نے حر کو دور سے دیکھا مگر اشقیاء نے سر جسم سے کاٹ کر امام کی طرف پھینک دیا۔ حضرت نے سر اٹھا لیا اور گرد و غبار پاک کرنے لگے۔ بعض روایات میں ہے کہ سر ان کا جدا نہیں کیا گیا امام نے رومال فاطمہؑ سر پر باندھ دیا تھا۔ لاش مع سر دفن ہوئی۔

بہر کیف ان تمام روایات سے واضح ہے کہ حر کے دل میں محبت اہل بیت تھی اور وہ ایمان کے وصف سے متصف تھے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حر لشکر مخالف کی طرف سے کیوں آئے اور راہ میں امام کے گھوڑے کی عنان کیوں روکی اور میدان کربلا تک لائے۔

مجھے یقین ہے اور یقین ہی نہیں بلکہ میرا عقیدہ ہے کہ حر بمصلحت لشکر مخالف کے ساتھ آئے۔

واقعہ حبیب ابن مظاہر سے ظاہر ہے کہ اسوقت نہ صرف کوفہ بلکہ سارا راستہ پر آشوب تھا۔ لوگ اپنے اہل و عیال سے مقصد دل بیان نہ کرتے تھے پس اس صورت میں اگر جناب حر کھلم کھلا امام کی نصرت کرنے چلتے تو عجب نہ تھا کہ قتل کر دئیے جاتے۔ اور مقید کر دئیے جاتے اور اس سعادت سے محروم رہ جاتے اس لئے حر نے تقیہ کیا اور راستہ بھر ایسا عمل رکھا کہ ابن زیاد کے جاسوس جو پیچھے لگے ہوئے تھے بدگمان نہ ہوں اور موقع ملنے پر لشکر امام میں شامل ہو گئے۔

لاش جناب حر کے دفن میں بھی اختلاف ہے ایک روایت میں لکھا ہے کہ جس روز ابن سعد نے اپنے کشتوں کو دفن کیا اور لاشہائے شہداء کو جلتی ریت پر چھوڑ دیا۔ اشقیائے لاش جناب حر سے بسبب رعایت اپنے گروہ کے مزاحمت نہ کی تھی بنی تمیم یا کالی لاش حر کو اٹھا کر دور لے گئے اور سر بھی حر کا مثل اور شہداء کے جدا نہیں کیا۔ اور جہاں اب جناب حر کا روضہ بنا ہوا ہے اس مقام پر اشقیائے قوم نے گڑھا کھود کر بکمال بے احتیاطی لاش حر کو اس میں چھپا دیا۔ اور مٹی دے دی۔ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد شہادت جناب حر مادر حر گروہ مخالف سے ان کی لاش پر آ کر رو دیں۔ اور الزام دے کر بولیں اے حر تو نے رفاقت حسینؑ میں ناحق اپنی جان کھوئی اور ہمیں تباہ و پریشان کر کے کشتی معاشرت اپنے اہل و عیال کی دریائے وبال میں ڈبو دی۔ یہ الزام دے کر پائے لاش حر کو برائے تعصب رسن ظلم سے باندھ کر کھینچتی ہوئی مقتل سے دور لے گئی۔ اور جس مقام پر اب ان کی زیارت گاہ ہے چھوڑ کر چلی گئی اور پھر آپ بھی مر کر وہیں رہ گئی۔ مشہور ہے کہ جو زائر وہاں جاتے ہیں بعد شرف یابی زیارت حر ان کی ماں کی قبر پر سنگ ریزے اٹھا کر برائے رجم پھینکتے ہیں۔ بہر حال بذلت کمال ان کی قوم نے اس مقام پر دفن کر دیا۔ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مدت دراز کے بعد کوئی بادشاہ زائر واسطے زیارت قبر امام حسینؑ وارد کربلا ہوا۔ اس نے سنا تھا کہ وقت شہادت حر جناب سید الشہداء نے زخم کاری پر رومال مطہر جناب فاطمہؑ باندھا تھا اس کی برکت سے خون رک گیا تھا۔ اس بادشاہ کو قبر حر کی تلاش ہوئی۔ وہاں کے باشندوں سے قبر حر کا پتہ لگا یا آداب زیارت بجا لانے کے بعد

دل میں سوچا کہ قبر حر توڑ کر لاش مقدس کو باہر نکالا جائے اور رومال فاطمہ کھول کر لے لیا جائے اور بطور تبرک ساتھ رکھا جائے۔ اور پھر لاش حر دفن کر دی جائے۔ یہ خیال کر کے اُس نے قبر کھدوائی اور دیکھا کہ تمام جسم حضرت حر تازہ اور پر نور ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی دفن ہوئے ہیں۔ اور لباس جو انھوں نے وقت جنگ پہن رکھا تھا زیب جسم ہے۔ اور ایک رومال سر مطہر پر بندھا ہوا ہے اور چہرہ مثل ماہتاب منور ہے لوگوں پر غشی طاری ہوئی۔ بادشاہ نے رومال فرق حر سے کھولا۔ کھولتے ہی اس رومال کے خون تازہ جوش مارنے لگا۔ اور چشم زدن میں خون سے قبر بھر گئی۔ بادشاہ خائف ہوا اور جلد تھوڑا حصہ اس رومال کا لے لیا اور باقی زخم پر باندھ دیا۔ اور روضہ جناب حر بنوا دیا۔ منقول ہے کہ وہ بادشاہ جب نے رومال حاصل کرنا چاہا تھا شیعہ نہ تھا۔ اور واسطے حصول زیارت قبر فرزند رسول آیا تھا۔

ابتدائے مضمون میں جو روایت ولادت جناب حر کی میں نے نقل کی ہے وہ اس روایت سے متضاد ہے۔ وہاں حضرت حر کے ماں کے ایمان کی سند ملتی ہے اور اس روایت سے مخالفت اہلبیت کا الزام عائد ہوتا ہے۔ مگر یہ روایت اصول فطرت کے خلاف معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ ماں کتنی ہی شقی القلب کیوں نہ ہو مگر اپنے فرزند کی لاش کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کر سکتی۔ میرا خیال ہے اور غالباً صحیح خیال ہے کہ اہل قریہ نے حر کو دفن کیا بعض روایات سے زوجہ جناب حر کا بعد شہادت امام حسین حاضری لانا معلوم ہوتا ہے اور جناب زینب کی خدمت میں پرسہ دینا معلوم ہوتا ہے روایت سے زوجہ حر کے ایمان کا پتہ چلتا ہے پس معلوم نہیں کیونکر مادر حر کے متعلق یہ روایت ذکر ہوئی —

بہرکیف اگر مادر جناب حر کا ایمان نہ بھی ثابت ہو تو بھی تو جناب حر کے ایمان میں شک نہیں۔

قطعہ

یا حسین ہے آپ کی روحانیت میں وہ علو

جب ہوئے وابستہ اُس سے ناصرانِ نیک خو

قدر میں عزت میں حریت میں وفا میں عمر میں

ہو گیا معیار واحد پر بہتر کا لہو

اثر جالبی

۶ محرم کو پڑھی جانے والی ایک مجلس

(جناب سید نجم الحسن صاحب نقوی جو فن نثر خوانی کے تنہا مالک و ماہر ہیں۔ یہ فن اب ہندوستان و پاکستان سے ختم ہو کر رہ گیا ہے۔ بس نجم الحسن صاحب کی ایک واحد ذات رہ گئی ہے جو نیاشے نثر خوانی میں کوس لمن الملک بجا رہے ہیں۔ کاش دوسرے نوجوانوں کو بھی اس طرف توجہ ہوتی اور نجم الحسن صاحب کے بعد بھی یہ فن زندہ رہ سکتا۔ ادارہ)

دل کی زینت دردِ حسینی سر کی زینت پائے حسینؑ
آنکھ کی زینت خالص آنسو لب کی زینت ہائے حسینؑ

رونا اور حسین مظلوم پر رونا حقیقتاً زینت ہے مومنین کے خزینۂ حیات کی کیا کہنا اس دل کا جو حسینی درد سے بھرا ہوا ہو اور کس درجہ خوش نصیب ہے وہ آنکھ جو غم حسین میں آنسو بہائے چنانچہ ارشاد ہے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کا جو شخص میرے جد مظلوم جناب امام حسینؑ کی مصیبت پر روئے اس نے احسان کیا جناب رسالتمآبؐ اور جناب سیدہ پر بلکہ حق ادا کیا اس شخص نے ہم اہلبیت کا۔ بڑا اعالی مرتبت ہے وہ غلام جس کا احسان اپنے آقا پر ہو۔ اہل مجلس میں آپ کو رونے کی ترغیب دلا کر رونے پر آمادہ نہیں کر رہا ہوں اور نہ یہ غرض کرنا ہے کہ آپ کے لیے تمام عبادتیں ترک کر کے محض حسین پر رو لینا ہی کافی ہے۔ یہ ایک ایسی بات ہے جس کو عرض کرنے گویا عیسائیوں کے اس مسلک کا سالک بن جانا ہے کہ عیسیٰ ابن مریم کا سولی دیا جانا تمام قوم کے گناہوں کا کفارہ تھا ہرگز ایسا نہیں ہے کہ آپ نماز و روزہ یا اصول دین چھوڑ کر محرم آنے پر صرف عزائے حسین میں مصروف رہیں اور گریہ و زاری کر کے جنت کے مستحق ہو گئے مصیبت حسین پر آپ اشکبار ہوں مگر حسین کی اس سبق آموز زندگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ سجدہ میں سر کٹا دینے کا یہ مطلب تھا کہ دیکھو نماز وہ چیز ہے جو کسی حالت میں بھی ترک نہیں کی جا سکتی اگر ان باتوں پر دھیان رکھ کر حسین کی مصیبت پر روئے تب بیشک یہ رونا دو زنی ہو گا۔ یہ پہلے ہی عرض کیا جا چکا ہے کہ اس تمہید کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو رلانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بھلا کیا مجال کسی کی کہ جو حسین کے چاہنے والوں کو رلانے کی کوشش کرے میں نے مستند ذاکرین سے سنا ہے کہ جہاں صف ماتم حسین بچھائی جاتی ہے وہاں اس بیکس و مظلوم کی غمزدہ ماں یعنی جناب فاطمہ زہرا خود تشریف لاتی ہیں۔ پھر میری طاقت ہے کہ میں ان کے سامنے ان کے فرزند کے چاہنے والوں کو رلانے کی کد و کاوش کر سکوں اگر شاہزادی نے پوچھ لیا کہ تو میرے بچے کے عاشقوں کو رلاتا ہے تو کیا عرض کروں گا۔ نہیں نہیں خاتون محشر میں ان کو نہیں رلا رہا ہوں۔ ان کو حسین کی تین دن کی بھوک و پیاس رلا رہی ہے ان کو آپ کے پوتے جناب علی اصغر کا تیر کھا کر شہید ہونا رلا رہا ہے۔ ان کو سید سجاد کی ہتھکڑیاں بیڑیاں اور خاردار طوق رلا رہا ہے ان کو جناب زینب و ام کلثوم کی پشت کے درے اور جناب سکینہ کا شمر سے طمانچے کھانا رلا رہا ہے۔ آج محرم کی چھٹی تاریخ ہے آج آپ ہراول لشکر حسینی یعنی حر نامدار کا ذکر سننے کے مشتاق ہیں۔ کون حر وہ کہ جس نے لاکھوں ظالموں کے درمیان میں رہ کر بھی بہادری اور جانبازی کے نام پر حرف نہ آنے دیا۔ فوج مخالف کے اس انبوہ کثیر میں جس میں سب کے سب دنیا پرست تھے صرف یہی ایک دین پرست نکلا حر ظاہری حیثیت سے آرام میں تھا دنیا میں بہت کم ایسے ملیں گے جو اپنے آرام و چین کو چھوڑ کر مصیبت اختیار کریں انسان فطرتاً راحت پسند ہے۔

تکلیف پسند نہیں کرتا مگر ؎

بہادر دل کے اپنے نفس پر یوں جبر کرتے ہیں
قضا کو کھیل بچوں کا سمجھ کر حق پہ مرتے ہیں
سمندر آگ کا بھی ہو تو اس کو تیر جاتے ہیں
جہاں سر ٹھوکریں کھاتے ہیں ان کے پیر جاتے ہیں
جہاں میں نصرت مظلوم کا دم کون بھرتا ہے
مگر اسلام کچھ ایسے مجاہد پیش کرتا ہے
حر جانباز بہر نصرت شبیر آتا ہے
ذرا دیکھو وہ کیا اخلاق دنیا کو سکھاتا ہے
بظاہر ایک دیوانہ ہے چشم کور باطن میں
یہ ان کا کام ہے گویا نہ باقی عقل ہو جن میں
ادھر انعام و دولت ہے یہاں جی سے گزرنا ہے
ادھر عہدہ بڑھے گا اس طرف بے موت مرنا ہے
بہتر نفس جن پر تین دن سے بند پانی ہے
تو پھر ایسوں کی نصرت کیا مصیبت کی نشانی ہے
یہ مانا ایک کا دو سے تو لڑنا خیر آسان ہے
ہزاروں کے مقابل چند کس مرنے کا سامان ہے
مگر جو عقل کے دشمن ہیں وہ حر کو نہ پہچانیں
دماغوں میں فقط دنیا ہو جن کے وہ یہ کیا جانیں
حُر غازی کمال نفس انسانی کا جوہر ہے
حُر غازی شجاعت کا دھنی اخلاق پرور ہے
اسے اک تشنہ لب مظلوم کی نصرت پسند آئی
بہادر تھا پھر اس حق کی طرف وہ حق کا شیدائی
حیات عارضی و دولت دنیا سے منہ موڑا
صداقت کے علمبردار کا دامن نہیں چھوڑا
اسی پر کیا ہر اک انسان کامل کی یہ فطرت ہے
نہ سمجھو نصرت سبط پیمبر حق کی نصرت ہے
یہی سیرت سبق آموز طفل ہر مسلمان ہو
یہی سیرت دل اسلام ہو زیبات کی جان ہو

بہادر دلکے ہرگز موت کی پروا نہیں کرتے جو ڈرتے ہیں خدا سے وہ کسی سے بھی نہیں ڈرتے

حقیقتاً جن کے پہلو میں بہادر دل ہوتا ہے وہ ہرگز موت کی پرواہ نہیں کرتے اور جس دل میں خدا و رسول کی محبت اور ان کا خوف ہوتا ہے وہ کسی کے سامنے سر اطاعت نہیں جھکا سکتا جب تک حر کے دل میں خوف خدا و رسول نہیں پیدا ہوا تھا۔ اس وقت تک یزید اور یزیدی حکم اسکے واسطے قابل تعظیم تھا۔ ادھر دل خوف خدا و رسول سے منور ہوا اور محبت اہلبیت سے دل کا گوشہ گوشہ جگمگایا اُدھر یزید اور یزیدی حکم کی کوئی وقعت باقی نہ رہی حر کے لیے کتنا نازک تھا۔ وہ وقت جبکہ ہر دو جانب کی فوجیں آراستہ ہو چکی تھیں اور یہ اپنے اور اپنے دل کے درمیان دوزخ و جنت کو تول رہا تھا۔ اس کے واسطے ان دونوں راستوں کے درمیان بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز راستہ تھا۔ مگر بھلا وہ حق کا شیدائی اور شمع امامت کا پروانہ راہ دوزخ کیونکر اختیار کر سکتا تھا فوراً مع اپنے ایک بھائی اور فرزند و غلام کے جناب امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہوا ؎

روتا ہوا آیا بہ حضور شہ صفدر
مجرا کیا حر نے سر تسلیم جھکا کر
آنکھوں سے لگا شہ بہ قدم سبط پیمبر
کی عرض کہ مجوب ہوں اے خامسہ داوؑ
دوزخ کے شراروں سے بچا لیجئے آقا
اب عاصی کو مرنے کی رضا دیجئے آقا
حضرت نے سنا جب تو بندھا آنسوؤں کا تار
چھاتی سے لگا کر اسے بولے شہ ابرار
لے بھول نہ جانا ہمیں اے یار وفادار
کوثر پہ بھی اب ہو گی ملاقات پھر اک بار
تو ہم پہ تو ہم تجھ پہ فدا ہوئیں گے بھائی
لاشے پہ ترے آنسوؤں سے رو دینگے بھائی

یہاں تک کہ حُرؔ جناب سید الشہدا سے اجازت لے کر میدان میں آیا۔ اور بپھرے ہوئے شیر کی مانند رجز پڑھتا ہوا گویا ہوا کہ اب جس کو دعوی نبرد آزمائی ہو وہ مجھ سے ہم رزم ہو ؎

یہ سخن سن کے پکارا پسرِ سعد شریر
ہاں طرفدارِ شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیے ہتھیار بڑھا فوج کا انبوہ کثیر
یا علی کہہ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
نوبت جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
سپریں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے
رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے
استخواں کانپ گئے نیزہ زنِ رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے
برق شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
اپنی جاں بازی کا شہ سے جو صلہ پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا
حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی
سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز ادھر اور ادھر تنہائی
باگ گھوڑے کی پھرانا تھا کہ برچھی کھائی
آ گیا موت کے پنجہ میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی
واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حرِ باتوقیر
اور ادھر روتے چلے رن کو جناب شبیر
دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر
پہنچے لاشے پہ امامِ دوجہاں وقتِ اخیر
چمنِ ہستی جہاں کو اجڑتے دیکھا
ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

حسینؑ بلاتکلف دوست کے سرہانے پہونچکر خاک پر بیٹھ گئے۔ سرِ حُر اپنے زانوئے مبارک پر رکھ لیا دیکھا کہ خون سرِ حُر سے بند نہیں ہوتا رومال فاطمہ زہرا جو بجائے تعویذ بازو پر بندھا تھا کھولا فرمایا اے حُر یہ وہ رومال ہے جس کے سوت کو رسول کی بیٹی نے اپنے ہاتھ سے کاتا تھا اگر انبیائے ماسلف بھی اس کی تمنا کرتے تو بجا تھا یہ فرما کر سرِ حُر پر باندھ دیا فوراً خون بند ہو گیا غالباً دنیا یہ خیال کرے کہ حر ابن یزید ریاحی شاید دیگر شہدائے کربلا سے افضل تھا کہ حسین ابن علی نے فاطمہ زہرا کے ہاتھ کے کتے ہوئے سوت کا خلعت اس شہید راہ خدا کو عطا فرمایا ایسا نہیں ہے شہدائے کربلا مرتبے کے لحاظ سے سب برابر ہیں اس عطیۂ فرزندِ رسول کی حقیقت میں مصلحت صرف یہ تھی کہ حر بنظر عوام میں اپنی پچھلی بے ادبی کے ماتحت بہت زیادہ خطاوار تھا اور چند لمحہ پہلے شریک لشکر امام ہوا تھا۔ قاعدہ یہ ہے کہ جب اپنے کسی مخصوص آدمی کو کسی ضرورت سے اپنے کسی دوست کے پاس بھیجتے ہیں تو اگر وہ جانے والا اجنبی ہوتا ہے تو اس کو بطور نشانی کوئی چیز اس لیے دیدی جاتی ہے کہ جس کے پاس وہ بھیجا جا رہا ہے وہ اس نشانی کے ذریعہ یقین کر لے۔ ہاں یہ ہمارے دوست کے پاس سے آیا ہے اور دوست نے اپنی نشانی دیکر بھیجا ہے۔ ہاں اگر کوئی سمجھا بوجھا آدمی بھیجا جائے تو کوئی خاص اہتمام نہیں کرنا پڑتا حر اس سے پہلے خطاکار تھا شک تھا کہ دروازہ جنت پر خازنِ جنت۔ جنت میں جانے سے مانع ہوتا یا یہ کہ اس کی نگاہ حر پر دیر سے پڑتی حسین نے خازن جنت کے اطمینان خاطر کے لیے حر کو خلعت۔ رومال فاطمہ دیکر بھیجا تھا۔ رونے والو! حسین مظلوم کا ناصر اور وہ بھی ایسے خلعت، میرے فرزند کا رومال تھی خازن جنت کی روک بھی سکتا میرا تو ایمان یہ ہے کہ اس رومال کو دیکھکر تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا ہوگا یہ کوئی نئی بات نہیں آسمان کے رہنے والوں نے ہمیشہ اس خاندان کے افراد کا اسی طرح خیال کیا ہے یہ تو کچھ سیہ دلے تھے زمین کربلا کے نام نہاد مسلمان ہی تھے کہ جنھوں نے بعد شہادت حسین جناب زینب کے سر سے چادر تک چھین لی بہرحال حر آقا کے زانوئے مبارک پر دم توڑتا ہے ؎

لاش پر حر کی یہ رو رو کے پکارے سرور ۔ مرے مہمان و مددگار و معین و یاور
موت کیا آئی مجھے ٹوٹ گئی ہے مری کمر ۔ مرتے مرتے بھی مجھے آہ نہ کی تم نے خبر
دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آیا ہے ۔ آنکھ تو کھولو ذرا بھائی حسین آیا ہے
واہ رے حر جری میں تری ہمت کے فدا ۔ اسکو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا
ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احسان بخدا ۔ بھائی بھی بس یہی کرتا مرا جو تو نے کیا
حق تعالیٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی
اس رفاقت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

شبِ عاشور اور حُر کی پشیمانی

جناب آرزو لکھنوی علی اللہ مقامہ

لٹنے کو تھا جو دشت میں خیر النساء کا باغ — افسردہ تھے بجھے ہوئے دل کی طرح چراغ
سوزِ غمِ عطش سے نہ پیاسوں کو تھا فراغ — انجم بنے ہوئے تھے دل آسماں کے داغ
تاریک ہر نگاہ میں کل کائنات تھی
پیاسوں کے سوزِ دل کا دھواں تھا کہ رات تھی

سوکھے لبوں پہ ذکرِ خدا اور دلوں میں نور — سجدے کبھی دعا کبھی معبود کے حضور
اس عاجزی پہ جوش میں تھی رحمتِ غفور — تقسیم ہو رہے تھے سبھوں پر قصور و حور
قبضہ تھا دو جہاں پہ شہِ مشرقین کا
جنت کو لوٹے لیتا تھا لشکر حسینؑ کا

دوزخ میں گھر بنا رہے تھے خانماں خراب — آئے نہ تا بہ ہر کوئی تھا یہ سدِّ باب
حوروں کی اپنے دیکھ رہے تھے لعین جو آب — مالک پکارتا تھا کہ آؤ ادھر شتاب
لپٹیں گے بعدِ مرگ کفن بن کے لاش میں
دوزخ سے باہر آتے ہیں شعلے تلاش میں

ہاتف پکارتا تھا کہ ٹھہرو ابھی ذرا — ہے ایک جنتی ابھی ان میں گھرا ہوا!
عاشق امامِ پاک کا دشمن یزید کا — آ جائے اس پہ آ گئی تو قیامت ہوئی بپا
ہونا ہے وہ جو مصلحتِ کردگار ہے
حُر آئے فوجِ شاہ میں پھر اختیار ہے

حالت یہ ہے کہ دل میں ہے درد اور منہ اداس — جنت کے اشتیاق میں ہے سدرہ بھر اس
دلمیں کسی کا دھیان نہ ہے کوئی آس پاس — پیش نظر ہے صورت سردار حق شناس
کرتا ہے توبہ کانوں کو اپنے مروڑ کے
گردن جھکائے لیتا ہے ہاتھوں کو جوڑ کے

شرمندہ ہے جو دست درازی پہ سربسر — ہے ہاتھ پہ کبھی کبھی تلوار پہ نظر!
عجلت کا قول ہے کہ نہ ہو جلد قطع کر — ہے مقتضائے عقل کہ عجلت میں ہے ضرر
چلنا ہے خدمت شہ بدر و حنین میں
دینا ابھی یہ ہاتھ ہے دست حسین میں

بہتر ہے چل کے سامنے آقا کے ہاتھ جوڑ — کر توبہ اپنے جرم سے کانوں کو خود مروڑ
پیمان شکن ہے عہد جو باندھا ہے اس کو توڑ — بہکا ہوا تھا جن کے سبب انکا ساتھ چھوڑ
لینا ہے کام نصرت شاہ انام کا
قبضہ میں کیونکر آئیگا قبضہ حسام کا

دل فوج سے نکلنے کی جب ڈھونڈھتا ہے راہ — کرتا ہے سوئے خیمہ شاہ زمن نگاہ
آتی ہے لب پہ صدمہ دوری سے سرد آہ! — جز روئے شاہ آنکھ میں دنیا ہے سب سیاہ
کہتا ہے شوق دل کو قرار اب نہ آئیگا
ہمت پکارتی ہے کہ کیا چھپ کے جائیگا

کاٹ اتنی رات صبح کو جانا سوئے امام — آگاہ ہم نہ تھے کہ کہے یہ سیاہ شام
نیت درست ہے تو تردد کا کیا مقام — اس طرح جا کہ ہاتھ میں ہو برہنہ حسام
روکے جو بڑھ کے لشکر شر بھی تو خوب ہے
ہاتھ آئے نذر کو کوئی سر بھی تو خوب ہے

انجمن میں تھا وہ عاشق شاہنشہ عرب — ہر لحظہ بڑھتے جاتے تھے رنج و غم و تعب
تلوار کھینچ لیتا تھا گاہے بصد غضب — گہ فکر تھی کہ جلد کٹے کس طرح یہ شب

آہن کی چادریں تھیں کہ دامن حریر کے
غصہ میں پھینک دیں سپریں چیر چیر کے

صیقل کبھی تھی نیزہ و خنجر پہ بار بار — گہہ دیکھتا تھا جوہر شمشیر آبدار
تولا اٹھا کے ہاتھ میں گہہ گرز گاؤ سار — ترکش سے گاہ کھینچ کے ناوک گئے شمار
دیکھا جو زور بازوؤں کا جان چھوڑ کے
پھینکا وہیں کمان کیا فی کو توڑ کے

دل نے کہا ہٹاؤ یہ حربہ فضول تھا — کافی ہے ایک تیغ اگر ہوش ہوں بجا
گرز و تیر بھی تیغ نہیں تلوار کے سوا — بوجھا میوں کا لاد کے پھرنے سے فائدہ
راحت سفر میں جب ہے کہ سامان قلیل ہو
نیزہ بھی رکھ او دھر کہ نہ قصہ طویل ہو

چہرہ کا نگاہ جو دیکھنے میں دھار تیغ کی — جرأت پکاری نیک شگوں ہے یہ اے جری
خونریزیوں کے بعد شہادت ہے لازمی — دیکھا ہو تو چہرہ پہ سرخی سی آگئی
دل نے کہا کہ حوصلہ کیوں پست ہو گیا
کفارہ گناہ سر دست ہو گیا

ناگاہ سپاہ شام میں دردی بجی ادھر — خیموں سے باہر آئے رئیسان فوج شر
دنیا کے رنگ سے ہوئے ذی ہوش باخبر — حر جری نے عزم سفر پر کسی کمر
دل کی گرہ کو ناخن ہمت نے وا کیا
قبل نماز شکر کا سجدہ ادا کیا

اسباب پر نگاہ نہ کی مال پر نظر — منصب کو صدقہ کر دیا جاگیر خلد پر
تیغ و سپر سنبھال کے مضبوط کی کمر — خیمہ سے اضطراب میں نکلا بہ کر و فر
زوجہ سے منہ کو موڑ کے حسرت میں مڑ کے
ایمان ساتھ لے لیا عزت کو چھوڑ کے

منچلوں کے پیشوا حُرِّ دلاور السلام

محترمہ بانو سیدپوری

اے خودی کے راز داں۔ ایماں کے پیکر السلام
نوعِ انسانی کی بیداری کے منظر السلام
غافلوں کے واسطے بیدار ٹھوکر السلام
السلام اے ناصرِ دینِ پیغمبر السلام
منچلوں کے پیشوا حرِ دلاور السلام

الغرض تو ہے زندگی کا فخر۔ قلت کا غرور
ہے ترے اقدام کی ٹھوکر میں کثرت کا غرور
عزمِ مستحکم سے لرزاں مادیت کا غرور
سر بسجدہ سامنے تیرے تھا دولت کا غرور
زر کو ٹھکرانے میں تھے بوذر کے تیور السلام

مادیت نے بچھائے دام مکر و زور کے
عیش و آرامِ زمانہ راہ میں حائل ہوئے
زیست کی رعنائیوں نے بڑھ کے روکے راستے
کس قدر عزم و عمل پر اپنے تھا قابو تجھے
پختہ کار و حق شعار و صدق پیکر السلام

اضطراری کیفیت میں وہ ترا آنا نہ تھا
رات بھر حالات کو خاموش تو تولا کیا
تھا ترا اقدام غور و فکر میں ڈوبا ہوا
تین شاہد ساتھ میں ہیں شک کسے ہوگا بھلا
اعتدالِ نفس تیرا فضلِ داور السلام

تجھ میں ایماں کی تڑپ کتنی تھی یہ دیکھا نہیں
زندگی کو حق کی خاطر موت سے بدلا نہیں
دل کو رکھ کر دھار پر تلوار کی پرکھا نہیں
منکر صدقِ حسینی نے تجھے سمجھا نہیں
پیکرِ عزم و عمل اے حق کے مظہر السلام

اپنا جادو دولتِ دنیا چلاتی ہی رہی
ہر نفسِ باطل کی تاریکی فزوں ہوتی گئی
یہ ترے کردار کی قوت تھی اے مردِ جری
ایسے میں بھی راہِ حق نظروں نے تیری ڈھونڈ لی
بحرِ عرفان و یقیں کے اے شناور السلام

اس طرح زنجیرِ غفلت توڑ سکتے ہیں جری
اس طرح ٹوٹا ہوا دل جوڑ سکتے ہیں جری
اس طرح باطل کا جادہ چھوڑ سکتے ہیں جری
اس طرح دریا کا دھارا موڑ سکتے ہیں جری
وہ ثباتِ عزم وہ عرفاں کے تیور السلام

موت تو آنی یقینی تھی مگر اے حق پسند
زندگی کا صرف بیجا تھا جو موت آئی ادھر
روح کے بندھن کھلے جب ہاتھ آیا باندھ کر
آج ہے انسانیت نازاں ترے اقدام پر
ہے جبینِ ابنِ آدم اور ترا در السلام

مادیت کے سرِ نخوت پہ ٹھوکر یاد ہے
حق پرستی کا وہ عالم اے دلاور یاد ہے
ہاں وہ موقع کی شناسائی کا منظر یاد ہے
موت کے منہ میں چلے جانے کا تیور یاد ہے
آ گیا خود دوڑ کر قدموں میں کوثر السلام

دامِ تنزیر حکومت سے نکلنا یاد ہے!
پھنس کے وہ گرداب میں تیرا سنبھلنا یاد ہے!
نخوتِ باطل کو وہ بڑھ کر کچلنا یاد ہے!
دھار پر تلوار کی وہ تیرا چلنا یاد ہے
رہبرِ راہِ رضا۔ عرفاں کے جوہر السلام

امامیہ مشن کی ممبری قبول فرماکر نصرت اہلبیت علیہم السّلام کا فریضہ ادا کیجئے

تفصیل چندہ ممبری

(۱) سرپرستان ادارہ۔ کم از کم سو روپیہ یکمشت یا ایک ہزار شلنگ (۲) مربیان ادارہ۔ کم از کم سو روپیہ یکمشت یا دو سو شلنگ۔
(۳) ارکان دوامی (لائف ممبر) کم از کم پچاس روپیہ یکمشت یا بالاقساط یا سو شلنگ (۴) ارکان خصوصی کم از کم پانچ روپیہ سالانہ یا دس شلنگ سالانہ۔
(۵) ارکان عمومی۔ کم از کم ایک روپیہ سالانہ یا دو شلنگ سالانہ۔

حقوق ممبران

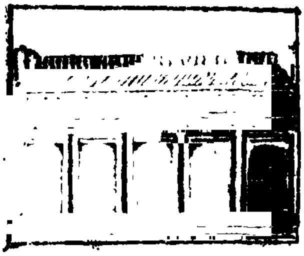
سرپرستان و مربیان کی خدمت میں رکنیت سے قبل و بعد کے تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں (موجودہ اسٹاک)
ممبران دوامی کی خدمت میں بھی ممبری کے بعد شائع تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں اور قبل کے شائع شدہ رسائل اگر خریدنا چاہیں تو صرف نصف قیمت لی جاتی ہے۔
ممبران خصوصی کی خدمت میں بھی ممبری کے بعد شائع ہونیوالے تمام رسائل بلا طلب بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں مگر قبل کے شائع شدہ رسائل کی پوری قیمت لیجاتی ہے۔
ممبران عمومی کو ممبری کے بعد شائع ہونیوالے تمام رسائل بشرط طلب صرف نصف پر دیئے جاتے ہیں اور سابقہ رسائل اگر خریدنا چاہیں تو پوری قیمت چارج کی جاتی ہے۔
(نوٹ) ممبران عمومی و خصوصی کو ملحوظ رہے کہ مشن کا مالی سال یکم محرم سے شروع ہو کر ماہ ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے لہٰذا ہر سال ماہ محرم میں اپنا چندہ ضرور ارسال فرمادینا چاہیئے جو ممبران اثنائے سال میں ممبری قبول فرمائیں گے ان کو یکم محرم ہی سے متصور کیا جائے گا اور محرم ہی سے رسائل میں رعایت بھی دی جائیگی نیز ان کا سال ماہ ذی الحجہ ہی میں ختم ہو جائے گا۔
پوسٹل آرڈر یا چیک کراس نہ ہونا چاہیئے بلکہ رجسٹری کے ذریعہ حسب ذیل پتہ پر آنا چاہیئے۔
پوسٹل آرڈر یا تو سادے ارسال ہوں یا ان پر سکریٹری امامیہ مشن سرفراز پوسٹ آفس لکھنؤ تحریر ہو۔
زر چندہ کے ساتھ مزید ۸/ آنے بغرض صرف رجسٹری رسائل بھی ضرور ارسال فرمایئے یعنی ممبران خصوصی پانچ روپیہ ۸/ آنے کا منی آرڈر روانہ کریں۔

سنہ ۱۳۸۱ھ میں اپنے مشن کی توسیع ممبری کی طرف مخصوص توجہ فرمایئے

صرف پانچ روپیہ آٹھ آنہ سالانہ ادا کرکے آپ اپنے اس مشن کے ممبر خصوصی بن سکتے ہیں اور دوران ممبری میں شائع ہونے والے تمام لٹریچر آپ کو بلا طلب بلا قیمت ملتا رہیگا۔ اپنے چندہ کا منی آرڈر فوراً روانہ فرمایئے۔

الداعی الی الخیر

سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ (ہندوستان)



گلدستہ

گنجِ شہیداں

حصۂ نظم

میر انیس مرحوم

باقر رضوی امانت خانی

احمد علی صاحب اسد

حصۂ نثر

عزیز احمد

علامہ مجتبیٰ حسن کامونپوری

رضی الدین حیدر

انصار حسین

فدا علی صاحب نثار

فہرست

حصۂ نثر

حصۂ نظم

وہ انصار سید الشہداؑ جن کے حالات الگ مضمون کی صورت میں درج نہیں ہیں

(حکیم عزیز احمد صاحب رضوی کنتوری)

بریر ہمدانی

کبیر السن تھے اور تابعین میں شمار ہوتا تھا عبادت گزار اور حافظ قرآن ہونے کے علاوہ حضرت علیؑ کے صحابی بھی تھے۔ کوفہ کے رہنے والے تھے اور ہمدانی قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مشہور محدث و حافظ ابو اسحاق ہمدانی سبعی کے چچا تھے۔ مسجد کوفہ میں لوگوں کو قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ وہ سید القراء یعنی حافظوں کے سردار کے لقب سے مشہور تھے۔ جب حضرت امام حسینؑ کربلا تشریف لا رہے تھے تو اثنائے سفر میں آپ کہیں امامؑ سے ملحق ہوئے۔

یوم عاشور آغاز جنگ کے بعد جب زیاد اور ابن زیاد کے غلام یسار اور سالم نے آ کر مبارزت طلبی کی تو حبیب ابن مظاہر کے ساتھ جناب بریر ہمدانی بھی مقابلہ کے لئے آمادہ ہوئے تھے مگر امام حسینؑ نے انھیں اس محل پر جنگ کرنے سے روک دیا تھا اور عبد اللہ بن عمیر کو اجازت مقابلہ مرحمت فرمائی تھی جن کے دست حق پرست سے یہ کافر صفت مسلمان قتل ہوئے تھے۔

میدان جنگ میں آپ نے یزید بن معقل سے (جو فوج عمر بن سعد میں تھا) مقابلہ کرنے سے پہلے مباہلہ بھی کیا جس کے نتیجے میں وہ ملعون جناب بریر کی ضربت سے فی النار ہوا۔

ابھی وہ اس کے قتل سے فارغ بھی نہ ہونے پائے تھے کہ رضی بن منقذ عبدی جناب بریر پر حملہ آور ہوا اور وہ آپ سے لپٹ کر کشتی لڑنے لگا۔ جناب بریر نے اسے پچھاڑ دیا اور اس کے سینے پر سوار ہو گئے۔ زیر ہو جانے کے بعد جب اس نے اپنی جان خطرہ میں پائی تو چلا کر اپنی فوج والوں کو مدد کے لیے پکارا۔ ایک شخص کعب بن جابر بن عمرو ازدی اس کی مدد کو دوڑ کر پہونچا اور نیزہ سے بریر پر حملہ کر دیا جس کے صدمہ سے بریر زمین پر گر پڑے اور پھر اس نے تلوار سے ان کا کام تمام کر ڈالا۔ کعب کو اس کی فوج کے ساتھی برابر منع کرتے رہے کہ بریر پر حملہ نہ کرو یہ حافظ قرآن ہیں اور بڑے مقدس بزرگ ہیں لیکن کعب نے ایک نہ سنی اور اپنے آپ کو عذاب جہنم کا مستحق بنا لیا۔

ادہم بن امیہ عبدی البصری

بصرہ کے رہنے والے قبیلہ عبد قیس سے تعلق رکھتے تھے۔ بصرہ میں ان خفیہ جلسوں میں شریک رہتے تھے جو ایک محب اہلبیت خاتون جناب ماریہ بنت سعد کے مکان پر امام حسینؑ کی تائید میں ہوتے رہتے تھے ان میں ادہم بن امیہ بھی شریک ہوا کرتے تھے۔

ابن زیاد نے بہ حیثیت گورنر بصرہ بصرہ کے پورے علاقہ کی ناکہ بندی کر دی تھی تاکہ کوئی شخص نصرت امام حسینؑ کے لئے نہ جا سکے۔ ایسے پر خطر وقت میں یزید بن ثبیط قیسی نے نصرت حسینؑ کے لئے جانے کا ارادہ کیا تو یزید کے دو صاحبزادوں اور چند دیگر افراد نے عہد کیا کہ ہم تمام خطرات کو انگیز کر کے حسینؑ تک پہونچنے کے لیے آمادہ ہیں انھیں چار افراد میں ادہم بن امیہ بھی تھے۔ یہ لوگ مقام "ابطح" میں جو کہ مکہ معظمہ کے جوار میں واقع

سے امام سے آکر ملحق ہوئے۔
آپ روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

عمر بن خالد صیداوی

عمر بن خالد بن حکیم بن حزام الاسدی الصیداوی کوفہ کے اشراف اور شیعیان اہل بیت سے تھے۔ حضرت مسلم کی شہادت کے بعد جب کامیابی کا کوئی امکان باقی نہ رہا تو آپ بھی پردہ خفا میں چلے گئے۔ جب قاصد حسینؑ جناب قیس بن مسہر صیداوی کے اعلان کے مطابق یہ معلوم ہوا کہ حضرت امام حسینؑ منزل حاجز تک پہونچ چکے ہیں تو جناب عمر بن خالد اپنے غلام سعد اور تین دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ امام کی خدمت میں روانہ ہوکر عذیب الہجانات میں امام سے آکر ملحق ہوگئے۔ فوج یزیدی کے سردار حر بن یزید ریاحی نے مزاحمت کی اور اس پر امام سے کہا کہ میں ان لوگوں کو گرفتار کروں گا اس لیے کہ وہ آپ کے ہمراہ نہیں آئے تھے۔

حضرت نے فرمایا کہ اب جب کہ یہ آچکے ہیں تو میری امان میں ہیں اور میں انھیں گرفتار نہ ہونے دوں گا۔

روز عاشور وہ فوج اعدا پر مع اپنے چار ہمراہیوں کے ایک ساتھ حملہ آور ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ دشمنوں کے نرغہ میں گھر گئے اور لشکر امام سے منقطع ہوکر رہ گئے۔ امام مظلومؑ نے حضرت عباسؑ کو ان کی امداد کے لئے روانہ کیا۔ آپ نے تن تنہا پہونچ کر دشمن کے محاصرہ کو توڑ دیا اور پانچوں مجاہدوں کو اپنی حفاظت میں لے کر خیام امام کی طرف روانہ ہوئے۔ اسی اثناء میں پھر فوج اعدا اس سمت آئی اور ان کے قریب پہونچ گئی۔ ان پانچوں شیروں کو پھر غیظ آگیا اور حضرت عباسؑ کی حفاظت سے نکل کر دشمنوں پر ٹوٹ پڑے اور غضب کی شمشیر زنی کی۔ آخرکار سب ایک ساتھ شہید ہوگئے۔ اور حضرت عباسؑ مجبوراً خدمت میں واپس ہوئے اور واقعہ کی اطلاع پہونچائی امام نے ان بہادروں کے لئے کئی مرتبہ دعائے خیر فرمائی۔

عائذ بن مجمع

آپ مجمع بن عبداللہ عائذی کے فرزند تھے۔ وہ اپنے والد بزرگوار کے ساتھ کربلا آئے اور انھیں کے ہمراہ جنگ کرکے شہید ہوئے۔

جنادہ بن کعب انصاری

آپ کا پورا نام جنادہ بن کعب بن حارث انصاری خزرجی تھا امام کے ساتھ آپ مکہ معظمہ سے مع اہل وعیال کربلا تک پہونچے اور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حباب بن حارث

آپ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے۔ ابن شہر آشوب نے آپ کا شمار حملہ اولیٰ کے شہداء میں کیا ہے۔

حباب بن عامر بن کعب تیمی

کوفہ کے قبیلہ تیم اللات بن ثعلبہ کی فرد اور شیعہ علی تھے۔ جناب مسلم کی بیعت بھی کی تھی اور ان کی شہادت کے بعد مجبوراً روپوش ہوگئے اور خفیہ طور پر کسی طرح حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہونچے یوم عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

حبشہ بن قیس نہمی

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ ان کے دادا جناب سلمہ بن ظریف صحابی پیغمبرؐ تھے جناب حبشہ خود بھی راوی حدیث ہیں عاشور کو درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

حجاج بن زید سعدی تمیمی

قبیلہ بنی سعد بن تمیم میں سے بصرہ کے رہنے والے تھے۔ مسعود بن عمرو ازدی کا وہ خط لے کر جو امام کے جواب میں بھیجا گیا تھا آپ کربلا کے مقام پر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہونچے اور

بصرہ میں شہادت کی سعادت حاصل کرنے کے لئے ٹھہر گئے چنانچہ روز عاشورہ قبل ظہر حملہ اولی میں شہید ہوئے۔

حنظلہ بن عمر شیبانی

آپ کے تفصیلی حالات نہیں ملتے البتہ ابن شہر آشوب نے ان کا نام حملہ اولی کے شہیدوں میں درج کیا ہے۔

زہیر بن بشر خثعمی

آپ کے حالات بھی نہیں ملتے۔ ان کا شمار بھی حملہ اولی کے شہداء میں کیا گیا ہے۔

سوار بن منعم

پورا نام سوار بن منعم بن حابس بن ابی عمیر بن نمر الہمدانی النہمی تھا وہ راوی حدیث بھی تھے۔ کربلا میں ان دنوں پہونچے جب عمر سعد اور امام میں گفتگو مصالحت جاری تھی۔ حملہ اولی میں جنگ کی اور زخمی ہو کر گر گئے۔ اعداء نے انھیں گرفتار کر کے عمر سعد کے سامنے پیش کیا۔ اس نے قتل کرنا چاہا مگر ان کے قبیلہ والے مزاحم ہوئے اور انھیں اپنی حفاظت میں لے لیا۔ مگر اس جنگ میں اتنے زخمی ہو چکے تھے کہ جانبر نہ ہو سکے اور ان کی یہ قربانی جو یوم عاشور پیش کی تھی چھ مہینے بعد پوری ہوئی جبکہ زخموں کی تکلیف سے انتقال فرمایا۔

سیف بن مالک عبدی

آپ بصرہ کے قبیلہ عبد قیس کی فرد اور شیعہ اہل بیت تھے۔ یہ بھی ان مخفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے جو بصرہ میں ماریہ منقذ عبدیہ کے مکان پر ہوا کرتا تھا۔ یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ نصرت امام کے لئے روانہ ہوئے، اور مقام ابطح میں امام سے ملحق ہوئے۔ حملہ اولی میں شہادت کی سعادت حاصل کی۔

عامر بن مسلم عبدی

یہ بھی بصرہ کے ان شیعوں میں سے تھے جو جناب ماریہ بنت منقذ کے یہاں جلسوں میں شرکت کیا کرتے تھے۔ یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ نصرت امام کے لئے روانہ ہوئے اور مقام ابطح میں امام سے آکر ملحق ہوئے روز عاشورہ حملہ اولی میں شہید ہو گئے۔

عباد بن مہاجر بن ابی المہاجر جہنی

حضرت امام حسینؑ کے قافلہ میں بہت سے صحرائی قبائل کے افراد اس لالچ میں شریک ہو گئے تھے کہ آپ کوفہ پہنچتے ہی حکمرانی کرنے لگیں گے اور اپنے ہمراہیوں کو انعام و اکرام اور عہدوں اور جاگیروں سے نوازیں گے اسی قسم کے لوگوں کے ساتھ جناب عباد بن مہاجر بھی حضرت کے ساتھ آئے تھے مگر آپ کا بعد والا طرز عمل بتاتا ہے کہ آپ کسی دنیاوی لالچ میں حسینؑ کے ساتھ نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی خلوص عقیدت کے جذبہ کے ماتحت رفاقت اختیار کی تھی۔ مگر جب منزل زبالہ پر حضرت مسلم کی خبر شہادت سننے کے بعد امام نے اعلان کیا کہ وہ لوگ واپس چلے جائیں جو کسی دنیاوی لالچ میں ہمارے ساتھ آئے ہیں، دنیادار تو سب چلے گئے مگر عباد بن مہاجر نے اس وقت تک ساتھ نہیں چھوڑا جب تک کہ آپ یوم عاشور درجہ شہادت پر فائز نہ ہو گئے۔

عبدالرحمن بن عبداللہ بن کدن ارحبی

آپ مشہور تابعی اور بڑے نبرد آزما بزرگ تھے۔ آپ اس دوسرے وفد کے ساتھ جو ۵۳ عرضداشتیں لے کر کوفیوں کی طرف سے روانہ کیا گیا تھا امام کی خدمت میں آئے تھے۔ اس وفد میں قیس بن مسہر صیداوی اور عمارہ بن عبید سلولی کے علاوہ عبدالرحمن بن عبداللہ بھی تھے ان تینوں افراد کو امام حضرت مسلم بن عقیل کے ساتھ کوفہ واپس بھیج دیا تھا مگر بعد میں کسی طرح عبدالرحمن بن عبداللہ امام کی خدمت میں پہونچ گئے اور روز عاشور حملہ اولی میں شہید ہوئے۔

عبداللہ بن یزید بن ثبیط قیسی
عبیداللہ بن یزید ثبیط قیسی

یہ دونوں شہید کربلا جناب یزید بن ثبیط کے صاحبزادے

تھے ان کے دس بیٹوں میں سے دو نے نصرت امام میں باپ کے شریک رہنے کی حامی بھری تھی۔ چنانچہ یہ تینوں باپ بیٹے مقام ابطح میں آ کر خدمت امام میں حاضر ہوئے اور دونوں اپنے باپ یزید کی طرح حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

عمار بن حسان طائی

آپ کا پورا نام و نسب تھا عمار بن حسان بن شریح بن سعد بن حارثہ بن لام بن عمر بن طریف بن عمر بن ثمامہ بن ذہل بن جدعان بن سعد بن طے۔

جناب عمار کا شمار ممتاز شیعیان اہل بیتؑ میں ہوتا تھا اور وہ بڑے بہادر اور نبرد آزما سپاہی تھے ان کے والد جناب حسان بن شریح امیر المومنینؑ کے جلیل القدر صحابی تھے جو جنگ صفین میں باغی فوجوں کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے۔

باپ نے حضرت علیؑ کی خدمت میں جاں نثار کی تو ان کے فرزند جناب عمار نے حضرت سید الشہداءؑ کی نصرت میں اپنی جان کی قربانی پیش کی۔ حملہ اولیٰ میں شہادت کی سعادت حاصل فرمائی۔

عمران بن کعب بن حارث اشجعی

آپ کے حالات تاریخوں میں نہیں ملتے مگر مورخین نے آپ کا شمار حملہ اولیٰ کے شہداء میں کیا ہے۔

کنانہ بن عتیق تغلبی

کنانہ بن عتیق بن معاویہ بن جماعت بن قیس تغلبی کوفہ کے باشندہ، بڑے بہادر سپاہی، عابد، زاہد اور حافظ قرآن تھے۔ جنگ چھڑنے سے پہلے امام سے جا کر ملحق ہوئے اور حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

منیع بن زیاد

آپ کے حالات تاریخ سے نہیں ملتے مگر حملہ اولیٰ میں شہادت پائی۔

سعید بن عبداللہ حنفی

کوفہ کے معزز باشندے تھے اور محبت اہل بیتؑ میں سرشار، عبادت کے ساتھ شجاعت میں بھی بلند مقام رکھتے تھے۔ اہل کوفہ کی طرف سے امام کی خدمت میں آخری خط آپ ہی جناب ہانی بن ہانی سبیعی کے ساتھ لے گئے تھے۔ امام نے انہیں دونوں کے ہاتھ اس خط کا جواب روانہ کیا۔

آپ نے اس جلسہ میں بھی تقریر کرتے ہوئے نصرت امام کا عہد کیا تھا جو کوفہ میں اس وقت ہوا تھا جبکہ حضرت مسلم جناب مختار کے مکان میں فروکش تھے۔ اسی طرح آپ نے شب عاشورہ بھی امام کی تقریر کے جواب میں بڑے ولولہ انگیز الفاظ میں رفاقت و فداکاری کا وعدہ کیا تھا جسے پوری طرح نبھایا اور اپنی جان امام پر بڑی بہادری سے قربان کر دی۔

طریقہ شہادت بھی بڑا انوکھا تھا جس سے پتہ چلتا ہے کہ حسینؑ کی معرفت نے ان حضرات کی قلب ماہیت کر دی تھی اور فطرت بدل دی تھی فطرت انسانی تو یہ ہے کہ جب دشمن کا وار کوئی حربہ آتا ہے کہ وہ اسے خالی دینے کی کوشش کرتا ہے حتی کہ اگر ایک تنکا بھی آنکھ تک اڑ کر آئے تو آنکھ از خود جھپک جاتی ہے مگر حسینؑ جیسے انسان کامل کی محبت نے سعید کی فطرت کو اس طرح بدل دیا تھا کہ جب ظہر کی نماز کے وقت زہیر قین کے ساتھ جناب سعید امام کے سامنے تیروں کی بارش روکنے کے لیے کھڑے ہوئے ہیں تو جو تیر آتا تھا وہ اسے بڑھ کر اپنے سینہ پر روکتے تھے۔ وہ اسے جذبہ نصرت ادھر امام نے نماز ختم کی ادھر یہ او کھا مجاہد تیروں کے زخموں سے چور ہو کر گر پڑا اور اس طرح اس شمع امامت کے پروانہ نے اپنی جان قربان کر دی۔

سلمان بن مضارب بن قیس البجلی

آپ زہیر بن قین کے چچا زاد بھائی تھے اور انہیں کے ساتھ سنہ ۶۰ھ میں حج کرنے گئے تھے واپسی میں جب زہیر امامؑ کی نصرت کے لیے حضرت کے ساتھ آئے تو سلمان بھی چلے آئے اور روز عاشورہ ظہر کے بعد درجہ

شہادت پر فائز ہوئے۔

عمر بن قرظہ بن کعب انصاری

آپ کے والد جناب قرظہ بن کعب صحابی رسُولؐ تھے اور جنگ احد اور اس کی بعد والی جنگوں میں شریک تھے۔

حالات کی یہ بھی کیا ستم ظریفی ہو کہ جناب عمر بن قرظہ تو حضرت امام حسینؑ کے جان نثاروں میں تھے اور ان کا چھوٹا بھائی علی بن قرظہ فوج عمر سعد میں شامل تھا۔

جناب عمر بن قرظہ ہی کو حضرت امام حسینؑ نے عمر سعد کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا تھا کہ تم مجھے رات کے وقت دونوں لشکروں کے درمیان ملو۔

جنگ کرتے کرتے آپ امام کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کی کہ کیا مولا میں نے اپنا فرض پورا کیا" امام نے فرمایا کیوں نہیں تم آگے آگے جنت میں چلو' میرا سلام رسُولِ خدا کو پہنچا دینا میں بھی تمھارے عقب میں آتا ہوں۔ آخر زخموں کی تاب نہ لاکر آپ جان بحق تسلیم ہو گئے۔

ان کی شہادت کے بعد ان کا بھائی علی بن قرظہ فوج عمر سعد سے نکلا اور امام کی شان میں نازیبا الفاظ استعمال کرنے لگا اور کہا کہ تم نے میرے بھائی کو ورغلایا اور قتل کرا دیا میں عہد کرتا ہوں کہ میں تمھیں قتل کردوں گا یا خود قتل ہو جاؤں گا۔

جناب نافع بن ہلال اس گستاخی کی تاب نہ لاسکے اور آگے بڑھکر اس کے نیزہ مارا جس سے وہ گر گیا وہ چوٹ کھا کر بھاگ نکلا اور بعد میں علاج و معالجہ سے صحت یاب ہو گیا۔

سائب بن ابی شبیب

غلام کا حال تو آپ سُن چکے اب اس وفادار غلام کے آقا کا حال سُن لیجئے۔ آپ کو حضرت امیرالمومنینؑ سے صحابیت کا شرف بھی حاصل تھا اور وہ اتنے عبادت گزار تھے کہ جنگ صفین میں ایک دن امیرالمومنینؑ نے ان کے متعلق فرمایا تھا کہ اگر عابس کی طرح مخلوص دل سے خدا کی عبادت کرنے والے دنیا میں ایک ہزار ہو جائیں تو خدا کی پرستش اس طرح ہونے لگے جس طرح کہ پرستش کا حق ہے۔

عابس کو شاکری بھی کہا جاتا ہے اور ڈاکی بھی اس لئے کہ وہ ہمدان کی ایک دوسری شاخ بنو وادعہ کے پاس جا کر بھی مقیم ہوئے تھے۔

حضرت مسلمؑ نے اٹھارہ ہزار کوفیوں کی اطاعت کے بعد اطلاعی نامہ لکھ کر امام کی خدمت میں بھیجا تھا اس کے لیجانے والے یہی جناب عابس تھے۔ یہ خط پہونچانے کے بعد وہ امام کی خدمت سے الگ نہ ہوئے بلکہ یوم عاشورا امامؑ کے قدموں پر جان نثار کر دی۔

عابس بڑے بہادر انسان تھے اور متعدد جنگوں میں حصہ لے چکے تھے چنانچہ ایک زخم کا نشان ان کی پیشانی پر موجود تھا اسی نشان کو دیکھ کر فوج اعدا نے انھیں پہچانا۔

ان کی بہادری کی وجہ سے فوج اعدا میں سے کسی کو ان کے مقابلہ کے لیے نکلنے کی جرأت نہ ہوئی اور انھوں نے عابس پر سنگ باری شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت عابس نے زرہ بکتر اُتار کر پھینک دیئے اور خالی قمیص پہنے ہوئے تلوار لے کر فوج اعدا پر حملہ آور ہوئے اور سیکڑوں کے مجمع ان کے سامنے سے اس طرح بھاگ رہے تھے جیسے شیر کے سامنے سے بھیڑیں۔

آخر کار آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا اور شہید کرنے کے بعد آپ کا سر قلم کر لیا گیا۔

عمر سعد کے لشکر کے متعدد افراد اس کے دعویدار تھے کہ عابس کو ہم نے قتل کیا ہے اس کا فیصلہ خود عمر سعد نے اس طرح کیا کہ نہیں نہیں یہ شرف تم سب کو اجتماعی حیثیت سے حاصل ہے اس لئے کہ عابس جیسے شجاع شخص کو کوئی تنہا شخص قتل نہیں کر سکتا تھا۔

حنظلہ بن اسعد شامی

معتقد شیعیانِ اہل بیتؑ سے تھے۔ کوفہ کے رہنے والے' بہادر خوش تقریر اور حافظ قرآن تھے۔ امامؑ سے آکر کربلا میں

ملحق ہوئے اور گفتگوئے صلح کے دوران میں عمر سعد کے پاس پیغامات لے کر آتے جاتے رہے۔

فوج دشمن کے سامنے ایک ولولہ انگیز تقریر کی مگر اس کا اثر ان سنگ دلوں پر نہیں پڑا۔ آخر کار امام حسین علیہ السلام نے روک دیا کہ بس کرو۔ یہ بدبخت نہ مانیں گے تم حجت تمام کر چکے۔

اس کے بعد جناب حنظلہ نے ان کی اجازت حاصل کی فوج عدو پر حملہ کیا اور آخر کار درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

سیف بن حارث بن سریع
مالک بن عبد بن سریع

یہ دونوں ایک ہی دادا کے پوتے تھے اور اس لئے آپس میں چچا زاد بھائی تھے اس کے علاوہ وہ ایک ماں کے بطن سے پیدا بھی ہوئے تھے۔ کربلا میں یہ دونوں امام کی خدمت میں اس وقت پہنچے جب عمر سعد سے مصالحت کی بات چیت جاری تھی۔ ان کے ہمراہ ان کے غلام جناب شبیب بھی تھے جو حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔

یہ دونوں روز عاشور ایک محل پر امام کی خدمت میں آ کر رونے لگے۔ فرط رنج و غم سے منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ امامؑ نے سمجھایا اور انھیں جنگ کی اجازت دے دی۔ دونوں نے یادگار جنگ کی اور آخر کار شہید ہوئے۔

زیاد بن عریب ہمدانی

آپ صحابی رسولؐ اشتر جناب عریب ہمدانی کے فرزند تھے۔ زیاد زہد و عبادت اور شجاعت میں بلند مقام رکھتے تھے۔ عاشور کے دن سخت جنگ کر کے درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

قعنب بن عمر النمری — بصرہ کے باشندے اور ممتاز شیعہ علی تھے حجاج بن زید سعدی کے ہمراہ امام سے آ کر ملحق ہوئے اور روز عاشور درجہ شہادت پایا۔

یزید بن ثبیط العبدی — یہ بصرہ کے ممتاز شیعوں میں سے تھے اور شاگرد حضرت علیؑ جناب ابو الاسود دؤلی کے مصاحب تھے۔ بصرہ میں جناب ماریہ ان خفیہ جلسوں میں شریک ہوا کرتے تھے جو حضرت امام حسینؑ کی تائید میں قبیلہ عبد قیس کی ایک مومنہ کے مکان پر ہوا کرتے تھے۔ انھوں نے اپنے دس فرزندوں کو نصرت امام کے لیے آمادہ کیا مگر ان میں سے صرف دو لڑکے اس پر آمادہ ہوئے جن کی شہادت کا ذکر اس سے پہلے آ چکا ہے۔ خود بعد اپنے لڑکوں کی شہادت کے بعد امام پر اپنی جان نثار کی۔

یزید بن زیاد بن مہاجر — کوفہ کے بہادر اور نبرد آزما شیعہ تھے۔ امام کی خدمت میں حر کے پہنچنے سے پہلے پہنچ گئے تھے۔

آپ کے پاس صرف آٹھ تیر تھے۔ آپ امام کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئے اور ایک ایک تیر فوج اعدا کی طرف سر کیا جن میں سے پانچ تیروں نے اعدا کو فی النار کیا۔ پھر تلوار لیکر حملہ آور ہو گئے۔ دلولہ انگیز رجز پڑھتے جاتے تھے اور شمشیر زنی کرتے جاتے تھے آخر درجہ شہادت پر فائز ہوئے

بشر بن عمر بن الاحدوث الحضرمی الکندی

حضر موت کے رہنے والے تھے مگر کوفہ میں محلہ بنی کندہ میں قیام کرنے سے کندی کہلانے لگے۔ روز عاشور انھیں اطلاع ملی کہ ان کا لڑکا عمر رے میں قید ہو گیا۔ امامؑ نے فرمایا کہ تم چلے جاؤ اور لڑکے کو چھڑانے کی سعی کرو مگر یہ وفادار ناصر رضامند نہ ہوا اور شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔

مجمع بن زیاد بن عمر جہنی

راستہ میں دوسرے صحرائیوں کی طرح قافلہ حسینی میں شامل ہوئے۔ منزل زبالہ پر امام کا خطبہ سن کر جب دنیا دار چھوڑ کر چلے گئے تو مجمع ثابت قدم رہے۔ یوم عاشور پہلے ان کا گھوڑا شہید ہوا اور اس کے بعد آپ نے درجہ شہادت حاصل کیا۔

سُوید بن عمر خثعمی کا شہادت امامؑ کے بعد کارنامہ
کربلا کے آخری پروانے نے کیونکر جان دی

(از علامہ سید مجتبیٰ صاحب قبلہ کامون پوری)

بنی قحطان کے قبیلہ بنی کہلان بن سبا کے ہاتھوں عرصہ تک یمن کی حکومت رہی۔ یہ قبیلہ خوب پھلا پھولا اور اس کی گیارہ شاخیں ازد۔ طے۔ مذ۔ حج۔ ہمدان۔ کندہ۔ مراد۔ جذام۔ اشعریین عاملہ۔ انمار خوب برگ و بار لائیں ان میں سے قبیلہ انمار جس کا سلسلہ اراش بن عمر بن غوث بن بنت بن مالک بن زید بن کہلان تک پہونچتا ہے، دو حصوں میں تقسیم ہو گیا (۱) بجیلہ۔ جریر بن عبد اللہ بجلی صحابی رسول اسی شاخ سے ہیں، "جن کو یوسف الامۃ" کہا جاتا تھا۔ دوسری شاخ خثعم ہے۔

سوید بن عمرو بن ابی مطاع خثعمی اسی سلسلہ کی ایک فرد ہیں۔ یہ کربلا کے آخری شہید ہیں۔ زہد و معرفت۔ کثرت عبادت۔ شرافت نسل کے اعتبار سے انھیں اپنے زمانہ میں کافی شہرت حاصل تھی۔ عمر بھی کافی گذر چکی ہے۔ فن جنگ میں بھی مہارت ہے۔ مختلف لڑائیوں میں ان کی قوت ارادی کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں۔

پیرانہ سالی، گوشہ نشینی اور عابدانہ زندگی کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہنگامۂ زندگی سے دور پڑے ہیں سپاہیانہ زندگی میں تیغ آزمائی کے حوصلے خوب خوب نکالے ہوں گے۔ اب بڑھاپا ہے قناعت سے سروکار ہوگا۔ یاد الٰہی میں سارا وقت گذرتا ہوگا۔ اللہ سے لو لگی ہوگی۔ سکون و خاموشی۔ محاسبہ نفس۔ تسبیح و تہلیل۔ رکوع و سجود باقی زندگی کے نمایاں مشغلے ہوں گے۔

جنگوں میں شرکت کے معنی تو یہ ہیں کہ ان کا نقطۂ عبادت بلند ہوگا اور وہ صرف سجدہ ریزیوں کو عبادت کی معراج نہ سمجھتے ہوں بلکہ اُن کی نظر میں عبادت کے وسیع معنی ہوں گے ان سے یہ مخفی نہ ہوگا کہ بغیر معرفت، عبادت ایک جسمانی ورزش تو ضرور ہے مگر اس سے جو حقیقی روشنی پیدا ہوتی ہے اس کے لیے فلسفۂ عبادت کے بغیر چارہ کار نہیں ہے۔ ان کو علم ہوگا کہ محمدؐ و آل محمدؐ فلسفۂ اسلام کے حقیقی کمزور دل اور معرفت الٰہی کے راز دان ہیں۔ بنی امیہ کا مادی نقطۂ نظر سچائی۔ روحانیت۔ پاکیزہ زندگی اسلام کے آفاقی تعلقات میں جس قدر رکاوٹیں ڈال رہا تھا ان کو اس پر پوری اطلاع ہوگی۔ سُوید کی پیشانی اگر خدا کی بارگاہ میں جھکی رہتی ہوگی تو ان کی عقل اس ماحول کا بھی جائزہ لینے سے غافل نہ ہوگی۔ جو اموی دور حکومت نے خدا اور اس کے الٰہی قوانین کے خلاف قائم کر رکھا تھا ان کا دل کڑھتا ہوگا کہ الٰہی قانون کے نفاذ کے لیے الٰہی حکومت قائم نہ ہو سکی اور بنی نوع میں یک رنگی نہ پیدا ہو سکی جب وہ محراب عبادت سے نکلتے ہوں گے اور چنگ و رباب و بربط و نے۔ رقص و سرود۔ شراب و نبیذ کی دنیا پر ان کی نظر پڑتی ہوگی حقوق و معاملات میں حکومت و عوام کو بے پرواہ دیکھتے ہوں گے تو ان کا دل رنج و غم سے بھر جاتا ہوگا۔

جب سنہ ۶۰ھ میں م نفیس امیر معاویہ کے انتقال کی خبر ملی ہوگی

اور ان کے کانوں میں یہ آواز پہونچ رہی ہوگی کہ باوجود ملکی ماحول کے پست و خراب ہو جانے کے عوام یزید کو کسی طرح برداشت کرنے پر راضی نہیں ہیں اور ملک کے مختلف حصّوں میں ایک عام بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے تو سوچئے ایک روشن مستقبل کا تصور کیا ہوگا جب ان کو یہ معلوم ہوا ہوگا کہ وارث اسلام حسینؑ کی طرف امت کی نگاہ اُٹھ رہی ہے اور ملک کی عام بے دینی کا ردعمل شروع ہو گیا ہے اور عوام میں نیکی، رشد و ہدایت کی تشنگی پیدا ہو گئی ہے اور ارباب خیر و صلاح کی زنجیر دکھائی دی جا رہی ہے تو ان کو اپنی عبادت میں اور لذت محسوس ہوتی ہوگی اور وہ خوش ہوتے ہوں گے کہ شاید ایسا ماحول بن جائے کہ ان کی نگاہ کسی ایسی جگہ پر پڑے جہاں خدا کی معصیت ہو رہی ہے لیکن ان کو جب یہ معلوم ہوا ہوگا کہ حکومت نے ایک اور کروٹ لی ہے اور اب مادی نظام زندگی زیادہ عریانی کے ساتھ سامنے لایا جائے گا اور حکومت کی طرف سے پوری تیاری ہو رہی ہے کہ سچائی کی ٹمٹماتی ہوئی روشنی بھی باقی نہ رہنے دی جائے اور وہ لوگ جو علمبردار حریت و انسانیت رہبران نمونۂ للہیت ہیں ان سے زمین کو خالی کر دیا جائے تاکہ ہماری خواہشوں پر کسی کی انگلی نہ اٹھ سکے اور ہمارے افعال کسی نگاہ میں بدنما نہ معلوم ہوں تو اس وقت سوید جس نفسیاتی کرب میں مبتلا ہوں گے اس کا اندازہ آسان نہیں ہے۔ اسلامی تاریخ میں بہت سے وہ افراد تھے جن کے دل میں یہ حسرت چٹکی لیتی تھی کہ ہم اس وقت نہ ہوئے جب اسلام کی بنیاد رکھی گئی تاکہ ہم بھی اپنے خدمات پیش کر کے ہمیشہ کے لیے اسلام کے مددگاروں کی فہرست میں نام درج کراتے۔ اب جب کہ حسینؑ نے اسلام کی تعمیر نو کا بیڑا اٹھایا ہے اور دوبارہ اسلام کے مردہ جسم میں روح پھونکنے کا عزم کیا ہے ان اولوالعزم اشخاص کے لیے ایک شاندار موقع پیدا ہو گیا ہے کہ وہ اپنی حسرت و آرزو کے بہترین تقاضوں کو پورا کریں۔ حسینؑ کے ساتھ جو مختصر سی جماعت ہے حسینؑ کو اس کا تعاون انھیں ایسی ہی نفسیات کے ماتحت حاصل ہے کیا بریر بن خضیر نے امامؑ سے نہیں کہا تھا۔

واللہ یا ابن رسول اللہ لقد من اللہ بک علینا ان نقاتل بین یدیک و تقطع اعضاؤنا۔ فرزند رسول خدا نے آپ کے ذریعے ہم پر احسان کیا ہے کہ ہم کو موقع دیا کہ ہم آپ کے سامنے جہاد کریں اور آپ کی پیروی میں ہمارے اعضا ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ عبداللہ بن عمیر بن جناب کلبی جن مقصودات کے ماتحت کربلا میں آئے ان کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

واللہ لقد کنت علی جہاد اھل الشرک حریصا وانی لارجو ان لا یکون جہاد ھؤلاء الذین یغزون ابن بنت نبیھم اقل ثوابا عند اللہ من جہاد المشرکین۔

بخدا میری آرزو تھی کہ میں مشرکوں سے جہاد کروں میرا خیال ہے کہ مشرکین کے جہاد سے باعتبار اجر کے ان لوگوں سے جہاد کسی طرح کم نہیں ہے جو فرزند بنت رسول سے جنگ کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہی مقصودات سوید بن عمرو کے بھی ہوں گے اگرچہ انکی زندگی عبادت و زہد اور بعض جنگوں میں شرکت کے شرف سے ممتاز ہے لیکن ان کی یہ بڑی حسرت ہوگی کہ زندگی کا وہ حصہ جو عموماً درازی سن انحطاط قویٰ اور افسردگی جذبات کی وجہ سے عظیم الشان کارناموں سے سادہ رہتا ہے اگر اس میں کچھ رنگ بھر جائے اور رنگ بھی ایسا جو بہت گہرا ہو تو زندگی کا خاتمہ ایک پاکیزہ جمیل عمل سے ہو۔

خالد بن ولید جو کہ ایک خالص مادی نقطۂ نظر کے انسان تھے لیکن چونکہ ان کی زندگی کا ایک دور میدان جنگ میں گزرا تھا اور ان کے نفسیات فوجی بن گئے تھے ان کو اپنی عادت کا بہت گہرا اثر تھا ان کو بستر پر جان دینا بہت ناگوار تھا مرتے وقت انکی فوجی نفسیات نے ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا دیئے اور ان کے منہ سے یہ الفاظ سنے گئے۔ لقد شھدت مائۃ زحف او زھاءھا وما فی بدنی موضع شبر الا وفیہ ضربۃ بسیف او رمیۃ بسھم او طعنۃ برمح وھا انا اموت علی فراشی حتف انفی کما یموت البعیر فلا نامت اعین الجبناء (اسد الغابہ ۲/۱۰۴ معارف ابن قتیبہ ۹۰) میں نے تقریباً سو لڑائیاں دیکھیں میرے جسم میں ایک بالشت جگہ بھی باقی نہیں ہے جس پر کوئی زخم یا تلوار یا تیر یا نیزہ کا نہ ہو اور اس وقت میں بستر مرگ پر جان دے رہا ہوں جس طرح اونٹ مرتا ہے خدا کبھی بزدلوں کو آرام کا سونا نصیب نہ کرے۔

پتنا اس شخص کی ہے جس کی زندگی میں عشق الٰہی کا کبھی کوئی موڑ دگرداز نہیں پایا گیا تیغ کی جھنکار جس کے لیئے بانگ اذان تھی اور قتل گاہ محراب مسجد۔ یہ چاہتا ہے کہ اس کی زندگی کے آخری لمحات بھی تیغ و سنان کے سائے میں ختم ہوں۔ خواہ مادی نقطۂ نظر ہو یا روحانی نصب العین۔ انجام کا خیال ہر دماغ کو پریشان رکھتا ہے۔ ایک مادی انسان اپنے انجام کے ساتھ مادی رجاحتوں کو دیکھنا چاہتا ہے اور ایک روحانی انسان کے لیئے انتہائی مسرت یہ ہے کہ اسکا انجام روحانی خدمات سے بھرا ہوا ہو۔ سُوید بن عمرو کے مذاق زندگی سے کسی قدر ہم واقف ہیں۔ جنگ، عبادت۔ یہ دو وصف ان کی کتاب زندگی میں ملتے ہیں حسینؑ کی جنگ۔ نے ان دونوں لذتوں کو یکجا کر دیا ہے۔ سُوید کو اب محراب عبادت میں وہ کیف نہیں ملتا ہوگا جو میدان جنگ سے ہٹنے کے بعد انھیں مراقب خلوت میں مل رہا تھا اب انھیں ان کی معرفت کی آنکھوں نے ایک روشن مستقبل دکھایا ہوگا جس میں ان کو انجام زندگی نہایت مقدس بلند اور قابل رشک نظر آرہا ہوگا۔

تاریخ نے تو تفصیلات بتائی نہیں لیکن چند لفظیں اکثر حقائق کے وہ دفتر اپنے دامن میں لیئے ہوتی ہیں کہ ان سے بڑی بڑی تاریخی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ سُوید کی زندگی کے آخری لمحات سے جو عظمت ظاہر ہوتی ہے اس کو اگر ہزاروں سال تک کی زندگی پر تقسیم کیا جائے تو اس میں بھی رونق و جمال اور عظمت و دلکشی پیدا ہو جائے جس طرح تمام انصار امامؑ نے وفاداری۔ دینی حرارت شہامت نفس۔ شجاعت و جرأت کے معجزے دکھائے اسی طرح سوید نے بھی دشمنوں کو اپنی ایمانی قوت سے خوب خوب مرعوب کیا آخر کار زخمی ہو کر گر پڑے دشمنوں کو بلکہ اپنوں کو ان کی موت کا پورا پورا یقین ہو چکا تھا۔

طبری نے زہیر بن عبدالرحمٰن بن زہیر کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے جو خود سوید کے ایک قبیلہ کی ایک شخصیت ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:۔

کان اخر من بقی مع الحسین من اصحابہ سوید بن عمرو بن ابی المطاع الخثعمی ۲۵۶/۶

حسینؑ کے اصحاب میں جو آخری شخص باقی رہ گئے تھے وہ سوید بن عمرو بن ابی المطاع خثعمی تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی پیرانہ سالی کی وجہ سے امامؑ انھیں اجازت نہیں دے رہے تھے جب سب انصار امام کے درجہ شہادت پر فائز ہو چکے تو سوید نے امامؑ سے شدید اصرار کیا اور امامؑ کو آخرکار انھیں اجازت دینا پڑی اور سوید میدان جنگ میں گئے اور حربی مہارت اور دینی جوش و خروش کے دکھا کر زخموں سے چور چور ہو کر گر پڑے اور سب کو ان کی موت کا یقین ہو گیا۔ یہ خون میں نہائے ہوئے ہیں۔ تیغ و سنان کے زخموں سے ان کا جسم چھلنی ہے۔ کربلا کی گرم ریت ان کے زخموں میں نشتر کا کام کر رہی ہو گی لیکن زخموں کی تکلیف نے ان پر اس قدر اثر کیا ہے کہ غش سے ان کی آنکھیں بند ہیں۔ زندگی جسم میں یوں چھپی ہوئی ہے جیسے کوئی چھوٹی سی چنگاری راکھ میں دبی ہوئی ہو انھیں کیا خبر کہ انھوں نے جس خانوادہ کی حفاظت کے لیئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی صرف کیا تھا اور جس کی بقا کی تمنا نے تلوار و سنان کو ان کی نظر میں باغ و بہار بنا دیا تھا وہ ایک ایک کر کے نذر اجل ہو گئے۔ عباسؑ۔ قاسمؑ۔ علی اکبرؑ۔ عونؑ۔ یہاں تک کہ شیر خوار بلکہ ماہ امامت حسینؑ ابن علیؑ یہ سب کے سب کس بے دردی سے قتل کیئے گئے۔ قدرت نے انصار حسینی کے دعوے کی تصدیق کے لیئے اور حسینؑ کی حقیقت بین نگاہ اور قوت انتخاب و فیصلہ کی داد دینے کے لیئے اور ان کے اصحاب کے متعلق آپ کی رائے کی قیمت بتانے کے لیئے ایک پیرانہ سال عابد شب زندہ دار کے پہلو میں زندگی کو اپنا راز بنا کر چھپا رکھا۔ جب امام حسینؑ شہید ہو گئے فتح کے شادیانے بجنے لگے اور قتل الحسینؑ کی آواز بلند ہونے لگیں یہ آواز نیم جان کے کانوں میں بھی پہونچ گئی ضعیف و مجروح مجاہد کے جسم میں جان آ گئی۔ چونک پڑا۔ اس کی عقیدت کے کان یہ آواز کہاں سن سکتے تھے۔

ابھی تھوڑی دیر کا قصہ ہے جب امام حسینؑ نے نماز ظہر کے لیئے دشمن سے اجازت مانگی تھی تو حصین بن تمیم نے یہ گستاخی کی (نماز پڑھنا ہو تو پڑھ لو لیکن وہ قبول نہیں) حبیب ابن مظاہر اس کی اس جرأت کو برداشت نہ کر سکے اور اسی سلسلہ میں ان کی

شہادت واقع ہوئی جب امامؑ کے اصحاب گستاخی کو برداشت نہ کر سکتے تھے تو "سوید" یہ کہاں سہ سکتے تھے کہ امام شہید ہوگئے! سوید بے ساختہ اٹھے زندگی کی چنگاری شعلہ بن گئی جوش انتقام میں بھی انھوں نے حملہ کرنا چاہا ان کے زخمی ہو کر گر پڑنے کے بعد ان کی تلوار پر تو دشمن کا قبضہ ہو ہی چکا تھا، جوش عقیدت اور فن سپہ گری کا کمال دیکھئے تو کیونکر انھیں ایک چھری مل گئی ہے، کہ لیکر دشمن پر حملہ آور ہوگئے دیر تک حملہ کرتے رہے۔ بڑی مشکل سے دو شخص ان پر قابو پا سکے۔ "عروہ بن بطار تغلبی۔ اور زید بن رقاد جنبی" تاریخ تو اسی قدر لکھ کر خاموش ہے۔ طبری کے الفاظ یہ ہیں۔

سوید بن عمرو ابن ابی المطاع زخموں سے چور چور کشتوں میں پڑے ہوئے تھے ان کے کان میں آواز آئی حسینؑ قتل ہوگئے۔ دفعتہً وہ چونک اٹھے اور ایک چھری سے انھوں نے دیر تک جنگ کی اس کے بعد انھیں عروہ اور زید نے قتل کیا۔ ۔ واقعہ اتنا سادہ معلوم نہیں ہوتا جتنا ان لفظوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ دشمن کامل فتح کے شادیانے بجانے میں مشغول ہے۔ فتح کی خوشی نے غفلت و سکون کی ایک عام فضا بنا دی ہوگی۔ دفعتہً کشتوں میں سے ایک بڈھا زخموں سے چور چور مردہ اٹھتا ہے اور حملہ آور ہوتا ہے۔ یقیناً اس وقت ساری فوج میں کھلبلی پڑ گئی ہوگی۔ حواس باختہ ہوگئے ہوں گے۔ دہشت و ہراس کا ایک عالم ہوگا چند لمحوں میں معلوم نہیں کیا کیا خیال پیدا ہوئے ہوں گے گھبرائی ہوئی فوج پر سوید کے حملے ٹھیک نشانے پر بیٹھ رہے ہوں گے۔ کچھ دیر کے بعد جب حواس درست ہوئے ہوں گے تو حملہ آور کی گرفتاری کی فکر ہوئی ہوگی لیکن تاریخ سے یہ کہیں نہیں معلوم ہوتا کہ سوید زندہ گرفتار کر لیے گئے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے مقابلہ میں دشمن کو کافی نقصانات اٹھانا پڑے ہیں اور آخر میں دو آدمیوں نے مل کر کسی طرح ان پر قابو پایا اس واقعہ کو کس نقطۂ نظر سے دیکھا جائے کیا اس لحاظ سے کہ اصحاب امامؑ نے جو کہا تھا اس میں مبالغہ نہ تھا بلکہ سوید کے فعل نے اسے ثابت کر دیا کہ وہ جواب جو مسلم بن عوسجہ نے امامؑ کے خطبہ کا انصار کی طرف سے دیا تھا جس میں امامؑ نے سب کو اجازت دی تھی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں امامؑ نے ان کی گردنوں سے بیعت اٹھا لی ہو وہ جواب انصار کے دل کی آواز تھی مسلم بن عوسجہ نے کہا تھا ہم جو آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو خدا کے سامنے آپ کے ادائے حق کی نسبت کیا عذر کریں گے قسم بخدا ایسا نہ ہوگا یہاں تک کہ ہم اپنے نیزوں سے اس قوم کے سینے زخمی کریں۔ اور تلواروں سے ان کی گردنیں نہ کاٹیں جب تک کہ تلوار کا قبضہ میرے ہاتھ میں ہے اور اگر کوئی حربہ میرے پاس نہ ہوا تو پتھروں ہی سے مار کے ہی کہ مقابلہ کروں گا قسم بخدا ہم آپ کو نہ چھوڑیں گے یہاں تک کہ ہمارا خدا جان لے کہ ہم نے رسولؐ کے نہ ہونے کے وقت میں آپ کی کیسی حمایت و حفاظت کی قسم بخدا اگر ہمیں یہ معلوم ہو کہ ایک مرتبہ قتل ہونے کے بعد پھر زندہ کئے جائیں گے پھر جلا ڈالے جائیں گے پھر ہوا میں ہماری خاک اڑا دی جائے گی اور اسی طرح ستر مرتبہ ہوگا۔ تب بھی آپ سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ آپ کے سامنے ہمیں موت آئے پھر کیونکر نہ ہم آپ کی حمایت میں جان دیں حالانکہ یہ ایک مرتبہ کا قتل ہونا ہے اور بعد اس کے وہ کرامت و بزرگی ملے گی جس کی کبھی انتہا نہ ہوگی" زہیر بن قین نے کہا کہ ہزار مرتبہ اگر ہم قتل کئے جائیں تب بھی منہ نہ موڑیں گے۔

سوید نے اسے سچ کر دکھایا۔ وہ جب ایک بار حوصلہ جنگ پورا کر کے زخموں سے چور ہو کر گرے تو انھوں نے گویا موت کی لذت چکھی اب اسے عقیدہ کی مسیحا نفسی کے سوا اور کیا کہا جائے کہ تن مردہ میں دوبارہ جان آگئی۔ اور وہ مجبور جو سسک ہی سکتا تھا وہ دوبارہ لباس پیری کی آستینوں کو الٹ کر دیر تک صرف ایک چھری سے دشمن کے چھکے چھڑا دیتا ہے اور وفاداری عشق فضیلت جذبہ دینی کا ایک بلند معیار قائم کر دیتا ہے جو دنیا کی قدیم تاریخ میں بے نظیر تھا اور آج صدیوں کے بعد بھی اس کی کوئی مثال نہیں پیدا ہوئی۔ یا میں اس واقعہ کو اس نقطۂ نظر سے دیکھوں کہ امامؑ نے اپنے اصحاب کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے (مجھے علم نہیں کہ دنیا میں کسی کے اصحاب میرے اصحاب سے زیادہ باوفا اور بہتر ہوں اور نہ مجھے کسی کے عزیز معلوم ہیں جو میرے عزیزوں سے زیادہ حق شناس اور فرماں بردار ہوں)

یہ الفاظ کسی فوجی ہمت افزائی کے خیال سے نہیں کہے گئے

تھے بلکہ یہ امامؑ کا عقیدہ تھا اپنے پاکباز دیندار مومنین کے متعلق۔
سوید کے قول نے امامؑ کے ارشاد کے لئے ایک عملی ثبوت مہیا کر دیا سوید اپنی آنکھوں میں جو منظر لیکر جنت میں گئے اور اپنے حافظے میں جو تصویر لے گئے وہ کربلا کا انتہائی دردناک عکس ہو انصار، عزیزانِ امامؑ بدر و حنین کے غازی، محراب و منبر کی رونق، قرآن کے حافظ، بچے، جوان، بوڑھے، نبیؐ کی تصویر، علیؑ کا مجسم سب کے سب خاک و خون میں لتھڑے ہوئے بے جان پڑے ہوئے ہیں۔

خیموں میں آگ لگی ہوئی ہے فتح و ظفر کے شادیانے بج رہے ہیں اہل حرم واحسینا کہکر امامؑ کا ماتم کر رہے ہیں۔
یہ جان فرسا منظر سوید نے دیکھا اور وہ اسکی تاب نہ لا سکے اسی ہولناک منظر نے ان کے جسم میں توانائی پیدا کر دی اور وہ جوش و خروش سے حملہ آور ہوئے گویا نہ وہ کہن سال تھے اور نہ انھیں کوئی زخم لگا تھا۔ یہ آخری پروانہ تھا جس نے شمع کشتہ پر اپنی جان دی۔

:o:

ابان بن تغلب بیان کرتے ہیں کہ مظلوم کربلا نے فرمایا کہ جو شخص ہمیں دوست رکھے گا وہ ہم اہل بیت میں سے ہوگا۔ میں نے عرض کی آپ اہل بیت میں ہیں؟ امام نے فرمایا ہم اہل بیت میں سے۔ یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ کیا تم نے عبد صالح کا قول نہیں سُنا کہ جو میری پیروی کرے گا وہ مجھ سے ہے۔

امام حسینؑ نے فرمایا صورت حال یہ ہے کہ عرب والے عجم والوں پر فخر کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا ہم میں سے تھے اور عجم والے اس بات کا اعتراف کرتے ہیں اور ہمارا اولاد قریش والوں کا عالم یہ ہے کہ وہ ہمارے فضل و شرف کے معترف ہیں مگر ہمیں امامؑ بنانے پر تیار نہیں اس امت کے لیئے مصیبت یہ ہے کہ جب ہم انھیں بلاتے ہیں تو وہ ہماری سنتے نہیں اور اگر ہم انھیں چھوڑ دیتے ہیں تو بغیر ہمارے یہ ہدایت نہیں پا سکتے۔

فطرت انسانی میں حیرتناک انقلاب

"ماتا کی قربانی"

جناب مولوی رضی الدین حیدر صاحب قبلہ ایم اے (الہ آباد)

حرف رنہا نے ایسے دو لفظوں کو ملایا ہے جو بہت مشہور و مانوس ہیں مگر مفہوم اور معنی کے اعتبار سے بہت وسیع اور عظیم ہیں۔ ماتا ایک ایسا مبارک اور مقدس جذبہ ہے جو ہر ماں کے اندر اولاد کے لیے ابھرتا ہے۔ سچ پوچھئے تو اس کیفیت کی صحیح ترجمانی الفاظ کے ذریعہ ممکن ہی نہیں، مظاہر و مشاہد کی عکاسی اس کے سمجھنے سمجھانے میں ضرور کچھ معین بنتی ہے ورنہ اس کی اصلیت کا سمجھنا تو بہت مشکل ہے۔ قربانی کا مفہوم بہرحال اتنا دشوار نہیں جس قدر خود قربانی دشوار ہے۔ لیکن اگر ماتا اور قربانی کی دونوں لفظیں ایک دوسرے کی مناسبت اور رعایت سے زیر غور رکھی جائیں تو پھر ان کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ ماتا ایک ایسا جذبہ ہے جس کے لیے دنیا کی تمام دولت، راحت بلکہ ہر نعمت قربان کر دی جاتی ہے۔ ماتا محبت مادری کا وہ بحر ناپیداکنار ہے جس کے تموج میں کوہ پیما مصائب اور صبر آزما شدائد تنکا صرف ایک حقیر تنکے سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے۔ ماتا دریائے الفت کا وہ سیلاب عظیم ہے جس کے بہاؤ نے اکثر مشکلات و مہمات کے رخ موڑ دیئے ہیں۔ یہ ایک ایسی طاقت ہے جس کے آگے دنیا کی ہر طاقت سر ٹیک دیتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ماتا ہی ماں کی قربانیوں کا دوسرا نام ہے۔

انسانی نسل کی طویل تاریخ ماں کی اُن بے شمار قربانیوں اور ماتا کے اُن ہزار ہا ہزار مظاہروں سے چھلک رہی ہے جن پر فرزندان عالم کو آج بھی فخر و ناز کا حق حاصل ہے۔ میں اُن روشن مثالوں کو پیش کر کے مضمون کو طولانی نہیں بنانا چاہتا۔ لیکن اگر کوئی اُن واقعات کو جمع کرے گا تو ہر عہد، ہر دور، ہر ملک، ہر قوم اور ہر خاندان میں ایسی مثالیں ضرور مل سکتی ہیں جن سے میرے بیان کی تصدیق ہو سکتی ہے لیکن ذرا تھوڑی دیر کے لئے آپ غور کریں اور کسی ایسے بچہ کے استقرار وجود سے لے کر اس کے آخری لمحات حیات تک جائزہ لیں جو شفقت مادری سے محروم نہ ہو گیا ہو تو آپ کو ماں کے قربانیوں کی ایک طویل اور مسلسل زنجیر نظر آئے گی۔ اس زنجیر میں وہ جتنی الجھتی جائے گی اس کی مادرانہ طمانیت اور صنفی آسودگی میں فاتحانہ شان پیدا ہوتی جائے گی۔ کبھی کبھی تو ایسا معلوم ہوگا کہ اس کی تمام تر توجہ اور دلچسپی کی نظر عالم بھر سے سمٹتی ہوئی صرف اپنے لال پر جم رہی ہے۔ ماتا کے آگے فقر و امارت، گداگری اور بادشاہت کے نمایاں حدود بھی ٹوٹ جاتے ہیں۔ اس نقطۂ مشترک پر پہونچ کر معاشی و معاشرتی ہر قسم کا تفرقہ مٹ جاتا ہے۔ ہر حصۂ زمین پر ہر ماں کا دل خواہ وہ امیر ہو یا غریب اپنی اولاد کے لئے یکساں طور پر دھڑکتا ہے اور وہ اپنی اولاد کی راحت و رافت اور بہتری و بہبود کی خاطر ہر ممکن قربانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے لیکن یہ جذبہ "ماتا" اُن فطری تقاضوں کا نتیجہ ہے جو خلقی طور پر ماں کے دل میں بچہ کے نقطۂ وجود کے ساتھ جنم لیتا ہے اس لئے اب اس راہ میں ہونے والی اس کی تمام قربانیاں فطری اور قہری حقیقت رکھتی ہیں جس کے مظاہرات قابل قدر ہو سکتے ہیں مگر خود یہ جذبہ کسی شکریہ کا مستحق نہیں قرار پا سکتا۔ یہ محض ایک صفت

ہے مودوح سہی مگر کوئی اختیاری کارنامہ نہیں جو کسی مخالف تحریک یا ترغیب کے بالمقابل ظاہر ہوا ہو اور ارادہ اور اُمنگ سے لے کر اقدام و انجام تک یکساں طور پر باقی رہے۔ آخر ایک ماں اپنے بچہ کے لئے یہ سب کچھ نہ کرے گی تو کیا کرے گی وہ اپنے بچہ کی ماں ہے اور اُسے یہ سب کچھ اپنے بچہ کے لئے کرنا ہی ہے جس کے بغیر ایک ماں ماں کہے جانے کی مستحق نہیں ہو سکتی!

جب کبھی یہ فطری جذبہ کسی عقلی تحریک میں تبدیل ہو جائے اور اولاد کے لیے ہر چیز قربان کر دینے والی ہستی کبھی خود ممتا کی قربانی دینے کو آمادہ و تیار ہو تو بلا شبہ یہ غیر معمولی موقع فطرت انسانی کی تاریخ کا وہ انقلابی موقف ہوگا جس کی رفعت و بلندی کا اندازہ ہی بہت دشوار ہے۔ عمل کی اس بلندی اور کردار کی اس عظمت کو محسوس کرنے کے لئے ذیل کے کارناموں پر نگاہ ڈالئے اور فطرت میں ہونے والے انقلاب کی یہ تصویریں اُس دنیا کو دکھایئے جو دنیائے نسائیت کی خلقی کمزوریوں اور عقلی خام کاریوں کو روایات پارینہ کی طرح مانتی چلی آ رہی ہے اور اس سے زیادہ کی وہ اُن سے توقع نہیں کرتی۔

ایک حیرت انگیز موقع ۶۱ھ یوم عاشورہ کربلا میں آگیا تھا۔ خاندان رسالت کی چند مخدرات عصمت اور ان سے متاثر ہونے والی چند اور بیباں صفحات تاریخ پر نظر آتی ہیں جنھوں نے بے مثال شہادت اور لازوال سعادت و کرامت حاصل کرنے کے لئے اپنی ممتا کی گرانقدر قربانیاں پیش فرمائیں اور اپنے دل کے ٹکڑوں کو نثار حق اور فدائے صداقت کر دیا۔ ان کے مختصر حالات لکھ کر میں دنیائے نسائیت کے اُس معراج عمل کو پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں جو دنیا کی عورتوں کے لئے عموماً اور ملت کی خواتین کے لئے خصوصاً ایک لمحۂ فکریہ پیش کرتا ہے۔

فطرت مادری میں انقلاب اور اسکے چند نمونے

(۱) جناب جنادہ بن کعب کی شہادت کے بعد ان کی غم نصیب بیوہ بحریہ بنت مسعود نے اپنے نو عمر یتیم بچہ عمر بن جنادہ کو بلایا اور شہادت کے لیے آمادہ کیا۔ پھر خود ہی لباس جنگ پہنایا اور امامؑ پر جان نثار کرنے کے لئے میدان کا حکم دیا۔ ان کی کمسنی دیکھ کر امامؑ نے چاہا کہ بیوہ کا یہ آخری سہارا بھی ٹوٹ جائے۔ جہاد سے روکنا چاہا۔ بچہ نے عرض کیا حضور میں اپنی ماں کے حکم سے میدان میں جا رہا ہوں۔ اثنائے گفتگو میں در خیمہ سے آواز آئی۔ یہ حقیر ہدیہ بھی قبول فرمایئے۔ عمر بن جنادہ بعد اذن مشغول جہاد ہوئے۔ ماں در خیمہ سے اپنی ریاضت کا ثمر دیکھ رہی تھی کہ دفعتاً دل کی طاقت آنکھوں کے سامنے ضائع ہو گئی پھر بھی طاقت دل کا یہ عالم تھا کہ دشمن نے جب بچہ کا سر کاٹ کر ماں کی طرف پھینک دیا تو ماں نے دوڑ کر ارمان بھرے دل سے سر کو اٹھایا اور پیار کیا اور اس کے بعد بچہ کے قاتل پر اس زور سے پھینک مارا کہ وہ شقی واصل جہنم ہو گیا۔ غم و غصہ اور جوش و غضب میں بھری ہوئی مومنہ خود ایک چوب خیمہ لے کر میدان کی طرف بڑھی امامؑ نے منع فرمایا اور خیمہ کی جانب واپس کر دیا۔

(۲) عبداللہ بن عمیر الکلبی بڑے جنگ آزمودہ بہادر اور شریف جوان تھے۔ کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے۔ جب ابن زیاد کی غیر معمولی فوجی سرگرمیاں اور لشکری نقل و حرکت دیکھی تو پوچھا یہ سب انتظامات کس کے لیے ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوا فرزند رسولؐ حضرت امام حسینؑ کے قتل کی تیاریاں ہیں۔ عبداللہ جوش شجاعت اور فرط مودت سے بے چین ہو گئے اور مع اپنی والدہ اور زوجہ کے امام کی خدمت میں پہونچ گئے اور پھر روز عاشور بعد شہادت ہی امام کے قدموں سے جدا ہوئے۔ علامہ سماوی کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بڑی شدت سے جنگ کر رہے تھے اور ان کی والدہ در خیمہ پر کھڑی ہوئی ہمت شجاعت دلا رہی تھیں اور ان کے ذوق جہاد اور شوق نصرت کو بڑھا رہی تھیں۔ یہ موقع بھی لائق غور ہے۔ ایک ماں کی آنکھوں کے سامنے اس کا اکیلا فرزند ہزاروں لاکھوں سے تنہا مصروف مقابلہ تھا اور ماں حفاظت و سلامتی کی دعاؤں کے بجائے

جنگ پر آمادہ ہی تھی یعنی خطرات میں کودنے کی ترغیب تھی! بعد شہادت دشمنوں نے سر قلم کر کے ماں کی طرف پھینکا۔ گود میں اٹھا لیا۔ داد شجاعت دی اور پھر فوج دشمن کی طرف یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ جسے ہم راہ خدا میں دے دیتے ہیں پھر واپس نہیں لیتے۔

(۳) جناب عمرو بن ابی سعید بن عقیل۔ کمسنی کا عالم تھا بعد شہادت امام اس اندوہناک حادثہ سے پریشان ہو کر ایک چوب خیمہ لئے ہوئے سراسیمہ میدان میں آ گئے۔ داہنے بائیں دیکھتے جاتے تھے۔ کانوں کے بندے حرکت قلب کے ترجمان تھے کہ اسی عالم میں ایک ننگ انسانیت نے بچہ پر تلوار چلا دی جس سے وہ صاحبزادہ اپنی ماں کے سامنے خاک و خون میں تڑپنے لگا۔

(۴) جناب عبداللہ بن مسلم بن عقیل کی مادر گرامی حضرت رقیہ بنت امیر المومنینؑ تھیں۔ اور اس طرح ان کی رگوں میں عقیلی خون کے ساتھ حیدری خون بھی دوڑ رہا تھا۔ داد شجاعت دینے اور بقول علامہ شیخ سماوی انھا نوے اشقیائے امت کو قتل کرنے کے بعد ذرا ٹھہرے تھے کہ عمر بن صبیح صدائی نے آپ کی روشن جبیں کو نشانۂ تیر بنایا۔ فطری طور پر ہاتھ پیشانی تک گیا اور پھر پیشانی کے ساتھ پیوست ہو گیا۔ بے بسی کا یہ نظارہ دلدوز ماں کی آنکھوں نے دیکھا مگر اف نہ کی۔

(۵) جناب عبداللہ ابن حسن علیہ السلام۔ انصار العین میں ہے کہ جب جہاد حسینی ختم ہو گیا اور لقائے باری کا ہنگام قریب آیا تو امام حسینؑ فرش خاک پر خون کی چادر اوڑھے بیٹھے تھے دشمنان خدا و رسولؐ تلواریں بلند کئے حضرت کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے۔ اس پُرحسرت منظر کی تاب نہ لا کر یہ نابالغ بچہ تڑپا اور پھوپھی کی گرفت سے نکل کر خیمہ سے باہر آ گیا۔ بحر بن کعب نے امامؑ پر تلوار بلند کی۔ کمسن بچہ نے اپنے دونوں ہاتھ سپر کر دیئے جو کٹ کر گر پڑے۔ امام مظلومؑ نے شبیہ عباسؑ کو اپنے سینہ سے لگا لیا اور تلقین صبر فرمائی۔ غم نصیب ماں بنت شلیل اس حادثۂ جانکاہ پر آنسو بہا کر رہ گئیں اور بجز کلمات شکر کچھ نہ کہا۔

(۶) جناب عون بن عبداللہ بن جعفر و جناب محمد بن عبداللہ بن جعفر کی مادر گرامی دنیائے نسائیت کی وہ بے مثال فرد تھیں جو رسولؐ کی نواسی علیؑ و فاطمہؑ کی بیٹی اور حسنینؑ کی بہن ہونے کے شرف کے ساتھ مجاہدات کربلا کے عملی اقدامات میں برابر کی شریک تھیں۔ یہ جناب زینبؑ ہیں۔ بقول علامہ راشد الخیری جب تک بچوں کو اذن جنگ نہ ملی تھی ماں کو پریشانی تھی لیکن جب شہادت کے بعد دونوں بچوں کی لاشیں خیمہ کے اندر آئیں تو زینب کبریٰؑ نے لاشوں کے درمیان دو رکعت نماز شکر ادا فرمائی اور اس طرح علوی و فاطمی قوت قلب کا ایک ناقابل تصور مظاہرہ پیش کر دیا۔ بیٹی کے اس عمل نے میدان صفین میں علیؑ کے دونوں لشکروں کے درمیان مصلے بچھانے کا پُرحیرت واقعہ پھر زمانہ کو یاد دلا دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ اس اطمینان قلب اور ماتا کی ایسی عظیم الشان قربانی کا جواب دونوں عالم میں مفقود ہے۔

(۷) جناب قاسم بن الحسن بھائی کی نشانی، بیوہ ماں کا سہارا آمادۂ جہاد ہوئے۔ کمسنی سد راہ ہو رہی تھی، ناشاد ہو کر خیمہ کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر آنسو بہانے لگے۔ ماں نے تعویذ یاد دلایا جو باپ نے بطور وصیت بازو پر باندھا تھا اور اس طرح اپنے بچہ کے لئے مرحلۂ مرگ و زیست آسان بنا دیا۔ یہ تعویذ نہ تھا بلکہ پروانۂ جہاد تھا۔ خوشی خوشی چچا کو تسلیم بجا لائے اور میدان میں آ کر مصروف پیکار ہو گئے۔ داد شجاعت دی، نامی گرامی پہلوانوں کو تہ تیغ کیا۔ اثنائے جہاد میں جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا بچہ درست کرنے لگا دشمن کو موقع مل گیا اور عمر بن سعد بن نفیل ازدی نے سر پر تلوار کا وار کیا قاسمؑ نے امام کو آواز دی۔ امامؑ شیر غضبناک کی طرح حملہ آور ہوئے اور قاتل پر وار کیا وہ زخمی ہو کر گرا اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو کر ہلاک ہو گیا۔ خیمہ کے اندر بیوہ ماں جناب رملہ یتیم فرزند کی شہادت پر دل پکڑ کر رہ گئیں مگر اس مرتبۂ جلیل کے حاصل ہونے پر شکر خدا بجا لائیں۔

(۸) شبیہ پیغمبرؐ جناب علی اکبرؑ کی والدۂ گرامی جناب لیلیٰ بنت ابی مرہ معاویہ بن ابی سفیان کی بھانجی اور یزید بن معاویہ کی پھوپھی زاد بہن تھیں۔ رشتہ کی ان نزاکتوں کے باوجود صداقت شعاری، وفاداری، فرض شناسی اور حق گزاری میں اپنے ثبات قدم اور ہمت قلال عمل کا وہ بے مثال نمونہ پیش فرمایا جو رہتی دنیا تک فراموش نہیں ہو سکتا۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ پاکیزہ نفوس کے پیش نظر عظمت عمل اور صداقت مقصد کی وہ بلند ترین منزل ہوتی ہے جہاں سے پھر مادی رشتوں اور نسلی تعلقات کی پستیوں پر نگاہ ہی نہیں پڑتی۔ جناب علی اکبرؑ جو اپنے خصوصی اوصاف اور ذاتی صلاحیتوں کی وجہ سے سارے کنبہ میں محبوب ترین فرد تھے ماں کے لئے کس حد تک مرکز الفت رہے ہوں گے اس سے اندازہ کیجئے کہ جب آپ میدان میں تشریف لے گئے تو ماں سے خیمہ کے اندر بیٹھا نہ گیا۔ در خیمہ پر آ کر کھڑی ہو گئیں اور امامؑ کے چہرہ کو حالات جنگ کا آئینہ بنا کر دیکھنے لگیں تاکہ چہرہ کی فطری تبدیلیوں سے نتیجہ پر مطلع ہو سکیں۔ مصلحت امامؑ نے یہ بھی گوارا نہ کیا فرمایا۔ لیلیٰ خیمہ میں جاؤ اور ایک سیر و سیراب اور نامی گرامی پہلوان کے مقابلہ میں اپنے بچہ کی فتح کے لیے دعا کرو۔ اس حکم کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جناب لیلیٰ کی توجہ امامؑ و علی اکبرؑ سے ہٹ کر اس خدائے واحد کے تصور پر مرکوز ہو گئی جس کی راہ میں یہ دلگداز اور محترم قربانیاں پیش کی جا رہی تھیں۔ پھر یزیدی فوج کی یلغار نے جوان فرزند کو جام شہادت بھی پلا دیا مگر پسر مردہ ماں دریافت حال کے لئے پھر نہ اٹھیں۔

(۹) جناب عبداللہ بن حسینؑ یعنی طفل شیرخوار علی اصغر معصوم کی مادر گرامی جناب رباب بنت امرا القیس تھیں۔ سفر کربلا سے چند روز قبل مدینہ میں پیدا ہوئے۔ اقدام حسینی کے نقطۂ آغاز سے لیکر امامؑ کے جہاد عصر تک کی ہر منزل میں بے شیر بھی اور دوسرے جانفروشوں کی طرح نظر آتا ہے۔ سب اصحاب و اعزہ کی قربانیوں کے بعد امامؑ نے طلب نصرت کے لئے ایک دلدوز استغاثہ بلند فرمایا۔ گہوارہ میں پیاس سے جاں بلب نڈھال بچہ تڑپ کر زمین پر آ گیا۔ غمزدہ ماں اس منظر کی تاب نہ لا سکی۔ خیمہ میں کہرام بپا ہو گیا۔ امامؑ نے علی اصغرؑ کی حتمی آمادگی شہادت محسوس فرمائی۔ در خیمہ پر آ کر بچہ کو طلب کیا۔ کتنا اندوہناک ہو گا وہ عالم جب پھوپھی کی گود میں بے شیر مسافت جہاد کی منزل طے کر رہا تھا اور ستم نصیب ماں چشم تر بال پریشان سر جھکائے پیچھے پیچھے چل رہی تھی گویا اس بیش بہا قربانی کے لئے جناب رباب کی بقدر امکان یہ سعی تھی جو در خیمہ تک آ کر ختم ہو گئی۔ اب بچہ باپ کے ہاتھوں پر تھا۔ عالم انسانیت بلکہ موجودات عالم کو شکوہ رہ گیا۔ ایک قطرۂ آب کے بجائے ایک تیر ظلم سیرابیٔ عطش کا ذریعہ بنا۔ بچہ کی پیکان ظلم سے چھدی ہوئی گردن دیکھ کر ماں نے بس اتنا کہا — "کیا تجھ سا بچہ بھی تیر ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے" — یہ نوحہ ہو یا ماتا کی پکار مگر مختصر سا جملہ یزیدی فوج کی شقاوت و قساوت پر ایک مکمل تبصرہ کر گیا۔ اب طرفداران یزید کی ہر تاویل و تردید اور ہر صفائی و بیگناہی کے تار و پود ہمیشہ اس ایک جملہ کی ضرب سے بکھرتے رہیں گے۔

دنیا کا ہر انسان جس کی نگاہ میں قربانی کی اہمیت اور دل میں ماتا کے قدر و قیمت کا ذرا بھی احساس ہو گا وہ ان ماؤں کے ایسے زریں کارناموں پر ہمیشہ اخلاص و عقیدت کے ساتھ سر جھکا دے گا۔ واقعی تاریخ خیمہ کے اندر بیٹھنے والی بیبیوں کے حالات اور ان کی عملی جد و جہد پر کما حقہ روشنی ڈالنے سے قاصر رہی ہے یہ تھوڑے بہت حالات جو کسی ممکن ذریعہ سے فراہم ہو سکے وہ اس نے محفوظ کر لئے۔ مگر جب واقعہ شہادت کے بعد یہ خواتین اسیر ہو کر بے پردہ اپنے وارثوں کے کٹے ہوئے سروں کے ہمراہ جو نیزوں پر بلند تھے کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے شام روانہ دمشق میں جا رہی تھیں تو اس موقع پر تاریخ نہیں بتاتی کہ کسی بی بی نے کسی منزل پر کبھی ایک جملہ یا ایک لفظ بھی ایسا کہا ہو جس سے بے صبری یا معاذ اللہ پشیمانی کا کوئی شائبہ نکلتا ہو۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ ان سربائے ترلو کو اپنی ماتا کی قربانی کا ثبوت سمجھ رہی تھیں جو خود دشمنوں کے ہاتھوں بلند تھے اور ماتا کی اس لازوال قربانی پر حق کی راہ میں پیش کی گئی تھیں ہر دیکھنے والے کو گواہ بنا رہی تھیں!"

نصرت میں شہید ہونے والی خاتون

ام وہب بنت عبد

(سید انصار حسین صاحب منیجر سرفراز لکھنؤ)

حادثۂ کربلا میں جس کے شدائد و مصائب کے تصور سے بھی انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے صنف نازک نے بھی بڑا اہم رول ادا کیا ہے۔ اس نے قید و بند کی سختیاں دُرّہ و تازیانے کی اذیتیں اور مردوں سے کچھ زیادہ ہی تشنگی و گرسنگی کی تکلیفیں نہیں جھیلی ہیں بلکہ خاک شفا میں بہتّر شہداء کے خون کے ساتھ صنف نازک کی ایک نمائندہ خاتون کا پاک و پاکیزہ خون بھی شامل ہوا ہے۔ جس جانباز اور شیردل خاتون کا اسم گرامی وہ ہے جسے ہم نے اس مضمون کا سرنامہ قرار دیا ہے۔

ام وہب بنت عبد قبیلہ نمر بن قاسط سے تعلق رکھتی تھیں اور حضرت عبداللہ بن عمیر کلبی کے حبالۂ عقد میں تھیں جنھیں امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ زن و شو آپس میں ایک دوسرے سے والہانہ عشق و محبت رکھتے تھے اور اس اعتبار سے ان کی ازدواجی زندگی قابل رشک تھی اور خوشگوار گھریلو زندگی کی بدولت یہ دنیا ان کے لئے جنت نعیم بنی ہوئی تھی۔ ان کے قلوب محبت کی اس روشنی کے علاوہ ضیائے ایمان اور نور ولائے اہل بیتؑ سے بھی منور و معمور تھے اور ان کا ایمانی جذبہ کمال کی اس منزل پر پہونچا ہوا تھا جہاں حق و صداقت اور دینؐ ایمان کی خاطر وہ اپنی ازدواجی مسرتوں کو بھی قربان کر سکتے تھے جو اس مادی دنیا میں انھیں سب سے زیادہ عزیز تھیں۔

ام وہب کے شوہر جناب عبداللہ بن عمیر کلبی قبیلۂ کلب اور خاندان علیم سے تعلق رکھتے تھے اور کوفہ کے باہر باغات کے نزدیک قبیلہ ہمدان کے کنوئیں کے پاس اپنے ہی مملوکہ مکان میں اپنی زوجہ کے ساتھ رہتے تھے۔ عبداللہ بن عمیر کا یہ مکان کوفہ کی چھاؤنی نخیلہ کے قریب واقع تھا۔

جب ابن زیاد نے حضرت امام حسینؑ کے مقابلہ کے لئے فوجیں بھیجنا شروع کیں تو ان کا پہلا کیمپ یہی نخیلہ تھا جہاں فوجوں کا جائزہ لیا جاتا اور مختلف دستوں میں تقسیم کر کے مختلف سرداروں کی زیر سرکردگی انھیں کربلا کی طرف روانہ کر دیا جاتا۔

جب لشکروں کی چہل پہل شروع ہوئی اور فوجی بھرتی کا چرچا ہوا تو ام وہب اور عبداللہ دونوں کو استفسار حالات کی طرف فطرتاً توجہ ہوئی اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ یہ لام بندی اور لشکرکشی نواسۂ رسولؐ کے خلاف ہے تو دونوں کے جذبۂ ولائے اہل بیتؑ میں ایک تلاطم عظیم برپا ہو گیا۔ عبداللہ نے جب اپنی شریک حیات سے گفتگو کے بعد اپنا یہ ارادہ ظاہر کیا کہ مجھے حضرت امام حسینؑ کی نصرت کے لئے جانا چاہیئے تو مومنہ نے اس بات کو دل سے پسند کیا اور ساتھ ہی خود بھی جانے پر آمادگی ظاہر کی۔

زوجہ کے اس اقدام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے شوہر سے کتنی بے پناہ محبت کرتی تھی اور اسے ان کی جدائی گوارا نہ تھی۔ یہی نہیں بلکہ اس کی اس آمادگی میں اس کے جذبۂ ایمانی کو بہت بڑا دخل تھا جب ہی تو وہ ان تمام شدائد و مصائب کو جھیلنے کے لئے تیار ہو گئی جن کے اس سفر میں پیش آنے کا امکان تھا۔ عورتوں کو ان مواقع سے دور رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے جہاں تکالیف و مصائب کے پیش آنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کسی عورت کا باپ ہو یا بھائی یا شوہر یا کوئی دوسرا سرپرست و محافظ خود تو شدائد و مصا

کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے مگر اپنے ناموس کو ایسے مواقع سے دور ہی رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور خواتین خود بھی اپنی فطری جسمانی و قلبی کمزوری کی بنا پر ایسے مواقع سے الگ ہی رہتی ہیں اور خوشی سے مصائب و آلام میں پڑنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتیں۔

لیکن نہیں معلوم وہ کونسا بے پناہ جذبہ تھا جس سے مجبور ہو کر ام وہب خود کو گرداب مصیبت میں جھونک دینے کے لئے بخوشی تیار ہو رہی ہیں اور عبداللہ بھی اس کی کوشش نہیں کرتے کہ وہ ام وہب کو ساتھ چلنے سے باز رکھیں .... مگر محبت محمد و آل محمدؐ نے انسانی فطرتوں کو بدل دیا تھا۔ نہ مرد مصائب و آلام کا خیر مقدم کرنے سے جھجکتے تھے اور نہ عورتیں جنھیں واقعی مصیبتوں میں پڑنے کی جرأت و ہمت کم ہوتی ہے مگر حضرت امام حسینؑ کے ہمراہی مردوں کی طرح وہ خواتین بھی جذبہ فداکاری و قربانی میں آپ اپنی نظیر تھیں جو امام کے ساتھ مجاہدہ کربلا میں شریک تھیں حسینؑ کی نصرت کرنے والے ان مردوں اور عورتوں کے جوش ایمانی اور جذبات وفاداری و جانبازی نے ان کے لئے ہر ناگوار کو گوارا اور ہر تلخ کو شیریں بنا دیا تھا۔

اگرچہ راستے سدود اور خطرات سے بھرے ہوئے تھے مگر ان دونوں کے جوش ایمانی نے ان کی رہنمائی اور ان کی طلب صادق نے ان کی دستگیری کی اور آخر وہ کربلا کے مقام پر حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں پہونچ ہی گئے۔

روز عاشورہ جب عمر سعد نے پہلا تیر حضرت امام حسینؑ کی طرف سر کر کے آغاز جنگ کر دیا اور اس کی تاسی میں فوج اشقیا کے ہزاروں کمانداروں نے بے شمار تیر ایک ساتھ رہا کر دیئے تو گویا باقاعدہ لڑائی شروع ہو گئی۔ جس طرح تیر باری کر کے لشکر اعدا نے جنگ کی پہل کی تھی اسی طرح انفرادی لڑائی میں بھی انھوں نے جارحانہ قدم اٹھایا چنانچہ ابن زیاد کے دو غلام ــــ یسار اور سالم ــــ میدان جنگ میں آ کر مبارز طلب ہوئے۔ ان کا مقابلہ کرنے انھیں معظمہ ام وہب کے شوہر عبداللہ بن عمیر نکلے۔

جب عبداللہ حضرت امام حسینؑ سے اذن جہاد طلب کر رہے تھے تو امامؑ نے ان کے سراپا پر نظر ڈالی طویل القامت، مضبوط جثہ، بھرے بھرے بازو، کشادہ سینہ جوان کی سج دھج کو دیکھ کر مولا نے ارشاد کیا کہ بہادر جنگ آزما جوان معلوم ہوتے ہو۔ جاؤ اور شوق جہاد پورا کرو۔"

عبداللہ شیر نر کی طرح میدان جدال میں پہونچے اور پہلے ہی حملہ میں یسار کو ٹھکانے لگا دیا۔ عبداللہ کا ہاتھ ابھی اس شریر بار ضرب لگانے سے فارغ بھی نہ ہونے پایا تھا کہ سالم نے تلوار سے وار کر دیا۔ مگر عبداللہ نے اسے بڑی پھرتی اور برق رفتاری سے روکا۔ اور اس کوشش میں ان کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ اب اس چوٹ کھائے ہوئے شیر نے جو پلٹ کر تلوار لگائی تو سالم بھی یسار کے پیچھے پیچھے جہنم کو چلا گیا۔

اس وقت جوش شجاعت میں عبداللہ نے حسب ذیل رجز پڑھنا شروع کر دیا:-

"مجھے جو نہ پہچانتا ہو وہ پہچان لے کہ میں
قبیلہ کلب کا فرد ہوں۔ میرے حسب و نسب
کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ خاندان علیم میں میرا
گھرانا ہے۔ میں ایک سخت طبیعت اور درشت
مزاج کا انسان ہوں اور مصیبت کے موقع پر
کبھی پست ہمتی سے کام نہیں لیتا۔ اے ام
وہب! میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں دشمنوں
کو بڑھ بڑھ کر نیزے اور تلواریں لگاؤں گا اور
اس طرح شمشیر زنی کروں گا جو خدا پر ایمان رکھنے
والے جوانمرد انسان کے شایان شان ہو۔"

ام وہب جو اپنے پہلو میں اپنے شوہر کی طرح ایک بہادر دل رکھتی تھی اس موقع پر تاب ضبط نہ لا سکی اور ایک عمود اٹھا کر میدان جنگ کی طرف یہ کہتی ہوئی لپکی:-

"میرے ماں باپ دونوں تم پر نثار! اے عبداللہ!

اور رسولؐ کی نصرت کرنے میں کوتاہی نہ ہونے پائے "

اس عظیم اقدام نے بتا دیا ہو کر شوہر کے رجز نے اس کے جذبات محبت ہو داکر مہمیز لگا دی تھی اور اس کا جوش ایمانی متلاطم ہو اٹھا تھا۔ زمام صبر اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور وہ بے تابانہ میدان جنگ میں پہونچ گئی۔ تاکہ نصرت امامؑ میں اپنے مجاہد شوہر کا ہاتھ بٹائے اور اسی کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہو۔

یہ دل و جگر تو حضرت سید سجادؑ ہی کا تھا کہ وہ اپنے ناموس کو کوچہ و بازار بلوائے عام اور دربار حاکم میں دیکھ کر صبر فرماتے رہے ورنہ اگر کوئی دوسرا معمولی دل گردہ کا انسان ہوتا تو وہ ان ہوشربا اور زہرہ گداز مناظر کے دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتا تھا اور اس کی روح جسم سے مفارقت کئے بغیر نہ رہتی۔ یہ مرحلہ غریب عبداللہ کو بھی پیش آیا اور مجمع عام میں اس طرح بیوی کے چلے آنے پر وہ ضبط نہ کر سکا۔ وہ جلدی سے ام وہب کے قریب پہونچا اور چاہا کہ اسے میدان جنگ سے خیام اہل حرم میں پہونچا دے مگر وہ فرط جوش و غضب سے کچھ ایسی مغلوب ہو رہی تھی کہ اس پر شوہر کا قابو بھی نہ چل سکا۔ ام وہب نے اپنے آپ کو شوہر کی گرفت سے یہ کہتے ہوئے چھڑا لیا کہ نہیں نہیں میں ہرگز واپس نہ جاؤں گی بلکہ تمھارے ساتھ ہی شہید ہوں گی۔

ایسے وقت جب کہ جوش و جذبات نے ام وہب کی آنکھوں میں دنیا کو تاریک بنا رکھا تھا اور نتائج و عواقب کی اسے کوئی پروا نہ رہی تھی بلکہ جان سے زیادہ عزیز شوہر کا سمجھانا اور میدان جنگ میں جانے سے باز رکھنا بھی بے سود ثابت ہو چکا تھا حضرت امام حسینؑ نے ام وہب کو آگے بڑھنے سے روکنے کے لئے بلند آواز سے فرمایا:۔

" خدا تم دونوں زن و شوہر کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اے مومنہ! اہل حرم کے پاس واپس جاؤ اور ان کے ساتھ خیمہ میں رہو' عورتوں سے جہاد ساقط ہے "

اب جذبہ عقیدت و اطاعت اور حکم امام کی تعمیل کرنے کے احساس نے ام وہب کے بڑھتے ہوئے قدموں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اس کے جوش و ولولے پر امامؑ کی آواز سنتے ہی یکبارگی ایسا بریک لگا: یا کہ جو ام وہب ابھی تک جذبات سے بے تاب ہو رہی تھی ایک ہی لمحہ میں اس کے غیظ و غضب اور جوش و جذبات کا متلاطم دریا پرسکون ہو گیا اور وہ زبان حال سمعاً و طاعتاً کہتی ہوئی خیام اہل حرم کی طرف پلٹ گئی۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت امام حسینؑ نے عبداللہ بن عمیر کو بھی مزید جنگ کرنے سے روک دیا اور وہ بھی کچھ دیر کے لئے مختصر سے لشکر حسینی میں اپنی مقررہ جگہ آ کر کھڑے ہو گئے۔

اس طرح عبداللہ کے سر سے موت کچھ وقفہ کے لئے ٹل گئی مگر وہ وقت آ ہی پہونچا جب شمر ملعون کی سرکردگی میں فوج اعدا کے میسرہ نے لشکر حسینی پر پوری قوت سے حملہ کیا۔ اس حملہ کو ناکام بنانے کے لئے جن اصحاب نے جد و جہد کی ان میں جناب عبداللہ بن عمیر بھی شامل تھے۔ انھوں نے دشمن کے کم سے کم دو سپاہیوں کو واصل جہنم فرمایا۔ مگر اس بے پناہ حملہ میں جب کہ گھمسان کی جنگ جاری تھی عبداللہ بن عمیر کو ہانی بن ثبیت حضرمی اور بکیر بن حی تیمی نے مشترکہ کوشش سے شہید کر ڈالا۔

ام وہب نے جب اپنے شوہر کی شہادت کی خبر سنی تو وہ بے چین و مضطرب ہو کر شوہر کی لاش پر جا پہونچی تاکہ وہ اس کا آخری دیدار کر سکے۔ وہ لاش کے سرہانے بیٹھ کر اس کے چہرہ سے خاک و خون پاک کرتے ہوئے یہ کہتی جاتی تھی کہ میں تمھیں جنت کی مبارک باد دیتی ہوں۔ تمھیں بہشت عنبر سرشت کی سیر کرنا مبارک ہو۔

ام وہب جب پہلی مرتبہ خیمہ سے نکل کر جنگ گاہ کی طرف آئی تھی تو اس کا مقصد تھا دوسرے مجاہدین کی طرح اپنے شوہر کی ہمراہی میں نصرت امام میں حرب و ضرب کرنا مگر اس مرتبہ جو اب وہ مقتل میں آئی ہے تو بالکل دوسرے ہی مقصد سے۔ ابکی اس کا ارادہ تیغ زنی کا نہیں ہے اس لئے کہ امامؑ کے ہدایت کرنے پر وہ اچھی طرح سمجھ چکی ہے کہ عورتوں پہ

جاد سا تھا ہے بلکہ ابھی وہ محض اس لئے خیمہ سے نکل کر میدان میں آئی ہے کہ اپنے شوہر کی لاش سے آخری بار دو دا ع ہو لے اور اس کا ایک بار اور دیدار کرے جس کے بعد پھر اس کا دیدار کبھی میسر نہ ہوگا۔

جب وہ معظمہ شوہر کی لاش پر گریہ وزاری میں مصروف تھی کہ شمر لعین نے اپنے غلام رستم کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ ام وہب کا کام تمام کر دے۔ چنانچہ رستم نے آقا کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے ایک گرز آہنی اس کے سر پر مارا جس کے صدمہ سے وہ اسی جگہ شہید ہو گئی اور اس طرح شہدائے کربلا کے پاک و پاکیزہ خون میں ایک پاک و پاکیزہ خاتون کا خون ناحق بھی شامل ہو گیا اور اس طرح شہیدوں کی فہرست میں صنف نسواں کی ایک نمائندہ کا نام بھی نظر آنے لگا۔

زوجۂ وہب کلبی

(از بانو سیدپوری)

اے عزت و ناموسِ وہب پیکرِ عصمت — اے نازشِ حورانِ جناں روحِ محبت
میدانِ عمل میں وہ ترے کار نمایاں — ہیں سارے زمانے کے لئے شمعِ ہدایت
اُن عورتوں میں نام ترا سب سے پہلے — نصرت میں شہ دیں کی ملی جن کو شہادت
شبیرؑ کی نصرت میں جوانی کی اُمنگیں — اشکوں کی طرح پی گئی اللہ رے ہمت
ملبوس سے وہ بیاہ کی آتی ہوئی خوشبو — چہرے پہ جھلکتا ہوا وہ جذبۂ عفت
وہ تازہ عروسی وہ تمنا وہ جوانی — ماتھے پہ پسینہ کی جگہ گوہرِ عصمت
تاروں کی طرح آنکھوں سے ڈھلتے ہوئے آنسو — وہ چاند سے ملتی دلِ خودار کی طینت
نیچی وہ نظر بند زباں شرم کے مارے — اور مانگنا شوہر کا وہ مرنے کی اجازت
آتی ہوئی کانوں میں وہ جھنکار کی آواز — وہ آنکھوں میں پھرتی ہوئی شبیرؑ کی غربت
ایمان کا جذبہ تھا ہر احساس پہ غالب — دل درد سے بیتاب مگر واہ رے ہمت
"جاؤ مگر اک شرط ہے کر لو اسے منظور" — تب دیتی ہے لونڈی یہ تمھاری تمھیں رخصت
"شبیرؑ کے آگے کرو اس بات کا وعدہ — ہونا نہ بلا مجھ کو لئے داخلِ جنت"
یہ کہہ کے وہ آنا شہ ذیجاہ کے آگے — وہ عہد کی تصدیق یہ تصمیمِ ارادت

اے روحِ عمل پیکرِ اخلاص مبارک
یہ رفعتیں یہ اوج یہ جنت کی بشارت

۷۵ سالہ پرانی نثر خوانی کی ایک مجلس

(میر سرفراز علی صاحب نثار اعلی اللہ مقامہ)

مرحلہ پیمایانِ منازلِ فنا و طے کنندگانِ مراحلِ رنج و عنا و رہروانِ مسلکِ سعادت و سالکانِ جادۂ اطاعت مسافرانِ صحرائے گریہ و زاری و بادیہ پیمایانِ وادیٔ سوگواری مخبرانِ احوالِ جانگزا و مورخانِ سانحۂ مصیبت افزا حالِ سفر فرزند حیدرِ صفدر کریوں لکھتے ہیں کہ جب جناب سید الشہدا علیہ السلام بلائے معلّیٰ اہلِ وطن سے رخصت ہو کر مع اہلبیت رسول خدا باشتیاق حج آخر داخل مکۂ معظمہ ہوئے اور خبر داخلۂ پسر ساقیٔ کوثر اطراف و جوانب میں مانند عکس آفتابِ عالمتاب مشہور ہوئی تو رئیسانِ کوفہ نے سات سو خط بدرخواست تشریف آوری خدمت بابرکت سبطِ رسول کریم میں بایں مضمون ارسال کیے کہ یزید بدانجام ملک شام پر قابض و متصرف ہوا اور اس کا یہ قصد ہے کہ دینِ ختم المرسلین میں خلل ڈالے لہٰذا امیدوار ہیں کہ آپ جلد یہاں تشریف فرما ہو جیے تو انسب ہے ہم سب بجان و دل مطیع و فرمان بردار ہیں اور حکم حضرت سے ہرگز انحراف نہ کریں گے اور اگر آپ نے قدم رنجہ فرمانے میں توقف کیا تو عجب نہیں کہ وہ فتور برپا کرے کہ جو خلاف شرعِ جناب رسول مقبول ہو اور رجال بسبب طمعِ دنیا گمراہ ہو ہو گئے خدا جانے کیا اس کو کہنے پر آمادہ ہوں بلکہ یہاں تک ساکنانِ کوفہ و شام کے دلوں پر خوف اس کا غالب ہوا ہے کہ خلیفۂ رسول کہتے ہیں۔ ع

للہ یہاں آئیے اب اے شہِ ابرار　　سرسبز ہیں گلزار بھر لائے ہیں اشجار

بے آپ پڑا ہے مگر ایمان کا گلزار　　جلد آؤ شتاب آؤ کہ مشتاق ہیں دیندار

خط میں تو کیے تھے رقم سیب و ثمر کے

آئے تو کھلائے انھیں پھل تیغ و تبر کے

جب یہ خطوط ملاحظہ فرمائے تو بسبب پرورش بدکارانِ امت حضرت نے ناچار حج کو بہ عمرہ مفردہ تبدیل فرما کے جانب عراق کوچ کیا کہتے ہیں کہ جس زمانے میں جناب سید الشہدا سبطِ جناب رسول دوسرا نے قصد کوفہ کیا تھا انھیں ایام میں زہیر قین بھی بعد فراغ مناسک حج مع اہل و عیال عقب سبطِ رسول ذوالجلال جانب وطن مالوفہ روانہ ہوا تھا۔ حسب اتفاق ایک روز خیمہ زہیر نامور قریب بے چوبہ سبطِ خیر البشر نصب ہوا شکوہ و شانِ خیمہ سبطِ رسول، یزداں دیکھ کر قریب بارگاہ فلک اشتباہ امام عالیجاہ آیا تو دیکھا کہ ع

پھرتے ہیں گرد خیمہ جوانان سبز پوش　　ہر جلوہ ان کے چہرۂ رنگین کا گلفروش

پوچھا یہ کس کا خیمہ ہے اے صاحبانِ ہوش　　تب رو کے اک رفیق یہ بولا بصد خروش

سجدہ کر اسے زہیر تو قبلہ گناہ ہے

یہ بارگاہ قبلۂ ایمان پناہ ہے

تجھ کو نہیں خبر کہ مدینہ ہوا تباہ سید کو ظالموں نے وطن سے نکالا آہ
یہ گرم دھوپ جس میں ہرن ہوتے ہیں سیاہ اور اس میں ناز پروردۂ پیغمبر الٰہ
سن لے کہ قافلے میں ہے یہ شور فاطمہ
فریاد بے چراغ ہوئی گور فاطمہ

یہ کلام رفیق امام عالیمقام سنکے ع

بولا زہیر خیمہ ہمارا کرو جدا نامحرموں میں آئے نہ سادات کی صدا
وقت دعا بس ان کی صدا اشنا ہے خدا آداب آل فاطمہ کس کو نہ تھا ندا
شمر و عمر نے دیدۂ و دانستہ کیا کیا
اپنے نبی کی آل کو خود بے ردا کیا

صاحبانِ تواریخ لکھتے ہیں۔کہ اس روز سے ہر منزل و مقام میں خیمۂ زہیر ذیجاہ بجوٗبہ امام عالم پناہ سے کچھ فاصلے پر نصب ہوتا تھا ہر چند کہ ظاہر میں جدا تھا۔ مگر بہ باطن بہت قریب تھا بلکہ ہر منزل و مقام میں بعد نماز پنجگانہ دست دعا بدرگاہ خداوند جل علیٰ اٹھا کر کہتا تھا کہ پروردگار عالم بحق افتخار آدم علیہ السلام جس طرح سے عالم اسباب میں ہمراہ سبط رسالت مآب ہوں اسی طرح آخرت میں بھی رہوں اور قدم امام اُمم سے جدا نہ ہوں یہاں تک کہ ع

اک روز دونوں خیمے ہوئے متصل بپا اس دن امام نے علی اکبر سے یہ کہا
وہ سامنے جو خیمہ ہے اے میرے مہ لقا اس میں زہیر نام بڑا دوست ہے مرا
جاؤ سلام شوق ہمارا سناؤ تم
اکبر ہمارے دوست کو ہم سے ملاؤ تم

کہنا تجھے مسافر صحرا بلاتا ہے ہم گھر سے مرنے جاتے ہیں تو گھر کو جاتا ہے
گردوں چراغ مرقد زہرا بجھاتا ہے کوفہ سے روز موت کا پروانہ آتا ہے
آتا نہیں تو بہر مددگاریٔ حسین
اٹھے واشے بے غریبی و بے یاریٔ حسین

یہ کلامِ معجز بیان امام زمان سن کے ہمشبیۂ رسول انام جانب خیمۂ زہیر خوش سیر روانہ ہوئے کہتے ہیں کہ اس روز زہیر قین نے برائے عزیزان و ہمراہیان سامان دعوت کیا تھا۔ اور اشیاء مطلوبۂ ہر عزیز و رفیق بوقت تمام بہم پہونچا کر اس کے کھلانے میں مسرور و شادکام بدل مصروف تھا ع

ناگاہ سمتِ خیمہ شہ سے اٹھا غبار باطن میں اس غبار کے تھا نور کردگار
مانند پیک رحمتِ حق آیا اک سوار اترا قریب خیمہ پہونچ کر وہ تاجدار
محفل شمیم عطر نبوّت سے مہک گئی
خیمہ میں ایک نور کی بجلی چمک گئی

پڑھ پڑھ کے سب نے صل علیٰ کی یہ گفتگو آتی ہے کس طرف سے رسولؐ خدا کی بو

گویا ہوا غلام زہیر آ کے روبرو چل جلد پیشوائی کو چل اے زہیر تو
گیسو ہیں دونوں کاندھوں کے اوپر پڑے ہوئے
دروازہ پر رسول خدا ہیں کھڑے ہوئے
بے ساختہ زہیر پکارا کہ میں فدا پھر پیشوائی کو مع اصحاب وہ اٹھا
یوں مجرے کو جھکا کہ زمین بوس ہو گیا جس نے نظر کی چہرہ پہ صلے علے کہا
داخل جو وہ جوان ہوا خیمہ گاہ میں
نقش قدم کی طرح بچھیں آنکھیں راہ میں
بالائے پشت مہر کوئی ڈھونڈنے لگا تب مسکرا کے یوسف شبیر نے کہا
ہیں مصطفےٰ نہیں ہوں یہ بشکل مصطفےٰ اکبر گل حدیقۂ مظلوم کربلا
فہرست خط و خال رسول زمان ہوں میں
فرد جمال خاتم پیغمبران ہوں میں

یہ کلام ہمشبیہ رسول انام سن کر زہیر با دل شاد نقش پا قدم میمنت شیم علی اکبر پر گر پڑا اور بمقتضائے اعتقاد و ایمان پشت پائے شبیہ رسول انام پر بوسہ دے کر عرض کی کہ اے ثمر نورستۂ بہارستان رسالت و اے نخل نو دمیدہ چمنستان امامت آپ نے نقش قدم گل رنگ سے سرزمین فرودگاہ بندہ کو روشن و منور فرما کر احسان عظیم کیا اب امیدوار ہوں کہ اس اخدم خادمان حضور کے یہاں بہ جہت دعوت عزیزان و ہمراہیان کھانا تیار ہے اگر کچھ از راہ غلام نوازی اور بندہ پروری نوش فرمایئے تو عزت افزائی اس خادم کی دونوں جہاں میں ہو جائے۔ جواب دیا جناب علی اکبر نے کہ اے زہیر تم سے کچھ تکلف نہیں مگر بہ سبب صدمۂ جدائی فاطمہ صغرا مطلق خواہش آب و طعام نہیں اسے بھائی جب اس خواہر بیمار و دلفگار کا خیال آ جاتا ہے تو رات رات بھر نیند نہیں آتی بلکہ ع

چھوٹی ہے بابا جان کی بھی آج کل غذا کھینچا غذا سے اس نے بھی ہاتھ اور یہ کہا
اب کہیئے اس غلام نوازی کا ماجرا فرمایا بیکسی و پریشانی و بلا
تجھ کو طلب کیا ہے حسین غریب نے
سید نے بے وطن نے مصیبت نصیب نے
حرف طلب کو سنتے ہی دل ہاتھ سے گیا عارض پہ ہاتھ رکھ کے وہ کچھ سوچنے لگا
شوق بہشت نے تو کہا جا شتاب جا حب زن و پسر ہوئی زنجیر دست و پا
غم اپنی جان کا تھا نہ اسباب و مال کا
پر تھا قلق تباہی اہل و عیال کا

جس وقت یہ ماجرائے عجیب و غریب زوجۂ خوش اعتقاد زہیر نیک نہاد نے عقب حجاب سے دیکھا تو نہایت حیران و پریشاں ہو کر شوہر سے مستفسر ہوئی کہ ایسا کیا تردد لاحق ہوا کہ سر در گریبان جیب تفکر جھکا یا ہے جواب دیا زہیر نے کہ اسے شاہد کاشانۂ عصمت و اے عروس حجلۂ عفت ہمشبیہ رسول مقبول ارشاد کرتے ہیں کہ تجھ کو فرزند فاتح بدر و حنین نے یاد کیا ہے نیک بخت مجھ کو یہ اندیشہ ہے کہ جاؤں یا نہ جاؤں خدا جانے کس واسطے مجھ کو حضرت نے طلب کیا ہے سنتے ہی

اس کلام کے اس کنیز فاطمہ زہرا کو اس قدر غصہ آیا کہ طیش و غضب سے رنگ سرخ ہو گیا۔ اور مانند رسم زنان عرب چادر سر سے اتار کر خیمہ سے نکل پڑی اور سر زہیر پر ڈال کر گویا ہوئی وا ہے ہو تیری غیرت و شجاعت پر کہ مطلق پاس غلامی شاہ مرداں باقی نہ رہا افسوس صد ہزار افسوس کہ امام انس و جان فرزند دلبند وصی رسول کون و مکاں کا تو پیغام آئے اور تجھ کو انجام کی فکر ہوئی۔ ع

لے کھول تو سلاح میں باندھوں گی تن پہ اب — میں خدمت حسینؑ میں جاتی ہوں بے طلب
میں فاطمہ کی لونڈی ہوں فضہ کی ہم نسب — دیکھوں تو کون لڑتا ہے سید سے بے سبب
جب وقت جنگ نعرۂ یا فاطمہ کروں
تو لشکر یزید کا میں خاتمہ کروں

قدرت خدا کی شکل کا خوزادہ تجھے بلائے — بیٹے کو ہم شبیہ رسالت پناہ آئے
اور تو مضائقہ کرے جانے میں ہائے ہائے — تجھ کو قسم ہے آج سے گر مجھ کو منہ دکھائے
ایماں دیا بہشت دیا مال و زر دیا
احسان بھی پنجتن کا فراموش کر دیا

اے زہیر یہ وہ حسین ہے کہ جس پر رسول نے اپنے فرزند کو نثار کیا اور پروردگار عالم نے بچہ آہو جس کو عطا کیا اور سوا اس کے حضرت کے احسان کو بھی فراموش کیا کہ ایک روز جبرئیل آمین خدمت رسول رب العالمین میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا حضرت اگر کوئی بلا حسین پر آئے تو کیا رو بلا کیجئے گا فرمایا حسن کو فدا کر دونگا اور حسین کو بچا لونگا جبرئیل نے کہا اگر بارہ دگر نزول بلا ہو تو کیا تدبیر کیجئے گا ارشاد کیا کہ فاطمہ کو نثار کر دونگا اور حسین کو بچا لونگا پھر عرض کی کہ بار سوم کوئی افتاد پڑے تو کس نہج سے بچایئے گا فرمایا علی کو صدقے کر دونگا اور شبیر کو محفوظ رکھونگا پھر عرض کی کہ بار چہارم کس طرح ناگہانی کو دفع کیجئے گا۔ فرمایا اس افتاد کو اپنے اوپر قبول کر لونگا الا حسین پر بلا نہ آنے دونگا یہ سن کے گذارش کی روح القدس نے کہ بلا حسب الاتفاق اگر آپ کی امت پر کوئی بلا آئے تو کیا کیجئے گا یہ کلام جبرئیل نیک نام سن کے رسول انام نے بزبان فیض ارشاد کیا اے جبرئیل تم خوب جانتے ہو کہ جمیع متعلقین سے اس چھوٹے نواسے کو میں زیادہ پیار کرتا ہوں بایں ہمہ اگر میری امت پہ بلا آئے تو حسین کو فدا کر دوں اور امت پر بلا نہ آنے دوں۔ اے زہیر یہ عنایت بھی حضرت کی بھول گیا۔ کیا منہ دکھائے گا روز حشر رسول مقبول کو۔ ع

یہ سن کے بند بند میں رعشہ سا پڑ گیا — بولا زہیر دیکھتا تھا میں تو دل ترا
اے فاطمہ کی خادمۂ خاص مرحبا — میں تو دعا یہ کرتا تھا اس روز کی سدا
چھوڑوں اگر رکاب شہ مشرقین کی
مجھ سے قسم لے مصحف روئے حسینؑ کی

یہ کہہ کے ساتھ اکبر مہ رو کے وہ چلا — آئی ندا نجف سے مرے دوست مرحبا
روح بتول بولی کہ محسن ہے تو مرا — ہاتف پکارا دیکھ ذرا اپنا مرتبہ
ہمشکل مصطفیٰ تو تیرے اٹھائے ہاتھ ہے
لبیک کہتی روح نبی ساتھ ساتھ ہے
یاں منتظر کھڑے تھے شہنشاہ کربلا — ہنس کر کہا تعال تعال اور یہ دی ندا

آیا امیر پہ بمقد شکر خدا زینب پکاریں میری طرف سے کہو دعا
بیٹے تو بھیجا سبط پیمبر نے بھائی کو
جب پاس آیا آپ چلے پیشوائی کو

جس وقت زہیر بن قین نے یہ مشاہدہ کیا کہ حضرت میری پیشوائی کو تشریف لاتے ہیں بیتابانہ دوڑا اور قدم میمنت شیم سبط رسول امم پر گر پڑا اور آنکھیں اپنی پشت پائے مبارک سے مس کیں۔ زبان رفیق نوازی و بندہ پروری کو جناب سید الشہدا و آپ نے سر اٹھا کر سینۂ مبارک سے لگا لیا جب زہیر نے یہ شفقت حضرت ما بہ حال خود دیکھی تو عرض کی یا حضرت میں تو آج خود ہی حاضر ہونے کو تھا کہ آپ نے طلب فرمایا۔ اس سبب سے کہ در عالم رویا رسول خدا کو میں نے دیکھا اس ہیئت سے کہ چہرۂ مبارک نہایت متغیر ہے اور گریبان کفن چاک ہے اور میری جانب مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ اے زہیر میرے نور عین حسین سے علیحدہ علیحدہ ہوگا نہ دار کیوں جاتا ہے جو اس عالم بیکسی میں میرے نواسے کا ساتھ دے گا۔ حشر اس کا میرے ہمراہ ہوگا اور میں اس کا شفاعت خواہ ہوں گا یہ سخن زبان معجز بیان رسول رب ذوالمنن سے سن کر مضطر و پریشان خواب سے بیدار ہوا اور یہ قصد کیا کہ خدمت عالی میں حاضر ہوں۔ یہ عزم تھا ہی کہ شہزادہ عالی تبار ہمشکل رسول مختار نے برائے طلب این خاکسار قدم رنجہ فرمایا اور عزت دنیا و آخرت سے سرفراز و ممتاز فرما کر بہ شرف زیارت قبلۂ ایمان مشرف کیا اب جو کچھ ارشاد ہو بجا لاؤں یہ سن کے سبط خیر البشر زہیر با وفا کو مکان تنہا میں لے گئے اور احوال سفر سے آگاہ کیا اور با عجاز امامت درجات بہشت جو برائے شہیدان دشت کربلا درمیان فردوس علیٰ خلاق زمین و سما نے للہ رت کا مہ مقرر فرمائے تھے دکھا دیئے یہ سانحہ عجیب و غریب اور مراتب بعز یز و رفیق سبط حبیب خدا دیکھ کر شوق شہادت پیدا ہوا اور سفر آخرت پہ کمر ہمت باندھ کے برائے رخصت عزیزان و رفیقان خیمہ میں آیا جس وقت زوجۂ زہیر نے رنگ بشاشت اس کے چہرہ پر دیکھا تو اس کا بھی غنچۂ دل پژمردہ بیساختہ شگفتہ ہو گیا اور بعد اشتیاق مستفسر حال ہوئی زہیر نے من و عن حال عنایت و شفقت جناب امام حسین بیان کیا اور کہا اے نیک بخت ع

تو جا وطن کو مجھ کو تو کوثر کی چاہ ہے
بی بی تری وہ راہ ہے میری یہ راہ ہے

مجھ کو تو شہ نے گلشن جنت کیا عطا باغ اپنا حق مہر میں میں نے تجھے دیا
اس نے کہا کہ خوب یہ انصاف ہے نیا میں نے ہی بھیجا واں تجھے میرا ہی یہ صلا
تو جائے خلد۔ تھام کے آقا کے ہاتھ کو
پھر جاؤں گھر میں چھوڑ کے زینب کے ساتھ کو

مجھ کو سنا کے کہتا ہے باغ جناں ملا جس نے تجھے دیا ہے وہ مجھ کو نہ دیگا کیا
تو دوست ہے میں دوست نہیں شہ کی کیوں بھلا فضہ ہی سے جو مانگوں تو جنت کرے عطا
لونڈی ہوں میں حسین کی گر تو غلام ہے
تیرا امام ہے تو مرا بھی امام ہے

لے چل تو شہ کے پاس پھر آ گئے مرا نصیب رخصت ہوا رفیقوں سے شبیر کا حبیب
ساتھ اس کے آئی مومنہ مولا کے عنقریب دامن پکڑ کے بولی کہ کیوں سید غریب
فردوس کا زہیر کو رستہ بتا دیا

کیا میں نہ تھی کنیز جو دل سے بھلا دیا

ہے سہے پل صراط پہ گذرے گی مجھ پہ کیا — کا ہے کو ہاتھ آئے گا دامن بتول کا

سید مرے تجھے قسم روح مصطفٰے — لے لے مجھے کنیز تھی زینب میں میں فدا

سنتی ہوں میں سکینہ بہت تم کو پیاری ہے

کہہ دو اسی سے چل کے یہ باندی تمہاری ہے

یہ کلام اشتیاق انجام زوجۂ زہیر نیک نام سن کے

پردے کے پاس آن کے زینب نے دی صدا — بھائی مری کنیز کو رلواتے ہو یہ کیا

میں واری کہہ دو فاطمہ کا گھر ہے گھر ترا — تو میں نے اس کو گلشن جنت کیا عطا

رونق زیادہ آپ کے ماتم میں ہوئے گی

یہ میرے ساتھ آپ کے لاشہ پہ روئے گی

تب کان میں زہیر کے مولا نے کچھ کہا — زوجہ کی سمت دیکھ کے رو یا وہ خوب سا

اندیشہ اس کو گذرا کہ یہ ماجرا ہے کیا — بولی خدا کے واسطے کہہ جلد کیا سنا

کھوئے ہیں میرے ہوش ترے شور و شین نے

مقبول کی نہ میری کنیزی حسین نے

وہ بولا آہ کہتے ہیں یہ شاہ بحر و بر — سیدانیوں کو پھرنا ہے جلوہ میں ننگے سر

بہتر ہے یہ کہ جائے تری زوجہ اپنے گھر — کاہے کو یہ حقیر ہو ساتھ ان کے در بدر

وہ بولی خیر اس پہ بھی میں دل سے شاد ہوں

کیا فاطمہ کی بیٹیوں سے میں زیادہ ہوں

(عطا کردہ جناب نجم الحسن صاحب نقوی نشار)

اپنے انصار اور فوج حر کے سامنے حسین کا خطبہ

اپنے انصار اور فوج حر کو نماز پڑھانے کے بعد آپ نے جو دوسرا خطبہ مقام ذی حسم پر ارشاد فرمایا وہ حسب ذیل ہے۔
حمد و ثنائے الٰہی کے بعد ارشاد فرمایا۔ اے لوگو! اگر تم خدا سے ڈرو اور حق دار کے حق کو پہچانو تو اس کی وجہ سے خدا تم سے خشنود ہوگا۔ ہم اہل بیت محمد تمہاری سرداری اور رہبری کے زیادہ لائق ہیں بہ نسبت ان جھوٹے دعویداروں کے جو تم سے ظلم و ستم کے ساتھ پیش آتے ہیں اور اگر تم ہمیں ناپسند ہی کرتے ہو۔ اور ہمارے حقوق نہ پہچاننے ہی پر تمہیں اصرار ہے۔ اور اب تمہاری رائے ان خطوط اور تمہارے ان قاصدوں کے خلاف ہے جو ہمارے پاس تمہارے پیام لے کر آئے تھے۔ تو ہم واپس چلے جائیں گے۔

میر انیس کے مرثیے کے چند بند

گمنام ناصر حسینی

جس روز تھا یہ حشر بپا ماتم یہ شور و شر — آپہنچا اک مسافر غربت زدہ اِدھر
نکلا تھا گھر سے شوقِ نجف میں وہ خوش سیر — چھوڑے ہوئے وطن اُسے گزرا تھا سال بھر
بے خانماں کو عشق خدا کے ولی کا تھا — مشتاق وہ زیارتِ قبرِ علیؑ کا تھا

رخ زرد پاؤں سوجے ہوئے جسم پر غبار — ایمان و اعتقاد قوی پر بدن نزار
طاعت گزار نیک عقیدت وفا شعار — نے راحلہ نہ زاد نہ ہمدم نہ غم گسار
یہ آرزو کہ گو ہر بحرِ شرف ملے — چھانوں جہاں کی خاک یہ درِ نجف ملے

سرگرمِ قدم کیے وہ سعید و خجستہ پے — دو دن کی راہ کرتا تھا ایک ایک دن میں طے
پیاری نہ تھی جو قطعِ مسافت سے کوئی شے — آساں تھی اس کو دوریِ شام و عراق ہے
اُن جنگلوں میں بادیہ پیما تھا دین کا — گز بن گیا تھا راہ خدا میں زمین کا

دیتی تھی اس کو طاقتِ رفتار جب جواب — جھک جھک کے دونوں پاؤں سے کرتا تھا یہ خطاب
لازم ہے تم کو سعی کہ یہ ہے رہِ ثواب — احسان میرے سر پہ تمہارا چلو شتاب
کیا کیا شرف تمہاری بدولت ملے نہیں — گنج گہر ہیں زیرِ قدم آبلے نہیں

کرتا تھا ہر قدم پہ دعا وہ بہ اشک و آہ — پہنچا دے مجھ کو منزلِ مقصد پہ یا اللہ
سمجھاتے تھے اُسے جو مسافر میانِ راہ — اک دن مقام کر کہ ترا حال ہے تباہ
یاری نہ دیں قدم تو ٹھہرنا ضرور ہے — کہتا تھا رو کے وہ کہ نجف کتنی دور ہے

پہنچا جو کربلا میں تو دیکھا یہ اس نے حال
تنہا کھڑا ہے ایک مسافر لہو میں لال

فوجیں ستم کی گرد ہیں آمادۂ قتال
چلتے ہیں تیر پانی کا کرتا ہے جب سوال

ازبسکہ اہل درد تھا بیتاب ہو گیا
پانی کے مانگنے پہ جگر آب ہو گیا

تھم کر جو اس نے غور سے لاشوں پہ کی نظر
دیکھا ہے کوئی شمس کوئی غیرت قمر

بچہ پڑا ہے ایک ستارا سا خاک پر
کرتہ بھی ہنسلیاں بھی شلوکہ بھی خوں میں تر

سرخی لہو سے حلق کے سیب ذقن میں ہے
باچھوں میں سب ہے دودھ انگوٹھا دہن میں ہے

برپا ہے ایک سمت جو خیمہ فلک وقار
آتی ہے بیٹے کی صدا اس سے بار بار

چلا رہی ہے ڈیوڑھی پہ یوں کوئی سوگوار
صدقے میں تیرے اے مرے بابا کے یادگار

کانپا کلیجہ تھام کے سنا جب دوہائی کو
سمجھا کہ رو رہی ہے بہن اپنے بھائی کو

بولا وہ مل کے ہاتھ کہ یہ ماجرا ہے کیا
لائے کہاں نصیب مجھے وا مصیبتا

بے کس پہ یہ ستم یہ تعدی ہے یہ جفا
یا رب ہوئی ہے اس ترے بندے سے کیا خطا

نیزوں سے صد رتیغوں سے تن چور چور ہے
آئی ندائے غیب کہ یہ بے قصور ہے

کہنے لگا لرز کے وہ ذی قدر و نیک نام
اللہ کس قدر ہے پر آشوب یہ مقام

دریا خدا نے خلق کیے بہر فیض عام
مرتا ہے بے اجل یہ ستم کش یہ تشنہ کام

ان سے بشر ڈرے جنھیں خوف خدا نہیں
جلدی نکل چلو یہ ٹھہرنے کی جا نہیں

دو چار گام بڑھ کے یہ سوچا وہ نامور
مظلوم کی دعا میں ہے سب طرح کا اثر

واللہ برگزیدۂ حق ہے وہ خوش سیر
کر لیجیے التماس دعا ہاتھ باندھ کر

تیغوں میں اس کے پاس چلو جو خدا کرے
آساں ہوں مشکلیں جو یہ بے کس دعا کرے

باتیں یہ کر کے دل سے بڑھا وہ اسیر غم
لاشوں کو دیکھ دیکھ کے روتا تھا دم بدم

ہاتف نے دی صدا کہ سنبھل کر اٹھا قدم
رتبے میں یہ زمین نہیں کچھ نجف سے کم

آنکھیں ملک بچھاتے ہیں اس ارض پاک پر
یہ سب ورق ہیں مصحف ناطق کے خاک پر

آیا جو کانپتا ہوا وہ شاہِ دیں کے پاس — کی عرض السلام علیک اے فلک اساس
مولا جواب دے کے یہ بولے بہ درد و یاس — آنا ہوا کدھر سے ترا اے خدا شناس
عرض اس نے کی غلام شہِ ذوالفقار ہوں — بیکس ہوں بے نوا ہوں غریب الدیار ہوں
طے کی ہے سال بھر میں پہاڑوں کی پیچ راہ — بچے کہیں تباہ ہیں خادم کہیں تباہ
اب تک ہے مجھ سے دور درِ رحیم اللہ — مال و متاع لے کے چلا تھا یہ پُر گناہ
غارت یہیں ہوئی ہے بضاعت غلام کی — لوٹا ہے راہ میں مجھے فوجوں نے شام کی
ہیں دو مہینے فوجِ ستم میں رہا اسیر — مولا علیؑ کے نام کے دشمن ہیں یہ شریر
ہتھیار لیکے آ نہیں سکتا ہے راہ گیر — تب قید سے چھٹا ہوں کہ جب ہوگیا فقیر
سر پر یہی کلاہ یہی اک لباس ہے — پر ہوں غنی کہ دولتِ دیں میرے پاس ہے
دو صاحبوں کے شوق میں چھوڑا ہے میں نے گھر — حسرت یہ ہے نصیب کرے یاوری اگر
پہلے تو ہوں نجف کی زیارت سے بہرہ ور — منظور پھر وہاں سے مدینے کا ہے سفر
جاؤں گا دولتیں ہیں اگر سرنوشت میں — رستے میں موت آئی تو پہنچا بہشت میں
فرمایا آپ نے کہ مدینے میں کیا ہے کام — عرض اس نے کی وہی تو ہے دنیا میں اک نظام
اس سرزمیں پہ ہے مرا آقا مرا امام — برسوں سے جس کے عشق میں روتا ہوں صبح شام
حیدرؑ کے جان و دل ہیں شہِ مشرقین ہیں — صدقے میں اس جگہ کے وہیں تو حسینؑ ہیں
کیا دن سعید ہوگا میں اس روز تن نثار — جس روز ان کے گرد پھروں گا میں سات بار
چوموں گا دونوں ہاتھ بصد عجز و افتخار — آنکھیں قدم پہ جھک کے ملوں گا بہ انکسار
دنیا ہو اور فاطمہؑ کا نورِ عین ہو — دیکھوں انھیں صحیح و سلامت تو چین ہو
دشمن بہت امام کے ہیں اور دوست کم — امت دغا کرے نہ کہیں مجھ کو ہے یہ غم
اب پنجتن میں ہے تو انھیں کا ہے ایک دم — دولت گزیں ہے قبرِ نبیؐ پر وہ ذی حشم
زندہ ہیں گر حسینؑ تو زندہ ہیں چار دم — یارب اس ایک دم کو عطا کر ہزار دم

اک مہ پارا شاہزادہ ہے ہم شکل مصطفےٰ
شہرہ ہے جس کی شکل و شمائل کا جابجا
ماں کا مرادوں والا پسر ہے یہ مہ لقا
سائے میں شہ کے اس کو سلامت رکھے خدا
اس رشکِ گل سے دور خزاں کی بہار ہے
یارب چمن حسینؑ کا پھولا پھلا رہے
یہ سن کے آپ آئے مسافر کے متصل
پھیلا کے دونوں ہاتھ کہا آ گلے تو مل
ہاں بھائی سچ ہے صدمۂ فرقت ہے جاں گسل
اس دم بہل گیا ترے آنے سے میرا دل
طاقت کلام کی نہیں پاتا یہ ضعف سے ہے
پھرا تر انظر نہیں آتا یہ ضعف ہے
ہاں مدتوں سے ہے یہی نیرنگِ روزگار
ہر گل پہ ایکدن ہے خزاں ایک دن بہار
ہمدرد ہم بھی ہیں ترے اے یار غمگسار
تیری طرح لٹے ہیں یہیں چھوڑ کر دیار
شکر خدا مسافرِ راہِ ثواب ہیں
اب دیر کوچ میں نہیں پا در رکاب ہیں
کس سے کہیں کہ ہم پہ جو صدمہ گذر گیا
خالی ہوا عزیزوں سے گھر دشت بھر گیا
دنیا سے دو پہر میں مرا گھر کا گھر گیا
بیٹا جوان قتل ہوا بھائی مر گیا
بنتی نہیں جب آتی ہے قسمت بگاڑ پر
ٹکڑے ہو کر پڑے یہ مصیبت پہاڑ پر
میرا ہے اب یہ حال کہ زخموں سے چور ہوں
جنگل میں موت آئی ہے بستی سے دور ہوں
اک خاکسار بندۂ ربِ غفور ہوں
عالم ہے اس کی ذات کہ میں بے قصور ہوں
کہنے میں بات آتی ہے یہ کچھ گلا نہیں
دل تشنہ ہے آج کہ پانی ملا نہیں
مولا سے ہاتھ جوڑ کے بولا وہ دل کباب
لے آؤں دوڑ کر مرے شربے میں کچھ ہے آب
کیجئے زبان خشک کو تر بہر بوتراب
بولے ہلا کے سر کو شہ آسماں جناب
اب انتظار موت کا ہے کیا جیوں گا میں
سب پیاسے مرگئے ہیں نہ پانی پیوں گا میں
درکار جو تجھے ہو وہ لے بہر کردگار
پیدل اگر ہے تو یہ حاضر ہے راہوار
ناقہ بھی لے ترا تو ہے آقا وہ نا مدار
سائل کو جس نے روٹی کے اونٹوں کی دی قطار
حاضر ہے جان و مال کہ ہے یہاں تو
بھائی ہمارے گھر کو بھی گھر اپنا جان تو

اسباب بھی ہے مال بھی ہے سیم و زر بھی ہے
موجود راحلہ بھی ہے زاد سفر بھی ہے

مغفر بھی ہے زرہ بھی ہے تیغ و سپر بھی ہے
گر تیرے کام آئے تو حاضر یہ سر بھی ہے

بے کس ہوں گو کہ آج یہ خالی مقام ہوں
شرما نہ تو کہ میں بھی علی کا غلام ہوں

آقا ترا جو ہے وہی آقا مرا بھی ہے
تیرا طبیب جو وہ مسیحا مرا بھی ہے

بو نہ دن حق وہی مولا مرا بھی ہے
بھائی! علیؑ کے حصے میں حصہ مرا بھی ہے

ں مال غیر کفو میں تصرف نہ چاہیئے
آپس میں دوستوں کو تکلف نہ چاہیئے

دیکھی جو یہ عنایت سلطان بحر و بر
رونے لگا وہ مرد مسافر جھکا کے سر

دل سے کہا خدا کا ولی ہے یہ خوش سیر
اس حال میں غریب نوازی ہے اسقدر

بھی نہ باپ میں یہ محبت نہ بھائی میں
اب تک ہیں اس طرح کے بھی بندے خدائی میں

عرض اس نے کی حضور سے بس ہے یہ التجا
کیجئے اٹھا کے ہاتھ مرے حق میں یہ دعا

پہنچا دے مجھکو قبر علی پر مرے خدا
مولا نے آسماں کی طرف دیکھ کر کہا

جس کو نہیں زوال وہ دولت نصیب ہو
یارب اسے علی کی زیارت نصیب ہو

تسلیم اس نے کی تو یہ بولے شہ انام
قبر علی پہ جا کے یہ کہنا مرا پیام

آتے ہیں آپ درد و مصیبت میں سب کے کام
میں بیکس و غریب بھی ہوں آپ کا غلام

نا ہوں دشمنوں میں خبر آ کے لیجئے
ہنگام ذبح گود میں سر آ کے لیجیے

سن کر بیان شاہ رہی ضبط کی نہ تاب
آنسو بہا کے سر کو جھکایا بصد حجاب

دل نے کہا کہ اب ہے لب بام آفتاب
بے کس کے کام آؤ کہ اس میں بھی ہے ثواب

حسان کا یہ عوض ہے کہ احسان کیجئے
اب سر علی کے نام پہ قربان کیجئے

حضرت سے عرض کی کہ نہ جائے گا اب غلام
بس جی چکے بہت یہی مرنے کا ہے مقام

اب دیکھئے رضا کہ پڑھوں کھینچ کر حسام
وہ کام چاہیئے کہ رہے تا بہ حشر نام

بندہ رہوں نہ ترک رفاقت کروں گا میں
سب دکھ کے شیر حق کی زیارت کروں گا میں

زوار جن کا ہوں میں انھیں کی مجھے قسم
سر بھی کٹے گا اب تو نہ چھوڑوں گا یہ قدم
جلوے دکھا رہا ہے مجھے گلشنِ ارم
حوریں پکارتی ہیں کہ آ منتظر ہیں ہم
پردے اٹھے ہوئے ہیں نظر دور جاتی ہے
گردوں سے مرحبا کی صدا مجھ کو آتی ہے

گھبرا کے بولے شاہ کہ ہاں ہاں قسم نہ کھا
رستا ہے یاں سے رات بسے کا نجف کو جا
بچنا محال ہے گر جان دی تو کیا
اٹھ اے جوانی تو ہے صاحب دختر شہ رضا
دامن کو آنسوؤں سے بھگوتی ہے رات دن
بیٹی تری ترے لیے روتی ہے رات دن

رخصت کے وقت وہ جو بلکتی تھی دم بدم
وعدہ کیا تھا تو نے کہ آئیں گے جلد ہم
مرتی ہے انتظار میں وہ صاحبِ الم
آلودہ اس الم میں بھی ہوں میں اسیرِ غم
ہجراں کشیدہ رنج و بلا و محن میں ہے
بیمار ایک بیٹی بھی میری وطن میں ہے

بیٹی کا ذکر سن کے وہ بولا یہ خوش خصال
فرمائیے جناب سے کس نے کہا یہ حال
آگاہ اس سے کوئی نہیں غیر ذوالجلال
شاید ہے علم غیب میں بھی آپ کو کمال
ہر شے کا علم آپ کو اس بیکسی میں ہے
یہ تو صفت امام میں ہے یا نبی میں ہے

بتلائیے برائے خدا مجھ کو اپنا نام
فرمایا بے نوا و وطن آوارہ تشنہ کام
بے کس غریب مردہ اسیرِ سپاہِ شام
ناچار بلا رسیدہ ستم دیدہ مستہام
درد و غم و الم مرے حصے میں آئے ہیں
یہ سب خطاب میں نے یہاں آ کے پائے ہیں

قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک
اظہار اسم اقدس اعلیٰ میں کیا ہے باک
بتلائیے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک
چپ ہو گئے تڑپنے پہ اس کے امام پاک
یہ تو نہ کہہ سکے کہ شہِ مشرقین ہوں
بولے وہ سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

سر اپنا پیٹ کر وہ پکارا بشور و شین
سنتے ہی یہ کیا زباں سے کہا کون سا حسین
آئی ندا فلک سے کہ زہرا کا نورِ عین
بیٹا علی کا سبطِ شہنشاہِ مشرقین
گھر فاطمہ کا لٹ گیا سب [illegible]
[illegible]

کھینچی ہے تو نے جس کے لیے زحمت سفر
ویراں ہے یثرب و نجف اے مرد خوش سیر
زینب یہ ہے جو دیوڑھی پہ جان اپنی کھوتی ہے
اُس بے وطن نے جب کہ مفصل سنا یہ حال
اُٹھا تڑپ کے جب تو پکارا بصد ملال
کیا تھی خبر کہ آپ اس آفت کے بن میں ہیں
مدت سے تھی مجھے تو زیارت کی آرزو
اب دیکھئے رضا کہ جگر غم سے ہے لہو
للہ چشم پاک کو اب نم نہ کیجئے
شہزادیاں امام کی ہوتی ہیں بے پدر
میں کیا مکان کیا مرا اے شاہ بحر و بر
گیتی ہو آج درہم و برہم تو خوب ہے
روکا بہت مگر کہیں رکتا تھا وہ دلیر
سیر جناں کے شوق میں تھا زندگی سے سیر
دم بھر رہا تھا عشق شہ مشرقین کے
لگتا تھا زخم جب تو وہ کہتا تھا یا علیؑ
مرشد علیؑ ، امام علیؑ ، رہنما علیؑ
عازم ہو سیر گلشن دارالسلام کا
اُس بے وطن پہ ٹوٹ پڑی جب سپاہ شام
زخمی تھے خود پہ اس کے سرہانے گئے امام
رو کر پکارتے تھے یہ اُس خوش نصیب کو

اے بے خبر یہی ہے وہ سلطان بحر و بر
شب سے یہاں نبی و علی ہیں برہنہ سر
زہرا تو ساتویں سے اسی بن میں روتی ہے
غش کھا کے پائے شہ پہ گرا وہ نکو خصال
یہ کیا قیامت آگئی اے فاطمہ کے لال
میں تو یہ جانتا تھا کہ حضرت وطن میں ہیں
خوبی مرے نصیب کی یا شاہ نیک خو
مر جاؤں لڑ کے فوج سے حضرت کے روبرو
اب اس غلام زادے کا کچھ غم نہ کیجئے
کچھ غم نہیں یتیم وہ لونڈی ہوئی اگر
جب بے سبب جہاں میں لٹے فاطمہ کا گھر
اسلئے تمام دفتر عالم تو خوب ہے
تلوار لے کے فوج پہ جھپٹا مثال شیر
ایسا لڑا کہ رن میں ہوئے زخمیوں کے ڈھیر
نعرہ تھا دم بدم کہ تصدق حسین کے
بدر الدجیٰ حسینؑ ہیں، شمس الضحےٰ علیؑ
کشتی علیؑ ، جہاز علیؑ ناخدا علیؑ
دریائے غم سے پار ہے بیڑا غلام کا
رستی پہ ٹکڑے ہو کے گرا وہ فلک مقام
گودی میں لیکے زانو پہ رکھا سر غلام
اسے بھائی جان چھوڑ چلے اس غریب کو

اے میرے بے کسی کے مددگار الوداع
اے بے وطن کے یار وفادار الوداع
جو خوش نصیب ہیں وہ ہیں جنت کو جاتے ہیں
فرما گئے یہ حسینؑ تو روتے تھے زار زار
پوچھا سبب خوشی کا تو بولا وہ دل فگار
جلوہ خدا کے نور کا ہے میرے سامنے
بالائے سر کھڑے ہیں رسولِ فلک مقام
دستِ علی میں چشمۂ کوثر کے دو ہیں جام
ناجی ہے دوستدار مرے نور عین کا
حقا کہ تھا ظفر کا وسیلہ سفر ترا
اب جنتِ النعیم میں ہوگا گزر ترا
حوریں ہیں باغ خلد میں خدمت کے واسطے
رونے لگا یہ شاہ سے کہہ کر وہ تشنہ لب
کی عرض اس نے اے خلفِ سید العرب
رخصت جو تن سے روح کی ہے بے قرار ہوں
مجھ کو ہے غم حضور کا حضرت کو غم مرا
منہ ڈھانپ دیجئے شہِ عالی ہمم مرا
کیا وقت بیکسی ہے ہمارے حضور پر
یہ کہتے تھے کہ آہ وہ زوار مرگیا
شیدائے نام حیدر کرار مرگیا
لاشے سے اٹھ کے جا نہ سکے خیمہ گاہ میں
بس کیا کہوں انیس کہ سید کا کیا ہوا
برباد خاندان رسولِ خدا ہوا
پرخوں قبائے سید لولاک لٹ گئی

اے تشنہ لب حسینؑ کے غمخوار الوداع
اے شیر ذوالجلال کے زوار الوداع
گھبراؤ نہ ہم بھی ترے بعد آتے ہیں
ہنستا تھا دونوں آنکھوں کو کھولے وہ ذی وقار
اے نور چشم احمد مرسل ترے نثار
مشتاق جن کا تھا اسے دیکھا غلام نے
فرزند کہہ کے لیتے ہیں شفقت سے میرا نام
فرماتے ہیں کہ پی اسے تو گر ہے تشنہ کام
حصہ ترا یہ ہے تو وہ حصہ حسینؑ کا
نام نکو قلم نے لکھا عرش پر ترا
ہمسایۂ رسول خدا میں ہے گھر ترا
آیا ہوں خود میں تیری زیارت کے واسطے
فرمایا شاہ نے کہ یہ رونے کا کیا سبب
تنہائی حضور کا صدمہ ہے دل پہ اب
مہلت جو دے اجل تو پھر اٹھ کر نثار ہوں
اب کوچ جلد ہے سوئے ملک عدم مرا
پڑھئے کوئی دعا کہ نکلتا ہے دم مرا
کس سے کہوں جو لاش کو دارے حضور پر
بیکس کا بے وطن کا مددگار مرگیا
شبیر روتے رہ گئے غمخوار مرگیا
پھر گھر گئے حسینؑ عدو کی سپاہ میں
تڑپے حسینؑ شور قیامت بپا ہوا
سجدے میں تن سے فرق مبارک جدا ہوا
عریاں حسینؑ رہ گئے پوشاک لٹ گئی

سردارِ میمنۂ حسینی زہیرِ قینؒ

جناب باقر رضوی امانت خانی

اے شہید راہ حق اے تیغ زن جنگ آزما
اے شریف الخاندان اے باوقار و باحیا

یوں ابومخنف تری روداد کرتا ہے رقم
تھا وطن کوفہ ترا تو تھا رئیسِ باحشم

ڈرتا رہتا تھا زمانے کی فریبی چال سے
دُور تھا سن ساٹھ ہجری تک نبیؐ کی آل سے

کرکے حج کوفہ کو واپس ہو رہا تھا جس گھڑی
کربلا کی سمت جاتے تھے حسین ابن علیؑ

حضرتِ شبیرؑ کی قربت تجھے تھی ناگوار
منزلوں پر شاہؑ سے دُوری کر رہا تھا اختیار

ایک منزل پر یہ مجبوری ٹھہرنا ہی پڑا
شاہؑ کے خیمہ کے قریں اک دن اُترنا ہی پڑا

اپنے خیمے میں تناول کر رہا تھا جب طعام
قاصدِ شبیرؑ آیا لے کے حضرت کا پیام

تھا بیاں قاصد کا اس دم منتظر ہیں خود حسینؑ
جلد اب چلیے بُلاتے ہیں امامِ مشرقین

سُن کے یہ پیغام ساتھی تیرے حیراں ہوگئے
ایک سکتہ سا ہوا ہاتھوں سے لقمے گر پڑے

تیری زوجہ نے کہا حضرت بلاتے گر تجھے
جا کے میں تکمیلِ حکمِ شاہ کرتی شوق سے

سُن کے یہ اُٹھا جگہ سے تو گیا پیشِ امامؑ
بعد تھوڑی دیر کے لوٹا نہایت شادکام

بعد مرنے کے ترے ہو زندگی اس پر نہ شاق
اس لیے بی بی کو دی فوراً پلٹتے ہی طلاق

یاد کی پیشین گوئی تو نے جب سلمانؓ کی
اک تڑپ تھی نصرتِ شبیرؑ کے ارمان کی

کرکے رُخصت ساتھیوں کو آگیا سرور کے پاس
ہوگیا توفیق رب سے ایک دن میں حق شناس

لشکرِ حُر سے بھی لڑنے کے لیے تیار تھا
جوشِ نصرت میں ترا سر دوش پر اک بار تھا

ساتھ تھا منجملۂ اصحاب تو عباسؑ کے
حکم شہ سے جب گئے اک شب کی مہلت کے لیے

ظالموں نے جب کیا سر غرور سے بیہودہ خطاب
بد کلامی کا دیا دنداں شکن تو نے جواب

خیمۂ شبیرؑ پر جب شمر نے حملہ کیا
لیکے دستہ انصار کو تو آ گیا بہرِ وغا

فوج آنے کے لیے ڈرتی تھی تجھ سے شیر تک
حُر کا ہمراہی ہیں تو لڑتا رہا کچھ دیر تک

یاد ہے عاشور کو ترتیب افواجِ حسینؑ
قلب میں عباسؑ تھے لیکر علم با زیب و زین

تابعِ ابنِ مظاہر تھا حسینؑ میسرہ
تھا تری سرکردگی میں فوج شہ کا میمنہ

تو نے وہ جوہر دکھائے ہیں فنونِ جنگ کے
شامیوں کی فوج کے میدان میں چھکے چھوٹ گئے

ساتھیوں کو اپنے وہ موقع بہ موقع ٹوکنا
فوج کے ریلوں کو وہ نیزوں پہ بڑھ کر روکنا

تین دن کی پیاس میں لڑنا بہت دشوار تھا
ہر نفس سینہ میں اک چلتی ہوئی تلوار تھا

ٹکڑے ٹکڑے جسم تھا زخموں سے بہتا تھا لہو
بڑھتے تھے میداں میں مرکب گرانے کو عدو

مارتے تھے تجھ کو نیزے گرز و شمشیر و تبر
تیرے قاتل تھے مہاجر اور کثیر بدسیر

اے شہیدِ راہِ حق تو نے شرف کیا پائے ہیں
تیرے لاشے پر حسین ابن علی خود آئے ہیں

آج تک سارے زمانے کی زباں پر نام ہے
اے زہیرِ قینؒ کیا اچھا ترا انجام ہے

اصحابِ حسینی کا بڑا کارنامہ

واقعہ کربلا کی صداقت کا رہتی دنیا تک یہ تاریخی کارنامہ باقی رہ گیا کہ تمام تکلیف اور مصائب جھیلنے پر بھی امام حسین علیہ السلام کی طرف سے کوئی ایک فرد بھی فوج یزیدی کی طرف شامل نہ ہوا اور یزیدی فوج سے از خود حضرت حُر ان کا فرزند بھائی اور غلام امام حسینؑ کی طرف سے آکر لڑے اور شہید ہوئے۔

(مرزا ناظر حسین صاحب جونپوری)

نصرت امام کا موقع نہ پانے پر تاسف

کرنے والوں سے خطاب

جناب احمد علی صاحب احمد جبلپوری

سلام تم پہ، محبانِ سیّدِ ابرار
زہے نصیب کہ تم ہو حسینؑ کے غمخوار

غلام بادشہِ مشرقین ہوں میں بھی
شریکِ بزمِ عزائے حسینؑ ہوں میں بھی

جو ناگوار نہ گذرے تو اک گذارش ہے
سنیں بغور تو احباب کی نوازش ہے

نہ صرف اپنی حقیقت تمہیں سنانا ہے
عمل کا آئینہ ہر شخص کو دکھانا ہے

برائے کشتۂ جور و جفا جو روتے ہو
تم اپنے زعم میں عصیاں کے داغ دھوتے ہو

اگرچہ مرثیہ خوانی سے گرم محفل ہے
بقدرِ اشک فشانی ثواب حاصل ہے

اس ایک بات پہ نازاں ہیں سیم و زر والے
کہ ہم نے سینکڑوں دل لنگر پہ خرچ کر ڈالے

کچھ اور اس کے سوا ہو عمل، تو فرماؤ
رہِ حسینؑ میں کچھ شرم ہو تو مرحبا دو

میں جانتا ہوں کھلانے میں ہے ثواب بہت
اگر طریق غلط ہو، تو ہے عذاب بہت

بہت یتیم سکینہؑ کا غم منایا ہے
کسی یتیم کو فاقے میں کچھ کھلایا ہے؟

اگر کھلانا ہی مقصود ہے برائے امامؑ
تو یوں کھلاؤ کہ ہوں تم سے خوش رسولِ انامؐ

خبر ہے قوم میں کتنی ہیں بیوگاں ایسی
زباں پہ آ نہیں سکتی ہے بیکسی جن کی

برائے زینبؑ و کلثومؑ و زوجۂ عباسؑ
کئے ہیں ان کو مہیا کبھی ردا و لباس

برائے عابدِ بیمار۔ رو لیا تم نے
علاجِ دردِ غریباں کبھی کیا تم نے؟

تمہیں غلامیٔ شبیرؑ پہ ہے ناز مگر
کبھی امامؑ کی سیرت پہ بھی گئی ہے نظر

حسینؑ نام خدا پرتوِ رسالت تھے — فروغِ شرعِ نبی۔ نیرّ امامت تھے
زہے حسینؑ کے انصار گو شہید ہوئے — مگر حفاظتِ اسلام میں وحید ہوئے
تزلزل آ نہ سکا عزم و استقامت میں — پہاڑ بن کے رہے جادۂ شریعت میں
نہ کی نماز کسی وقت کی قضا شہ نے — کہ زیرِ تیغ بھی سجدہ کیا ادا شہ نے
نہیں کہ مائلِ ایماں تمہاری ذات نہیں — ہزار حیف کہ تم قائم الصلوات نہیں
مہ صیام کا یہ احترام کرتے ہو — بجائے روزہ کے شغل طعام کرتے ہو
ثبوتِ پیرویٔ شاہِ مشرقین نہیں — عمل میں شائبۂ اسوۂ حسینؑ نہیں
سمجھ کے تم نے عبادت کبھی عبادت کی — تمام عمر میں دل سے کبھی تلاوت کی؟
کبھی بہ پاسِ شریعت خیال آیا ہے — "خلافِ شرع نہ ہو" جو قدم اٹھایا ہے
نشان سجدہ جبیں پر نہ رخ پہ ریش بروت — غلامیٔ شہِ مرداں کا کیا یہی ہے ثبوت
غرض کچھ اور اسی قسم کی شکایت ہے — کریں جو دور تو احباب کی عنایت ہے
کچھ اور چاہتی ہے تم سے شہ کی قربانی — کرو وہ کام کہ تازہ ہو روح ایمانی
خدا کرے تمہیں احساس دین و ملت ہو — تمہارے پیشِ نظر جادۂ شریعت ہو
مخیری کی تمہاری۔ مثال عنقا ہے — وہ ایک قطرۂ خونِ دل نہیں ہے دریا ہے
ہو جتنے الفتِ آلِ رسول سے سرشار — عمل سے بھی اسی جذبہ کا ہو اگر اظہار
تو پھر عنایتِ پروردگار کیا کہنا — تمہارا دونوں جہاں میں وقار کیا کہنا
مرے بیان میں ہیں گو تلخیاں حقیقت کی — شبیہ کھینچی ہے لفظوں میں اپنی حالت کی
تمہاری تابِ سماعت پہ بار گزری ہو — یہ بات تم کو اگر ناگوار گزری ہو

تو بہرِ پنجتن پاک درگزر کرنا
دعائے خیر بحقِ اسد مگر کرنا

گلدستہ

اسپ وفادار

مولانا سیّد علی نقی صاحب

فہرست

امام حسینؑ کی نصرت کرنیوالا اسپ وفادار

سرکار العلماء الحاج مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ

(ناصران امام حسین علیہ السلام میں صرف انسان ہی نہ تھے بلکہ آپ کی نصرت میں اور اوکا فریضہ جانور تک نے ادا کیا ہے۔ شہدائے کربلا میں مختلف طبقوں کی نمائندگی نظر آتی ہے۔ نصرت کرنے والوں میں اصحاب حضرت رسالتمآب بھی تھے، اصحاب حضرت امیر المومنین بھی۔ ذکور بھی، اناث بھی، احرار بھی غلام بھی، بوڑھے بھی بچے بھی، جوان بھی ادھیڑ بھی، غرضکہ ہر طبقہ کی نمائندگی رفقائے امام میں دکھائی دیتی ہے۔

جاندار مخلوق کو چار زمروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(۱) انسان (۲) حیوان (۳) ملائکہ (۴) جنات۔

عقیدہ کو اگر دخل دیا جائے تو نصرت کے لیے آمادگی کا اظہار تو ملائکہ اور جنوں نے بھی کیا تھا۔ اول الذکر مخلوق کے نمائندگی کی حیثیت سے جناب جبرئیل اور آخر الذکر مخلوق کے نمائندے کی حیثیت سے زعفر جن میدان کربلا میں حاضر ہوئے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انھیں نصرت کی اجازت نہ دی گئی۔

معرکہ کربلا میں اس عالم کی مرئی مخلوق —— انسان و حیوان —— کی نمائندگی ایک تاریخی حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے۔ زمرہ حیوانات کا سب سے بڑا نمائندہ حسینؑ کا وہ وفادار گھوڑا یعنی ذوالجناح —— تھا۔ اگر انصار حسین نمبر میں اس وفادار مرکب کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ عدل و انصاف سے بعید سمجھا جائے گا۔ (سرفراز))

جس طرح آدم کی اولاد میں خدا نے ایسے انسان پیدا کیے جو اپنی قابل قدر خصوصیتوں کے سبب سے دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنا نام چھوڑ جائیں اسی طرح عالم کائنات میں دوسری قسم کی چیزوں کے اندر بھی ایسے ایسے نمونے خلق کیے ہیں جن کے اعلیٰ صفات اس جنس کے لیے فخر و ناز کا سبب بن سکیں۔

قدردانی ہر چیز کی اس کے لحاظ سے ہونا چاہیے۔ ہر گزشتہ چیز جس سے ایسے اثرات کا تعلق ہو جو آئندہ نسل انسانی کے لیے سبق دینے والے ہوں وہ اس کی حقدار ہے کہ اس کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جائے۔

قدر کے قابل صفت ہر شے میں قدر کے قابل ہے۔ اس میں کسی مذہب و ملت کی تفریق نہیں ہے ایک دریا دل صاحب جود و سخا انسان اپنی خصوصی صفت کے باعث ہر انسان کی محبت کا سبب ہے۔ ایک سچائی کی جان دینے والا پر جگر شخص ہر انسان کی عقیدت کا مرکز ہوتا ہے ایک نیک دل خوش اخلاق آدمی کی ہر ایک تعریف کرے گا یہ تمام انسانی اوصاف ہیں جن کا قدردان ہر انسان ہے۔ یہ چیزیں مذہب و ملت کے تفرقے

تنا علیحدہ ہیں۔

اسی طرح غیر انسانی جاندار مخلوق میں امتیازی صفات ہر شخص کی توجہ کا باعث ہو سکتے ہیں ... اور تمدن جانثیں یادگار قائم کرتی ہیں اور یاد تازہ رکھتی ہیں ان جانوروں کی بھی جو کسی اہم واقعہ میں کوئی نمایاں حیثیت رکھتے ہوں۔

آگرہ کے شاہی قلعہ کے باہر سیاہ گھوڑے کا مجسمہ ... گھوڑے کا سینہ تک زمین کے اندر ... ہر شخص کی توجہ اس کی بابت بیان ہے اس کو جستجو ضرور دریافت کرنے پر مجبور کرے گی "یہ گھوڑا کیسا ہے" اسے معلوم ہوگا کہ یہ گھوڑا ایک بہادر شیر دل انسان کو ... بالائی فصیل پر سے لیکر پھاندا تھا اور سینہ تک ریگ میں دھنس گیا تھا۔

اس سے انسانی ہمت پر کیا اثر پڑتا ہے؟ انسان کے دل پر کونسا نقش قائم ہوتا ہے؟ انسان کو کیا سبق حاصل ہوتا ہے؟ بہرحال ایسا ہی کچھ تھا جسے بطور یادگار مجسمہ کی ... میں قائم رکھنے کی ضرورت محسوس کی گئی۔

مگر انکم خود انسان کی قدرشناسی ہی ثابت ہوگی کہ وہ جانور کی بھی قدر کرتا ہے اگر اس سے کوئی نمایاں واقعہ رونما ہو جائے۔ اخبار بین طبقہ بے خبر نہیں ہوگا ان واقعات سے جو ... دوسرے ممالک میں ہوتے رہتے ہیں جہاں معلوم ہوتا ہے کہ حیوان بھی قدر کے قابل ہو سکتا ہے اور انسان کی انسانیت اسکی قدرشناسی پر مجبور ہو جاتی ہے۔

حیوانی نسل میں ایسی مخلوق کی کمی نہیں ہے جو اپنی جنس کے اعتبار سے بلند صفتوں کی حامل ہو۔ ایک کتا جو حیرت انگیز وفاداری کا اظہار کرتا ہے اس قابل سمجھا جاتا ہے کہ اس کے مرنے پر اظہار غم والم کے لیئے ہزاروں روپے صرف کر دیئے جاتے ہیں، جلسے ہوں اور اظہار رنج کیا جائے جاپان کے ملک کا یہ واقعہ بھی کچھ زیادہ دور نہیں ہوا ہے۔

مذہبی روایات میں اصحاب کہف کے کتے کا قرآن مجید تک میں ذکر موجود ہے اور وہ بھی ان ہی مخصوصین میں شریک کیا گیا جو اصحاب کہف کے لیئے حاصل ہیں، وہ جدید دنیائی جدید تہذیب کا کارنامہ تھا اور یہ قدیم تاریخ کا قدیمی ادب تھا۔

ایک مدت تک عیسائیوں کے گرجاؤں میں اس قسم کی تعظیم ہوتی ہے جو حضرت عیسیٰ کی سواری کے حیوان کا ان کے یہاں سمجھا جاتا تھا۔

اسلام میں اس دنبہ کی یادگار قائم کی گئی جو حضرت ابراہیم کے پاس ان کے فرزند اسمٰعیل کے بدلے قربانی کے لیئے آیا تھا اور ہمیشہ کے لیئے بقرعید میں قربانی کا حکم دے کر اس کی شبیہہ بنا کر قائم جاری کر دیا۔

مسلمانوں کے سوا اعظم نے اس اونٹ اور محمل کی یادگار قائم کی جس پر ام المومنین عائشہ سوار ہوئی تھیں اور اب تک مصر سے جو عربی تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا ہوا ہے وہ محمل مکہ معظمہ بھیجی جاتی رہتی ہے۔

ہندو قوم تو برابر جانوروں کی قدرشناس رہتی ہے، وہ گائے اس جانور کو جس سے بنی نوع انسان کو فوائد پہنچتے ہیں قدر کی نگاہ سے اس حد تک دیکھتی ہے جسے پرستش کی حد تک سمجھا جا سکتا ہے۔

اگرچہ پرستش غیر اللہ کی جائز نہیں ہے مگر انسان کو گزشتہ واقعات کی یاد تازہ رکھنے کے لیئے ضرورت ہے کہ وہ ان تمام چیزوں کی یاد باقی رکھے جن کے ساتھ ان واقعات کا تعلق ہے۔

عیسائیوں نے غیر جاندار چیز یعنی وہ سولی جس پر حضرت یسوع مسیح کو ان کے خیال میں چڑھایا گیا ہے آج تک صلیب کی شکل میں قائم رکھی ہے جو ہر گرجا گھر میں موجود رہتی ہے اور ہر عیسائی کی گردن میں آویزاں۔

اسلامی روایات میں حضرت ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ (مقام ابراہیم) مصلیٰ قرار دیا گیا کہ وہاں لوگ نماز پڑھیں، وہ پانی جو حضرت اسمٰعیل کے پیاس سے جاں بلب ہونے کی حالت میں نمودار ہوا تھا چاہ زمزم کے نام سے انتہائی متبرک قرار دیا گیا، کوہ صفا اور مروہ کو جہاں حضرت ہاجرہ پانی کی تلاش میں سرگرداں پھرتی تھیں سعی کا محل بنا دیا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ ارکان حج میں شبیہیں قائم کی گئی ہیں ان گزشتہ واقعات کی جو اہم ہستیوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

وہ واقعات زندہ رکھنے کے قابل ہیں جو نسل انسانی کے لیے اچھے اچھے سبق دیتے ہوں، جو دل میں رحم و کرم کا جذبہ پیدا کرتے ہوں، جو وفاداری اور نیک شعاری کی قدر بتلاتے ہوں۔

یہ واقعات وہ ہوتے ہیں جو اگرچہ کسی خاص قوم یا جماعت ہی میں واقع ہوتے ہیں لیکن ان کا مفاد اور نتیجہ تمام نوع انسانی کے ساتھ یکساں حیثیت سے تعلق رکھتا ہے اس لیے ان میں ہرگز کوئی تفریق نہیں ہونی چاہیے۔ وہ ہرگز فرقہ وارانہ حیثیت نہیں رکھتے اور نہ فرقہ بندی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ اگر انہیں فرقہ بندی کے طور پر ادا کیا جائے تو یہ کسی خاص جماعت کی غلطی ہوگی جس سے خود واقعہ کی افادی حیثیت اور ہمہ گیری کو نقصان پہنچے گا اس لیے خود واقعہ طرز عمل کا شاکی ہوگا۔

کربلا کا اہم واقعہ جو ۶۱ھ میں دسویں تاریخ محرم کو رونما ہوا وہ اگرچہ مذہبی روایات کے اعتبار سے ایک خاص جماعت یعنی مسلمانوں کے ساتھ تعلق رکھتا ہے لیکن حقیقتاً وہ اپنے نتائج کے اعتبار سے تمام دنیا کی تاریخ کا ایک اہم سبق آموز صحیفہ ہے۔ وہ تمام انسانی اوصاف و فضائل عملی طور پر پیش کیے گئے تھے۔ جہاں رحم و کرم، اخلاق و مروت، ثبات قدم اور استقلال، تحمل و ضبط نفس، ایثار اور ہمدردی، حق پرستی اور حقیقت کوشی۔ یہ سب اور ان کے علاوہ تمام انسانی مکمل صفات تھے جو مجسم طور پر سامنے لائے گئے۔

اس لیے ہرگز کربلا کے واقعہ کی یادگار قائم کرنے اور اس واقعہ سے صحیح سبق حاصل کرنے کے تنہا مسلمان حق دار نہیں ہیں بلکہ تمام بنی نوع انسان اس واقعہ کے اہم نکات اور تعلیمات سے بہرہ مند ہونے کا موقع رکھتے ہیں۔

حسینؑ کی ذات دنیا کے لیے نقطہ اتحاد ہے۔ حسینؑ کی ذات عالم کے لیے مرکز اجتماع ہے۔ حسینؑ کی ذات تمام دنیائے انسانیت کے لیے پیغام حیات ہے۔ حسینؑ کی ذات تمام نسل بشری کے لیے سامان نجات ہے۔

دنیا ہزار دو مسلکوں میں اختلاف رکھے آپس میں دست و گریبان ہو مگر جب شہید کربلا حسینؑ کی ہستی سامنے آگئی یہاں آکر وہ تمام افتراق دور ہو جاتے ہیں اور اختلافات کی گنجائش نہ ہوگی کسی مذہب کا ماننے والا ہو، کسی ملت کا پیرو ہو، مذہب سے کام نہیں یا بالکل لا مذہب، انسان ہو، طبیعی ہو،

نیچری ہو، دہریہ ہو، جو کچھ بھی ہو لیکن اگر سینہ میں دل اور دل میں احساس رکھتا ہے تو وہ کربلا سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں سچ کہتا ہوں کہ حسینؑ کی ذات تمام اختلافات سے بالاتر ہے، شیعوں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کہیں کہ حسینؑ صرف ہمارے ہیں، مسلمانوں کو حق نہیں کہ وہ کہیں کہ حسینؑ صرف ہمارے ہیں، حقیقۃً حسینؑ تمام دنیائے انسانیت کے ہیں انھوں نے وہ کام کیا جس سے روشن ہوں انسانیت کے نقوش کو ابھار دیا اور وہ نتائج جو انسانیت دنیا سے مٹ رہے تھے زندہ کر دیا۔ جس سے انسانیت کی زندگی وابستہ تھی۔ دنیا کو درس حاصل ہو گیا۔ انھوں نے اپنی جان و بچوں کی قربانی کے لیے وہ نمونہ قائم کر دیا جس کی پیروی ہمیشہ کے لیے معیار انسانیت رہے گی۔

یقیناً ایسے اہم واقعہ کی یادگار قائم کرنا ہر اک صورت سے اس واقعہ کی یادگار باقی رہنے میں مقصد ثابت ہو سکے ایک اہم انسانی فرض ہے۔

کربلا میں جس طرح حسین بن علیؑ کے ساتھی انسانوں نے وہ کارنامے کیے ہیں کہ بزرگ صفحہ تاریخ پر ہمیشہ باقی ہیں اسی طرح دوسرے ذی روح مخلوق یعنی جانور کو بھی یہ فخر ہے کہ اس نے اخلاص و وفا کا ایسا نمونہ پیش کیا جو تاریخ میں یادگار رہے گا۔

وہ حسینؑ کا گھوڑا جو ذوالجناح کے نام سے موسوم تھا اس نے اپنے مالک کا ساتھ اس آخری وقت تک دیا جب کہ کوئی معین و مددگار اور کوئی خبر گیر و خبر رساں باقی نہ تھا۔

کسے نہیں معلوم کہ کربلا میں فرزند رسولؐ کے لیے پانی کا قحط ہو گیا تھا بھلا کون دیکھ سکتا تھا کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کے لیے جن میں علی اصغرؑ کا سا شیر خوار بھی ہو لب تر کرنے کے لیے پانی نہ موجود ہو تو گھوڑے پانی سے سیراب کیے جا سکتے ہوں گے؟...

ہرگز نہیں، اگر بچوں کے لیے سب سے آخری قطرہ پینے کے پانی کا ختم ہو سکتا ہے تو گھوڑے اس کے قبل سے پیاسے ہوں گے۔ اس کے بعد صبح سے سہ پہر کے وقت تک برابر سید الشہداؑ کو عرب کی تیز دھوپ اور گرم ہوا میں خیمہ گاہ سے میدان جنگ تک (جو کافی دور تھا) آنا اور جانا، ہر عزیز کی رخصت کے وقت خیمہ کے پاس ہونا، اور جانکنی کے وقت ہر ایک کے سرہانے پہنچنا، یہ تمام آمد و رفت گھوڑے ہی کی بدولت ہوا تھی۔ حملے، روائی اور وہ قیامت خیز لڑائی جس کی مثال تاریخ میں نہیں ہے۔

سب سے پہلے آغازِ جنگ تیروں کی بارش ہی سے ہوا تھا، اس کے منظر سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے جب تمام یزیدی فوج نے مجموعی طور پر تیروں کی بارش کی ہے اور ہزاروں تیروں کی باڑھیں ایک ساتھ چلی ہیں تاریخ گواہ ہے کہ اس کی سب سے بڑی زد گھوڑوں پر پڑی تھی چنانچہ فوجِ حسینی کے زیادہ گھوڑے اسی میں بے جان ہو گئے اور اکثر سوار پیادہ ہو گئے کون کہہ سکتا ہے کہ اس وقت "ذوالجناح" کو کوئی زخم نہیں آیا۔

وہ وقت کہ جب ہزاروں کی فوج کے سیلاب میں ایک تنہا حسینؑ تھے اور دشمنوں کو منتشر کر کے باہر آتے تھے، نیزوں کے حملے بھی تھے تلوار بھی، تیر بھی چلتے تھے اور پتھر بھی اس وقت کیا گھوڑا حسینؑ کا محفوظ رہا ہوگا، دشمنوں کے گھبرائے ہوئے حربے جو بے تابی کے عالم میں پڑتے تھے وہ مرکب کو صاف بچا لے جاتے تھے؟

جنگ کا واقف کار یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ اس عظیم الشان جنگ میں حسینؑ کا گھوڑا ایک بہادر جاں نثار اور ایک وفا شعار معین و مددگار کا کام انجام دے رہا تھا وہ یقیناً دشمنوں کو زد پر لاتا تھا، وار خالی کرتا تھا، گرتے ہوئے دشمن کو روندتا بھی تھا اور شکست بھی کرتا تھا۔

اس گیرودار، اس جنگ و جدال، اس ہنگامۂ قتال میں، گھوڑے کی پیاس، اس کے سینہ کا التہاب، اس کے جگر کی سوزش اس کے احساس سے تعلق رکھتی ہے مگر وہ وقت یادگار رہے کہ جب فوج سے میدان صاف ہوا فرات کا دامن بالکل خالی ہو گیا حسینؑ نہر کے قریب آئے۔ گھوڑا اپنا نہر میں ڈال دیا اور یہ کہا یا اپنے طرزِ عمل سے ثابت کیا کہ "اے میرے باوفا دوست پیاسا ہوگا، پانی موجود ہے اپنی پیاس بجھا لے"۔ اس وقت کوئی نہیں، فرات کی موجیں گواہی دیں گی، ساحلِ فرات شہادت دے گا کہ گھوڑے نے اپنی گردن اٹھالی تھی، اپنا سر بلند کر لیا تھا، اپنا منہ بند کر لیا تھا مطلب تھا کہ میں ہرگز پانی نہیں پیوں گا، جب تک آپ اس پانی سے سیراب ہوں گے۔

حسینؑ نہر سے باہر نکل آئے اور گھوڑا بھی پیاسا نکلا۔

اب وہ وقت آیا کہ جب گھوڑے کی تمام کوشش و جنگ ختم ہو چکی جب اس کی پشت اس کے راکب سے خالی ہو گئی، جب اس کے مالک کو چاروں طرف سے خون آشام دشمنوں کی تلواروں نے گھیر لیا۔ اس وقت اس کے لیے حسینؑ کی سب سے بڑی خدمت کا وقت آ گیا۔ اس وقت اس نے وہ کام انجام دیا جو اس کے لیے مخصوص ہو گیا۔

اس نے احساس کیا کہ اب مدافعت کا کوئی موقع باقی نہیں کہ جنگ کا میدان دشمنوں سے بھرا ہے اور یہاں کوئی دوست نہیں ہے، وہ ابھی جاں نثاری و جانفروشی کر رہا تھا جہاد کے راستہ میں حسینؑ کا ساتھ دے رہا تھا لیکن اب جب کہ اس کا راکب اپنی منزل تک پہونچ گیا جب کہ راستہ کی مسافت ختم ہو چکی جب کہ سواری کا کوئی سوال باقی نہیں ہے تو اس نے خود اپنے اس فرض کا احساس کیا کہ وہ بے کس و بے بس عورتوں کو جو خیموں میں اپنے والی و وارث کی خبر کی منتظر تھیں جا کر اپنے مالک کی خبر پہونچا دے۔

اس نے اپنی پیشانی خون میں تر کی، وہ سیدھا خیمۂ حسینؑ کے دروازہ پر پہونچا۔ اس نے ہنہنا کر اپنی آواز اندر پہونچائی، منتظر سیدانیاں اس کی آواز کو سنتے ہی دروازہ پر آ گئیں۔ وہ دیکھا جو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس کا خالی زین، اس کی رنگین پیشانی اس کی کٹی ہوئی باگیں، اس کا زخمی جسم، اس کے جسم میں پیوست تیر وہ سب کچھ کہہ رہے تھے جس کی خبر دینے کو وہ دروازہ پر آیا تھا۔

یہی آخری خدمت جو "ذوالجناح" نے انجام دی اور یہی وہ یادگار واقعہ جو اس یادگار جانور کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ یہی وہ یادگار ہے جو حسینؑ ابن علیؑ کی عزاداری کے سلسلہ میں "ذوالجناح" کی شبیہ نکال کر قائم کی جاتی ہے۔

"ذوالجناح" زندہ ہے جب تک حسینؑ کا نام زندہ ہے۔ اپنے راکب کی بدولت وہ بھی ہمیشہ زندہ رہے گا اور اسی کی یاد ہمیشہ قائم رہے گی۔

سرفراز لکھنؤ
ہفتہ وار

جلد ( )　　۱۷ جون سنہ ۶۰ء　　نمبر ( )

سرفراز انصارِ حسینؑ نمبر

جس طرح محرم نمبر، رجب نمبر اور دوسرے مذہبی اسپشل نمبروں کے نکالنے کی اولیت کا شرف سرفراز کو حاصل ہو، اسی طرح مخصوص موضوعات پر مخصوص نمبر شائع کرنے کا فخر بھی پہلی مرتبہ اسی نے حاصل کیا ہے۔ اب گزشتہ دو تین سال سے سرفراز کے محرم نمبر اور رجب نمبر صرف کسی ایک ہی موضوع سے مخصوص ہوتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ واقعہ کربلا یا امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام سے متعلق کسی ایک موضوع پر زیادہ سے زیادہ لٹریچر یکجا ہو جاتا ہے اور اس طرح کسی ریسرچ کرنے والے کے لئے یہ آسان ہو گیا ہے کہ وہ اس موضوع پر پورا مواد سرفراز کے مخصوص نمبر میں دیکھ لے اور عربی، فارسی، اردو کی کتب تاریخ و احادیث و سیر وغیرہ کے وسیع و عریض جنگل میں اسے اپنے پسند کے پھول تلاش کر کے چننے کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔

جس طرح اسپشل نمبروں کی اشاعت کے سلسلہ میں سرفراز نے جو شاہراہ اختیار کی تھی آج شیعی دنیا اسی پر گامزن ہے۔ اب آئندہ انشاء اللہ دوسرے اخبارات بھی سرفراز کی اس روش کو اپنائیں گے جو اس نے مخصوص موضوعات پر مخصوص نمبر نکالنے کے سلسلے میں اختیار کی ہو۔

حدیث میں ہو کہ جو شخص کوئی بری رسم ایجاد کرتا ہے اس کا گناہ اس وقت تک اس کے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا رہتا ہے جب تک اس بری رسم پر دنیا میں عمل ہوتا رہے گا۔ اسی طرح جو شخص کسی اچھی رسم کی طرح ڈالتا ہو تو اس کا نامہ اعمال اس وقت تک حسنات سے گرانبار ہوتا رہتا ہے جب تک اس اچھی رسم پر عمل کرنے والے عمل کریں گے۔ یقین ہو کہ مخصوص نمبروں اور مخصوص موضوعات پر اسپشل نمبروں کی ایجاد کا ثواب ادارہ سرفراز کے ان کارکنوں اور اہل قلم حضرات کو ملتا ہو گا جنھوں نے کسی نہج سے بھی اس مبارک کام کی تکمیل میں حصہ لیا ہو۔

اس سال انصار حضرت امام حسین علیہ السلام کے حالات پر مشتمل یہ مخصوص نمبر نکالا گیا ہو جس میں اعزائے امام شامل نہیں ہیں انشاء اللہ سال آئندہ جب اس سلسلے کی دوسری کڑی ناظرین کے سامنے پیش کی جائے گی تو وہ صرف اٹھارہ بنی فاطمہ پر مشتمل ہو گا۔

ہم اس مبارک نمبر کو اپنے حوصلوں کے مطابق نہ نکال سکے۔ حالانکہ دل چاہتا تھا کہ یہ نمبر اتنا مضبوط اور ضخیم ہوتا جس پر نقش اول ہوتے ہوئے بھی نقش آخر کا اطلاق ہو سکتا۔ مگر ادھر پریس کا موٹر خراب ہو گیا جس کی وجہ سے مسلسل اٹھارہ دن دونوں مشینیں معطل پڑی رہیں۔ آمدنی ختم ہو کر رہ گئی اور اخراجات بدستور باقی رہے بلکہ ان ایام تعطل میں کچھ زیادہ ہی ہو کر رہ گئے۔ پریس کے پورے عملہ کو اٹھارہ دن کی تنخواہ مفت ہی میں دینا پڑی جس کے دینے کے لئے ادارہ اخلاقاً، اصولاً، قانوناً اور مذہباً مجبور تھا۔ جن پبلشروں کا کام سرفراز پریس میں مستقل چھپتا ہے اور جن کے یہاں سے کام کے بعد آخر میں جا کر ہمارے بل ادا ہوتے ہیں ان کا کام مکمل کر کے وعدہ کے مطابق وقت پر پہنچانے کے لیے ادارہ کو چھپائی دوسرے پریسوں میں کرانا اور اس کی اجرت فوراً نقد ادا کرنا پڑی۔ اس کے علاوہ موٹر کی مرمت پر سیکڑوں روپیہ الگ سے خرچ ہوا۔ غرضکہ ادھر کچھ عرصہ سے ہر چہار طرف سے کاروباری پریشانیوں کا ہجوم رہا جس کا سلسلہ آج تک قائم ہے۔ اسی پریشانی کے زمانہ میں محرم نمبر کی اشاعت کا وقت سر پر آ گیا جس کے سبب اخراجات غیر معمولی طور پر اور بڑھ گئے۔ بہرحال ان الجھنوں کے باوجود ہم سے جو کچھ ہو سکا وہ "انصار حسینؑ نمبر" کی شکل میں ناظرین کے سامنے ہے۔ اس کا فیصلہ کہ یہ نمبر کس حد تک کامیاب رہا یا کس حد تک ناکام آپ حضرات ہی کے ذمہ ہے۔ ناسازگار حالات کی وجہ سے ابھی پورا نمبر سرفراز پریس میں نہیں چھپایا جا سکا بلکہ بہت سی کاپیاں باہر دوسرے پریسوں میں بھی طبع کرانا پڑیں باہر کی طباعت ہمیں خود بھی پسند نہیں ہے لیکن کیا کیا جائے مجبوری تھی اگر باہر سے کام نہ

دیا جاتا تو وقت پر اتنا ضخیم نمبر نکالا جا سکتا تھا۔

اگر ہماری یہ پیشکش افراد ملت کو پسند آئے تو اس کے صلہ میں بس ہم اتنا چاہتے ہیں کہ وہ سرفراز کو ہر ممکن طریقہ سے مدد پہونچانے کی سعی فرمائیں۔

محترمی نصیر حسن صاحب باردی مدظلہ کو خدا جزائے خیر دے کہ ممدوح نے بانی و کیلی کی تحریک چلا کر یہ کوشش کی کہ سرفراز کی اشاعت میں اتنا اضافہ ہو جائے کہ بانی و کیلی کے بڑھے ہوئے اخراجات پورے ہو سکیں لیکن افسوس ہے کہ اپیلوں پر اپیلیں کرنے اور مضامین پر مضامین شایع ہوتے رہنے کے باوجود ہم مقررہ نشانہ تک نہ پہونچ سکے اور یہ تحریک گویا سرد ست ناکام ہو کر رہ گئی مگر ہم نا امید نہیں ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر جناب نصیر حسن صاحب باردی اور سید علی محمد صاحب حیدرآباد کی طرح کے ایک ایک دو دو آدمی ہر ضلع میں مل جائیں تو سرفراز کے خریداروں کی تعداد بہ سہولت بڑھ سکتی ہے۔ اب بھی اگر محرم نمبر کو بنیاد بنا کر توسیع اشاعت کی جد و جہد کا سلسلہ جہلم تک اور جاری رکھا جائے تو ممکن ہے یہ مہم سر ہو جائے۔ وقتاً فوقتاً تھوڑے تھوڑے خریدار مہیا ہونے سے کام نہیں چلتا ضرورت ہے کہ بس دو مہینے کے اندر ہزار پانچ سو خریدار فراہم ہو جائیں تو بانی و کیلی کا خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔

ایک شکایت

اس نمبر میں شیعہ کالج کے ایک طالب علم عزیزی فرقان سلمہ کا ایک مضمون شایع کیا جا رہا ہے جس کو پڑھ کر ناظرین اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ صاحبزادے بڑے ہونہار ہیں اور اگر وہ اسی طرح "مشق سخن" کرتے رہے تو انشاء اللہ آئندہ وہ چوٹی کے لکھنے والوں میں شمار ہونے لگیں گے۔ بس دھن اور لگن اور کثرت مطالعہ کی ضرورت ہے۔

ہمیں یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا ہے کہ نئے لکھنے والے بہت کم تعداد میں ابھر رہے ہیں۔ بس لے دے کے نوجوانوں میں فرقان صاحب، مرزا سجاد حسین صاحب متعلم بی کام لکھنؤ یونیورسٹی (جو انشاء اللہ آئندہ سال بی کام کا کورس پورا کرنے کے بعد ڈگری حاصل کر لیں گے) اور شہید صفی پوری صاحب جو الحمد للہ کہ اس سال انگلش میں ایم اے بھی ہو چکے ہیں اور جناب آفتاب اختر صاحب جو ماشاء اللہ اب فارغ التحصیل ہو چکے ہیں لکھتے رہنے کا شوق رکھتے ہیں۔ باقی تو ہمیں ہر طرف سناٹا ہی سناٹا نظر آتا ہے۔

پھر قابل ملاحظہ بات یہ ہے کہ یہ تینوں نوجوان انگریزی کے طالب علم ہیں اور ان کا تعلیمی ماحول عربی درسگاہوں میں تعلیم پانے والوں کے برخلاف بالکل سیکولر ہوتا ہے۔ ایک اجنبی، غیر مانوس اور نا مذہبی ماحول میں رہتے ہوئے ان طلباء کا مذہبیات سے اتنی دلچسپی لینا ظاہر کرتا ہے کہ ان کے قالب میں سعید روحیں موجود ہیں۔

اب اس کے برخلاف عربی درسگاہوں کے طلباء پر نظر ڈالئے شاید ہی کسی اخبار میں ان کی ایک سطر چھپی ہوئی آپ دیکھ سکیں۔ کبھی کبھی کسی طالب علم کا کوئی مضمون مجلہ التنظیم میں نظر آجاتا ہے وہ بھی اس لئے کہ جناب محسن الملۃ مولانا سید محسن نواب صاحب قبلہ کو خود لکھنے کا شوق ہے اور وہ ایک اچھے اہل قلم ہیں۔ ممدوح ان طلباء کو اخبارات و رسائل میں مضامین لکھنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں جو موصوف سے پڑھنے جایا کرتے ہیں۔ ورنہ ہمارا اندازہ تو یہ ہے کہ عربی درسگاہوں کے طلباء کو لکھنے کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں ہے۔ الواعظ مدرسۃ الواعظین کا آرگن ہے جو کہنے کو ہندستانی شیعوں کا سب سے بڑا اور واحد تبلیغی ادارہ ہے مگر خود الواعظ میں کسی دوسرے مدرسہ کے طالب علم کے مضمون کا تو ذکر ہی کیا خود مدرسہ کے کسی طالب علم کا کبھی کوئی مضمون نہیں شایع ہوتا۔

ہمیں ان درسگاہوں کے استادوں پر تعجب ہوتا ہے جو نہ خود لکھنے کی طرف کبھی توجہ مبذول کرتے ہیں اور نہ اپنے شاگردوں ہی کو متوجہ فرماتے ہیں۔ ان مدرسوں میں تقریر کی مشق کرائی جاتی ہے جس کی وجہ سے شروع ہی میں ہر طالب علم مجلس پڑھنا سیکھ جاتا ہے اور ان میں سے بعض اسی "مشق تقریر" کے باعث آئندہ چل کر اچھے مقرر نکلتے ہیں۔ کاش عربی مدرسوں کے استاد حضرات اپنے طلباء کو تقریر کی مشق کے ساتھ ساتھ اگر تحریر کی مشق بھی کرائیں تو بہت جلد ہمارے یہاں لکھنے والوں کا قحط دور ہو سکتا ہے۔

ہندستان کے ہر اخبار اور رسالہ پر نظر ڈال جائیے ان کے اسپشل نمبروں کے اوراق کو اول سے لے کر آخر تک پلٹ جائیے آپ کو علما اور عربی کے طلبا کے مقالے مشکل ہی سے ملیں گے۔ علما حضرات میں بس تین چار فرد ہی ہوا ایسی ہیں جو اہل قلم طبقہ میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں حالانکہ اسی لکھنؤ میں علمائے کرام کثر اللہ امثالہم کی تعداد درجن سوا درجن سے کم نہیں ہے۔ اگر ان مقدس ہستیوں میں سے ہر ایک ایک مضمون بھی دے تو اخبارات کا معیار مذہبی اعتبار سے بھی بلند ہو جائے اور یہ بھی اندازہ ہو سکے کہ ان بزرگوں کی بھی اس طرف توجہ ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اس فرض کی جس کی ادائگی عربی داں طبقہ ہی پر عائد ہوتی ہے انگریزی داں طبقہ پیدا کر رہا ہے اور آج وہی لوگ کام آ رہے ہیں جن کو ہمیشہ سے بے دینی، دہریت اور نیچریت کے طعنے دیئے جاتے رہے ہیں۔

بہرحال ہم عربی درسگاہوں کے پڑھنے والوں سے استدعا کریں گے کہ خدارا وہ اپنی صلاحیتوں کے رہوار کو جس طرح تقریر کے میدان میں جولان رکھتے ہیں اسی طرح تحریر کے میدان میں بھی اسے جولانیاں دکھانے کا موقع دیں۔ اسی طرح انگریزی کے طلبا سے بھی ہماری اپیل ہے کہ وہ اپنی توجہ بدستور مذہبیات کی طرف باقی رکھیں اور اس کمی کو پورا کرتے رہیں جو عربی کے طالب علموں کے سکوت و جمود نے پیدا کر رکھی ہے اور جس کے باعث ہمارے یہاں سے اہل قلم حضرات کی تعداد میں یوماً فیوماً کمی ہوتی جا رہی ہے اور خالی جگہ کو پُر کرنے کے لئے نوجوان طبقہ آگے نہیں بڑھ رہا ہے۔

اعلان تعطیل } حسب سالہائے سابق محرم نمبر ڈسپیچ کئے جانے کے بعد دفتر اخبار بند ہو جائے گا اور آئندہ پرچہ ۹ رجولائی کو شایع ہوگا۔

نقد و تبصرہ:-

رسالہ مسالک حج و زیارات مع ضمیمہ

مولفہ الحاج سید غلام حسنین صاحب نقوی (ایڈوکیٹ) ۹؎ مسطیبی منزل وزیر گنج لکھنؤ۔

یہ رسالہ حاجی صاحب کی سالہا سال کی محنت و مشقت اور تمام مقامات مقدسہ کی زیارات کا نتیجہ ہے۔ اس کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:-

(۱) یہ کہ موصوف نے ابتدائی ۶۴ صفحات میں وہ اطلاعات جمع کر دی ہیں جو فی زمانہ تمام سے نہیں معلوم ہو سکتیں۔ موصوف نے صرف اپنی اطلاعات پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ مشہور و مستند کتب بالخصوص علامہ عباس قمی اعلی اللہ مقامہ کی کتب سے تصحیح فرما کر درج کی ہیں چنانچہ بالفعل معلوم ہو جاتا ہے کہ کس کس مقام پر انبیائے کرام و امام زادگان وغیرہ کے روضہ جات واقع ہیں اور کس طرح ان کی زیارات کرنا چاہیئیں۔

(۲) حج بیت اللہ الحرام و زیارات مدینہ منورہ کے متعلق ایسے مفصل تفصیلات درج ہیں جو کسی عربی، فارسی اور اردو کے کسی رسالہ میں ایک جگہ نہیں مل سکتیں اس کی ضرورت تو سال میں ایک مرتبہ ہوتی ہے۔

(۳) زیارات چہاردہ معصومین علیہم السلام کے تفصیلات بھی اسی طرح سے بہت مبسوط ہیں اور مختلف زیارات و مختصر و طویل ادعیہ دی ہوئی ہیں اور کسی دوسری کتاب کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ اس کی ضرورت مومنین کو ہر وقت اور ہمیشہ رہتی ہے۔

(۴) حج و زیارات سے فراغت کے بعد رسالہ کے آخری حصہ ضمیمہ مسالک میں منتخب شدہ ایسی ادعیہ و دیگر ضرورت کی ایسی چیزیں جمع کر دی گئی ہیں جو ہر شیعہ کے لئے ہر وقت اور ہر مقام پر کارآمد ہیں۔ ان خصوصیات کے لحاظ سے یہ رسالہ ہر شیعہ مومن کے پاس رہنا ضروری ہے۔ اس رسالہ کو مدرسۃ الواعظین لکھنؤ نے طبع کرایا ہے اس نے اور اس کی قیمت پانچ روپیہ علاوہ خرچہ ڈاک معین کی ہے۔ جن اصحاب کو اس رسالہ کی خریداری منظور ہو وہ مولف موصوف سے حسب پتہ مندرجہ بالا یا مدرسۃ الواعظین ۱۶ کیننگ اسٹریٹ لکھنؤ سے طلب فرمائیں اور صرفہ ڈاک ملا کر تقریباً سوا چھ روپیہ بھیج کر منگا سکتے ہیں۔

رسالہ صلوٰۃ } جناب مولانا حاجی سید احمد صاحب عرف مولوی امن صاحب نے اعلم زمانہ آقائے سید حسین بروجردی کے فارسی رسالہ سے باب صلوٰۃ کا اردو میں محنت شاقہ برداشت کر کے ترجمہ کیا ہے اور صرف خرچہ دائمی کے

حالات سے صرف مرثیت مرادی ہے۔ لہٰذا جو مومنین علامہ بروجردی صاحب قبلہ کی تقلید میں ہیں وہ رسالہ مذکورہ جناب حاجی سید احمد صاحب قبلہ مقبرۂ عالیہ گولہ گنج لکھنؤ سے طلب فرماسکتے ہیں۔ خرچہ وی۔ پی۔ اس کے علاوہ ہوگا۔ کسی مقام کے مومنین اگر کئی عدد رسالے ایک ساتھ طلب کریں تو صرفہ میں کفایت ہوگی۔

محرم کیلئے مرثیے نوحے

ہلال محرم عرف شمشیر ماتم حصۂ دوم تاراجی خیام سے واپسی اہل حرم بمدینہ منورہ تک کے سوز خوانی مرثیے۔ رباعیات۔ سوز۔ سلام صفحہ ۳۳۶ ۳ روپے

حصۂ پنجم تاراجی خیام سے دربار شام تک کے مراثی نوحے صفحہ ۲۶۰ کاغذ رف ۳ روپے ۸ آنے حصۂ اول سوم چہارم ششم زیر طبع ہیں۔

فغان محرم نوحہ جات شعرائے محترم وفات رسولؐ سے شہادت امام حسینؑ تک کے ۳۸۲ نوحے صفحہ ۱۲۲ کاغذ رف ۳ روپے

جام شہادت نوحہ جات شوکت بلگرامی حصۂ اول ۱۲ آنے حصۂ دوم ۱۲ آنے حصۂ سوم ۱۲ آنے ہر سہ حصہ ۲ روپے

بیاض اہل ماتم۔ نوحہ جات لائق مرحوم صفحہ ۲۵۲ ۲ روپے ۴ آنے حصۂ دوم صفحہ ۱۷۶ ۸ آنے

تسکین فاطمہؑ۔ نوحہ جات تسکین۔ حصۂ اول صفحہ ۱۰۱ ۱ روپیہ ۴ آنے حصۂ دوم صفحہ ۱۷۶ ۱ روپیہ ۴ آنے حصۂ سوم صفحہ ۱۲۰ ۱ روپیہ ۴ آنے حصۂ چہارم صفحہ ۲۰۸ ۱ روپیہ ۸ آنے ہر سہ حصہ یکجا ۵ روپے وسیلۂ بخشایش نوحہ جات فیروز ۶ آنے

طومار درد نوحہ جات خرد ۸ آنے فغان سکینہ ۳ آنے فغان اکبر نوحہ جات شعور صفحہ ۲۷ کاغذ رف ۱ روپیہ ۸ آنے

بیاض نجم آفندی ۱۲ آنے کاروان ماتم۔ نجم آفندی کا دوسرا بیاض ..... ۱ روپیہ ۸ آنے

چند خاص کتابیں

مفتاح المسائل حسب فتویٰ سرکار بروجردی ۱۰ آنے چراغ ہدایت۔ بچوں کے لئے بہترین مذہبی کتاب قسم اول ۱ روپیہ ۸ آنے قسم دوم ۵ آنے علائم الظہور امام دوازدہم کے حالات دعائیں زیارات اور ظہور کے مفصل علامات مجلد۔ ۳ روپے

عقائد شیعہ، مذہب حقہ کے عقائد کے علاوہ امامؑ کی معرفت علامات ظہور رجعت وغیرہ ۲ روپے مجلد ۳ روپے ہر دو کتابیں یکجا لینے پر ۸ آنے کی رعایت۔ رسالہ ذہبیہ فی علوم الطبیہ ۲ آنے کلید جنت مجموعہ قصائد ولادت رسولؐ و ائمہ اطہارؑ و شاہزادگان و اعیاد ایسا مجموعہ آجتک شایع نہیں ہوا۔ ہر مومن کے گھر میں ایک جلد رہنا ضروری ہر ۵ حصہ قسم اول صفحہ ۱۰ قسم دوم ۶ روپے ہزار اسرار حکما ۱۲ آنے

سالنامہ حیدری جنتری نمبر ۳۴ بابتہ ۱۹۶۱ء ایک بہترین سالنامہ و تقویم صفحہ ۱۱۲ ۱ روپیہ ۸ آنے صرف جنتری صفحہ ۳۲ ۱۰ آنے

اس کے علاوہ ہر قسم کے مذہبی کتب مطبوعہ ہندوستان، پاکستان و ایران اور کمیاب و نایاب کتب ہمارے کتب خانہ سے مل سکتی ہیں آپ کو جس کتاب کی ضرورت ہو دریافت کیجئے ممکن ہے آپ کے ذوق کی تکمیل کی جاسکے۔

مینیجر کتب خانہ حیدری چھتہ بازار حیدرآباد دکن

قطعۂ تاریخ
سرفراز انصارِ حسین نمبر

(نتیجۂ فکر جناب رجعت ایڈیٹر آوازہ لکھنؤ)

ں کا جادہ بن گیا آئینۂ علم ویقیں — وہ صداقت کیش ہے واللہ کردارِ حسینؑ
ںو جنت، فوج کو پانی ملا فطرس کو پر — فضلِ خالق سے وہ ہے دربار دربارِ حسینؑ
تنے نمبر آجتک شایع کئے ہیں سرفرازا — وہ ترے مقبول ہیں سب پیش سرکارِ حسینؑ
ں اڈیٹر اور منیجر نے بھی جتنی جدوجہد — بن گئے دونوں سند پاکر فداکارِ حسینؑ
سوی میں مصرعۂ تاریخ لکھ رجعت تواب — جذبِ صادق ہے تو ہو جائیگا زوّارِ حسینؑ

خلعتِ تحسین یہ نمبر بھی پائے گا ضرور
منتخب ہوگا جو یہ "انصار" انصارِ حسینؑ[1]

---

[1] سید انصار حسین رضوی منیجر سرفراز

فہرست معطیان آل انڈیا شیعہ یتیم خانہ لکھنؤ

بابتہ ماہ مئی ۱۹۶۰ء (۳)

سید انوار حسن صاحب پنشنر گھارتا مار ضلع سیتاپور ۲؎، سید سلیم
صاحب زیدی اسٹیل لمیٹڈ ایگو تر بن ضلع فیض آباد ۲؎ سید ممتاز علی
صاحب کپونڈر ڈڈاک ڈاؤن ضلع فیض آباد عہ، سید محمد الیاس صاحب لکھنؤ
رفیومری اسٹور نگینہ ضلع بجنور ۵؎، سید کلب حیدر صاحب خیال گنج لکھنؤ
عہ، محفوظ حسین صاحب اسسٹنٹ ماسٹر لیک ویو ہوٹل نینی تال ۵؎
سید اعجاز اصغر صاحب حکم پور ضلع الہ آباد ۵؎، سمیع اللہ صاحب ۲۵؎
محمد ہاشم صاحب صہ عنایت حسین صاحب ۸؎، محمد لطیف صاحب ۵؎ ۸؎
رسالتان ملانوان بزرگ ضلع الہ آباد ۴؎، مولانا سید سبط الحسن صاحب
سیول لائن علی گڑھ ۵؎، ہادی حسین صاحب پنشنر ضلع فیض آباد
عہ، سید محمود حسن صاحب موضع سرائے نور پور ضلع مراد آباد ۵؎،
سید حسن اختر صاحب زیدی سینٹرل جیل آگرہ ۲۵؎، سید ساجد علی صاحب
دریاباد الہ آباد ۵؎، سید ریاض الحسن صاحب موضع شیرا پور ضلع جونپور
سے، سید غلام آل مہدی صاحب جیل روڈ لکھنؤ صہ، سید علی اطہر صاحب
عابدی محلہ لہرا پورا اورئی ۲۵؎، ڈاکٹر سید امام صاحب کچھوچھ ضلع فیض آباد
عہ، سید محبوب حسن صاحب موضع اونچہ گاؤں ضلع پرتاب گڑھ ۔۔۔
آل حسن صاحب موضع کرچھرہ ضلع مظفر نگر ۱۲؎، سید ظفر حسن صاحب موضع پور
قاضی ضلع مظفر نگر ۱۰؎، نائب سید محمد جعفر صاحب ۱۰؎، ماسٹر ریاست حسین صاحب
مصطفیٰ آباد جلال پور ضلع فیض آباد ۹؎، سید محمد عسکری صاحب آکلینڈ روڈ
الہ آباد ۱۸؎، سید علی منظر صاحب حسینی محلہ شیخان بارہ ہندو راؤ دہلی
سید ابوالقاسم صاحب موضع سرائے میر ضلع بارہ بنکی صہ، محمد رضا حسین صاحب
ٹی ٹی ای بیتھل گنج کانپور ۷۵؎، سید احتشام علی صاحب رضوی بہرام گھاٹ
ضلع بارہ بنکی لہ، محمد فخر عالم صاحب ڈسٹرکٹ گورنمنٹ کونسل بدایوں
علی نصیر صاحب بلوہ گھاٹ جونپور ۱۲؎، سید اسد علی صاحب رجسٹرار شاہ گنج
ضلع جونپور عہ، انور حسین صاحب گورنمنٹ بلینکٹ فیکٹری شاہجہاں پور
مرزا جواد صاحب المونڈہ ۱۰؎، زیارت حسین صاحب شاہ خراسان ۔۔۔

الہ آباد ۔۔۔ قاسم حسین صاحب سنبل ہیڑہ ضلع مظفر نگر ۵؎، ۔۔۔ صاحب
۔۔۔ علی گڑھ ۔۔۔ سید محمد شفیع صاحب آنبدار ڈسٹرکٹ بجنور ۲؎
۵؎، سید اصغر عباس زیدی ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس بلند شہر ۵؎، سید
اولاد حسین صاحب سکرادل ضلع فیض آباد ۵؎، خواجہ زیارت حسین صاحب
وکیل اکبر پور ضلع فیض آباد ۵؎، حیدر خان صاحب سور پور ضلع فیض آباد
صہ، محمد شبیر صاحب احاطہ فخر الدین خان جونپور ۔۔۔ توقیر حسین صاحب میرک پور
ضلع اناؤ صہ، ثاقب حسین صاحب ریٹائرڈ لکچرار امروہہ ضلع مراد آباد
۔۔۔ سید حسن مرتضیٰ صاحب رضوی ۔۔۔ ضلع مراد آباد ۔۔۔ سید محمد
قاسم صاحب موضع گڈولی ضلع بجنور ۵؎، علی عباس صاحب مورنہ ضلع مظفر نگر
صہ، سید ناصر علی صاحب رئیس ۵؎، سید سبط حسن صاحب رضوی سکریٹری
شیعہ لائبریری کاظمہ، ماسٹر بشیر احمد خاں صاحب ۳؎، رسالتان جونپور سید
نور حسن صاحب مفتی محلہ جونپور ۔۔۔ سید ظفر حسن صاحب ۵؎، سید ظل حسن صاحب
۵؎، رسالتان قصبہ پور قاضی ضلع مظفر نگر، سید ناصر علی صاحب بلہڑہ ضلع
مظفر نگر صہ، سید ولی حیدر صاحب زیدی ایڈ امان ضلع فتح پور ۔۔۔ سید
اقتدار حسین صاحب ۔۔۔ حکیم سید نجم الحسن صاحب زیدی ۔۔۔ رسالتان
موضع بھٹیا ضلع بارہ بنکی، سید منظر حسین صاحب نیو مارکیٹ دیرہ دون ۔۔۔
سید اظہار حسین صاحب موضع پھولپور ضلع بہرائچ ۔۔۔ سید شبیہ الحسن صاحب
رضوی وکیل صہ، سید زین العابدین صاحب رضوی صہ، رسالتان بستی
سید اعظم علی صاحب نقوی وکیل سکریٹری انجمن رفاہ المومنین پرتاب گڑھ
عہ، سید آل موسیٰ صاحب نقوی دریا پور سے، رضا رضا صاحب
زیدی سینٹری انسپکٹر بندکی ضلع فتح پور ۔۔۔ مرزا حسین صاحب اسسٹنٹ
ٹیچر بہاری انٹر کالج جھانسی عہ، سرفراز حسین صاحب کلرک
ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولز جھانسی ۱۲؎، ملک امین حسن صاحب مختار عام
بیر پور ہاؤس اکبر پور ضلع فیض آباد صہ، سید حامد حسین صاحب نقوی مصطفیٰ آباد
ضلع رائے بریلی صہ، سید الرضا حسین صاحب موضع کھیا ضلع الہ آباد ۲۵؎

...ت علی صاحب سید پور ضلع رام پور صہ بابو احمد علی خاں صاحب
...وں ضلع فیض آباد معہ شمیم حیدر صاحب زیدی شاہجہانپور
...ذو عہ مولوی مرزا حسین احمد صاحب محلہ انصاریان بہار نپور
...منہا گ فیس منی آرڈر [illegible] ۲۲ر (تفصیل ...) سید امیر حیدر
...حب عا ر سید طاہر حسین صاحب [illegible] سید ظہیر الحسن صاحب
سید انوار حسن صاحب عہ سید علی حسین صاحب عا ر
...انتظار حسین صاحب عہ سید محمد حمید رضا صاحب نانوتوی
سید مرتضیٰ حسین صاحب سے ر سید شمیم حیدر صاحب عہ ۵۶ر
...عترت حسین صاحب [illegible] خواجہ ایوب حسین صاحب عہ ۶۲ر
...ریاض الحسن صاحب عہ مرزا زمرد بیگ صاحب عہ ۳۷ر
...سردار حسین صاحب [illegible] خواجہ مختار حسین صاحب عہ ۳۸ر
...علی حیدر صاحب عہ مرزا سلطان احمد صاحب لہ [illegible]
...ناظر حسن صاحب [illegible] مرزا حسین احمد صاحب سے خواجہ
...ار احمد صاحب عہ) سید جاوید حسن صاحب محلہ شہر ضلع
...پور [illegible] ر سید اختر حسین صاحب ساکن کورالی ضلع
...آباد [illegible] ۶۲ر مرزا جعفر حسین صاحب قزلباش انگلش ہاؤس
...گڑھ صہ سید مطلوب علی صاحب رضوی چھبرامؤ ضلع فرخ آباد
... سید شمس الحسن صاحب بجوپت پور انراؤن ضلع الہ آباد
[illegible] سید محمد باقر صاحب موضع ہریانور پور ضلع مراد آباد
[illegible] خان بہادر سید محمد ذکی صاحب دودھ پور علی گڑھ
[illegible] مولوی محمد نعمت حسین صاحب کمبوہ دروازہ میرٹھ
[illegible] سید شفاعت حسین صاحب رضوی نائب تحصیلدار
...ن گاؤں ضلع گورکھپور [illegible] سید نظیر حسین صاحب موضع
...سنورہ ضلع بارہ بنکی معہ افضل حسین صاحب عالم پور
...بنکی [illegible] عبد الصمد صاحب موتک پور ضلع بارہ بنکی [illegible]
...سید مہدی حسین صاحب صالح پور ضلع بستی صہ سید انصار حسین
...صاحب سیول لائن اورئی [illegible] سید علی اشتیاق صاحب
...مینگراؤں [illegible] سید انوار حسین صاحب لائبریرین بار
...پوسی ایشن اورئی [illegible] سید باقر حسین صاحب کاظمی کونمی
...باغ سیتاپور [illegible] سید اظہار حیدر صاحب کاظمی ایم

ایس ریلوے سپرنٹنڈنٹ آفس سہارنپور [illegible] سید احمد حسین
صاحب عابدی سنیٹری انسپکٹر میونسپل بورڈ لکھنؤ [illegible] حکیم
سید حیدر حسین صاحب عابدی ٹھیکمان ضلع اعظم گڑھ [illegible]
محمد انیس صاحب سپروائزر بڑاگاؤں ضلع جونپور [illegible] راؤ نواب
خاں صاحب رئیس بہادر پور ضلع سلطان پور [illegible] ر سید
ظہیر حسن صاحب رضوی گرداور محرر دفتر پولیس بارہ بنکی [illegible]
مولانا شفیع حیدر صاحب مہاراج سنگھ انٹر کالج بہرائچ [illegible]
مسٹر ڈاکٹر غلام حیدر خاں صاحب اترولہ ضلع گونڈہ [illegible]
سید منیر حسن صاحب کنتش پور ضلع بستی [illegible] ر سید
اخلاق حسین صاحب خلیل گڈھی شاہجہانپور [illegible] بیگم صاحبہ
سید نجم الحسن صاحب باقری شاہ گنج آگرہ صہ سید شبیر احمد
صاحب مہاراج سنگھ پارک ہردوئی [illegible] سید منظور الحسن صاحب
نقوی گلشن امین تحصیل ببرو ضلع باندہ عہ تجمل حسین خاں صاحب
پورہ فتح بہادر خاں ضلع سلطان پور [illegible] ظہیر حسین صاحب
ایم اے شاہ گنج الہ آباد عا ر سید الطاف حسین صاحب نقوی
رسول پور سیرنی ضلع الہ آباد [illegible] ملازم حسین صاحب موضع بکری
بجوجیور ضلع فیض آباد [illegible] علی حسن صاحب کریم پور ننگہ پور
ضلع فیض آباد [illegible] رحمت علی صاحب کربلائی مصطفےٰ آباد
ضلع فیض آباد [illegible] علی شمشاد صاحب شاہ گنج ضلع جونپور
عہ سید جعفر عباس صاحب رئیس ٹانڈہ ضلع فیض آباد [illegible]
مجیب علی صاحب اسلحہ گنج مرزا پور عہ سید توقیر حسین صاحب
اسسٹنٹ جیلر اورئی عا ر شمس الحق صاحب انصاری زنگی پور
ضلع غازی پور [illegible] آفتاب حسین خاں صاحب دکاندار شادی آباد
ضلع غازی پور للعہ سید مظفر علی صاحب موضع جوگی پور ضلع
بہرائچ [illegible] شفاعت حسین صاحب امین منر بڑا ضلع مرزا پور
صہ سید مسعود سبطین صاحب رئیس نگینہ ضلع بجنور [illegible]
سید شریف الحسن صاحب ہمایوں باغ کانپور [illegible] سید حسین
صاحب عرف بو صاحب [illegible] سید بشیر الحسن صاحب ہیڈ سب ڈپٹی
انسپکٹر مدارس للعہ (ساکنان سید پور ضلع بارہ بنکی) سید زین العابدین
صاحب عابدی اسسٹنٹ انجینیئر مرزا پور [illegible] سید نعیم حسین صاحب

سپرنٹنڈنٹ جیل رائے بریلی للعہ سید جعفر رضا صاحب بلگرام ضلع ہردوئی للعہ سید حسنین رضا صاحب گورا بازار سلطان پور ۶ سید اعجاز حسین صاحب زیدی کیمو نڈر سیف اللہ گنج ضلع سلطان پور عہ سید راحت حسین صاحب رضوی سینیٹری انسپکٹر بڑا گاؤں ضلع بنارس عہ سید نجف حسین صاحب تھانہ ملانواں ضلع ہردوئی للعہ سید علی جعفر صاحب اناؤ للعہ سید آل رضا صاحب زیدی موضع ڈیگرا ضلع جون پور ۵ محمد اخلاق صاحب راجپوت جلکانہ ضلع سہارن پور عہ امام الدین صاحب انصاری نقل پور ضلع بجنور عہ حکیم نیاز علی صاحب ڈبائی ضلع بلند شہر ۵ مصطفیٰ حسن صاحب زیدی گرانٹ ٹیچر باڑ ضلع میرٹھ ۶ سید وصی حیدر صاحب زیدی سب رجسٹرار پوروہ ضلع اناؤ للعہ سید خادم حیدر صاحب زیدی جرگا نواں ضلع بارہ بنکی ۶ عبداللطیف صاحب کنڈیال پترول بسہر پور ٹکل ضلع بریلی ۶ ماجد اصغر صاحب دھامی گاؤں ضلع بہرائچ عہ الطاف حسین صاحب پنشنر اکسائز انسپکٹر نان پارہ ضلع بہرائچ ۶ ظہور الحسن صاحب رضوی دفتر خزانہ فتح گڑھ ۶ سید ابرار حسین صاحب کلاں پور ضلع جون پور ۵ سید اصغر مہدی صاحب موضع رانی مئو ضلع جون پور ۶ محمد حیدر صاحب نقل نویس اعظم گڑھ للعہ سید علی باقر صاحب جعفری دولہی پور ضلع بنارس عہ سید علی حسین صاحب موضع جیگی ضلع میرٹھ للعہ ذریعہ ڈاکٹر سید راحت حسین صاحب اسپتال روڈ شاہ جہاں پور مع فیس منی آرڈر ۹ (تفصیل:- ڈاکٹر سید راحت حسین صاحب عہ عبدالستار خان صاحب کانپوری عہ سید اسد علی صاحب لکھنؤی ۶ سید ابوالقاسم صاحب جونپوری عہ شیخ رضی حسن صاحب جونپوری عہ) سید ظفر الحسن صاحب زیدی انسپکٹر آف سنٹرل اکسائز شاہ جہاں پور ۶ سید سجاد حسین صاحب ہیڈ کانسٹبل تھانہ سمتھار ضلع جھانسی

۶ سید فضل حسین صاحب موضع دھنورہ ضلع رامپور للعہ ۵ بیگم صاحبہ ساجد علی خان صاحب اڈیر ہم ہاؤس نینی تال ۵ چودہری سید امیر حسین صاحب چیرمین سرسی ضلع مراد آباد ۶ سید قاسم عباس صاحب پریم نگر ضلع فرخ آباد ۵ سید محمود وجاہت حسین صاحب رضوی آنریری مجسٹریٹ یا قر گنج فتح پور عہ سید حامد حسین صاحب بی اے سپروائزر نیا گنج کان پور ۶ محمد نسیم صاحب کلکٹری کان پور ۶ سید ضمیر عباس صاحب موضع منجھیانواں ضلع الہ آباد للعہ قاضی محمد وصی صاحب راکھ حویلی فیض آباد عہ بیگم صاحبہ سید ہادی حسین صاحب ۶ محترمہ ظل بانو بیگم صاحبہ ۶ (حبیب اللہ منزل ڈگی روڈ علی گڑھ) سید جعفر حسین صاحب معرفت سید شاکر حسین صاحب محلہ سید واڑہ علی گڑھ ۵ سید قیصر الاسلام صاحب رضوی کوٹھی آدم جی شاہ جہاں پور ۵ زیارت حسین صاحب کلکٹری فتح پور عہ ذریعہ سید شبیر حسین صاحب بی اے ایرایاں سادات ضلع فتح پور مع فیس منی آرڈر ۶ تفصیل:- سید شبیر حسین صاحب بی اے عہ والدہ سید خیرات حسین صاحب عہ بیوی خان بہادر میر کاظم حسین صاحب مرحوم عہ سید محب حسین صاحب عہ) سید محمد تقی صاحب کراری ضلع الہ آباد ۶ سید انصار حسین صاحب رانی منڈی الہ آباد ۶ شیخ ذاکر حسین صاحب ٹانڈہ ضلع فیض آباد عہ علی ہارون صاحب ہیڈ کانسٹبل اکبر پور ضلع الہ آباد عہ سید شاہد علی صاحب سیوہت ضلع الہ آباد ۶ سید ہادی حسن صاحب ریجنل اسسٹنٹ کمیشنر الہ آباد ۵ ذاکر حسین صاحب پوسٹ ماسٹر سرائے میر ضلع الہ آباد ۶ سید احمد حسین صاحب خاص پور ضلع فیض آباد ۵ ذریعہ سید ارشاد حسین صاحب بردھان گرام سابق سنگا ضلع رائے بریلی مع فیس منی آرڈر ۶ (تفصیل:- سید

منظور حسین صاحب نقوی ۲۵ روپے سید اختر حسین صاحب رضوی عہ (ذریعہ سید سردار حسین صاحب موضع کوپہ کاپ ضلع بارہ بنکی مع فیس منی آرڈر ۶۲ روپے (تفصیل :- سید سردار حسین صاحب عہ سید حسین صاحب عہ ۳۷ روپے سید مشرف حسین صاحب ۶ سید افتخار مہدی صاحب ۷۸ روپے سید زاہد علی صاحب ۱۸ روپے سید مقصود علی صاحب عہ ۳۷ روپے والدہ سید محمد شبر رضا صاحب ۳۳ روپے سید حسرت علی صاحب عہ ۳۷ روپے سید نوازش علی صاحب ۳۷ روپے ۸۷ روپے سید محمد سبطین صاحب ہے روپے سید ناظم علی صاحب ۸۷ روپے سید محمد عباس صاحب عہ ۳۴ روپے سید دلدار حسین صاحب پنشنر جیلر کانسٹبل ۵۹ روپے سید اصحاب حسین صاحب عہ ۳۷ روپے سید مرتضیٰ حسین صاحب ۸۷ روپے سید محمد حیدر صاحب عہ ۳۴ روپے ایک مومنہ عہ) سید علی ناصر صاحب جعفری کلکٹری فتح گڈھ صہ ڈاکٹر ابو محمد حکیم صاحب سول سرجن جالون صہ راجہ سید محمد رضا علی خان صاحب بندرا دل ضلع بلند شہر ۵ روپے (ذریعہ سید نصیر حسن صاحب حسینی پارہ ضلع غازی پور ۲۵ روپے (تفصیل :- سید علی منظور صاحب ... سید محمد شبر صاحب صہ سید محمد یوسف صاحب مرحوم للعہ سید انصار حسین صاحب عہ سید تنویر حسین صاحب حسینی عہ) حکیم سید ... علی صاحب ... ضلع بلند شہر ۲۵ روپے سید آل علی صاحب ... ضلع بلند شہر ... سید عشرت حسین صاحب رضوی اے۔آر۔او۔ اورییا ضلع ... ۷۷ روپے حکیم موسیٰ رضا صاحب جنیدولی ضلع بنارس ۵ روپے سید محمد موسیٰ صاحب زیدپور ضلع بارہ بنکی ... مولانا سید غلام عسکری صاحب قبلہ مجتہد ضلع لکھنؤ صہ سید حسین مہدی صاحب کاظمین روڈ لکھنؤ عہ ۲۰ روپے سلطان صاحب درگاہ حضرت عباس لکھنؤ ۵ روپے سید توفیق حسن صاحب ... سید محمد طاہر صاحب رضوی عہ (ساکنان زیدپور ضلع بارہ بنکی) سید اعجاز حسین صاحب ایڈوکیٹ ... لکھنؤ ۵ روپے سعیدہ بیگم صاحبہ دسہری ہاؤس لکھنؤ ۵ روپے سلطان بہادر صاحب باغ گونگے نواب لکھنؤ ... مرزا احسن آغا صاحب احاطہ نظام لکھنؤ صہ پروفیسر سید احتشام حسین صاحب ایم۔اے لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ ۵ روپے بیگم صاحبہ سید خورشید حیدر صاحب دہلی ۱۲ روپے اہلیہ سید نذیر حسن صاحب ریٹائرڈ جج لکھنؤ ۵ روپے سید محتشم رضا صاحب سرائے اسماعیل لکھنؤ ۶ روپے سید شاہد علی صاحب اسسٹنٹ انجینئر لکھنؤ ۵ روپے سید محمد کاظم صاحب زیدپور ضلع بارہ بنکی ۱۲ روپے اہلیہ ہادی حسین صاحب حیدر گنج قدیم لکھنؤ عہ ۲۵ روپے سید رضا حسین صاحب حسین آباد لکھنؤ ہے شاہ محمد باقر صاحب جونپوری پروفیسر گورنمنٹ جوبلی انٹر کالج لکھنؤ ۵ روپے

(باقی آئندہ)

صرف پچاس روپیہ یکمشت یا بدفعات

مرحمت فرماکر آپ امامیہ مشن کے ممبر دوامی بن سکتے ہیں

ممبری کے بعد آپ کو برابر تمام لٹریچر بلا طلب بلا قیمت ارسال ہوتا رہے گا اور سابق کا لٹریچر آپ صرف نصف قیمت پر بھی حاصل کر سکیں گے۔ آج ہی اپنے چندہ کی پہلی قسط ارسال فرما دیجئے اور رضائے الٰہی کا شرف حاصل کیجئے۔

حسینی لٹریچر کی زیادہ سے زیادہ تعداد طلب فرماکر

یوم عاشور برادران وطن میں مفت تقسیم فرمائیے

آپ حسینی فنڈ میں جس قدر رقم ارسال کریں گے اس سے (بعد منہائی اخراجات ڈاک) دوگنی قیمت کا لٹریچر اردو ہندی یا انگریزی جس زبان میں آپ طلب فرمائیں گے آپ کا منی آرڈر وصول ہوتے ہی بذریعہ رجسٹری ارسال کر دیا جائے گا۔

الداعی الی الخیر۔ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

حسینی فنڈ سنہ ۱۳۸۰ھ

(قسط سی یم)

محترم برادران ایمانی! سلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔

۔۔۔ سے تا غایتہ ۔۔۔ جو رقوم اس فنڈ میں وصول ہوئیں ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ انشاء اللہ ان تمام عاشقان حسین مظلوم (ارواحنا لہ الفداء) کو اس دینی نصرت اور عملی اعانت کا اجر بے حساب معصومہ عالم بی بی درگاہ احدیت سے دلوائیں گی۔

برادران دینی! اب تک مجموعی رقم تین ہزار تین سو باون روپیہ باسٹھ نئے پیسے وصول ہوئی ہے۔ درانحالیکہ اس مرتبہ ایک لاکھ رسائل تقسیم کرنے کی تمنا و کوشش ہے جس کے لئے آپ کے مشن کو بارہ ہزار روپیہ کی ضرورت ہے اور ابھی جب تک بقیہ رقم بھی وصول نہ ہو جائے ہم اس اہم دینی مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

بس اب مولا کا نام لے کر اٹھئے اور اپنا عطیہ بھی بواپسی ڈاک ارسال فرما دیجئے اور اپنے حلقۂ اثر کی ہر ہر فرد سے جس سے جو کچھ مل سکے وصول کر کے فوراً روانہ کر دیجئے۔

بقرعید کے ۔۔۔ جو ۔۔۔ عطایا جمع کئے گئے ہوں وہ بھی علاوہ جلد بھیجے جائیں تاکہ ہم کاغذ خرید سکیں اور جو رسائل پلیٹوں پر جمے ہوئے ہیں ان کی طباعت ہو سکے۔

اب مزید تاخیر کا موقع نہیں ہے فوری توجہ فرما کر روح معصومہ عالم کو شاد کیجئے اور رضائے الٰہی کا شرف حاصل فرمائیے۔

اس عرصہ میں جن ممبران دو رقعائے کار نے اپنے اپنے حلقۂ اثر سے عطایا وصول کر کے ارسال فرمائے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔ اگر اسی طرح ہمارے دیگر ممبران بھی متوجہ ہو جائیں تو مطلوبہ رقم صرف ایک ہفتہ میں فراہم ہو سکتی ہے۔ صرف تھوڑی سی توجہ کی ضرورت ہے۔

اسمائے گرامی ممبران دو رقعائے کار جنھوں نے اس عرصہ میں عطایا وصول کر کے ارسال فرمائے اور رضائے الٰہی کا شرف حاصل کیا:-

(۱)	عالی جناب سید حسن ارشاد صاحب ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج	اعظم گڑھ	[illegible]
(۲)	" سید نصیر حسن صاحب حسینی۔ رئیس بارہ	غازی پور	[illegible]
(۳)	" ماسٹر سید حسن اختر صاحب ایم اے	اٹاوہ	[illegible]
(۴)	" ماسٹر سید محمد زاحم صاحب سلمہ	بارہ بنکی	[illegible]
(۵)	" سید انتظار حسین صاحب	بھوپال	[illegible]
(۶)	" ڈاکٹر کرامت علی صاحب ہاشمی	گونڈہ	[illegible]
(۷)	" میجر خورشید صاحب کشمیری	رامپور	[illegible]

۸) عالی جناب خواجہ غلام اکبر صاحب بٹ ... پونچھ ... صہ/
۹) " مولانا مصداق حسین صاحب ... جھانسی ... صہ/
۱۰) " ماسٹر محمد تقی صاحب ... فتح پور ... بیے
۱۱) " سید صابر علی عرف سلو میاں سلمہ ... پٹنہ ... ۱۸۵/

(الداعی الی الخیر) سید ابن حسین نقوی عفی عنہ آنریری سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ

نمبر	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۷۵۴	عالی جناب سید حسین اکبر صاحب	سلطان پور	سے/	مربی مشن
۷۵۵	" ماسٹر اکبر حسین صاحب جے پوری	سری نگر	عـہ/	
۷۵۶	" حکیم مرزا محمد علی صاحب	لکھنؤ	للعـہ/	لائف ممبر
۷۵۷	" نثار حسین صاحب (موضع بھادکول)	اعظم گڑھ	ہے/	
۷۵۸	" مولانا مصداق حسین صاحب (رقم نکاح خوانی)	جھانسی	صہ/	ممبر خصوصی
۷۵۹	" سید علی اختر صاحب	کلکتہ	صہ/	
۷۶۰	" کرشنا کمار صاحب گپتا (منکاپور)	گونڈہ	صہ/	
۷۶۱	" کیکا بھائی محمد بھائی صاحب نوریدی	اوجین	صہ/	ممبر خصوصی
۷۶۲	" فرید حسین فاضل بھائی صاحب	رائے پور	صہ/	"
۷۶۳	" سین علی صاحب	لدھیانہ	صہ/	"
۷۶۴	" " " برائے ایصال ثواب برحج دادا جان مرحوم	"	صہ/	
۷۶۵	" " " " " " نانا صاحب مرحوم	"	صہ/	
۷۶۶	" " " " " " دادی صاحبہ مرحومہ	"	صہ/	
۷۶۷	" " " " " " نانی صاحبہ مرحومہ	"	صہ/	
۷۶۸	" " " " " " دیگر مرحومین خاندان	"	صہ/	
۷۶۹	" خواجہ حسن جو صاحب ڈار (منڈی)	پونچھ	صہ/	
۷۷۰	" والدہ صاحبہ سید حبیب محمد صاحب نقوی سلمہ (بہ سلسلہ تقریب عقد فرزند اکبر سلمہ)	لکھنؤ	صہ/	
۷۷۱	" سید محمد کبیر صاحب رئیس (سرائے میر)	بارہ بنکی	صہ/	ممبر خصوصی
۷۷۲	" سید ضیغم حسین صاحب بی۔ اے۔	رامپور	صہ/	
۷۷۳	" سید نونہال حیدر صاحب	بھوپال	صہ/	
۷۷۴	" میر نصرت علی صاحب	میسور	صہ/	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۷۷۵	عالیجناب سید امیر حیدر صاحب رضوی (منجانب مومنین صاحبان)	متھرا	صہ/	
۷۷۶	" سید رضا حسین صاحب ٹیلر ماسٹر (اورنگ آباد)	اٹاوہ	للعہ/	
۷۷۷	" سید علی اصغا د صاحب (محمد آباد گہنہ)	اعظم گڑھ	سے/	
۷۷۸	" سید علی عباس صاحب ہیڈ کلرک (آپ اس سے قبل بھی بائیس روپیہ مرحمت فرما چکے ہیں)	گیا	عہ/ ۵۰/	ممبر مجوزہ رفیق کار
۷۷۹	" صوبیدار سید محمد مرتضیٰ صاحب	رامپور	عہ/	
۷۸۰	" سید علی نقاد صاحب (محمد آباد گہنہ)	اعظم گڑھ	عہ/	
۷۸۱	" سید علی اتحاد صاحب "	"	عہ/	
۷۸۲	" سید سلطان حسین صاحب "	"	عہ/	
۷۸۳	" سید عاشق حسین صاحب (موضع اترار دی؟)	"	عہ/	
۷۸۴	" سید اشتیاق حیدر صاحب (محمد آباد گہنہ)	"	عہ/	
۷۸۵	" جواہر لال صاحب گپتا (منکاپور)	گونڈہ	عہ/	
۷۸۶	" شیخ نصیر احمد صاحب مول نشاس	غازی پور	عہ/	
۷۸۷	" حمید الدین صاحب سکریٹری حسینی مشن (بڑا گاؤں)	بونیر	عہ/	
۷۸۸	" محمد جعفر صاحب ڈار	سری نگر	عہ/	
۷۸۹	" سید حمید الحسین صاحب نقوی	اٹاوہ	عہ/	
۷۹۰	" سید ابرار مہدی صاحب سلمہ ابن جناب ماسٹر سید حسن اختر صاحب ایم اے	"	عہ/	
۷۹۱	" سیدہ ام البنین صاحبہ اہلیہ جناب سید محمد کبیر صاحب (سرائے میر)	بارہ بنکی	عہ/	
۷۹۲	" ضمیر حسین صاحب (تاج پور)	فیض آباد	عہ/	
۷۹۳	" مولوی سید شہنشاہ حسین صاحب اٹاوی	اٹاوہ	عہ/	
۷۹۴	" حفاظت حسین صاحب	"	عہ/	
۷۹۵	" بیگم صاحبہ عالیجناب ڈاکٹر سید امیر حسن صاحب لکچرر	دہلی	عہ/	
۷۹۶	" سید شمس الحسن صاحب (موضع سونڈا)	غازی پور	عہ/	
۷۹۷	" سید صابر حسین صاحب سلمہ (آپ اس سے قبل بھی ایک روپیہ مرحمت فرما چکے ہیں)	مظفر نگر	عہ/	ممبر عمومی
۷۹۸	" قاضی سید محمد حسن صاحب (محمد آباد گہنہ)	اعظم گڑھ	صہ/	
۷۹۹	" حکیم سید محمد انصر صاحب "	"	صہ/	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۸۰۰	عالی جناب سید علی نقاد صاحب (محمد آباد گہنہ)	اعظم گڑھ	عہر	
۸۰۱	" سید اشفاق حیدر صاحب "	"	عہر	
۸۰۲	" سید علی سجاد صاحب "	"	عہر	
۸۰۳	" حکیم سید عنایت حیدر صاحب "	"	عہر	
۸۰۴	" سید علی رضا عرف ببن صاحب "	"	عہر	
۸۰۵	" سید علی رضا عرف مختار میاں صاحب "	"	عہر	
۸۰۶	" سید بشیر الحسن صاحب "	"	عہر	
۸۰۷	" سید محمد سدید صاحب "	"	عہر	
۸۰۸	" سید علی محمد عرف حلن صاحب "	"	عہر	
۸۰۹	" شیخ محمد جان صاحب "	"	عہر	
۸۱۰	" شبیر خاں صاحب عطار "	"	عہر	
۸۱۱	" تصدیق احمد خاں صاحب "	"	عہر	
۸۱۲	" سید مبارک حسین صاحب (موضع سونڈی)	غازی پور	عہر	
۸۱۳	" سید علی شبیر صاحب "	"	عہر	
۸۱۴	" سید حسن رضا صاحب "	"	عہر	
۸۱۵	" زوار حسین صاحب کاظمی (تاجپور ڈیہہ)	"	عہر	
۸۱۶	" سید محمد شبر صاحب (موضع پارہ)	"	عہر	
۸۱۷	" سید حسین حیدر صاحب (موضع گنگولی)	"	عہر	
۸۱۸	" سید سجاد حسین صاحب "	"	عہر	
۸۱۹	" سید مشتاق حسین صاحب "	"	عہر	
۸۲۰	" سید مقداد حسین صاحب "	"	عہر	
۸۲۱	" سید حامد حسین صاحب "	"	عہر	
۸۲۲	" ہاجرہ حیدر سلمہا "	"	عہر	
۸۲۳	" شیخ محمود صاحب کلاتھ مرچنٹ	"	عہر	
۸۲۴	" سید اختر حسین صاحب واسطی	فتح پور	عہر	
۸۲۵	" سید غلام حیدر صاحب (موضع سیرا تھ پور)	"	عہر	
۸۲۶	" سید آل حسن صاحب سب انسپکٹر پولیس	"	عہر	
۸۲۷	" مولانا سید نذر حسن صاحب (موضع گوپالپور)	سارن	عہر	لائف ممبر
۸۲۸	" سید علی مہدی صاحب ہیڈ ماسٹر (اسلام نگر) (آپ اس سے قبل بھی پانچ روپیہ مرحمت فرما چکے ہیں)	مراد آباد	عہر	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۸۲۹	عالی جناب سید زین العابدین صاحب (آپ اس سے قبل بھی آٹھ روپیہ مرحمت فرما چکے ہیں)	پٹنہ	عہ/	
۸۳۰	〃 سید تنویر الحسن صاحب عرف شکیل میاں سلمہ ابن جناب سید منظور الحسن صاحب اسسٹنٹ جیلر	ایٹہ	عہ/	
۸۳۱	〃 سید علی مہدی سلمہ ابن عالی جناب ماسٹر سید حسن اختر صاحب ، ایم ۔ اے ۔	اٹاوہ	عہ/	
۸۳۲	〃 سید شمس الحسن صاحب پنشنر ہیڈ کانسٹبل	〃	عہ/	
۸۳۳	〃 سید مسعود حسین صاحب (موضع سرائے میر)	بارہ بنکی	عہ/	
۸۳۴	〃 ماسٹر سید محمد راحم صاحب سلمہ (موضع سرائے اسمٰعیل) (آپ اس سے قبل بھی چار روپیہ مرحمت فرما چکے ہیں)	〃	عہ/	
۸۳۵	〃 سید قریب الحسن صاحب رضوی پنشنر پولیس	اٹاوہ	عہ/	
۸۳۶	〃 سید ذوالفقار حیدر صاحب زیدی	〃	عہ/	
۸۳۷	〃 سید مظفر حسین صاحب (موضع زنگی پور)	غازی پور	عہ/	
۸۳۸	〃 سید ظہیر حسن صاحب عابدی (موضع پنڈاری)	〃	عہ/	
۸۳۹	〃 سید زاہد حسین صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر پولیس (موضع سونڈی)	〃	عہ/	
۸۴۰	〃 سید محمد ایوب صاحب 〃	〃	عہ/	
۸۴۱	〃 سید تصور حسین صاحب 〃	〃	عہ/	
۸۴۲	〃 سید علی عباد صاحب 〃	〃	عہ/	
۸۴۳	〃 شیخ منظر حسین صاحب (ساکن ظہور آباد) 〃	〃	عہ/	
۸۴۴	〃 سید زاہد حسین صاحب	〃	عہ/	
۸۴۵	〃 سید علی حیدر صاحب جعفری (موضع بارہ)	〃	عہ/	
۸۴۶	〃 سید اطہر علی صاحب 〃	〃	عہ/	
۸۴۷	〃 سید عاشق حسین صاحب	بھوپال	عہ/	
۸۴۸	〃 سید اقبال حسین صاحب	〃	عہ/	
۸۴۹	〃 سید منظر حسین صاحب	〃	عہ/	
۸۵۰	〃 حسن میاں سلمہ ابن عالیجناب ڈاکٹر سید ابو الحسن صاحب جعفری	پرتاب گڑھ	عہ/	
۸۵۱	〃 سید ابن حسن صاحب (محمد آباد گہنہ)	اعظم گڑھ	۱۵۰	
۸۵۲	〃 سید عباد الحسن عرف منن صاحب 〃	〃	۱۵۰	
۸۵۳	〃 سید ذوالفقار حسین صاحب مختار 〃	〃	۱۵۰	

نمبر شمار	اسمائے گرامی معطیان	مقام	رقم عطیہ	کیفیت
۸۵۴	عالی جناب سید محمد مجید صاحب (محمد آباد گہنہ)	اعظم گڑھ	۵۰ر	
۸۵۵	" سید شفقت حسین صاحب "	"	۵۰ر	
۸۵۶	" سید شمیم الحسن صاحب "	"	۵۰ر	
۸۵۷	" عاشق احمد خان صاحب "	"	۵۰ر	
۸۵۸	" علی جان صاحب (موضع سوسنڈی)	غازی پور	۵۰ر	
۸۵۹	" سید غلام حسین صاحب کربلائی	"	۵۰ر	
۸۶۰	" معراج فاطمہ سلمہا بنت ایضاً	"	۵۰ر	
۸۶۱	" سید مسعود الحسن صاحب	فتح پور	۵۰ر	
۸۶۲	" بیگم صاحبہ سید آفاق حسین صاحب (موضع چوندرہی)	غازی پور	۵۰ر	
۸۶۳	" سید فرید احمد صاحب (موضع سرسنڈی)	"	۵۰ر	
۸۶۴	" سید عاشق حسین صاحب (موضع پارہ)	"	۵۰ر	
۸۶۵	" سید افضل حسین صاحب "	"	۵۰ر	
۸۶۶	" سید ناظم حسین صاحب "	"	۵۰ر	
۸۶۷	" مولوی حیدر رضا صاحب "	"	۵۰ر	
۸۶۸	" نور الحسن صاحب "	"	۵۰ر	
۸۶۹	" تحسین فاطمہ سلمہا بنت عالیجناب سید حسن جعفر صاحب ایم اے	اٹاوہ	۲۵ر	
۸۷۰	" سید مراد محمد صاحب (سادات پچی)	فتح پور	۲۵ر	
۸۷۱	" سید حامد حسین صاحب	کانپور	۲۵ر	
۸۷۲	" سید ظفر حسن صاحب مختار (محمد آباد گہنہ)	اعظم گڑھ	۲۵ر	
۸۷۳	" مولوی سید شوکت حسین صاحب "	"	۲۵ر	
۸۷۴	" سید شہنشاہ حسین صاحب "	"	۲۵ر	
۸۷۵	" سید بادشاہ حسین صاحب "	"	۲۵ر	
۸۷۶	" بیوہ چھنگا خان صاحب مرحوم (موضع پارہ)	غازی پور	۲۵ر	
۸۷۷	" شاکرہ بی بی صاحبہ "	"	۲۵ر	
۸۷۸	" بیگم صاحبہ سید نجف علی صاحب مرحوم "	"	۲۵ر	
۸۷۹	" کرامت خان صاحب	"	۱۳ر	
۸۸۰	" لن میاں صاحب (سادات بھنیڑہ)	فتحپور	۱۵ر	
۸۸۱	" سید احمد حسین صاحب (سادات پچی)	"	۱۰ر	
۸۸۲	" سید محمد حسین صاحب "	"	۱۰ر	
	تصحیح سرفراز مورخہ ۲۵ رمئی ۱۹۶۰ء (۱) سلسلہ ۵۸۸ تا ۹۵ میں سکونت موضع متصل ارار اپور ہونا چاہیئے (۲) سلسلہ ۶۱۱ میں ۵۰ر کرر طبع ہو گیا ہے (۳) سلسلہ	میزان : میزان سابق :	۷۴۰ ۔ ۲۸۳ ۔ ۹ ۔ ۵	

امامیہ مشن کی ممبری قبول فرما کر نصرت اہلبیت علیہم السلام کا فریضہ ادا کیجئے

تفصیل چندہ ممبری کی

(۱) سرپرستان ادارہ۔ کم از کم پانچسو روپیہ یکمشت یا ایک ہزار شلنگ
(۲) مربیان ادارہ۔ کم از کم سو روپیہ یکمشت یا دو سو شلنگ
(۳) ارکان دوامی (لائف ممبری) کم از کم پچاس روپیہ یکمشت یا باقساط یا سو شلنگ
(۴) ارکان خصوصی۔ کم از کم پانچ روپیہ سالانہ یا دس شلنگ سالانہ
(۵) ارکان عمومی۔ کم از کم ایک روپیہ سالانہ یا دو شلنگ سالانہ

حقوق ممبران

سرپرستان و مربیان کی خدمت میں رکنیت کے قبل و بعد کے تمام رسائل بلا طلب بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں (موجودہ اسٹاک)

ممبران دوامی کی خدمت میں بھی ممبری کے بعد شائع ہونے والے تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں اور قبل کے شائع شدہ رسائل اگر خریدنا چاہیں تو صرف نصف قیمت لی جاتی ہے۔

ممبران خصوصی کی خدمت میں بھی ممبری کے بعد شائع ہونے والے تمام رسائل بلا طلب و بلا قیمت ارسال ہوتے ہیں مگر قبل کے شائع شدہ رسائل کی پوری قیمت لی جاتی ہے۔

ممبران عمومی کو ممبری کے بعد شائع ہونے والے تمام رسائل بشرط طلب صرف نصف قیمت پر دیئے جاتے ہیں اور سابقہ رسائل اگر خریدنا چاہیں تو پوری قیمت چارج کی جاتی ہے۔

نوٹ:۔ ممبران عمومی و خصوصی کو ملحوظ رہے کہ مشن کا مالی سال یکم محرم سے شروع ہو کر ماہ ذی الحجہ میں ختم ہوتا ہے لہذا ہر سال ماہ محرم میں اپنا چندہ ضرور ارسال فرما دینا چاہیئے۔ جو ممبران اثنائے سال میں ممبری قبول فرمائیں گے ان کو یکم محرم ہی سے ممبر متصور کیا جائے گا اور محرم ہی سے رسائل میں رعایت بھی دی جائے گی۔ نیز ان کا سال ماہ ذی الحجہ ہی میں ختم ہو جائے گا۔

پوسٹل آرڈر یا چیک کراس نہ ہونا چاہیئے بلکہ (چندہ) کے ذریعہ حسب ذیل پتہ پر ارسال ہو۔ پوسٹل آرڈر یا تو سادے ارسال ہوں یا ان پر سکریٹری امامیہ مشن سرفراز پوسٹ آفس لکھنؤ تحریر ہو۔

زر چندہ کے ساتھ مزید آٹھ آنے بغرض صرفہ رجسٹری رسائل بھی ضرور ارسال فرمائیے یعنی ممبران خصوصی پانچ روپیہ آٹھ آنے کا منی آرڈر روانہ کریں۔

سکریٹری امامیہ مشن لکھنؤ (ہندوستان)

ایامِ عزا کی رونق

حسینؑ مظلوم پر گریہ ہے

اور گریہ

حدیث خوانی، مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی ہی کے ذریعہ ہو سکتا ہے، ذیل میں حدیث مرثیہ اور نوحہ کی ان کتابوں کی فہرست دی جا رہی ہے جنکی بلند معیاری کیلیے آپ ہم پر بھروسہ کر سکتے ہیں

مجالس الشیعہ

خطیب اعظم ہند و پاک، ذاکر شام غریباں، مولانا سید کلب حسین مجتہد کی ترتیب دی ہوئی دس مجلسیں۔ یہ دس مجلسیں زرنگار ہیں، ان میں تاریخ بھی ہے اور فلسفہ بھی، کلام بھی ہے اور مناظرہ بھی، فضائل کے علمی نکات بھی درج ہیں اور مصائب کے درد انگیز گوشے بھی، ایسی مجلسیں بھی ہیں جو مناظرہ کی چاشنی لیے ہوئے اور ایسی بھی کہ جن کو آپ جس مجمع میں چاہیں پڑھ سکتے ہیں۔ کاغذ عمدہ بہترین طباعت اعلیٰ کتابت قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

عروج مختار مع ربط مصائب

مصنفہ مولانا ریاض الحسن موسوی

حالات امیر مختارؒ مجالس کی شکل میں۔ ہر مجلس کی ابتدا آیات قرآنی سے، درمیان میں حالات مختارؒ اور آخر میں ربط مصائب شہدائے کربلا۔ خواہ مطالعہ فرما کر اپنی معلومات میں اضافہ فرمایئے اور خواہ ذاکری فرما کر خود بھی مثاب ہو جیئے اور دوسروں کو بھی مثاب بنا لیے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ

ذخیرہ مجالس۔ مختلف علماء اور واعظین کے ترتیب دیئے ہوئے مسودات قیمت عہ

تحفۂ ماتم (چہل مجلس) قدیم رنگ میں ذاکری کی مشہور کتاب۔ مطبوعہ نولکشور قیمت آٹھ روپیہ ۸/-

ذاکرین کی پہلی کتاب ۔ از مولانا سید علی نقی مجتہد حصہ اول ۱۰/ حصہ دوم ۱۰/
ذاکرین کی دوسری کتاب " " " ۱۲/
مجالس خاتون ۔ از مولانا سید علی حیدر صاحب مدیر اصلاح جلد اول ۳/ جلد سوم ۱۱/

مرثیے

روح انیس ۔ مرتبہ پروفیسر مسعود حسن رضوی	۱۱/	وقار انیس	سات مرثیے	۵/
رزم نامہ انیس	۷/	معیار کامل	سات مرثیے	۶/
افکار عشق	غیر مطبوعہ سات مرثیے	۶/	آثار عشق	غیر مطبوعہ مرثیے	۶/
اشعار دبیر	غیر مطبوعہ دو مرثیے	۴/	نگار نفیس	سات منتخب مرثیے	۶/

سوزخوانی کے مرثیے ۔ فی عدد ۱/ ۴۰ عدد کا مکمل سٹ ۳۰/

نوحوں کی بیاضیں

فضل لکھنوی کے نوحوں کی بیاضیں جن کے معقول نوحے ہر اس جگہ پڑھے جاتے ہیں جہاں اردو سمجھی یا بولی جاتی ہے

موج فرات جلد اول	۱۲/	جلوۂ فرات	۱۲/
موج فرات جلد دوم	۱۲/	شمع فرات	۱۲/
موج فرات جلد سوم	۱۲/	انقلاب فرات	۱۲/
موج فرات جلد چہارم	۱۲/	صحیفۂ ماتم	۱۲/
موج فرات جلد پنجم	۱۲/	عروج فرات	۱۲/
روح فرات	۱۲/	طوفان فرات	۱۲/

کچھ دیگر شعراء کی بیاضیں
(قرار لکھنوی)

شہیدان فرات ۱۲/ پیاس ۸/ سچے آنسو ۱۰/ معرکۂ فرات ۸/ داستان کربلا ۸/ مظلومین نینوا ۸/

آیات ماتم ۔ نجم آفندی	۱۲/	اشارات غم ۔ (مکمل سٹ)	۳۰/
انیس کربلا رمیر انیس وغیرہ کا مکمل سٹ)	۱۰/	دبستان کربلا ۔ (دبیر)	۵/
آنسو یاور بخاری	۸/	تصویر عاشور (مجلد)	۳/

ہر کتاب کا محصول ڈاک علیحدہ ہوگا
اپنی فرمائشیں اس پتہ پر ارسال فرمائیے

مکتبۂ ایمان جوہری محلہ لکھنؤ

داخلہ

ڈگری طبیہ کالج۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مطبوعہ قواعد داخلہ اسسٹنٹ رجسٹرار (اکزیکیٹو) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے مبلغ ایک روپیہ بھیج کر طلب کیا جا سکتا ہے۔ اس کے آخر میں داخلہ کا مطبوعہ فارم منسلک ہے۔

فارم داخلہ مکمل ہو کر مع اسناد سرٹیفکٹ اور فوٹو وغیرہ کے ۴ جولائی سنہ ۱۹۶۰ء تک دفتر پرنسپل طبیہ کالج میں پہنچ جانا ضروری ہے۔

تمام امیدواران کو ۱۸ جولائی سنہ ۶۰ء کو بوقت ۱۰ بجے صبح دفتر پرنسپل طبیہ کالج علی گڑھ میں انٹرویو کمیٹی کے سامنے مقررہ تاریخ پر حاضر ہونا پڑے گا اور کمیٹی مذکورہ کے قطعی فیصلہ کے بعد داخلہ مکمل ہو سکے گا۔

انٹرویو میں منتخب شدہ امیدواران کو اپنا داخلہ ۳۱ جولائی سنہ ۶۰ء تک مکمل کرا لینا ضروری ہوگا۔ بعد ازاں داخلہ ناممکن ہوگا۔ اس لئے انٹرویو کے وقت ہر امیدوار کو پراسپکٹس کے مطابق جملہ اخراجات اور سامان وغیرہ لے کر اپنے ساتھ یہاں آنا چاہیئے۔

جو امیدوار انٹرویو کمیٹی کے سامنے مقررہ تاریخ پر حاضر نہ ہوں گے وہ داخلہ کے مجاز نہ ہوں گے۔

امسال ۴۰ لڑکے اور ۱۰ لڑکیوں کے داخلہ کا انتظام کیا گیا ہے۔ دفتر میں پہلے پہنچنے والی درخواستوں پر پہلے غور کیا جائے گا۔

پرنسپل

طبیہ کالج۔ مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ

فضائلِ اہلِ بیت

مولفہ :- محمد عسکری صاحب

یہ کتاب ان لوگوں کے لئے نہیں ہو جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ و بارک وسلم سے محبت ہی نہیں رکھتا اور جن کے تاریک دل میں آپ کا حقہ عظمت ہی نہیں ہو. یہ کتاب صرف ان حضرات کے لیے لکھی گئی ہے جن کے قلوب سرور کونین کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اس میں جو کچھ جمع کیا گیا ہے وہ شہنشاہ کونین کے اہل بیت اطہار کے مناقب ہیں. بہشت کے سردار اور جنت کے گل ہائے خندہ کے مناقب ہیں. رسول خدا کے لخت ہائے جگر کے مناقب ہیں. ان کے مناقب ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے سلام بھیجا اور جو فضیلت تطہیر کے اہل ہیں. مناقب ہیں ان مقدس ہستیوں کے جن کی محبت فرض الٰہی ہے. یہ فضائل ان کے ہیں جن کو مباہلہ کے لئے منتخب کیا گیا. یہ فضائل رکھتا ہے. اُن کے ہیں کہ جن کا مقدس نام عرش الٰہی پر لکھا ہوا ہے.

تمام اہل بیت اطہار کے حالات، مناقب و فضائل مستند کتابوں کے حوالہ سے
یکجا کر کے مسلمانوں کے لئے ایک ایسی کتاب پیش کی گئی ہے جسے
پڑھ کر اہل بیت اطہار کی عظمت کا صحیح اندازہ ہو سکے گا.

کتاب زیر طبع ہے اور غالباً ستمبر ۵۶ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہو کر نسیم بک ڈپو لکھنؤ سے مل سکے گی

مسلمان بہو بیٹیوں کیلئے

نیک خیالات اور پاکیزہ مضامین پیش کرنے والا

ماہنامہ **حریم** لکھنؤ

جو ملک کے مشہور اصلاحی ناول نگار نسیم انہونوی کی ادارت میں گزشتہ ۲۰ سال سے برابر شایع ہو رہا ہے تنہا یہی واحد رسالہ ہے جو بلا تکلف ہر گھر میں جا سکتا ہے اور جسے والدین اپنی لڑکیوں کے لئے خرید کر لاتے ہیں. خانہ داری سے متعلق تمام چیزیں. سلائی. کڑھائی اور بنائی وغیرہ پر مفصل معلومات مضامین شایع ہوتے ہیں.

چندہ سالانہ چھ روپیہ دو آنے، نمونہ ٦/

آپ کے بچوں کیلئے

دلچسپ اور مفید مضامین کے ساتھ شایع ہونیوالا

ماہنامہ **کلیاں** لکھنؤ

جو شمیم انہونوی (ایم-اے) کی ادارت میں گزشتہ چھ سال سے برابر شایع ہو رہا ہے اپنے بچوں کو اردو سے دلچسپی لینے کے لئے کلیاں کی خریداری قبول فرمائیں. اس کے مضامین، کہانیاں، نظمیں اور کارٹون وغیرہ بچوں کیا بوڑھوں کو بھی پسند آتے ہیں.

چندہ سالانہ صرف چار روپیہ نمونہ ۵/

ریلوے اسٹیشن کا نام صاف صاف تحریر کیجئے

فہرست کتب نظامی پریس اینڈ بک ایجنسی

تحفۃ العوام مکمل مستند
مصدقہ علمائے کرام مدظلہم
مع بعض ضروری اضافوں کے
مع اضافہ ... ارم
عمدہ ... اور عمدہ طباعت کے ساتھ
... استخارہ سجادیہ
... اقوال ائمہ معصومین
سائز ... کاغذ سفید گلیز
قیمت ۔۔۔ للعہ

وظائف الابرار کامل
نہایت صاف اور نفیس طباعت
عربی عبارت خوب جلی
کہ بزرگ حضرات آسانی سے تلاوت کر سکیں سائز ۱۸×۲۲/۸ کاغذ سفید
مع اضافہ اعمال عاشورا
قیمت ۔۔۔ ۸ ؎

ذخیرۂ مناقب
مع ہفت بند ملا کاشی علیہ الرحمہ
کتابت خوب جلی طباعت عمدہ
کاغذ سفید گلیز سائز ۱۸×۲۲/۸
بالکل نیا اڈیشن
قیمت :۔ ایک روپیہ بارہ آنے ۱۲؍۱

جواہر البیان
مصائب و فضائل ائمہ معصومین کا لاجواب ذخیرہ مولفہ ابو البیان مولانا اکبر مہدی صاحب سلیم جرولی اعلی اللہ مقامہ
سائز ... خوب جلی تاکہ ضعیف لوگ آسانی سے پڑھ سکیں
ہندوستان میں کوئی جگہ اور کوئی بستی ایسی نہیں جہاں چہاردہ معصومین علیہم السلام کی تاریخ ولادت میں فضائل کی مجلسیں اور شہادت کی تاریخ میں مجالس عزا نہ ہوں۔ ان مجالس میں پڑھنے کے لئے یہ نسخہ "جواہر البیان" تیار کیا گیا۔ اس میں چہاردہ معصومین کی شان میں ... اس کے مضامین نہایت سلیس ... لکھے گئے ہیں کہ بیان اور کم استعداد لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوں۔ تمام واقعات تاریخ اور احادیث سے مع حوالجات ... گئے ہیں اور نکات بھی ایسے ... ہر کتاب ... اس کتاب کا ہر مسودہ ... سے بنایا گیا ہے ... فضائل اور مجلس عزا ... ہر مسودہ آیات قرآنی ... مجالس کی کوئی کتاب ... خوبی سے نہیں چھاپی گئی قیمت ...

شیعہ بچوں کی نماز نہایت صاف چھپی ہوئی، ہر حرف علیحدہ علیحدہ تاکہ بچوں کے پڑھنے میں آسانی ہو قیمت ۳؍

مجالس انیس جلد اول للعہ ۹ انیس جلد دوم ۸؎ انیس جلد سوم ۵؎ جلد چہارم ۸؎
تفسیر ... شرح مختار واقعات امیر مختار ۸؎ مجالس الشیعہ مولوی السید یاور حسین صاحب قبلہ ...
نقوش کربلا از حضرت ... مدظلہ ... مجالس خاتون
مجالس خاتون از مولوی مولانا محمد باقر صاحب قبلہ ... جلد اول ... جلد دوم ... للعہ
تحفۂ مصائب نظم و نثر خوانی کی بہترین کتاب، سلیس عام فہم اردو میں ... ۱۲؍
چہل مجلس بہت مقبول کتاب ہے (نیا اڈیشن) ... (مطبوعہ نول کشور پریس) ... ۸؎

قرآن ناطق حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی سوانح حیات قیمت ۸؎
اعجاز الولی از مولوی محمد باقر صاحب قبلہ ... ۸؎
دینیات جلد اول از مولوی زمان علی صاحب قبلہ اعلی اللہ مقامہ ۳؍ جلد دوم ۱۲؍ جلد سوم ۸؎
دعائے نور مترجم مترجمہ مولوی سید نجم الحسن صاحب قبلہ کراروی مدظلہ ... ۴؍
دعائے صباح مترجم ۴؍ ... تہائی جناب سیدہ ... ۳؍

نظامی پریس میں طباعت کا کام نفاست کے ساتھ انجام پاتا ہے

نظامی پریس لکھنؤ ۔ ۱۰۰۱